# کتاب التقدیر

اردو

# شفاء العلیل

ابن القیم جوزی

حصہ دوئم

شمع بک ایجنسی
اولمپک پلازہ
الکریم مارکیٹ
اردو بازار لاہور

# کتاب التقدیر

اردو

# شفاء العلیل

حصہ دوم

## ابن القیم جوزی

شمع بک ایجنسی
اولمپک پلازہ
الکریم مارکیٹ
اردو بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب ———— شفاء العلیل
98358
مصنف ———— ابن القیم جوزی
نظر ثانی ———— قاری محمد یحییٰ، نصیب احمد
ناشر ———— صابر حسین
اشاعت ———— ۱۹۹۹ء
تعداد ———— ایک ہزار
کتابت ———— کیلانی
قیمت ———— روپے

Marfat.com

# فہرست مضامین

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| ۱۹ انیسواں باب — سنی اور جبری کے اس مناظرہ کے بیان میں جو ایک مجلس علمیہ میں واقع ہوا تھا۔ | ٦ |
| ۲۰ بیسواں باب — قدری اور سنی کے مناظرہ کے بیان میں۔ | ۵۴ |
| ۲۱ اکیسواں باب — اس امر کے بیان میں کہ قضائے الٰہی شر سے منزہ اور پاک ہے | ۱۶۱ |
| ۲۲ بائیسواں باب — منکرین حکمت کے شبہات کی تفصیل اور ان کے جوابوں کے بیان میں۔ | ۲۷۱ |
| ۲۳ تیئسواں باب — اللہ تعالیٰ کے خلق اور امر میں حکمت ثابت کرنے کے طریقوں اور ان غایات مطلوبہ و عواقب حمیدہ کے بیان میں جن کی وجہ سے خلق یا امر کا ظہور ہوا۔ اور اس کتاب کا یہ نہایت ضروری اور عظیم الشان باب ہے۔ | |
| ۲۴ چوبیسواں باب — سلف صالحین کے اس کے قول کے بیان میں کہ تقدیر کے خیر و شر تلخ و شیریں پر ایمان لانا ایمان کے اصول میں سے ہے۔ | ۵۰۹ |
| ۲۵ پچیسواں باب — اس امر کے بیان میں کہ شر کے | ۵۱۱ |

Marfat.com

| مضامین | صفحہ |
|---|---|
| فعل اور اس کے ارادہ کو اثبات یا لنفی کے طور پر اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔ | |
| ۲۶ **چھبیسواں باب** | ۵۲۱ |
| ان امور کے بیان میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ سے ثابت ہوتے۔ اور اس کے اثبات کی تحقیق اور ان اسرار عظیمہ کے بیان میں جن کو حدیث مذکور متضمن ہے۔ | |
| ۲۷ **ستائیسواں باب** | ۵۲۸ |
| اس امر کے بیان میں کہ اللہ سبحانہ کے قضاء و قدر۔ عدل توحید اور حکمت پر ایمان لانا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ماضی فی حکمت عدل فی قضاؤک کے تحت میں داخل ہے اور نیز ان قواعد اور اصول شرع کے بیان میں جو اس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں | |
| ۲۸ **اٹھائیسواں باب** | ۵۴۳ |
| رضاء بالقضاء کے احکام اور اس مسئلہ میں لوگوں کے اختلاف اور محقق قول کے بیان میں۔ | |
| ۲۹ **انتیسواں باب** | ۵۵۲ |
| قضاء۔ حکم۔ ارادہ۔ کتاب امر۔ اذن۔ جعل۔ کلمات۔ بعث۔ ارسال۔ تحریم اور انشاء کی تقسیم کے بیان میں کہ ان میں سے ہر ایک دو قسم ہیں۔ ایک کونی جو اللہ سبحانہ کی صفت خلق سے متعلق ہے اور دوسرا دینی جو صفت امر سے تعلق رکھتا ہے اور اشتباہ اور اشکال کے دور کرنے اور ان کی تحقیق کے بیان میں۔ | |


Marfat.com

| مضامین | صفحہ | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۳۰ **تیسواں باب** فطرت اولیٰ۔ اس کے معنی۔ اس کے متعلق لوگوں کے اختلاف | ۵۶۶ | اور اس امر کے بیان میں کہ یہ قضاء و قدر میں شقی اور گمراہ ہونے کے خلاف اور منافی نہیں۔ | |


Marfat.com

# اُنیسواں باب ۱۹

## سنی اور جبری کے اس مناظرہ کے بیان میں

## جو ایک مجلس علمیہ میں واقع ہوا تھا

جبری نے کہا کہ توحید کے ماننے کے لیے یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ بندہ اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے اُس کے بدوں توحید کامل اور درست نہیں ہوسکتی کیونکہ جب بندہ مجبور محض نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اُس کو فاعل افعال کہا جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایک اشخاص کو فاعل حوادث کہنا پڑے گا۔ جو اپنے ارادہ سے چاہیں تو اُن حوادث کو صادر کریں۔ اور اگر نہ چاہیں تو نہ صادر کریں اور یہ صاف شرک ہے قول بالجبر کے سوا اِس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ سُنی نے جواب دیا کہ قول بالجبر توحید کے مخالف ہے۔ اور نہ توحید کے مخالف ہونے کے علاوہ تمام آسمانی شرائع اور ادیان۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ثواب وعقاب کے خلاف ہے۔ اگر قول بالجبر صحیح ہو تو تمام شرائع لغو اور بیکار ہوں گے اور امر ونہی بے سُود اور فضول ٹھیرینگے اور اس سے لازم آئے گا۔ کہ ثواب وعقاب بھی کوئی چیز نہ ہو جبری نے جواب دیا کہ جبر کو امر ونہی اور ثواب وعقاب کے مخالف کہنا تو کوئی عجیب اور نئی بات نہیں کیونکہ ہم کو ہمیشہ سے یہی جواب دیا جاتا ہے لیکن تمہارا یہ دعوے کرنا کہ یہ توحید کے بھی مخالف ہے۔ ایک عجیب بات ہے کیونکہ جبر تو توحید کی ایک نہایت زبردست اور قوی دلیل ہے۔ پس جو چیز کسی چیز کے اثبات کے

Marfat.com

لیے قوی دلیل ہو۔ وہ اس کے منافی اور مخالف کیسے ہو سکتی ہے۔ سنی نے جواب دیا کہ جبر کا توحید کے مخالف ہونا نہایت ظاہر اور روشن ہے۔ بلکہ امر اور نہی سے مخالف ہونے کی نسبت توحید سے اس کا مخالف ہونا زیادہ واضح ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ توحید کا اصل اصول یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کیا جائے۔ اور اعتقاد جبر ان دونوں جملوں کے خلاف ہے کیونکہ اللہ اس ذات مقدس کا اسم پاک ہے جو تمام صفات کمال اور نعوت جلال سے موصوف ہے اور قلوب عباد اس پر فریفتہ اُس کے شیدائی اور اُس کے خوف و رجا میں ہراساں اور امیدوار ہیں پس وہ توحید جس کو انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمایا وہ یہی ہے کہ ایک خدائے پاک کے سامنے کمال درجہ کی عاجزی۔ ذلت اور فروتنی ظاہر کی جائے۔ اور نہایت محبت توجہ اور پوری کوشش کے ساتھ اس کے احکام کی پیروی کی جائے اور اُس کی اطاعت اور رضا جوئی اور اُس کی خوشنودی کے حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ اور ان کاموں کی بجاآوری میں جو اسے پسندیدہ اور محبوب ہیں کسی مخلوق کی محبت اور خوشنودی سدّ راہ نہ ہو۔ غرض اس کی اطاعت میں کسی کی پروا نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا موضوع یہی ہے اور اُسی کی طرف انہوں نے تمام اُمتوں کو ہدایت کی۔ اور یہی وہ توحید ہے جس کے سوا اللہ تعالیٰ کسی شخص سے کوئی دین قبول نہیں فرماتا۔ اسی توحید کا اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا۔ اور اسی توحید کیلئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اور اسی کی طرف اپنے بندوں کو بلایا۔ اور اسی توحید کی وجہ سے دوزخ و بہشت بنائے کہ جو لوگ اس کو قبول کریں گے ان کو بہشت میں جگہ ملیگی۔ اور جو انکار کریں گے۔ اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ اور اسی توحید کی تکمیل و تحصیل کے لیے مختلف شریعتیں بنائیں اور اے جبری تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں

Marfat.com

اور نہ وہ کچھ کر سکتا ہے اور نہ اُسے کسی چیز پر کچھ قدرت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو کسی کام کا حکم کرنا تمہارے خیال میں ایسا ہے جیسا کسی محال کام کی بجا آوری کا حکم کرنا جو اُس کی طاقت سے باہر ہے بلکہ تم تو یوں کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی ذات مقدس کے افعال ایجاد کرنے کا حکم کرتا ہے جو بندے کی وسعت سے باہر ہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو توحید وغیرہ احکام کا امر فرماتا ہے اور ساتھ اس کے کبھی اس کو ان کے مخالف کاموں کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور اُن احکام کی بجا آوری میں خود آڑ بنجاتا اور اس سے مانع اور حاجب ہو جاتا ہے غرض اُن کی بجا آوری کے لیے اُس کے واسطے کوئی صورت اور سبیل باقی نہیں چھوڑتا۔ سب راستے بند کر دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص محبت نہیں کر سکتا۔ تو بتلاؤ۔ کہ اب قلوب عباد اس کی محبت، شوق، طلب اور اس کی ذات کی طرف توجہ کرنے میں کیونکر فریفتہ اور شیدائی ہوں گے۔ توحید ایک ایسا مفہوم ہے جو الوہیت اور عبودیت دونوں کے اثبات کو شامل ہے۔

پس اے جبری تمہارے اس کلام سے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ تا کہ قلوب عباد کو اُس کی محبت کا ولولہ پیدا ہو اور اس کی ذات پاک کی طلب اور اُس کے دیدار پر انوار کا شوق اُن میں جاگزین ہو صاف طور پر الوہیت کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ اور ادھر اس قول سے کہ کوئی بندہ درحقیقت فاعل۔ عابد۔ اور محب نہیں ہو سکتا۔ صرف مجاز کے طور پر ان صفات سے موصوف کیا جاتا ہے، کھلم کھلے عبودیت کا انکار لازم آتا ہے۔ پس جبر کا قول کرنے اور اللہ سبحانہٗ کی ذات کے محبوب اور مطلوب ہونے سے انکار کرنے سے توحید کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ خاصکر جب تم نے اللہ تعالیٰ کی ایک

Marfat.com

ایسی صفت بیان کی ہے۔ جس سے قلوب عباد کو خدا سے تنفر پیدا ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کے دلوں کے درمیان حائل اور حاجب ہو جاتی ہے۔

یعنی تو نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ایسے کام کا حکم کرتا ہے جو اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اس کو ایسی چیز سے منع کرتا ہے جس کا چھوڑنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ بلکہ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے افعال پیدا کرنے کا اور اسے باز رہنے کا حکم کرتا ہے اور باوجود اس کے بندے کو ترک امتثال یعنی احکام کے بجالانے پر سخت معذب کریگا بلکہ یوں کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ کی ذات کے افعال پیدا نہ کرنے پر بندے کو معذب کرے گا اور تم نے اسی بات کی بھی تصریح کردی ہے کہ اللہ کا بندیکو ترک اوامر فعل منہیات پر عذاب کیا جائے کہ وہ آسمان کی طرف کیوں نہ اڑا یا اس نے پہاڑوں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ کیوں نہ رکھ یا سمندر کے پانی کو اپنی جگہ سے منتقل کیوں نہ کردیا۔ اور نیز یہ عذاب ایسا ہوگا۔ جیسا کہ بندے کے اُن صفات پر اسے عذاب کیا جائے۔ جن میں اس کو کوئی دخل نہیں۔ مثلاً اس بات پر عذاب کیا جائے کہ وہ اپنے قد میں چھوٹا یا بڑا کیوں ہوا یا اپنے رنگ میں گورا یا سیاہ کیوں نہ بنا۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ کہ وہ ایسے شخص کو سخت عذاب میں مبتلا فرمائے۔ جس نے کبھی ایک لمحہ بھی اس کی نافرمانی نہ کی ہو۔ اور اس کی حکمت اور رحمت اس کے مخالف نہیں۔ اور نہ وہ اس سے مانع ہو سکتی ہیں۔ بلکہ ایسا کرنا اللہ سبحانہ کے نزدیک (تمہارے خیال میں) جائز ہے۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو۔ کہ اگر اللہ سبحانہ یہ بیان نہ فرماتا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ تو ہم اس کو اس سے منزہ نہ ٹھیراتے اور تم بھی یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ کے اپنے بندوں کو تکالیف احکام دینے کی مثال ایسی ہے جیسے اندھے کو لکھنے

Marfat.com

کی تکلیف دی جائے یا نیچے کو اڑنے کے لئے کہا جائے۔ پس جس شخص کو تم نے یہ اعتقاد سکھلا دیا۔ تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفرت اور اس کی بغض و عداوت کو خوب بھر دیا۔ باوجود اس کے تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ تم اس طور سے توحید کو ثابت کرتے ہو۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہو کہ تم نے تو شجرہ توحید کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ جبر کا ادیان اور شرائع سے مخالف ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ اسی میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ اور اخفا نہیں کیونکہ شرائع کا دارومدار امرونہی پر ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ آمر کا امر اور نہی کرنے والے کی نہی اگر مامور اور منہی کے افعال سے متعلق نہ ہو۔ بلکہ وہ امر اور نہی خود آمر اور ناہی کے افعال ہی سے متعلق ہیں تو ایسے امر اور نہی بالکل لغو۔ فضول اور عبث ہیں۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ امر و نہی بندے کے فعل۔ اُس کی طاعت و معصیت سے متعلق ہیں۔ پس جب تمہارے خیال کے مطابق، بندہ کسی فعل کے صادر کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ طاعت یا معصیت کس طرح کر سکتا ہے۔ جب طاعت و معصیت کا وجود نہ رہا۔ تو ثواب و عقاب بھی باطل ہوا۔ اور اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اللہ سبحانہٗ قیامت کے دن اپنے بندوں میں سے بعض کو جو بہشت میں داخل فرما کر طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال کرے گا۔ اور بعض کو دوزخ میں ڈال کر گوناگوں عذاب میں مبتلا کرے گا۔ تو یہ محض اُس کی مشیت اور ارادہ سے واقع ہوگا۔ اور دنیا میں جو کسی نے طاعت میں عمر گذاری اور کوئی نافرمانی پر کمربستہ رہا۔ تو ان امور کو بہشت و دوزخ میں داخل ہونے سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہوگا۔ اور نیز جبر کا اعتقاد کرنا جس طرح کہ امر و نہی کے مخالف ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صنعت خلق کے خلاف ہے اور اللہ سبحانہٗ خلق و امر دونو صفتوں سے موصوف ہے کیونکہ آسمان و زمین کا قیام محض

Marfat.com

اس کے عدل سے ہے پس خلق کا ظہور اور قیام اللہ تعالیٰ کے عدل سے ہے۔ جیسے کہ امر کا وجود اور ظہور بھی اس کے عدل ہی سے ہے۔ غرض خلق اور امر دونو کا سبب اور ان کی علت غائی عدل ہے۔ اور جبر عدل کے شرع اور توحید سب کے خلاف ہے۔ جبری بولا کہ بھائی تم نے بہت بڑی بات بیان کی ہے اور تم نے دو مواقع چیزوں کو باہم متناقض قرار دیا اور دو متلازم شے کو آپس میں مخالف ٹھیرایا ہے۔ کیونکہ ادلہ عقلیہ اور نقلیہ اور شرائع یہ سب جبر کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ پس جس چیز کے ثبوت پر عقل و نقل دلالت کرے تو وہ عقل اور شرع کے مخالف کیسے ہو سکتی ہے۔ جبر کے ثبوت کی ایک ظاہر و باہر دلیل میں بیان کرتا ہوں اس کو کان لگا کر سنو۔ اسکے بعد چند مثالیں بیان کروں گا۔
وہ دلیل یہ ہے کہ اسباب اور قدرت کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود واجب اور ضروری ہے یا نہیں اگر واجب اور ضروری ہے تو بندے کے فعل کا صدور اضطراری ہوا۔ اور جبر کا یہی معنی ہے کیونکہ قدرت اور اسباب کا وجود بندے کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے ورنہ تسلسل لازم آئیگا اور تسلسل کا محال ہونا بدیہی اور ظاہر ہے اور جب قدرت اور اسباب کا وجود بندے کے اختیار اور قدرت سے باہر ہے اور ان کے حاصل ہونے کے وقت فعل کا صدور اور وجود ضروری اور ان کے موجود نہ ہونے کے وقت اس کا صدور محال ہے تو لازم آیا کہ بندہ افعال کے صدور میں مجبور محض ہے۔ اور اگر قدرت اور اسباب کے موجود ہونے سے فعل کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔ تو اب فعل کے وجود کے لیے کسی مرجح کا ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر مرجح کا ہونا ضروری ہے تو جب وہ مرجح موجود ہوگا تو اس وقت فعل کا وجود ضروری ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔ اور تسلسل محال ہے۔ پس جب مرجح کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوا۔ تو لازم آیا کہ اس کا صدور اضطراری ہے اور جبر کا یہی معنی ہے۔ اور اگر اس کے وجود کے

Marfat.com

لیے کسی مرجح کی ضرورت نہیں تو اس کا موجود ہونا اور نہ ہونا دو جائز ہوں گے اور جب بدوں کسی مرجح کے موجود ہوگا تو لازم آئیگا کہ اکثر بدوں مؤثر کے موجود ہوا اور یہ محال ہے۔ اور اگر تم یہ جواب پیش کرو۔ کہ فعل کے وجود کے لیے بندے کا ارادہ مرجح ہوتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ بندے کا ارادہ بھی تو حادث ہے اس کے پیدا ہونے کے لیے بھی کسی مرجح کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس طرح تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ تمہارا کاری تیر (یعنی تمہاری بڑی دلیل یہی ہے مگر بحمداللہ تمہارا یہ تیر پھل اور پر سے خالی ہے اور اس کے ساتھ ہی ٹیڑھا اور غیر مستقیم ہے اور ہم تجھ سے اُن الفاظ مجملہ کے معنی دریافت کرتے ہیں جن کو تم نے اپنی اِس دلیل میں استعمال کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس دلیل کا سقم ظاہر کریں گے۔ تمہارے اِس کلام کا کیا مطلب ہے (کہ اگر قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے ۔۔۔۔۔ تو بندے کے فعل کا صدور اضطراری ہے۔ اور جبر کا یہی معنی ہے) آیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت صدور افعال میں بندہ ایسا مضطر ہو جاتا ہے جیسا وہ شخص بدوں اختیار حرکت کرتا ہے جیسے مرض رعشہ عارض ہو یا وہ شخص جس کو تپ لرزہ آئے یا وہ شخص جو اونچی جگہ سے نیچے کو گرا دیا جائے یا تمہارا یہ مطلب ہے۔ کہ قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ مگر وہ بندے کے اختیار اور ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اگر پہلا معنی ارادہ کرتے ہو تو یہ بات عقل۔ فطرت۔ حس اور مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی نادان بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ کہ جو شخص پہاڑ سے نیچے گرا دیا

Marfat.com

جائے اور جو اپنے ارادہ سے اُس کے اوپر چڑھ رہا ہو۔ دونوں کی حرکت یکساں ہے اور کوئی بے وقوف سے بے وقوف یہ بات نہیں کہتا کہ مریض رعشہ اور اپنی مرضی سے تالی بجانے والے کی حرکت میں کچھ فرق نہیں اور اسی طرح یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ زانی۔ سارق۔ مجاہد۔ مصلی کے افعال و حرکات اور اُس شخص کی حرکت جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر گھسیٹا جائے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے بندوں کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت سے ان چیزوں کے درمیان بیّن تفاوت اور ظاہر فرق ظاہر پاتا ہے۔ پس جو شخص ان چیزوں کی مساوات کا قائل ہو۔ تو وہ شریعت کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل اور فطرت کا مخالف اور مشاہدہ اور تجربہ کا منکر ہے۔ اور اگر دوسرا معنی مراد ہے۔ تو یہ معنی بندے کے مختار ہونے کے منافی اور مخالف نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ صدور افعال میں مجبور اور مضطر ہے اور اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اگر تمہاری دلیل صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی افعال کے صدور میں مجبور و مضطر ہو کیونکہ یہ دلیل بجمیع مقدمات باری تعالیٰ کی نسبت بھی جاری ہو سکتی ہے مگر اللہ سبحانہ کا اپنے افعال میں مجبور مضطر ہونا تو محال ہے کیونکہ وہ تو اپنی قدرت ارادہ اور مشیت سے اپنے افعال صادر کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بعض تمہارے ہم خیال لوگ اس الزام کو مان کر اس کا جواب بھی بیان کرتے ہیں۔ مگر ان کا جواب بالکل بیہودہ اور فضول ہے۔ چنانچہ ابن خطیب نے اس شبہ کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے۔ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے کا بطلان لازم آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے ارادہ کے درمیان یہ فرق ہے

Marfat.com

کہ بندے کا ارادہ تو حادث ہے۔ اِس لیے وہ اپنے حدوث اور صدور میں دوسرے ارادہ کا محتاج ہو گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور محدث کہنا پڑے گا۔ ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے وہ دوسرے ارادہ کا محتاج نہیں ہو گا۔ اور اس فرق اور تفاوت کو صاحبِ تحصیل نے اس طرح ٹرد کیا ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس فرق کرنے سے وہ تقسیم جو دلیل مذکور میں بیان کی گئی ہے دمندفع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس تقسیم کا ماحصل یہ ہے کہ قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے۔ اور ان کے نہ ہونے کے وقت اس کا عدم ضروری ہے۔ پس یہ تقسیم بندے اور اللہ تعالیٰ دونوں کی نسبت یکساں جاری ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا قدیم غیر مخلوق اور ذات باری کے لوازم سے ہونا اس سے مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہو گا۔ اس کا وجود ضروری ہو گا۔ اور جس سے متعلق نہیں ہو گا۔ اس کا عدم ضروری ہو گا۔ اور باوجود اس کے اللہ سبحانہٗ فاعل مختار ہے۔ تو بندے کی نسبت کیسا کہتے ہو کہ وہ مجبور اور مضطر ہے۔ اِس کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ جبر کے معنی جو تم سمجھ رہے ہو یہ غلط ہے۔ جبر کا یہ معنی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اُس کے اختیار و ارادہ اور اُس کی رضا و محبت کے سوا کسی فعل کے کرنے پر مجبور کرے۔ اور بندے کے صدورِ فعل کی نسبت یہ معنی ہرگز موجود نہیں کیونکہ اللہ سبحانہٗ تو بندے کے دِل میں اس کے فعل کا ارادہ اور محبت پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے اس فعل کو صادر کرتا ہے۔ پس ایسی حالت میں بندے کو مجبور کہنا لغت۔ عقل اور شرع کے مخالف ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ تم نے اپنی دلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ

Marfat.com

قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے سبب سے بندے کے فعل کا وجود ضروری ہے۔ حالانکہ تمہارے خیال میں نہ ان کے سبب فعل کا وجود ہوتا ہے۔ اور نہ یہ فعل جو موجود ہوا بندے کا فعل ہے۔ بلکہ یہ فعل تو عین اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ جس کا وجود بندے کی قدرت اور اسباب حادثہ سے متعلق نہیں اور نہ ان پر موقوف ہے بلکہ بندے کی قدرت اور اسباب حادثہ کا وجود اور عدم اللہ تعالیٰ کے فعل کے صدور کے لیے دونو یکساں ہیں۔ غرض جب تمہارے نزدیک بندے کا فعل عین اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کے صدور کے لئے بندے کی طرف سے کسی مرجح کی ضرورت نہیں۔ اور نہ بندے کی تاثیر کو اس میں کچھ دخل ہے۔ فرقہ قدریہ نے تمہاری اس دلیل کے کئی ایک جواب دیئے ہیں۔ چنانچہ ابو ہاشم اور اس کے متبعین نے یہ جواب دیا ہے کہ صاحب قدرت کے افعال اسباب پر موقوف نہیں ہوتے بلکہ محض اسکی قدرت ان کیلئے کافی ہے پس تمہارا یہ کہنا کہ اسباب کے وجود کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوگا یا نہیں اس کا جواب ہم (قدریہ) یہ دینگے کہ اسباب کے وجود سے افعال کا وجود ضروری نہیں اور نہ وہ ان پر موقوف ہیں۔ اور تم ان لوگوں (قدریہ) پر رد نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تمہارے نزدیک بھی تو اسباب کو صدور افعال میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب پر موقوف ہیں۔ بلکہ تمہارے نزدیک تو قدرت عباد پر بھی وہ موقوف نہیں۔ پس جب تمہارا یہ خیال ہے کہ قدرت حادثہ کا مقدورات یعنی افعال میں کوئی دخل نہیں تو اسباب ان میں کیسے مؤثر ہوں گے۔ غرض یہ دلیل تو تمہارے اپنے اصول کے مطابق بھی صحیح نہیں۔ ہاں اگر مخالف کو محض الزام دینا مقصود ہے تو یہ دوسری بات ہے اور ابوالحسین بصری اور ان کے اصحاب کا یہ جواب ہے کہ بندے کے افعال اسباب پر موقوف ہیں۔ اور جب اسباب موجود ہوں گے تو افعال کا وجود ضروری ہوگا

Marfat.com

لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا۔ کہ وہ افعال اختیاری نہ ہوں۔ اور محمود خوارزمی نے کہا ہے کہ اسباب سے افعال کا وجود ضروری تو نہیں۔ لیکن ان کی وجہ سے اُن کا وجود اولیٰ ضرور ہو جاتا ہے۔ قدریہ اِن دونوں مذہبوں کے مطابق تمہاری اس دلیل کا جواب بیان کرتے ہیں۔ پس ابو ہاشم کے مذہب کی بنا پر یوں کہتے ہیں کہ بندے کے افعال کے صدور کے لیے کسی مرجح کی ضرورت نہیں بلکہ صاحب قدرت کے شان سے یہ بات ہے کہ وہ کسی کام کو بغیر کسی مرجح کے پیدا کر سکتا ہے اور عقل کے رو سے اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو افعال کے کرنے پر قدرت ہو اور ان کے لئے کوئی مرجح نہ ہو جیسا کہ نائم (سونے والا) ساہی (بھول کر کام کرنیوالا) بغیر کسی داعی مرجح اور ارادہ کے حرکت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ جواب دو کہ نائم اور ساہی کے اندر ارادہ موجود ہے لیکن اُس وقت اُنکے خیال ہی نہیں ہوتا۔ تو یہ بداہت کا انکار ہے۔ اور اس قول کے قائلین یوں کہتے ہیں۔ کہ قادر وہ ہوتا ہے جو کام کر سکے اور نہ کرنا بھی ممکن ہو۔ اور پہلے قول والے یہ کہتے ہیں کہ قادر وہ ہے جو کام کر سکے۔ اور اس کا کرنا ضروری ہو اور محمود خوارزمی کا مذہب ان دونو مذہبوں کے بیچ بیچ میں ہے یعنی قادر وہ ہے جو کام کر سکے اور اس کا کرنا اولیٰ اور بہتر ہو۔ مگر اُس کی اولویت ایسی نہ ہو کہ اس کا کرنا ضروری ہو غرض اس بارے میں پانچ اقوال ہیں (۱) یہ کہ بندے کے افعال کا صدور اسباب پر موقوف ہے اور جب اسباب کے ساتھ قدرت علی الفعل بھی حاصل ہو۔ تو اِن دونو چیزوں کی وجہ سے فعل کا صدور ضروری ہو جاتا ہے۔ جمہور عقلا کا یہی قول ہے۔ اور ابن خطیب نے اس قول کو فلاسفہ اور ابو الحسین بصری معتزلی کی طرف نسبت کرنے میں غلطی کی ہے۔ (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ اور نیز بندے کی قدرت سے افعال کا صدور ضروری ہے۔ اور یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو کہ بندے کی

Marfat.com

قدرت کے اُس کے مقدور میں مؤثر ہونے کے قایل ہیں۔ اور جن چیزوں پر بندے کو قدرت ہے ان پر اللہ تعالیٰ کو قادر جانتے ہیں۔ ابواسحاق کا یہی قول ہے اور نیز جوینی نے نظامیہ میں اسی کو راجح ٹھیرایا ہے۔

(۳) یہ کہ افعال عباد کا صدور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ضروری ہے اور اشعری اور قاضی ابوبکر کا یہی قول ہے مگر ان کے درمیان باہم اتنا اختلاف ہے کہ قاضی ابوبکر کا یہ قول ہے کہ مطلق فعل کا صدور تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ضروری ہوتا ہے لیکن اُس کی خصوصیات مثلاً اس کا نماز ہونا یا نماز ہونا۔ زنا یا چوری ہونا بندے کی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر تو نفس فعل میں ہے اور بندے کی قدرت کی تاثیر فعل کی صفت میں ہے اور اشعری کا قول ہے کہ اصل فعل اور اس کا وصف دونو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت کے لیے نفس فعل یا اس کے وصف میں کوئی تاثیر اور دخل نہیں (۴) اُن لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب قدرت سے فعل کا صدور ضروری نہیں بلکہ قادر وہ ہے۔ جو کام کر سکے اور اُس کا ترک کرنا بھی جائز اور ممکن ہو۔ اُن کے نزدیک قادر مختار کے فعل کا صدور کسی حالت میں ضروری نہیں۔ ابوہاشم اور اس کے ہم خیال لوگوں کا یہی قول ہے۔ (۵) یہ کہ اسباب کے موجود ہونے کے وقت افعال کا صدور اولیٰ اور بہتر ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں ہوتا۔ خوارزمی کا یہی قول ہے۔ اور ابوالحسین اس بات کا قائل ہے کہ اسباب کے وجود کے وقت افعال کا صدور ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسباب اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور نیز یہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کے ایجاد میں مستقل طور پر قدرت رکھتا ہے اور ابوالحسین کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں یہ بدیہی اور ظاہر ہے ابن خطیب نے کہا ہے کہ ابوالحسین نے تقریر

Marfat.com

میں غلو کیا۔ اور ادھر یہ کہنا کہ افعال کا صدور اسباب پر موقوف ہے اور اسباب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ جبر میں غلو ہے۔ پس ابوالحسین جبر اور قدر دونو کا قائل اور ان میں غلو کرنے والا ہے۔ مگر ابن خطیب نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ ابوالحسین کا مذہب ایسا ہے کہ نہ تو اس نے قدر میں غلو کیا ہے اور نہ جبر میں۔ افعال کا اسباب پر موقوف ہونا اور ان کے وجود کے وقت بندے کی قدرت سے اُن کا ضروری ہونا اس میں ہرگز کوئی جبر نہیں پھر جبر میں غلو کیا۔ اور بندے کا اپنے افعال کا اس قدرت اور اختیار سے موجد ہونا جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں پیدا کر دیے ہیں۔ قدریہ کے قول کے موافق نہیں چہ جائیکہ ابوالحسین نے اس میں غلو کیا ہے۔

**فصل** - جبری نے کہا۔ جب ہمارے افعال کے اسباب ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ اور وہ اسباب یہ ہیں۔ کہ ہم جانتے ہیں کہ مثلاً فلاں کام کرنے میں ہمارا نفع ہے۔ اور فلاں کام نہ کرنے میں ہمارا نقصان ہے۔ اور یہ بات ہماری طبیعت اور فطرت میں پیدا کی گئی ہے۔ اور خالق نے ہماری خلقت ایسی بنائی ہے کہ یہ اسباب اُس میں پیدا کر دیے ہیں۔ اور اُن کے وجود سے افعال کا صدور ضروری ہے تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے جبر کا یہی معنی ہے۔

سُنی نے کہا کہ فرقہ قدریہ والے اس کا جواب یوں دے سکتے ہیں کہ ایسے اسباب کبھی جہالت اور غلطی پر بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ امور ہیں جن کو انسان اپنے دل میں خود بخود پیدا کرتا اور اپنے خیال کے مطابق جس کام میں مصلحت سمجھتا اُس کو کر گزرتا ہے۔ گو واقع میں اس کام میں اسکی مصلحت ہو یا نہ ہو۔ پس افعال کے اسباب صرف علم مصالح اور منافع میں منحصر نہیں۔ جبری بولا کہ یہ جواب تو بالکل لغو اور بیہودہ ہے۔ دیکھو پیاسے کو پانی پینے

Marfat.com

کی طرف یہ امر داعی اور محرک ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری پیاس بجھ جائے گی۔ اور اس میں میرا نفع ہے۔ اور اس کا اس بات کو جاننا اور پانی پینے کی طرف اس کا میلان ہونا اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ پس قدری کو لازم ہے کہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے مذہب سے باز آجائے اور اس بات کا اعتراف کرے کہ بندے کے افعال اسی ذات کی طرف منسوب ہیں جس نے بندے میں انکے اسباب و داعی پیدا کئے ہیں۔

قدری نے جواب دیا کہ یہ اسباب اگرچہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر یہ اسباب مکلف کے افعال کے مشابہ ہیں کیونکہ وہ انکے اثر کے باطل کرنے پر قادر ہوتا ہے مثلاً اس تجربہ کے خیال سے کہ وہ داعی اور محرک کی مخالفت کر سکتا ہے یا نہیں پانی پینے سے رک جائے تو تجربہ کے خیال سے یہ رک جانا دوسرے داعی اور محرک کا اثر ہے جو پہلے داعی اور محرک کے معارض اور مخالف ہے پس زندہ شخص اسکے حاصل کرنے اور داعی اول کو بدستور باقی رکھنے پر قادر ہے۔ پس داعی اول کو بدستور باقی رکھنا اور اس کے معارض کو موجود نہ کرنا آدمی کے اختیار میں ہے اور جب تک ایسا نہ کریگا پانی کا پینا ممکن نہیں ہے پس اس وجہ سے پانی کا پینا بندے کا فعل ہوا۔ کیونکہ وہ ایسے مختلف اسباب کے حاصل کرنے پر قادر ہے جن سے افعال و آثار ظہور میں آتے ہیں۔ اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے کسی کو بھڑکتی ہوئی آگ میں دیکھا۔ اور وہ اس آگ کو کسی آسان تدبیر سے بجھا سکتا ہو اور اس کو کوئی مانع بھی پیش نہ ہو تو ایسی حالت میں اگر وہ اس آگ کو نہ بجھائے گا۔ تو گو جلانا آگ کا کام ہے مگر وہ ضرور مذمت کا مستحق ٹھیریگا۔

اور ابن ابی الحدید نے ایک اور طرز سے جواب دیا ہے کہ یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب اسباب کے وجود سے افعال کا وجود ضروری ہو جیسا کہ تم فرقہ جبریہ، پیاسے کی صورت میں بیان کرتے ہو تو لازم آئیگا۔ کہ انسان بعض افعال کے کرنے اور بعض کے نہ کرنے کے ساتھ مکلف نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں تو وہ تو مجبور سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ اور تمام مذاہب کے اصول کے لحاظ

Marfat.com

سے یہ جواب نہایت ردی اور خراب ہے کیونکہ تکلیف احکام کا منشاء موجود ہے پس عقل اور قدرت کے موجود ہوتے تکلیف کیسے ساقط ہو سکتی ہے۔

اور اس قدری نے یہ ایک چوتھی قسم اُن لوگوں کی ثابت کر دی ہے جو مرفوع القلم اور غیر مکلف ہیں۔ اور یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ اور اگر صرف اسباب کے موجود ہونے سے تکلیف ساقط ہو جائے۔ تو ہر شخص کی نسبت یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اس کے لیے اُس کام کے اسباب موجود ہو جائیں۔ جس کی بجا آوری کا اُسے حکم دیا گیا ہے۔ تو اُس سے تکلیف ساقط ہو جائے۔ اور یہ قول تکلیف مالا یطاق کے قول سے بھی زیادہ قبیح اور بُرا ہے۔ اسی لیے تکلیف مالا یطاق کے کئی لوگ قائل ہیں۔ اور تکلیف کے ساقط ہونے کا صرف ابن ابی الحدید تنہا قائل ہے اور قائلین تکلیف مالا یطاق کا قول کتابوں میں منقول بھی ہے اور اس پر بحث کی گئی ہے۔

جبری بولا جب داعی اور محرک کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور یہی فعل کا سبب ہے اور اُس کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے۔ تو فعل کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہوا۔ جو داعی اور محرک یعنی سبب کا خالق ہے۔

سُنی نے جواب دیا یہ بات صحیح ہے کہ داعی اور محرک اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے اور یہی فعل کے وجود کا سبب ہے۔ مگر فعل اپنے فاعل یعنی بندے کی طرف منسوب ہو گا۔ کیونکہ فعل کا صدور بندے کی قدرت مشیت اور اختیار سے ہوتا ہے اور مجاز کے طور پر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے جو تمام اشیاء کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے علاوہ داعی اور محرک فعل کی علت اور مؤثر نہیں۔ بلکہ وہ فعل میں بندے کی تاثیر کی شرط ہے جب اپنے مقدور پر قدرت حاصل ہے اور شرط کے خارج از اختیار ہونے سے یہ لازم

Marfat.com

نہیں آتا کہ بندہ اپنے فعل کا فاعل نہ ہو زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا کہ بندے کا ارادہ مصمم جو فعل کا محرک ہے اس کی شرط یا جزو سبب ہوگا. اور اس کا فعل کئی ایک ایسے شروط اور اسباب پر موقوف ہے جو بندے کے اختیار سے بالکل باہر ہیں، مثلاً سب سے زیادہ آسان اور چھوٹا کام کسی چیز کے دیکھنے کے لیے آنکھ کا اٹھانا ہے. پس فرض کیا کہ آنکھ کا کھولنا بندے کا فعل ہے. مگر اس چیز کے دیکھنے اور اس کے ادراک کرنے میں بندہ فاعل مستقل نہیں ہو سکتا. کیونکہ اس چیز کا ادراک کئی ایک شروط پر موقوف ہے. اول یہ کہ بندے کے اندر خالق نے قدرت مدرکہ پیدا کی ہو، دوم یہ کہ وہ چیز ایسی ہو جس کو آنکھ سے دیکھ سکے. سوم یہ کہ آلہ ادراک یعنی آنکھ صحیح و سالم موجود ہو. چہارم یہ کہ اس چیز کے دیکھنے سے کوئی شے مانع اور حاجب نہ ہو وغیرہ ذالک۔

غرض جن اسباب و شروط پر رویت موقوف ہے اور وہ بندے کے اختیار اور قدرت سے باہر ہیں. بندے کے فعل آنکھ کے کھولنے سے کئی گنے زیادہ ہیں پس کوئی صاحب عقل کس طرح کہہ سکتا ہے کہ سبب کا جزو یا شرط فعل کے وجود کے لئے علت مستقلہ اور مؤثر تام ہیں. اور اسی مقام میں دونوں گروہ یعنی قدریہ اور جبریہ راہ حق سے بھٹک گئے ہیں. قدریہ نے یہ کہہ دیا کہ شرط اور جزو سبب فعل کے وجود کیلئے مؤثر تام اور علت مستقلہ ہیں. اور جبریہ نے یہ کہا کہ سبب اور شرط کو فعل کے صدور میں کوئی دخل نہیں. پس دونوں فریق نے صریح عقل اور نقل کا خلاف ہے. اور ادلہ نقلیہ اور عقلیہ کو پس پشت ڈال دیا. حقیقۃ الامر یہ ہے کہ بندے کی قدرت. ارادہ اور دوسرے دواعی اور محرک فعل کے سبب تام کی جزو ہیں. اور سبب تام کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوتا ہے. پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ بندہ باوجودیکہ اس کے فعل کے اکثر اسباب

Marfat.com

اس کے اختیار اور قدرت سے باہر ہیں۔ مگر وہ اپنے افعال کا فاعل مستقل ہے تو وہ عقل اور شرع کے مخالف ہے۔ فرض کیا کہ فعل ضرب کے داعی میں بندہ مستقل ہے تو کیا ضارب کے اعضاء و آلات کا صحیح و سالم ہونا۔ اور محل ضرب کا قابل ضرب ہونا۔ اور اس کا فعل ضرب کو قبول کرنا اور مضروب اور ضارب کے درمیان فضا خالی کا موجود ہونا۔ اور وہاں کسی مانع کا موجود نہ ہونا۔

اور مضروب سے اس قوت اور طاقت کا مسلوب ہونا جس سے وہ ضارب سے مقاومت کر سکے۔ اور ضارب کا اس پر غالب آنا اور ضارب کے ہاتھ۔ رگوں اور پٹھوں میں قوت کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب اشیا بندے کے اختیار میں ہیں ہرگز نہیں اور جو یہ سمجھتا ہے کہ بندے کے لیے صدور فعل میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں، صدور فعل کی نسبت اس کی قدرت اور ارادہ کا ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں تو یہ شخص عقل اور حس کا انکار کرتا ہے جبری بولا کہ صدور افعال کے لیے کسی مرجع کا ہونا ضروری ہے پس اگر یہ مرجح بندے کی طرف سے ہو تو ضرور ممکن ہو گا۔ پھر اس مرجح میں کلام کریں گے کہ اس کے وجود کا کوئی مرجح ہے یا نہیں اگر اس کا وجود بدوں مرجح ہوا تو اس قاعدہ کی وجہ سے کہ ممکن کی ایک جانب یعنی وجود یا عدم کو بغیر کسی مرجح کے ترجیح ہو سکتی ہے۔ اثبات صانع کی دلیل کی اساس منہدم ہو جائیگی۔ کیونکہ اس کا دارو مدار اس مقدمہ پر ہے کہ ممکن کی ایک جانب یعنی وجود یا عدم کو بغیر کسی علت مرجح کے ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس کا وجود کسی اور مرجح پر موقوف ہے تو اس کا وجود بھی کسی اور مرجح پر موقوف ہو گا اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ چونکہ تسلسل محال اور باطل ہے۔ لہذا یہ کہنا پڑے گا۔ کہ بندے کے فعل کے صدور کا مرجح اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے اور بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ سُنی نے جواب

98388

Marfat.com

دیا کہ تمہارے بنائی قدریہ تو اس کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ بندہ قادر اور مختار ہے وہ اپنا ارادہ جو محرک افعال ہوتا ہے بغیر کسی مرجح کے خود بخود پیدا کر سکتا ہے۔ اور فطرت کو اس کا شاہد بتلاتے ہیں کہ دیکھو جس کام کا ہم ارادہ نہ کریں اس کو وجود میں نہیں لاتے۔ اور جب تک کہ کسی کام کا نفع اور اس کا ضرر نہ سمجھ لیں اس کا ارادہ نہیں کرتے اور اس ارادہ سے پہلے ایک دوسرا ارادہ جو اس ارادہ کا موجد ہو۔ اور اس علم سے پہلے ایک اور علم جو اس کا باعث ہو ہرگز موجود نہیں ہوتا۔ پس مرجح بندے کا اپنا ارادہ اور اس کی وہ صفات جو خالق نے اس کی فطرت میں پیدا کر دی ہیں۔ غرض اللہ سبحانہٗ نے بندے کی خلقت اس طرز پہ بنائی ہے کہ وہ بالطبع حرکت کر سکتا ہے پس اپنے ارادہ اور مشیت سے جو حرکت کرتا ہے تو یہ اس کے خلقت اور ذی روح اور حیوان ہونے کے لوازم سے ہے۔ اور اسی طرح ارادہ اور میلانِ قلب بھی اُسکے زندہ اور ذی رُوح ہونے کے لوازم سے ہیں۔ اور بندے کے افعال خاص یہی اُس کے ارادات اور محرکاتِ افعال ہیں اور جو افعال اُن کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں وہ ان کے ساتھ صرف اِس بات میں مشابہ ہیں کہ دونو بندے کی طرف منسوب ہیں گو ارادات بدون واسطہ منسوب ہیں اور دوسرے افعال ارادات کے واسطہ سے منسوب ہیں۔ کسی نے کہا۔ مگر قدریہ کا یہ جواب بالکل غلط اور باطل ہے۔ معاذ اللہ۔ کیا قدریہ خدا کی شان یہی سمجھتے ہیں کہ بندے کے وجود میں کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہ ہو اور نہ ہو اور نہ اُس کی قدرت و مشیت میں داخل ہو۔ اللہ اکبر۔ اللہ سبحانہٗ کی شان کو وہ ہرگز نہیں سمجھے۔ اور اس کو جیسا پہچاننا چاہیے ایسا نہیں پہچانا اور نہ اس کی تعظیم کا پورا حق ادا کیا۔ حقیقۃ الامر یہ

Marfat.com

ہے کہ بندے کا روح، جسم، صفات، افعال، ارادات، غرض کہ بندے کا
ہر ذرہ اللہ سبحانہٗ کا مخلوق ہے اور اس میں اللہ سبحانہٗ کا تصرف جاری ہے
ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بندے کی قدرت، ارادہ اور دیگر دواعی، محرکات صدور
فعل کے سبب تام کے اجزا ہیں اور بندہ کو فعل صادر کرنے میں مستقل طور پر
اختیار حاصل نہیں۔ اور باوجود اس کے یہ سب اجزا اللہ سبحانہٗ کے مخلوق ہیں غرض
بندہ من کل الوجوہ اور تمام اعتبارات کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کا مخلوق ہے اور اپنے
خالق کی طرف محتاج ہونا اُس کے لوازم سے ہے۔ اور اُس کا قلب اپنے خالق
کے ہاتھ اور اُس کی دو انگلیوں کے بیچ میں۔ جس طرف چاہے اُس کو پھیر دیتا
ہے۔ پس اُس کو ایسے کام کے ارادہ کرنے والا بنا دیتا ہے کہ جس کے وقوع کے
ساتھ اُس کی مشیت متعلق ہو اور اس کو ایسے کام سے متنفر کر دیتا ہے کہ جس
کے وقوع کے ساتھ اس کی مشیت متعلق نہ ہو۔ غرض جس کام کو اللہ سبحانہ چاہتا
ہے وہ وقوع میں آتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا وہ ہرگز واقع نہیں ہوتا۔ اور
بیشک مرجحات کا سلسلہ اللہ سبحانہٗ کے امر کونی اور اُس کی اُس مشیت پر
ختم ہوتا ہے جو تمام مخلوق میں نافذ ہے اور کسی کو اُس سے نکلنے کی مجال نہیں
لیکن لفظ جبر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایک مجمل لفظ ہے۔ حق اور باطل
دونو اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔ پس اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال
میں ایسا مضطر اور مجبور ہے کہ اپنی مرضی سے سیڑھی پر چڑھنا اور اس سے
بدوں اختیار نیچے گرنا دونو یکساں ہیں۔ تو یہ عقل اور فطرت کے بالکل خلاف
ہے۔ اور اگر تمہارا یہ مطلب ہے کہ بندہ کسی کام کو اللہ تعالیٰ کی توفیق بغیر نہیں
کر سکتا۔ تو یہ بیشک صحیح ہے۔ اور یہ عام قاعدہ ہے کہ بندہ مستقل طور پر کوئی
کام نہیں کر سکتا۔ قوت۔ قدرت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بندہ بذات

Marfat.com

خود کسی کام پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق بغیر کوئی کام کر سکتا۔
ہے۔ ہم اِس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہیں. اور اس خیال سے کہ فرقہ قدریہ اس کو
جبر کہتے ہیں۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ اِس قسم کے اسماء کے متعلق ہم
ان سے یہ کہیں گے۔ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (یہ دبُت، نرے نام رہی نام) ہیں جو تم نے اور تمہارے
بڑوں نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں. خدا نے تو اِن (کے معبود ہونے) کی کوئی
سند نازل نہیں کی (یعنی جس طرح کفار نے اپنی طرف سے نام تجویز کر لیے تھے اسی
طرح قدریہ نے بھی ایک تجویز کر لیا ہے۔ پس ہم اُن کے اِس قاعدہ کو جبر کے
ساتھ موسوم کرنے کی وجہ سے عقل اور ایمان کے مقتضی کا خلاف نہیں کرتے سب
سے بڑی خرابی کی بات یہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہو جائیں، کہ اللہ سبحانہ بندہ
کو اُن کاموں پر عذاب کریگا جن میں اس کا کوئی دخل نہیں، اور نہ وہ اُنکے کرنے پر قادر ہے اور نہ
اُن کے صدور میں کسی طرح کی اس کی کوئی تاثیر ہے. بلکہ اللہ سبحانہ اس کو خود اپنے
افعال پر معذب کرے گا۔ اور نیز اس کو ایسے حرکات پر معذب کریگا جو اس
سے بلا اختیار صادر ہوئے ہیں جیسا کہ اُوپر سے بغیر قصد و ارادہ کے نیچے گر جانا
وغیرہ وغیرہ۔ ہاں یہ جائز ہے کہ اگر بندے نے ایسے حرکات کے اسباب کو
اپنی مرضی اور خواہش سے مہیا کیا اور اس کے بعد غیر اختیاری حرکات کا صدور
ہوا۔ تو ایسی حرکت پر بھی جو خلاف شرع ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معذب ہو سکتا ہے جس طرح کہ کسی شخص سے۔ الت
مستی اور نشہ میں کوئی حرکت خلاف شرع بغیر اختیار صادر ہو۔ تو چونکہ اُس نے
مستی اور نشہ کو باختیار خود پیدا کیا اور اس کا مرتکب ہوا تھا۔ لہٰذا وہ اس غیر
اختیاری حرکت پر بھی معذب ہوگا اور جس طرح کہ اُس عاشق کو کہ جس کے صبر اور
عقل پر عشق غالب آ گیا۔ اور وہ اپنے اختیار میں نہ رہا ہو اس وجہ سے عذاب
ہوگا کہ پہلے اُس نے اپنے ارادہ اور خواہش سے عشق کو اختیار کیا اور اس

Marfat.com

کے اسباب کو عمل میں لایا اور جس طرح اُس شخص کو عذاب ہوگا جو پہلے باختیار خود حق سے پھرا۔ اور اس نے اُس کو بُرا سمجھا۔ یہاں تک کہ اُس کے دل پر مُہر اور قفل لگا دیئے گئے۔ اور اس کے قلب پر پردۂ غفلت ڈالا گیا۔ پس اس کے اور ہدایت اور حق کے درمیان یہ چیزیں حائل ہوگئیں اور ہدایت کا پانا اس کے اختیار میں نہ رہا۔ اور اسی ہدایت کے حاصل نہ کرنے پر جو کہ اس کے اختیار اور قدرت سے باہر بلکہ وہ اس سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معذب کرے گا۔ کیونکہ پہلے اُس نے خود بخود ہدایت سے اعراض کیا۔ اور ایسے شخص کو معذب کرنا محض عدل ہے کسی طرح کا ظلم نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ایسا شخص جو مامور بہ کے بجالانے اور ہدایت کے پانے سے روک دیا گیا ہے تو ایسی حالت میں وہ مکلف احکام کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ تو مجبور ہے تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ تمہارا سوال بیشک ٹھیک ہے اور اس کا جواب شافی انشاء اللہ باب تکلیف مالا یطاق میں عنقریب مذکور ہوگا یہاں صرف لفظ جبر اور اس کے معنی کے متعلق کہ کونسا صحیح اور کونسا غلط ہے کلام کرنا مقصود ہے۔

**فصل**۔ جبری نے کہا کہ جب بندے سے کوئی حرکت مخصوص صادر ہوتی ہے۔ تو اُس کی نسبت ہم پوچھتے ہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہوتی ہے یا محض بندے کی قدرت میں داخل ہے یا اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں کی قدرت کے تحت میں ہے یا اِن دونوں میں سے کسی کی قدرت میں نہیں ہوتی۔ صورت آخر تو یقیناً باطل ہے۔ اور پہلی تین صورتوں میں سے ہر ایک صورت کے بعض لوگ قائل ہیں۔ پس اگر وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ اور بندے کی قدرت سے باہر ہے۔ تو ہم اسی کے قائل ہیں۔ اور جبر کا

Marfat.com

یہی معنی ہے۔ اور اگر صرف بندے کی قدرت میں ہے۔ تو اس سے لازم آئیگا کہ بعض اشیا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہیں۔ اور اس طرح اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اللہ ہر چیز پہ قادر ہے) کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اور نیز یہ لازم آئیگا۔ کہ بندہ جو ایک ضعیف مخلوق ہے۔ وہ ایسے کاموں پر قادر ہو کہ جن پر اُس کا خالق قدرت نہیں رکھتا۔ اور اسی بات سے قدریہ توحید سے علیحدہ ہو کر مجوس کے ساتھ مشابہ ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ اور بندہ دونو کی قدرت میں داخل ہو تو اس کے صدور میں دونو کی شرکت لازم آئے گی۔ اور اس طرح ایک مفعول کا دو فاعل اور ایک مقدور کا دو قادر اور ایک اثر کا دو مؤثر سے صادر ہونا لازم آئے گا۔ جو اِس وجہ سے محال اور باطل ہے کہ جب دو مستقل مؤثر ایک اثر کے صادر کرنے میں مجتمع ہوں۔ تو ہر ایک کی وجہ سے دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس یہ کہنا پڑے گا کہ وہ ان دونوں کی طرف محتاج بھی ہے۔ اور دونو سے مستغنی بھی ہے۔ سنی نے جواب دیا کہ اس مقام میں لوگوں کے مختلف فرقے ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ بندے کی کوئی سی حرکت ہو یا اس کا کوئی سا فعل ہو صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتا ہے اور بندے کی قدرت کی تاثیر صرف اُس کے طاعت یا معصیت ہونے میں ہوتی ہے غرض اُس کے وجود کی مقتضی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور اُس کی صفت میں بندے کی قدرت مؤثر ہے۔ قاضی ابوبکر اور اس کے متبعین کا یہی قول ہے مگر یہ جواب کافی اور شافی نہیں۔ اِس لیے کہ بندے کی قدرت جس چیز میں مؤثر قرار دی گئی ہے۔ اگر وہ وجودی چیز ہے اور بندے کی قدرت وجودی چیز میں اثر کر سکتی ہے۔ تو نفس فعل میں بھی اُسکی قدرت مؤثر ہو سکتی ہے جو کہ ایک وجودی چیز ہے۔ اگر وہ صفت جس میں بندے کی قدرت مؤثر ہے عدمی چیز ہے۔ تو لازم آئے گا کہ اُس کی قدرت متعلق عدم ہے اور یہ درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قدرت

Marfat.com

کا متعلق اور اس کا اثر عدم محض نہیں ہو سکتا۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ خود فعل اور اُس کی صفت دونو صرف اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت کا ان دونو میں کوئی اثر نہیں۔ ابوالحسن اشعری اور اس کے متبعین کا یہی قول ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ بندے کی حرکت اور اس کا فعل محض اسی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ مگر اس قول کے قائلین میں باہم اتنا اختلاف ہے۔ کہ ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ بندے کے افعال میں اگرچہ اسی کی قدرت مؤثر ہوتی ہے۔ لیکن اس کے افعال پر اللہ تعالےٰ کو بھی قدرت حاصل ہے اور بندے کے تمام مقدورات پر اللہ تعالیٰ قادر ہے ابوالحسین بصری اور اس کے متبعین فرقہ حسینیہ کا یہی خیال ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ بندے کے افعال میں اسی کی قدرت مؤثر ہے اور جن کاموں کے کرنے پر بندہ قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سب کے کرنے پر قادر نہیں متاخیے ابی علی اور ابی ہاشم کے پیرو اسی کے قائل ہیں۔ ابن خطیب اور جمہور متکلمین انہی اقوال کو بیان کرتے ہیں۔ مگر ان سے کسی طالب تحقیق کو سیرابی حاصل نہیں ہوسکتی یہ اقوال آپس میں باہم متناقض ہیں۔ ابوالحسین کے بعض اصحاب نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس دلیل میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مقدور کا دو قادر سے صادر ہونا لازم آئیگا۔ یہ اُس صورت میں محال ہے جب دونو سے معاً صادر ہو اور جبکہ اُن دونو سے یکے بعد دیگرے صادر ہو تو یہ محال نہیں جس طرح کہ ایک وقت میں ایک مکان کے اندر دو جسم کا موجود ہونا محال ہے۔ مگر دو مختلف وقتوں میں آگے پیچھے ایک مکان کے اندر دو جسم کا موجود ہونا محال نہیں۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اُس پر اسی وقت قدرت حاصل ہوتی ہے

Marfat.com

جب دوسرا اُسے چھوڑ دے اور مسئلہ کا یہ مطلب ہے کہ جب اُس فعل کو بندہ اپنی قدرت اور ارادہ سے کرتا ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے اور اس کی قدرت اس میں مؤثر ہے یا نہیں۔ اگر مؤثر ہے تو لازم آئے گا۔ کہ ایک مقدور کا دو قادر سے صدور ہوا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں۔ تو لازم آیا۔ کہ بعض ممکنات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہیں۔ اگر کوئی شخص یوں جواب دے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کے کرنے پر قادر ہے بشرطیکہ بندہ اپنی قدرت سے اس کو صادر نہ کرے۔ تو اس کو یہ کہا جائے گا۔ کہ تم نے صراحتہً مان لیا۔ کہ بندے کی قدرت کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پس یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ یکے بعد دیگرے اُس کام کے کرنے پر قادر ہوتے ہیں کچھ مفید اور نافع نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت بندے کی عدمی قدرت کے ساتھ مشروط ہوئی۔ تو جس وقت یہ شرط نہ پائی جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نہ پائی جائے گی اور اس بات کا کوئی اہل توحید ہرگز قائل نہیں۔ بلکہ سب کے سب اسی قول میں تمہارے مخالف اور تم پر معترض ہیں۔ اور تمہارا یہ قول محض اہل سنت کے لیے دھوکا دہی ہے۔ ورنہ حقیقتہً اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اُن اشیاء اور امور پر قادر ہے جن پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں۔ اور اس باطل خیال کی خرابی بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی خرابی اظہر من الشمس ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جواب دے کہ جس طرح ایک چیز دو عالم کی معلوم اور دو ارادہ کرنے والوں کی مراد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک چیز دو قادر کی قدرت میں داخل ہو سکتی ہے۔ تو اس کو یہ کہا جائے گا۔ کہ تمہارا یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ چیز معلوم اور مراد میں عالم اور ارادہ کرنے والے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے اس میں دو شخص کا اشتراک ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک چیز کو دو آدمی

Marfat.com

دیکھ سکتے یا ایک آواز کو دو شخص سن سکتے ہیں۔ اور ایک مقدور چیز دو قادر کی قدرت میں اس معنی سے آسکتی ہے کہ اس کو دونو یکے بعد دیگر کر سکیں۔ اور اس معنی سے کہ دونو کی قدرت اسکے وجود کی موجب اور اسکے قارن ہو یہ محال ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کی قدرت کی تاثیر دوسرے کی تاثیر کے یہ شرط ہو۔ ابوالحسین نے جب اس شبہ کو سمجھا تو کہنے لگا۔ کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی نسبت جو ایک کی کی طرف ہے وہی بعینہ دوسرے کی طرف ہے جیسا کہ ایک چیز دو عالم کا معلوم ہوتی ہے اور ایک کا علم بعینہ دوسرے کا علم نہیں ہوتا اور ایک مفعول جب دو فاعل سے صادر ہو تو یہ نہیں کہا جاتا کہ ایک کا فعل بعینہ دوسرے کا فعل ہے۔ پس اسی طرح ایک مقدور جو دو قادر سے متعلق ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر جو ایک کو قدرت حاصل ہے وہی بعینہ دوسرے کی قدرت ہے بلکہ میرے اس قول کا کہ یہ اس کا فعل ہے اور اس میں اس کی تاثیر کو دخل ہے۔ یہ مطلب ہے۔ کہ اس کی قدرت اور ارادہ سے پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ معنی نہیں کہ ایک کی قدرت بعینہ دوسرے کی قدرت ہے اور ایک چیز کو دو شئے کی طرف نسبت کرنا عقلاً کوئی محال نہیں۔ ہاں یہ محال ہے۔ کہ جو ایک کی طرف نسبت ہو وہی بعینہ دوسرے کی طرف نسبت ہو۔ مگر ابی الحسین کی اس تقریر سے کچھ کام نہیں چلتا۔ کیونکہ یہ تقسیم اس صورت میں بھی جاری ہو سکتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ادلہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کی قدرت تمام ممکن اشیاء ذوات۔ صفات اور افعال کو حاوی ہے کوئی مقدور چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور نیز یہ امر بھی ادلہ سے ثابت ہے کہ بندہ اپنے ارادہ اور قدرت سے اپنے افعال کا فاعل ہے۔ اور اس کے افعال درحقیقت اسی کے افعال ہیں جن سے وہ عقل۔ شرع۔ عرف اور فطرت کے رو سے قابل مدح یا ذم ہوتا ہے

Marfat.com

بندے تو بجائے خود حیوانات کی فطرت میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ بندے کے نیک افعال پر اس کو قابلِ تحسین اور برے افعال پر اس کو قابلِ مذمت سمجھتے ہیں۔ اور نیز یہ بات بھی ادلہ سے ثابت ہوتی ہے کہ ایک معین فعل دو مستقل فاعل اور ایک خاص اثر دو مستقل اثر سے صادر ہونا محال ہے۔ اور نیز یہ امر بھی دلیل سے ثابت ہے کہ کوئی حادث محدث کے سوا پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کسی چیز کی ترجیح سوائے کسی مرجح کے موجود نہیں ہو سکتی۔ اور یہ سب امور ایسے ہیں جو ادلہ عقلیہ اور فطرت سے ثابت ہیں۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ادلہ عقلیہ آپس میں باہم متعارض اور متناقض نہیں ہوتے اور یہ جائز نہیں کہ ایک دلیل کی وجہ سے دوسری دلیل کو غلط قرار دیا جائے بلکہ یہ ضروری ہے کہ سب کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور سب کا مقتضی تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان کے درمیان باہم کوئی تعارض نہیں۔ ان کے درمیان تعارض صرف وہ شخص سمجھتا ہے۔ جس کی سمجھ قاصر اور ناقص ہو۔ اور اس کی طبیعت میں محض نکمے شکوک اور شبہات پیدا ہوں۔ اور ادھر اُدھر کی فضول باتیں بنایا کرے۔ شکوک اور شبہات کا نکالنا اور چیز اور علم اور فہم دوسری چیز ہے۔ اسی فہم کی کمی کے سبب متخاصمین جھگڑے میں پڑ جاتے ہیں۔ متکلمین کے اقوال کا ماحصل یہی ہے مگر حق ان میں منحصر نہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بندے کا فعل اور اس کی حرکت اُس کی اس قدرت اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں پیدا کی ہے۔ اور اللہ سبحانہ جب بندے کے فعل کے صدور کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے قدرت اور اُس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے لہٰذا وہ فعل اس لحاظ سے تو بندے کی قدرت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کہ اُس کی قدرت اس کے صدور کا سبب ہے اور اللہ سبحانہ کی قدرت کی طرف

Marfat.com

اِس وجہ سے منسوب ہوتا ہے کہ وہ اس کا خالق ہے پس اس طرح ایک مقدور کو دو قادر کی طرف نسبت کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ ایک کی قدرت دوسرے کی قدرت کا اثر ہے اور وہ صدور فعل کا جزو سبب ہے اور دوسرے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقل بالتاثیر ہے اور یوں کہنا کہ ایک مقدور دو قادر کے درمیان واقع اور ان سے صادر ہوا۔ یہ محض دھوکا ہے کیونکہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ دونو قدرت میں یکساں ہیں جس طرح کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑا دو آدمیوں کے درمیان یا یہ مکان دو شخصوں کے مابین مشترک ہے تو اس سے دونو کا اشتراک بالاستقلال سمجھا جاتا ہے۔ اور صدورِ فعل عبد میں اس قسم کا اشتراک بالاستقلال نہیں بلکہ اس کا فعل اس کی اپنی قدرت حادثہ سے واقع ہوتا ہے جو اس کے صدور کا سبب ہے اور یہ سبب اور فاعل یعنی بندہ اور صدور فعل کے دیگر اسباب وآلات سب کے سب اللہ تعالیٰ کی قدرت قدیمہ کے آثار ہیں۔ اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات کو شامل اور حاوی ہے اور جناب باری کی قدرت تمام اشیاء میں مؤثر اور ان کا سبب ہے اور در حقیقت سلسلہ ہستی میں اللہ سبحانہٗ کی مشیت اور اس کی قدرت کے سوا کوئی چیز مستقل بالتاثیر نہیں تمام چیزیں اس کی مخلوق اور اُس کی قدرت اور مشیت کا اثر ہیں اور اگر اس بات کا انکار کیا جائے۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق قرار دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ایسی مخلوق کو مانا جائے جو بغیر خالق کے پیدا ہو۔ کیونکہ جب بندے کا فعل اللہ تعالےٰ کا مخلوق نہ ہوا۔ تو تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو بندہ مختلف طور پر اس کا خالق ہو یا اللہ تعالیٰ اور وہ دونو مِل کر اس کے خالق ہوں، یا ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کا خالق نہ ہو تو ضرور یہ ماننا پڑے گا کہ یا تو اللہ کے سوا ایک دوسرا

Marfat.com

خالق ہے یا یہ کہنا پڑے گا۔ کہ بعض اشیاء بغیر خالق کے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ دونوں صورتیں ناجائز اور محال ہیں۔ اور جو شخص افعالِ عباد کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے خارج قرار دے گا وہ اس خرابی سے ہرگز بچ نہیں سکتا۔ جب یہ معلوم ہو چکا، تو اب ہم کہتے ہیں کہ بندے کے افعال اس لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق اور مکون ہے جس طرح کہ تمام مخلوقات اس کی قدرت اور تکوین اور خالق سے وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح بندے کے افعال بھی اسی کی قدرت۔ خلق اور تکوین سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت سے اس لحاظ سے واقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کے صدور کا سبب اور بندہ ان کا مباشر ہے۔ غرض اللہ سبحانہٗ خالقِ افعال اور بندہ ان کا فاعل اور مباشر ہے۔ اور بندے کی قدرت حادثہ اور اس کا اثر دونو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے پیدا ہوئے ہیں۔

فصل۔ جبری نے کہا۔ اگر انسان اپنے افعال کا فاعل ہو۔ تو وہ ان کی تفاصیل سے ضرور واقف ہو گا ورنہ یہ ممکن ہو گا کہ جو کام وہ کرے اور جس مقدار پر کرے۔ کبھی اس سے زائد اور کبھی اس سے کم ہو جایا کرے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ وہ ضرور ان کی تفاصیل سے واقف ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ نائم اور غافل کبھی کام کرتے ہیں اور ان کو کام کی کیفیت اور مقدار سے خبر نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح متحرک مسافت کو طے کرتا ہے اور اُسے تفصیل حرکت اور اجزائے مسافت کی مطلقاً خبر نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح اُنگلی ہلانے والا اُنگلی ہلاتا ہے۔ اور اس کو اس کے اجزا اور ان کے احیاز و مکانات کا شعور نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح سانس لینے والا سانس لیتا ہے۔ تو اکثر اوقات اس کو اپنے سانس لینے کا پتہ بھی نہیں ہوتا پھر اس کی

Marfat.com

کمیت، کیفیت، مبدا اور منتہیٰ کا علم کیسے حاصل ہو گا۔ علیٰ ہذا القیاس غافل شخص کبھی کوئی بات کہتا یا کوئی کام کر چکتا ہے اور بعد میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس کا قصداور ارادہ نہیں کیا تھا۔ غرض ہم کو یقیناً معلوم ہے کہ ہم کو نشست برخاست، چلنے پھرنے میں اپنے بہت سے حرکات اور سکنات کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اور اگر ہم چلنے پھرنے اور تیز رفتاری کی حالت میں اجزائے حرکت کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز اور اُن کو معلوم کرنا چاہیں۔ تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔ بلکہ جو شخص سب سے زیادہ عقلمند ہو اس سے بھی یہ بات نہیں ہو سکتی۔ پس دوسرے حیوانات، پرندے وغیرہ اپنے چلنے، اُڑنے یا تیرنے کے وقت اپنے حرکات و سکنات کی تفصیل کو کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ چیونٹی اور مچھر تک یہی قاعدہ جاری ہے کہ کسی چیز کو اپنی حرکات و افعال کی تفصیل کا علم نہیں۔ چنانچہ جو شخص نشہ یا غصہ کی حالت میں ہوں، اُن کی نسبت دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان کو اپنے حرکات و افعال کی بالکل خبر نہیں ہوتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (مسلمانو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس بھی نہ جانا۔ یہاں تک کہ (نشہ اُتر جائے اور) جو کچھ (مُنہ سے کہتے ہو (اس کو) سمجھنے لگو) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مست آدمی یعنی جو شخص نشہ کی حالت میں ہو اس کو اپنے اقوال کا علم نہیں ہوتا۔ اور جب اس کو ان اقوال کا علم نہیں جو اس سے (بدوں اختیار) صادر ہوتے ہیں۔ تو ان کا موجد اور ارادہ سے پیدا کرنے والا کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ ارادہ شعور اور علم پر موقوف ہے لہذا صحابہ کرام رضی اللہ تعم کا یہ فتویٰ ہے کہ سکران (یعنی وہ شخص جو نشہ کی حالت میں ہو اُس کی) طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یعنی صحابہؓ نے اس کی حرکت لسانی کو ایسا سمجھا کہ گویا اس کی

Marfat.com

زبان کو اُس کے ارادہ و اختیار کے بغیر کوئی دوسرا شخص ہلاتا ہے۔ اور اس لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اغلاق یعنی دیوانگی اور جنون کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اغلاق کی حالت میں علم اور ارادہ موجود نہیں ہوتے اور اسی واسطے جمہور فقہا کا یہ قول ہے کہ ناسی (بھول کر کوئی کام کرنے والے) پر مواخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا فعل اس کے اختیار سے باہر ہوتا ہے اور اسی واسطے اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ گو اس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ جو شخص بھول کر کوئی چیز کھالے یا کوئی چیز پی لے۔ تو اُس کو اپنا روزہ پورا کرنا چاہیے (یعنی بھول کر کھا لینے یا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ بدستور قائم رہتا ہے) کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا۔ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس شخص کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ کھانا پینا اس کا فعل نہیں۔ اسی واسطے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا۔ بلکہ بدستور قائم رہا۔ سنی نے جواب دیا کہ اِس مقام میں تفصیل کی ضرورت ہے یہاں اجمال مناسب نہیں۔ لہٰذا ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جو افعال بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ قدرت۔ علم۔ اسباب۔ ارادہ کے لحاظ سے کئی اقسام پر منقسم ہیں۔ پس کبھی تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے فعل میں مجبور محض ہوتا ہے۔ اور اس کے ارادہ کو اُس کے صدور میں کسی طرح کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کسی کے ہاتھ کو پکڑ کر اس سے کسی دوسرے کو پیٹ دیا یا اُس کی انگلی کو پکڑ کر اس کے ہاتھ کسی کی آنکھ پھوڑ دی تو ایسے افعال درختوں کی اُس حرکت کے قائم مقام ہیں۔ جو ہوا کے چلنے سے ہُوا کرتی ہے۔ اسی واسطے اُن پہ

Marfat.com

کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا اور نہ ان کا فاعل مدح یا ذم اور نہ ثواب یا عقاب کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور ایسے شخص کو عقل شرع اور عرف میں فاعل نہیں کہا جاتا اور کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ بندہ کسی کام کے کرنے پر اکراہ کیا جاتا ہے اور اس صورت میں اس کا فعل اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس صورت میں مجبور محض نہیں ہوتا اور اس صورت میں اتنا اختلاف ہے۔ کہ ایسے شخص کو فاعل بالاختیار کہنا صحیح ہے یا نہیں اور حق بات یہ ہے کہ یہ ایک لفظی نزاع ہے کیونکہ یہ شخص ایسے ارادہ سے فعل کرتا ہے جس پر وہ مجبور کیا گیا ہے پس یہ شخص ایک لحاظ سے فاعل بالاختیار ہے۔ اور ایک لحاظ سے فاعل بالاضطرار۔ پس اگر فاعل مختار ہے کا صرف یہی معنی ہے کہ فاعل اپنے ارادہ سے فعل کرے تو اس لحاظ سے تو یہ شخص فاعل مختار ہے گو ناخوشی سے اس فعل کو کرتا ہے۔ اور نیز اس لحاظ سے وہ مختار ہے کہ وہ جس کام پر اکراہ کیا گیا ہے اس کو اس لیے کرتا ہے تاکہ وہ خرابی سے بچے جو اس سے زیادہ بری ہے۔ یعنی اس کو دو مکروہ باتیں پیش آتی ہیں۔ ان میں سے وہ اس کو پسند کرتا ہے جو آسان ہوتی ہے تاکہ زیادہ مشکل میں نہ پڑے۔ اور اسی وجہ سے اگر کسی کو حالت اکراہ میں مار ڈالے تو جمہور علماء کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائے گا یعنی چونکہ اس نے اپنے اختیار سے دوسرے کو مار ڈالا۔ لہذا اس سے مواخذہ شرعی ہوگا۔ اور مجبور محض سے بالاتفاق قصاص نہیں لیا جاتا۔ اور اس بات کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو کسی بات کے کہنے پر اکراہ کیا جاتا ہے۔ تو وہ بات اس کے ارادہ و اختیار کے بغیر اس کی زبان سے نکل نہیں سکتی اسی واسطے بعض علماء کے نزدیک اس کی طلاق اور عتاق نافذ ہو جاتے ہیں اور جمہور یہ کا مذہب ہے کہ مکرہ کی طلاق اور عتاق نافذ نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے کلمات

Marfat.com

کفر کو جو کلمات کفر کو زبان سے نکالنے پر اکراہ کیا گیا ہو معاف فرمایا ہے اور ان پر کوئی اثر مترتب نہیں. کیونکہ اس نے اگرچہ اپنے بچاؤ کے لیے ایسے کلمات زبان سے نکالے ہیں مگر ان کے معانی اس کے نزدیک مقصود و مراد نہیں. لہذا وہ معاف سمجھے گئے ہیں. بعض فقہاء کا قول ہے کہ گر اکراہ کی حالت میں دل سے بھی طلاق کا قصد اور ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہو گی. کیونکہ اس کے اقوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک لغو اور بے معنی ہیں. لہذا شرعاً اُن کا وجود کالعدم ہے. اور جب اس کے الفاظ کا اعتبار نہ ہوا. تو اب صرف ارادہ قلبی باقی رہا اور محض ارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی. مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے مکرہ کے اقوال کو اس وقت لغو اور بے معنی قرار دیا ہے. جب وہ ارادہ اور قصد سے خالی ہوں اور اس کا دل اُن کی ضد اور ان کے خلاف پر قائم ہو اور مطمئن ہو. اور جب الفاظ کے ساتھ ارادہ بھی شامل ہو گیا اور دل اور زبان متفق ہو گئے. تو ایسی حالت میں وہ شخص معذور نہیں سمجھا جائے گا اگر کوئی یہ استفسار کرے کہ کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ اکراہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسی حالت میں اس نے طلاق کا ارادہ کیا. اور اسے یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ اکراہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی. تو ایسے شخص کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا. کہ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو کیونکہ اس کا جب یہ خیال ہے کہ اکراہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے. اور پھر اُس کو زبان سے نکالا تو اس کا ارادہ اس کے الفاظ کے قائم مقام ہو گا کہ اپنے بچاؤ کے لیے اس کا ارادہ کیا اس نے یہ سمجھا کہ ارادہ طلاق کے بغیر خلاصی نہیں ہو سکتی اور وہ یہ جانتا ہے کہ الفاظ بدوں ارادہ کے حالتِ اکراہ میں لغو اور بے معنی ہوتے ہیں. غرض اس نے بے سمجھی سے ارادہ کیا درحقیقت اسے طلاق واقع کرنا

Marfat.com

مقصود نہ تھا لہٰذا اس کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ اور پہلے شخص کی طلاق اس لیے واقع ہو جائے گی۔ کہ جب اس کو طلاق دینے پر اکراہ کیا گیا۔ تو اس کے دل میں ارادہ پیدا ہوا کہ جس عورت کے طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اس کے پاس رکھنے سے کیا فائدہ ہے۔ ایسی کو طلاق ہی دینا اچھا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے ارادہ سے طلاق دی۔ اگر چہ وہ جبر نہ کیا جاتا تو وہ اس کو طلاق نہ دیتا۔ غرض یہ کہ مکرہ اپنے فعل کو اپنے ارادہ سے کر سکتا ہے۔

**فصل۔** اس میں شک نہیں کہ نائم (سونے والا) سے بھی بعض افعال اور بعض کلام ایسے صادر ہوتے ہیں جو مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔ اس امر پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایسے افعال و اقوال پر مواخذہ اور تکلیف نہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ افعال و اقوال اس کی قدرت اور کسب سے صادر ہوتے ہیں یا کہ قدرت اور کسب سے خارج ہیں۔ معتزلہ اور بعض اشعریہ کا قول ہے۔ کہ یہ افعال نائم کی قدرت میں داخل ہیں اور سونے سے قدرت زائل نہیں ہو جاتی۔ گو علم اور ادراک اس حالت میں موجود نہیں ہوتے — ابو اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ یہ افعال اس کی قدرت میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ نیند کی حالت میں جس طرح علم اور ادراک نہیں پائے جاتے اسی طرح قدرت بھی نہیں پائی جاتی۔ قاضی ابو بکر اور بہت سے اشعریہ کا یہ قول ہے کہ نائم کی حرکت اور فعل کی نسبت کوئی قطعی حکم نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی قدرت میں داخل اور اس کا مکتسب ہے یا اس کی قدرت سے خارج اور اضطراری ہے بلکہ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں قائلین قدرت یہ کہتے ہیں کہ نائم میں بیداری کے وقت قدرت موجود تھی۔ اور اب بھی اس کی قدرت

Marfat.com

باقی ہے سونے کی وجہ سے قدرت زائل نہیں ہوجاتی۔ لہذا یہ کہا جائے گا کہ نائم کا فعل بدستور اس کی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ نائم جب بیدار ہوتا ہے تو اس میں سوائے نیند کے دور ہونے کے اور کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور بیدار ہونے پر اس پر قدرت موجود ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نیند کی حالت میں بھی قدرت موجود تھی۔ اور نیز وہ یہ کہتے ہیں کہ نائم سے کبھی ایسے افعال صادر ہوتے ہیں کہ اگر وہ حالت بیداری میں موجود ہوں تو اختیار اور ارادہ کے بغیر موجود نہیں ہو سکتے۔ غرض نوم گو ارادہ اور قدرت کے منافی اور مخالف ہے مگر قدرت کے منافی نہیں، منکرین قدرت جواب میں یہ کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعوے کہ نوم قدرت کے منافی نہیں صحیح نہیں ہو سکتا نائم محض منفعل اور متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے جو شخص اس کو کچھ تکلیف پہنچائے اُس کو ہٹا نہیں سکتا اور مؤثر کا اثر قبول کرنے سے وہ رُک نہیں سکتا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ بیدار ہونے پر نیند کے دور ہونے کے سوا کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قدرت کے مانع یعنی نیند کا دور ہونا ہی نئی چیز کا پیدا ہونا ہے۔ پس مانع دور ہونے سے قدرت بدستور سابق موجود ہوجاتی ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کو رسی سے باندھ کر اس کو حرکت سے روک دے۔ پھر جب رسی کو کھول دے گا۔ تو زوال مانع پیدا ہو جائے گا اور وہ بدستور حرکت کرنے لگے گا۔ قائلین قدرت یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ نائم۔ اور مرتعش اور مفلوج کی حرکت میں ظاہر فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور اس فرق کی یہی وجہ ہے کہ نائم میں قدرت موجود ہوتی ہے اور اس کی حرکت قدرت سے واقع ہوتی ہے اور مرتعش اور مفلوج کی حرکت ان کی قدرت اور اختیار کے بدوں صادر ہوتی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ نائم کی حرکت اضطراری اس کے کسب اور قدرت سے واقع نہیں ہوتی اور جس طرح کہ اپنے اختیار۔

Marfat.com

سے تالی بجانے اور مرض رعشہ سے ہاتھوں کے حرکت کرنے میں ظاہر فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح نائم اور بیدار کی حرکت میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

فصل۔ وہ شخص جس کی عقل جنون یا نشہ پینے سے زائل ہوگئی ہو اس کے افعال نہ تو ایسے اضطراری ہیں جیسے مجبور اور مکرہ شخص کے ہوتے ہیں۔ اور نہ ایسے اختیاری ہیں کہ ان کو اپنے علم وارادہ سے کرتا ہے بلکہ اس کے افعال اضطراری افعال کا ایک دوسرا قسم ہے اور یہ افعال حیوانات اور بے تمیز بچے کے افعال کی مانند و متشابہ ہیں۔ اور سائر مذکورہ اشخاص میں سے ہر ایک شخص کے فعل کے لیے ایک داعی اور باعث ہوتا ہے جس کو وہ پہلے تصوّر کرتا اور سوچتا ہے اور نیز ان میں ہر ایک شخص کے لیے ارادہ اور قدرت موجود ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے اس فعل کو صادر کرتا ہے۔ گو ان کے افعال کے دواعی عاقل اور عالم کے افعال دواعی واسباب کے سے علیحدہ اور دوسرے قسم کے ہیں۔ غرض یہ اشخاص اپنے افعال کی اغراض کو پہلے سوچتے۔ اور اس کے بعد ان افعال کے صادر کرنے کا ارادہ کرتے اور ارادہ کے بعد ان کو صادر کرتے ہیں۔ اور یہ افعال طبعی افعال ہیں جو دواعی اسباب۔ ارادہ اور قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ گو دواعی اور اسباب یکساں نہ ہوں۔ چونکہ ان کے دواعی ایک دوسرے قسم کے ہوتے ہیں لہٰذا کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ایسے اشخاص ان افعال پر ماخوذ معذب ہوں گے بلکہ ان کے افعال دائرہ تکلیف سے خارج ہیں۔ اور نیز یہ افعال مکرہ کے افعال کے مشابہ نہیں ہوسکتے۔ اور ان افعال کو اپنے فاعلین کی طرف مفعول ہونے کی حیثیت سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو خالق ذوات وصفات ہے مخلوق ہونے کے لحاظ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور ساہی (بھول کر کام کرنے والا) جو غفلت

Marfat.com

اور ذہول سے کسی کام کو کرتا ہے اس میں بھی اُس کام کی قدرت موجود ہوتی ہے اگر اُس میں اس کام کی قدرت نہ ہو تو وہ کام ہرگز اس سے صادر نہ ہو سکے اور نیز اس میں ارادہ بھی موجود ہوتا ہے گو وہ اپنے ارادہ سے اُس وقت غافل ہوتا ہے۔ کیونکہ ارادہ کا وجود اور اس کا علم دونوں ایک چیز نہیں بلکہ یہ دونوں دو مختلف چیزیں ہیں، پس ایک کے نہ ہونے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے جی میں کسی کام کا ارادہ ہو مگر وہ اس وجہ سے اس کے علم سے غافل ہو کہ اُس کی قوت مدرکہ کسی دوسری طرف متوجہ ہو اور وہ دوسری جانب کے ارادہ کے شعور سے مانع ہو اور اسی حالت میں وہ شخص اس کام کو اپنے ارادہ سے باوجود یہ کہ اسے اس کا شعور نہیں صادر کر سکتا ہے، اگرچہ فعل کے ہر ایک جزو کے صدور کے لیے شعور کا ہونا ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک جزو کا شعور تفصیلاً حاصل ہو بلکہ ان کا اجمالی علم اور شعور بھی صدور کے لیے کافی ہے۔

فصل۔ جبری بولا کہ قدریہ کے نزدیک کافر کی گمراہی اور اس کا کفر اور جہل بھی اس کے اختیار سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ وہ ان کو اپنے ارادہ اور قصد سے پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ افعال اختیاریہ کے لیے قصد اور ارادہ ضروری ہے اور یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ ان چیزوں کو اپنے ارادہ اور قصد سے اپنے لیے پیدا کرے کیونکہ کوئی صاحب عقل اپنے قصد اور ارادہ سے اپنے لیے جہالت اور گمراہی پسند نہیں کرتا لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ وہ اِن اشیاء کو اپنے اختیار سے نہیں کرتا اور یہی جبر کا معنی ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ تمہاری عقل پر نہایت تعجب آتا ہے کہ

Marfat.com

کو تو اس عیب سے منزہ ٹھیراتے ہو کہ وہ اپنے لیے گمراہی اور جہالت کو پیدا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ جائز رکھتے ہو کہ وہ ان سب اشیاء کا فاعل اور موجد ہے، اور تمہارا یہ کہنا کہ کوئی صاحبِ عقل اپنے لیے گمراہی اور جہالت پسند اور پیدا نہیں کرتا سراسر غلط ہے تم بہت سے ایسے لوگ دیکھتے ہو گے جو محض عناد، ضد، ہٹ دھرمی اور حسد کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے باوجودیکہ ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہدایت اور حق کے وہ خلاف ہیں مگر اپنی نفسانی خواہش اور کجروی کے باعث اس کو اختیار نہیں کرتے اور ہدایت اور رشد کے اسباب کی مخالفت اور گمراہی کے راستہ پر چلنا اور دیدہ و دانستہ دیکھ بوجھ کر ہدایت سے کنارہ کشی کرنا اچھے سمجھتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے ایسے اشخاص کی نسبت فرمایا ہے سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ (اور) جو لوگ ناحق (ناروا) ملک میں اکڑتے (پڑے) پھرتے ہیں۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ہم ان کو اپنے احکام سے برگشتہ کیے رہیں گے اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دیں گے کہ اگر دنیا جہان کے سب معجزے بھی دیکھیں تاہم ان پر ایمان نہ لائیں، اور اگر سیدھا رستہ دیکھ پائیں تو اس کو اپنا مسلک (یعنی طریقہ) نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ پائیں تو اس کو اپنا مسلک بنا لیں یہ کجروی اُن میں اس سے پیدا ہوئی، کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہی کرتے رہے۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی

Marfat.com

عَلَی الْھُدٰی (اور رہے ثمود تو ہم اُن کو (سیدھا) رستہ دکھا دیا تھا۔ مگر انہوں نے سیدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی)۔

اور فرعون کی نسبت فرمایا ہے فَلَمَّا جَآءَتْھُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَۃً قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (تو جب ان کے پاس ہمارے معجزے آئے آنکھیں کھول دینے والے تو لگے کہنے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور باوجودیکہ اُن کے دِل اُن معجزوں کا یقین کر چکے تھے (مگر) انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے اُن کو نہ مانا۔

اور نیز فرمایا وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (اور شیطان نے انہیں ان کے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا۔ اور اسی تدبیر سے) ان کو راہِ راست کے اختیار کرنے) سے روکا بھی تھا اور وہ شامت اعمال سے شیطان کے بہکائے میں آ گئے ورنہ یوں تو) وہ بڑی سوجھ بوجھ کے لوگ تھے۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰہُ مَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ (باوجودیکہ جان چکے تھے کہ جو شخص اِن باتوں کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب ہے)۔

اور نیز فرمایا ہے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (کیا ہی بُرا معاوضہ ہے جس کے بدلے اِن لوگوں نے اپنے نزدیک) اپنی جانوں کو خرید کیا کہ اتنی سی بات پر کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے فضل سے وحی بھیجے براہِ سرکشی خدا کی اتاری ہوئی کتاب سے لگے انکار کرنے۔

ایک اور جگہ میں فرمایا ہے یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ

Marfat.com

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم دل میں قائل ہو۔ اے اہل کتاب کیوں حق و باطل کو گڈمڈ کرتے اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم حقیقۃ الحال سے واقف ہو)۔

اور نیز فرمایا ہے یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُھَدَآءُ (اے اہل کتاب بڑے دانستہ اللہ کے رستے میں ناحق کی کجی نکال نکال کر ایمان لانے والوں کو اس سے کیوں روکتے ہو)۔

ان کے علاوہ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار نے دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے کفر اور گمراہی کو پسند کیا ہے۔ اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جو کسی بات کو ہدایت اور رشد سمجھتے ہیں مگر وہ درحقیقت گمراہی ہوتی ہے۔

س: جبری نے کہا اگر بندے کی قدرت اپنے اقوال اور افعال کے ایجاد کرنے میں مؤثر ہو سکے تو ان کے علاوہ دوسری اشیاء کے پیدا کرنے میں بھی مؤثر ہو سکے گی۔ کیونکہ تمام ممکنات اپنے امکان میں یکساں اور جملہ موجودات ممکنہ اپنے وجود میں برابر ہیں۔ گو ان کے محل اور جہات متفاوت اور مختلف ہیں۔ پس جب بندے کی قدرت بعض اشیاء میں مؤثر ہے تو تمام اشیاء میں بھی مؤثر ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ وہ سب یکساں اور برابر ہیں اور جو چیزیں یکساں اور برابر ہوں۔ ان میں سے بعض کے لیے جو صفت ثابت ہو وہ باقی کے لئے بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ غرض بندے کی قدرت کے مؤثر ہونے کے دارومدار ممکنات کے امکان پر ہے۔ پس جب تمام ممکنات صفت امکان میں شریک ہیں۔ تو ضرور ہوا کہ اس کی قدرت سب میں مؤثر ہو سکے۔ مگر یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کی قدرت کو اجسام اور اکثر اعراض کے ایجاد اور پیدا کرنے میں ہرگز کوئی دخل نہیں۔ بلکہ اس کی قدرت تمہارے نزدیک بھی صرف بعض اعراض میں مؤثر ہے جو اس کے محل قدرت سے قائم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

سنی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مذہب کی برائی کو ظاہر کر دیا۔ تمہارا مذہب ایسی ہی واہیات اور خرافات دلیلوں پر مبنی ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آدمی کو زمین میں سے ایک سنگریزہ اکھاڑنے پر قدرت ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ پہاڑ کے اکھاڑ ڈالنے پر بھی قادر ہو اور نیز اگر وہ ایک سیر بوجھ اٹھا سکے تو ضرور ہے کہ وہ لاکھ سیر اٹھانے پر بھی قادر ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے ان افعال پر جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں جیسے کھانا پینا، نماز پڑھنا وغیرہ پر قادر مانا جائے تو ضرور ہوگا کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر بھی اس کی قدرت ماننی پڑے گی۔ ایسی لچر اور بیہودہ دلیل کبھی کسی نے نہ سنی ہوگی اور تمام موجودات کے وجود میں شریک ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ جو امر ایک موجود اور ممکن چیز کی نسبت جائز الوقوع ہو وہ تمام موجودات اور ممکنات کی نسبت جائز ہو جائے۔ اور یہ مقدمہ دلیل کے پہلے مقدمہ سے بھی زیادہ خراب اور بیہودہ ہے۔ اگر اس مقدمہ کو صحیح کہا جائے۔ تو لازم آئے گا کہ مچھر اور ہاتھی اور نیز اعراض اور اجسام یکساں اور برابر ہوں۔

اور فرقہ جبریہ میں سے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ بندے کی قدرت حادثہ کو اس کے فعل سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ وہ اجسام اور اعراض کے درمیان تفاوت اور فرق مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندے کی قدرت بعض اعراض سے تعلق رکھتی ہے اور اجسام سے تعلق رکھتی ہے اور اجسام سے ہرگز اسے کوئی تعلق نہیں اور اعراض میں سے صرف بعض اعراض کے ساتھ اس کو تعلق ہے، تمام اعراض سے نہیں اگر وہ ایسی واہی اور بیہودہ دلیل یا شبہ سے اپنے مدعا یعنی بندے کی قدرت کی تاثیر کے ابطال پر استدلال قائم کرے گا۔ تو اسی شبہ کے ساتھ اس کو الزامی جواب سے ساکت کیا جائے گا، کہ تم جب بندے

Marfat.com

کی قدرت کے بعض اعراض میں مؤثر ہونے کو تسلیم کرتے ہو تو یہ شبہ بعینہ تم پر وارد ہوگا۔

**فصل**۔ جبری نے جواب دیا کہ توحید باری تعالیٰ کی دلیل بندے کے فاعل افعال اور ان میں اس کی قدرت کے مؤثر ہونے کے منافی اور مخالف ہے یعنی دلیل توحید سے جس کو برہانِ تمانع کہتے ہیں بندے کا فاعل افعال اور اس کی قدرت کا ان میں مؤثر ہونا باطل ہو جاتے ہیں۔

سنی نے جواب دیا کہ توحید کی دلیل سے دوسرے رب کے وجود کی نفی اور بطلان لازم آتا اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ الٰہ برحق کے سوا کوئی دوسرا رب موجود نہیں، اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی ایسی مخلوق بھی موجود نہیں جن میں خالق نے ارادہ اور قدرت پیدا کئے ہوں۔ جن سے وہ افعال صادر کر سکے اور وہ مخلوق خود اس کے افعال۔ ارادہ اور قدرت سب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہوں۔ غرض دلیل توحید کے طول طویل مقدمات (جن پر نقض اور معارضہ بھی کیا جاتا ہے اور تمہارے علماء ان کے جواب دینے اور صاف طور پر اس کے بیان کرنے سے عجز اور قصور کا اعتراف کرتے ہیں) سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایسے صاحب قدرت موجود نہیں ہو سکتے۔ جو قدرت میں دونوں یکساں ہوں اور ہر ایک کی قدرت خود اس کی ذات کے لوازم سے ہو۔ دوسرے سے مستفاد نہ ہو۔ یہ دلیل بجائے خود بیشک صحیح ہے گو تم اس کو صاف طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بندے کی قدرت اور اس کا ارادہ اس کے مقدور کے وجود کے لیے سبب نہیں ہو سکتے اور اس کے ارادہ اور قدرت کے لیے اس کے افعال میں ایسی تاثیر نہیں ہو سکتی جیسے اسباب کی اپنے مسببات میں تاثیر ہوتی ہے غرض برہان تمانع کے ساتھ توحید

Marfat.com

اور جبر میں سے کسی کو بھی تم ثابت نہیں کر سکتے تمہارے متاخرین فضلا تو اس کے قائل ہیں۔ کہ یہ دلیل متنافی اور مخالف نتائج کو مستلزم ہے اور اس پر معارضات اور منع وارد ہو سکتے ہیں۔

جبری نے جواب دیا: ان سب امور سے قطع نظر کر کے اور ان تمام ادلہ کو چھوڑ کر یہ بتلاؤ کہ جب تم بندے کی قدرت کو اس کے افعال اور مقدورات میں مؤثر مانتے ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ اس کے افعال و مقدورات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ تو یہ ضرور لازم آئے گا کہ ایک فعل دو فاعل یا ایک مقدور چیز دو صاحبِ قدرت سے صادر ہو اور یہ دلیل کے رُو سے محال اور ناجائز ہے

سنی نے جواب دیا کہ تمہارے اس قول کا کہ ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آئے گا کیا مطلب ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ایک مقدور کا دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آتا ہے جو دونوں اپنی قدرت میں مستقل اور یکساں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دو ایسے صاحبِ قدرت سے صادر ہونا لازم آتا ہے کہ جن میں سے ایک یعنی اللہ تعالیٰ تو مستقل بالقدرت ہے اور دوسرے یعنی بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت ہے اگر پہلا معنی مراد ہے تو لازمہ مسلم نہیں اور اگر دوسرا معنی ارادہ کرتے ہو تو لازم کا باطل ہونا تسلیم نہیں۔

مثبتین کسب اس کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مقدور کا دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا جن میں سے ایک کی قدرت تو اس کے ایجاد میں مؤثر ہو اور دوسرے کی قدرت اُس کی صفت میں تاثیر کرے کوئی محال نہیں۔ چنانچہ قاضی ابوبکر اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں۔

اور اشعری اپنے اصول کی بنا پر اس کا جواب یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ

Marfat.com

ایک مقدور کا دو صاحبِ قدرت سے صادر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اُس کے صادر کرنے میں موثر ہوتی ہے اور بندے کی قدرت کو صرف اس سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے، جیسا کہ عالم کو اپنے معلوم کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ ہوتا ہے۔ اور ایک مقدور کا دو صاحبِ قدرت سے صادر ہونا تب محال ہے کہ دونوں کی قدرت اُس میں مؤثر ہو۔ مگر اشعری کا یہ جواب صرف ملمع ہے۔ جبریہ کے عقائد سے اُس کو باہر نہیں نکال سکتا۔

اور فرقہ حسینیہ نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے۔ کہ ایک مقدور کا دو صاحبِ قدرت سے علی سبیل البدل یعنی یکے بعد دیگرے صادر ہونا محال نہیں بلکہ علی سبیل الاجتماع یعنی دونوں کی قدرت کا اکٹھے اور معاً مؤثر ہونا محال ہے اس جواب اور اس کے سقم اور فساد کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور فرقہ مشائخیہ اس کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بندے کے افعال اُس کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالےٰ کی قدرت سے وہ باہر ہیں۔

تمام جوابات سے بڑھ کر غلط اور بیہودہ جواب فرقہ مشائخیہ کا جواب ہے یہ لوگ اِس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کئی اشیاء کا ارادہ کرتا ہے مگر ان کا وجود اور ظہور نہیں ہوتا۔ اور بہت سی چیزیں اُس کی مشیت اور ارادہ کے بغیر پیدا ہوتی ہیں۔ غرض جن کا ارادہ کرتا ہے وہ وجود میں نہیں آتیں اور جن کا ارادہ نہیں کرتا وہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ عقیدہ نہایت باطل سراسر بیہودہ غلط اور فاسد ہے۔

جبری نے جواب دیا کہ مرجح تام کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور مرجح تام یعنی پورے طور پر ترجیح دینے والی چیز بندے کے اختیار میں نہیں

Marfat.com

ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔ بلکہ مرجح تام منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اور جب مرجح تام کے موجود ہونے پر فعل کا وجود ضروری ہے۔ اور وہ بندے کے اختیار میں نہیں تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ یہ دلیل اور اس کا سقم پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب تم نے مختصر الفاظ کے ساتھ اس کو دوبارہ ذکر کر دیا ہے تو ہم بھی باختصار کے ساتھ اس کے جواب دوبارہ ذکر کر دیتے ہیں۔ تمہارا یہ کہنا کہ ایک ایسے امر کا ہونا جو فعل کو ترک پر یا ترک کو فعل پر ترجیح دے ضروری اور لازمی ہے۔ بیشک ہم تسلیم کرتے ہیں مگر تمہارا یہ کہنا کہ ایسے امر کا وجود اگر بندے کی طرف سے ہوگا۔ تو تسلسل لازم آئے گا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی جانب سے ہو تو جبر پایا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسے امر کا وجود بندے کے اختیار سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ تسلسل لازم آتا ہے کیونکہ اس کا وجود اس طور پر ہوتا ہے کہ اُس کے ہوتے ہوئے فعل کو ترک کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اور امر مرجح کے وجود کی نسبت بندے کے مسلوب الاختیار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ تمام کاموں میں مسلوب الاختیار ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر مرجح کا وجود اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور جبر بھی نہ پایا جائے۔ کیونکہ جبر کا معنی اگر یہ ارادہ کرتے ہو کہ بندہ اُس کام کے کرنے میں بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا تو یہ لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ سبحانہ نے بندے کے اختیار اور اس کے ارادہ و مشیت ہی کو فعل کا مرجح بنایا ہے۔ لہٰذا جبر نہ ہوا۔ اور اگر جبر کا یہ معنی ہے کہ وہ فعل بندے کے ایجاد کے بغیر پیدا ہوتا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے بھی جبر لازم نہیں آتا اور اگر جبر کا یہ معنی لیتے ہو کہ مرجح کے موجود ہونے پر فعل کا وجود ضروری ہو جاتا ہے

Marfat.com

تو اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کو جبر کہنا تمہاری اپنی گھڑی اصطلاح ہے یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ کے افعال بھی مرجح تام کے موجود ہونے کے وقت ضروری اور واجب ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ کی نسبت یہ کہنا کہ مرجح کے وجود کے وقت وہ افعال اس سے جبراً صادر ہوتے ہیں سراسر غلط ہے اور نیز یہ شبہ ان لوگوں پر بھی وارد ہوتا ہے جو تم میں سے کسب کے قائل ہیں کیونکہ جو شبہ اصل فعل کی نسبت وہ پیش کریں گے ہم وہی شبہ کسب کے نسبت پیش کر سکتے ہیں۔ اور تم میں سے جو لوگ کسب کے قائل نہیں تو ان سے یہی کہا جائے گا کہ اس طرح تو باری تعالیٰ کے افعال بھی اس سے جبراً صادر ہوں گے اور یہ بالکل غلط ہے۔

اگر تم یہ فرق بیان کرو کہ اللہ سبحانہٗ کے افعال کا صدور تو اس کے اپنے ارادہ پر موقوف ہے اور بندے کا ارادہ مُحدَث اور مخلوق ہے۔ جس کو محدث اور پیدا کنندہ کی ضرورت ہے پس اگر اپنے ارادہ کا محدث بندہ قرار دیا جائے تو تسلسل لازم آئے گا اور چونکہ تسلسل کا محال ہے تو لامحالہ بندے کے تمام ارادوں کا انتہا ایسے ارادہ پر ہوگا جس کو بندے کے اختیار کے بغیر اللہ سبحانہٗ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا ہو۔ اور جبر کا یہی معنی ہے اور اللہ سبحانہٗ کے ارادوں میں تسلسل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس کا ارادہ قدیم اور دوسرے ارادہ سے مستغنی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق اور تفاوت الزام کے دفع کرنے میں تمہیں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ارادہ قدیم کے ہوتے ہوئے فعل اور ترک دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر یہ جائز ہے کہ ارادہ قدیم کے ہوتے ہوئے باری تعالیٰ فعل اور ترک دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے، تو اس کے لیے دوسرے مرجح کی ضرورت

Marfat.com

ہے. کیونکہ ارادہ قدیم تو کسی جانب کا مرجح نہ تھا. اور پھر اس مرجح کے لیے دوسرے مرجح کی ضرورت ہے. اور اسی طرح تسلسل لازم آئیگا. اور اگر باری تعالیٰ کے لیے بھی ایک جانب ضروری ہو جاتی ہے تو وہ بھی مجبور ٹھیرا۔

جبری بولا کہ اثبات جبر کے لیے میرے پاس ایسی قوی دلیل ہے جس کا تم کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور جبر کے ماننے بغیر تمہیں کوئی چارہ نہیں وہ دلیل یہ ہے. کہ اگر انسان اپنے افعال کا فاعل ہو تو وہ ان کا محدث ہوگا۔ اور جب محدث ہوا. تو وہ ان کا خالق ٹھیریگا. اور یہ بات شریعت اور عقل کے خلاف ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہو. اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (لوگو! اللہ کے احسان جو تم پر ہیں ان کو یاد کرو. بھلا اللہ کے سوا کوئی (اور بھی) پیدا کرنے والا ہے. جو آسمان و زمین سے تم کو روزی دے (تو) اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم (لوگ) کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

سنی نے جواب دیا کہ عقل. شرع اور حس و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بندہ اپنے افعال کا فاعل ہے. اور وہ بُرے کام کرنے پر مذمت اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے. چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر داغ دیا ہوا ہے. تو اس پر آپ نے فرمایا کیا مجھے اس کام سے ممانعت نہیں کی گئی. (یعنی جانوروں کو بغیر ضرورت داغ دینا منع ہے) اس پر خدا کی لعنت ہو جس نے یہ کام کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلُوْطًا اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّنَجَّیْنٰہُ مِنَ

Marfat.com

اَلْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ (اور لوط کو بھی ہم نے پیغمبری کے اختیارات دیئے اور علم دیا، اور ہم نے لوط کو اس بستی سے جہاں کے لوگ ناپاک کام کیا کرتے تھے نجات دی۔ وقال تعالیٰ ھَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یہ تم کو سزا دی جا رہی ہے تمہارے اپنے ہی کرتوت کا بدلہ ہے) اور بس، وقال تعالیٰ وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (اور جس نے جیسے عمل کئے ہیں سب کو پورے پورے بھر دیئے جائیں گے)۔

ان کے علاوہ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں اس کثرت سے موجود ہیں۔ کہ یہاں پر اس سب کا ذکر کرنا دشوار ہے اور حس بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے افعال کا فعال ہے۔ پس ایسے شبہات جو حس کے برخلاف پیش کئے جائیں وہ قابل سماع نہیں ہو سکتے اور دراصل ایسے شبہات نکالنا بدیہیات اور محسوسات کا انکار کرنا ہے اور جو شخص بدیہیات اور محسوسات کا منکر ہو اس کے قول کی طرف التفات، اور توجہ کرنا بھی مناسب نہیں اور عالم دین کے ذمہ یہ امر ضروری اور فرض نہیں، کہ وہ ہر ایک شبے کا جو کسی شخص کو پیش ہو جواب دیا کرے کیونکہ شبہات کا سلسلہ تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر انسان اپنے افعال کا فعل ہو تو وہ ان کا محدث ہو گا۔ محدث ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے افعال کا صدور ہو گا۔ تو اس صورت میں لازم و ملزوم دونو ایک ہیں یعنی تمہارے کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فاعل ہو گا تو فاعل ہوگا اور یہ کلام لغو ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور اگر محدث بمعنے خالق لیتے ہو تو ہم پوچھتے ہیں کہ خالق کا کیا معنی ٹھیراتے ہو خالق بمعنے فاعل ہے یا کوئی اور معنی مراد ہے۔ اگر خالق بمعنی فاعل ہے تو پھر وہی خرابی پیدا ہوئی۔ کہ لازم و ملزوم دونو ایک ہوئے اور اگر کوئی دوسرا معنی مراد ہے۔ تو اس کو بیان کرنا چاہیئے۔ پس

Marfat.com

اگر خالق کا یہ معنی مراد ہے کہ وہ موجد فعل یعنی فعل کو عدم سے وجود میں لانے والا ہوگا، تو ہم یہ جواب دیں گے، کہ یہی معنی عامل کے ہیں، تمہیں اختیار ہے کہ تم اپنی زبان سے اس کو محدث موجد یا خالق کہو تمہاری زبان کو کون پکڑ سکتا ہے تم جو چاہو نام رکھو نام رکھنے سے کیا ہوتا ہے حقیقۃ الامر یہ ہے کہ انسان کا مستقل طور پر موجد افعال ہونا جائز نہیں لیکن اُسکے فاعل افعال ہونے سے بالاستقلال موجد فعال ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی قدرت، ارادہ حرکت وغیرہ زیادہ سے زیادہ جز و سبب ہو سکتے ہیں اور اس کا فعل کئی ایک ایسے اسباب پر موقوف ہوتا ہے جو اس کی قدرت سے باہر اور وہ اس سبب کے علاوہ ہیں جس کی یہ جزو واقع ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ انسان کے افعال کے اسباب جب اُسکی قدرت قدرت سے باہر ہیں اور اُن کا وجود اُسکے اختیار میں نہیں ہے بلکہ وہ اس کے اختیار کے بغیر پیدا ہو جاتے ہیں اور ان پر افعال کا وجود مرتب ہو جاتا ہے تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے تو اسکا جواب اسطرح ہو سکتا ہے کہ یہی سبب جس کے اندر قدرت اور ارادہ شامل ہیں۔ انسان کو مجبوریت سے نکال کر با اختیار بنا دیتا ہے۔ اور چونکہ اس سبب کا وجود اللہ خالق اور پیدا کرنے والے کی جانب سے ہے لہذا اس عقیدے والا شخص شرک اور تعطیل کے گرد اب سے نکلکر بارگاہ توحید میں بازیابی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ پہلا مسئلہ یعنی انسان کو اپنے افعال میں مختار ماننے سے اللہ جلشانہٗ کے عدل اور دوسرا مسئلہ یعنی خالق اسباب اسی کی ذات مقدس کو تسلیم کرنے سے اُس کی توحید کا قائل ہو جاتا ہے اور اسطرح عقیدہ رکھنے سے نہ تو اللہ سبحانہ کے عدل کے ماننے کی نسبت کوئی نقص پیدا ہوتا ہے اور نہ اسکی توحید کے اقرار میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ پس قدریہ نے تو اسکی توحید کو کماحقہ نہیں مانا۔ اور جبریہ نے اس کے عدل کو نہیں سمجھا، اور اللہ سبحانہ نے اہل سنت کو عدل اور توحید دونو کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور ہدایت اُسی کے اختیار میں ہے جسے چاہے۔ صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائے۔

Marfat.com

# بیسواں باب

## قدری اور سنی کے مناظرہ کے بیان میں

قدری نے بیان کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کو اضافت عامہ اور اضافت خاصہ دو نوع طریق سے ان کی طرف مضاف اور منسوب فرمایا ہے پس کسی مقام پر تو لفظ استطاعت کے ساتھ ان کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو) اور کہیں مشیت کے ساتھ مضاف فرمایا ہے کقولہ تعالیٰ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (جو تم میں سے سیدھے رستے پر چلنا چاہے) اور کسی جگہ پر ارادہ کے ساتھ نسبت کیا ہے چنانچہ خضر علیہ السلام کے ذکر میں فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا (تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں) اور کہیں لفظ فعل، کسب اور صنع کے ساتھ منسوب فرمایا ہے کقولہ تعالیٰ يَفْعَلُوْنَ. يَعْمَلُوْنَ. بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (ان اعمال کے بدلے جن کو تم کماتے تھے) اور لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (البتہ بہت ہی برے فعل تھے جو (وہ لوگ) کیا کرتے تھے)۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں میں اضافت عامہ ہے۔ اور اضافت خاصہ کی مثالیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ۔ صوم۔ حج۔ طہارت۔ زنا۔ سرقہ۔ قتل۔ کذب۔ کفر۔ فسق وغیرہ تمام افعال کو بندوں کی طرف مضاف اور منسوب کیا ہے۔ اور اس

Marfat.com

اضافت خاصہ کے ساتھ اِن افعال کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کی طرف منسوب و مضاف کرنا جائز نہیں۔ پس بندوں کے افعال کو نہ تو بندوں کے ساتھ اور نہ تنہا اللہ سبحانہٗ کی طرف مضاف کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ پس بندوں کے افعال انہی کی طرف مضاف ہوں گے اور اللہ سبحانہٗ کی طرف وہ مضاف نہیں ہو سکتے۔

سُنّی نے جواب دیا کہ تمہارے بیان کا کچھ حصّہ تو صحیح ہے مگر کچھ بالکل غلط ہے۔ اتنی بات کہ اللہ سبحانہٗ نے افعالِ عباد کو ان کی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے صحیح اور درست ہے اور جبریہ کے مقابلہ کے لیے تمہارے پاس یہی دلیل کافی ہے۔ گو جبریہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ نسبت اور اضافت حقیقی طور پر نہیں کی گئی۔ بلکہ چونکہ افعال عباد اُن کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ لہٰذا مجازاً انکی طرف منسوب اور مضاف کئے گئے ہیں جس طرح کہ پانی کا جاری ہونا اور ٹھنڈا یا گرم ہونا پانی کی طرف نسبت کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ پانی جاری ہوا اور ٹھنڈا یا گرم ہوا۔ اور اسی طرح کسی آدمی یا حیوان کا مرنا اس کی طرف نسبت کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں جانور مر گیا۔ حالانکہ یہ افعال یعنی جاری ہونا۔ ٹھنڈا یا گرم ہونا پانی کے افعال نہیں اور اسی طرح مرنا مرنے والی چیز کا فعل نہیں۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ اسی بات میں متفق ہیں۔ کہ جبریہ کا یہ جواب سراسر غلط۔ اور عقل، شرع اور فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن تمہارا یہ قول کہ ان افعال کو اللہ سبحانہٗ کی طرف مضاف و منسوب کرنا درست اور صحیح نہیں اس میں دھوکا اور اجمال ہے اللہ سبحانہ کی طرف ان کے مضاف نہ ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اس کے وصف نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے احکام اس پر جاری ہو سکتے ہیں۔ اور نہ اس اسمائے مشتقات کا اللہ سبحانہٗ پر اطلاق کرنا اور لوان درست ہو سکتا ہے تو

Marfat.com

بیشک ہم نہیں یہ کہتے ہیں کہ ان اعتبارات اور وجوہ میں سے کسی لحاظ سے یہ افعال اللہ سبحانہ کی طرف مضاف اور منسوب نہیں ہو سکتے۔ اور اگر عدم اضافت سے یہ مطلب ہے کہ اس کے علم، قدرت، مشیت عامہ اور صفت خلق سے ان کو تعلق نہیں تو یہ باطل محض ہے کیونکہ یہ افعال اللہ سبحانہ کے معلوم، مقدور اور مخلوق ہیں۔ اور ان افعال کے بندوں کی طرف مضاف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف نہ ہو سکیں۔ بلکہ ان کی اضافت ایسی ہی جائز ہے جیسے اموال کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنا درست ہے۔
دیکھو اموال اللہ سبحانہ کی مخلوق چیزیں اور حقیقتہً اسی کی ملک ہیں مگر باوجود اس کے ان کو بندوں کی طرف مضاف و منسوب کیا ہے۔ غرض اعمال اور اموال دونو یکساں اس کے مخلوق اور اس کے ملک ہیں ہیں - اور وہ ان کو اپنے بندوں کی طرف منسوب فرماتا اور وہی ان کو مالک اموال اور عامل اعمال بناتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعمال اور اموال دونو یکساں اللہ سبحانہ اور عباد کی طرف منسوب مضاف ہو سکتے ہیں اور جس طرح کہ اموال بندوں کے کسب اور ارادہ سے حاصل ہوتے ہیں اسی طرح اعمال بھی ان کے کسب و ارادہ سے موجود ہوتے ہیں۔ اموال اور ان کے کمانے والے اسی طرح اعمال اور ان کے کرنے والے سب کے سب اللہ تعالیٰ مخلوق ہیں اور نیز جملہ اموال و اعمال اللہ سبحانہ کے ملک اور اس کے قبضہ میں ہیں جیسے کہ بندوں کے تمام اعضاء، کان، آنکھ بلکہ ان کے نفوس اللہ تعالیٰ کی ملک اور اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو سمیع، بصیر اور فاعل افعال بنایا ہے۔ اور سننے اور دیکھنے کے لیے حواس اور قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور دوسروں کو سنانے اور دکھانے پر قدرت بخشی ہے غرض جملہ اعمال کے آلات اور ان کے لیے قوت

Marfat.com

اور خود اعمال سب کچھ اُسی کے مخلوق ہیں۔ اور جس طرح کہ ہاتھ سے کام کرنے کی قوت کو ہاتھ کی طرف اور بولنے کی قوت کو زبان کی طرف نسبت کرنا اور سماع کی قوت کو کان کی طرف اور دیکھنے کی قوت کو آنکھ کی طرف منسوب کرنا یکساں اور برابر ہیں اسی طرح رویت اور استماع اختیاری کو ان کے محل کی طرف منسوب کرنے اور بولنے اور پکڑنے کو ان کے محل کی طرف منسوب کرنے میں کچھ تفاوت نہیں، رویت اور سمع کے فاعل گو بندے ہیں۔ لیکن اُن کے محل اور انکے قوی اور وہ تمام اسباب جن پر سمع اور رویت موقوف ہیں۔ سب کے سب اللہ سبحانہ کے مخلوق ہیں۔ جو تمام اشیاء کا خالق اور واحد اور قہار ہے۔

قدری بولا کہ اگر افعال عباد کا فاعل اللہ سبحانہ کو قرار دیا جائے تو یہ جائز ہو گا کہ ان افعال کے اسماء مشتقہ کا اطلاق اور استعمال اس کی ذات پر درست ہو بلکہ بندوں کی نسبت وہ ان اسماء کا زیادہ مستحق ہو گا سب لوگ خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں اور ان کا کوئی سا دین ہو اور کسی طرح کے عادات و اطوار رکھتے ہوں۔ باوجود زبانوں اور عادات اور مذاہب و ادیان کے مختلف ہونے کے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ قائم اسی شخص کو کہا جاتا ہے۔ جس میں صفت قیام موجود ہو اور کھانے والا وہی کہا جاتا ہے جس میں کھانے کا فعل پایا جائے اور چور اسی پر اُن کے اسماء مشتقہ کو بولا جاتا ہے جو چوری کرے۔ جملہ افعال لازمی و متعدی کا یہی قاعدہ ہے کہ جس میں وہ افعال پائے جائیں۔ اسی پر اُن کے اسماء مشتقہ کو بولا جاتا ہے۔ مگر تم نے یہ الٹا قاعدہ نکالا اور حقیقت امر کو بدل دیا یعنی یوں کہہ دیا ہے کہ ان افعال کا جو حقیقی فاعل (یعنی اللہ سبحانہ) ہے اُس پر تو ان کے اسماء مشتقہ کا اطلاق و استعمال درست نہیں اور اُن لوگوں پر ان کے اسماء مشتقہ بولے جاتے ہیں جو در حقیقت ان کے فاعل

Marfat.com

و موجد نہیں. تمہارا یہ قاعدہ لغت. عرف اور عقل کے خلاف ہے۔

سنی نے جواب دیا. کہ یہ الزام تو تمہارے ہم جنس اور تمہارے مقابل جبریہ پر قائم ہو سکتا ہے کیونکہ وہ عباد کو فاعل افعال نہیں کہتے. مگر ہم پر یہ الزام ہرگز قائم نہیں ہوتا. اس لیے کہ ہم تو بندوں کو اپنے افعال کا فاعل حقیقی کہتے اور اللہ سبحانہ کو ان کا اور ان کے ظاہری اور باطنی آلات کا خالق مانتے ہیں. اور قاعدہ یہی ہے کو جو شخص فاعل فعل ہو. اسی پر اسم مشتق بولا جاتا ہے پس قائم. قاعدہ: مصلی. سارق. زانی وغیرہ صفات کے ساتھ حقیقۃً ان کے فاعل یعنی بندے موصوف ہوں گے۔

کیونکہ جس کے ساتھ کوئی فعل قائم ہو. اس کا حکم اسی کی طرف عائد ہوتا ہے. اور اسی پر اسم مشتق کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور جس کے ساتھ وہ فعل قائم نہ ہو اس پر مشتق کا اطلاق درست نہیں. ان افعال کے نفی و اثبات کے متعلق چار چیزیں ہیں جن میں سے دو معنوی اور دو لفظی ہیں اُس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ افعال مثلاً کھانا پینا. چوری. زنا وغیرہ بندے کے ساتھ قائم ہوتے ہیں. تو ان کے احکام بھی اسی کی طرف راجع ہوں گے. اور اسی پر اُن کے اسماء مشتقہ یعنی آکل شارب. سارق. زانی وغیرہ کا استعمال و اطلاق کیا جائے گا. اور اللہ سبحانہ کی طرف نہ اُن کے احکام راجع ہوں گے اور نہ ان کے اسمائے مشتقہ اس پر بولے جائیں گے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا. کہ یہ افعال اُس کے مقدور، معلوم، مخلوق بھی نہ ہوں. اور بندوں سے اس کی قدرت و تکوین کے ساتھ واقع نہ ہوں۔

قدری بولا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق مانا جائے تو انکے احکام اسکی طرف عائد ہوں گے اور ان کے اسماء مشتقہ کو اُس پر اطلاق و استعمال کرنا جائز ہو گا۔

Marfat.com

سنی نے جواب دیا۔ کہ تمہارا یہ دعویٰ بالکل غلط اور سراسر باطل ہے دیکھو کہ اعمال کے علاوہ اور تمام اشیا کا خالق اللہ سبحانہٗ ہی ہے (اس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) مگر ان اشیاء کے اسمائے مشتقہ کا اطلاق ان ہی چیزوں پر آتا ہے جہاں وہ اشیاء موجود و قائم ہوں۔ اور اللہ سبحانہٗ پر نہ تو اسمائے مشتقہ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور نہ انکے احکام اسکی طرف عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ سبحانہٗ نے مختلف اقسام کے رنگ۔ ذائقے اور طرح طرح کی بوئیں اور کئی طرح کی حرکتیں اپنے اپنے محل میں پیدا کی ہیں۔ مگر ان سے کوئی اسم مشتق اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا اور نہ ان کے احکام اس کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ افعال کے احکام کسی طرف راجع ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ ان افعال کے ساتھ اس سے خبر دی جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ وہ کھاتا ہے یا پیتا ہے وغیرہ ذٰلک۔

سنی نے یہ بھی کہا کہ میرے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معتزلہ جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ یہ انکی غلطی ہے۔ وہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کو ایک محل میں پیدا کیا اور اسی صفت خلق کی وجہ سے اس کے واسطے صیغۂ متکلم مشتق ہو کر اس پر بولا گیا۔ اور اسکا حکم اس کی طرف عائد ہوا۔ اور یہ کہا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کیساتھ تکلم کیا ہے معتزلہ کی غلطی اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ سبحانہٗ اجسام کے تمام صفات۔ اعراض اور قوی کا خالق ہے۔ اور جب یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ اور ان سے کوئی اسم مشتق اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا۔ تو صفت کلام کو غیر میں پیدا کرنے سے اس کے لیے اس سے اسم مشتق بنانا اور اس پر اطلاق کرنا کس طرح درست ہو گا۔ یہی جواب ہم تم کو بھی دیسکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم نے خود اپنے قواعد کا خلاف کیا۔ اور اپنے ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کو توڑ دیا ہے۔ یعنی جو کچھ مسئلہ کلام میں کہتے ہو۔ اس سے مسئلہ تقدیر کا خلاف کرتے ہو۔ اور جو کچھ مسئلہ

Marfat.com

تقدیر میں کہتے ہو۔ اس سے مسئلہ کلام کا خلاف ثابت ہوتا ہے مسئلہ کلام میں تو یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ اس کلام کے ساتھ جو اسکے غیر کے ساتھ قائم ہے متکلم ہے اور یہاں اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ فاعل فعل وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔ اگر تم نے مسئلہ کلام میں صحیح کہا ہے تو مسئلہ تقدیر میں اس اصول کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اگر مسئلہ تقدیر کا قاعدہ صحیح ہے تو مسئلہ کلام میں غلطی کھائی ہے بہرحال دونو صورت میں تم سے غلطی ہوئی ہے۔ قدری نے استفسار کیا کہ اس مقام پر اہل سنت کیا کہتے ہیں:۔

سنی نے جواب دیا ہے کہ ان دونو میں کوئی تناقض نہیں۔ ہم اہل سنت اللہ سبحانہ کو ان صفات سے موصوف کرتے ہیں جو اسکے ساتھ قائم ہیں اور جو صفات اس کے ساتھ قائم نہیں انکے ساتھ اسے موصوف نہیں کرتے:۔

قدری بولا کہ اب تو اور مخالفت بڑھ گئی۔ کہ تم اور تمام مسلمان بلکہ جملہ اقوام واہل ادیان اللہ تعالےٰ کو خالق۔ رازق۔ ممیت کہتے ہیں۔ حالانکہ فعل خلق۔ رزق اور موت۔ مخلوق مرزوق اور میت کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم نہیں کیونکہ اگر یہ اشیاء اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہوں تو ان میں سے مثلاً خلق کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ یہ خلق جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ قائم ہے قدیم ہے یا حادث۔ اگر قدیم ہو تو مخلوق کا قدیم ہونا لازم ہوگا۔ کیونکہ خلق تو خالق اور مخلوق کے درمیان ایک نسبت ہے جس کا وجود ان دونوں کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جب یہ قدیم ہے تو ضرور ہے۔ کہ جن پر اس کا وجود موقوف ہے وہ دونوں بھی قدیم ہونگے۔ اور اگر حادث ہو تو اللہ سبحانہ کے ساتھ حوادث کا قیام لازم آئے گا۔ جو ناجائز ہے اس کے علاوہ یہ خلق ایک دوسرے خلق کیطرف محتاج ہوگی اور وہ دوسرے کی طرف کیونکہ جتنے حوادث ہیں۔ وہ سب اللہ کے مخلوق ہیں۔ اور اس طرح تسلسل لازم آئیگا جو باطل ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ خلق اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم نہیں۔ اور اس کا اسم مشتق یعنی خالق اللہ سبحانہ پر بولا جاتا

Marfat.com

سنی نے جواب دیا کہ جو محالات تم نے پیش کیے ہیں ان میں سے کسی ایک کو مان لینا جائز بلکہ بہتر ہے مگر خدا تعالےٰ کی صفت خالقیت کا انکار کرنا درست نہیں۔ تمہارے کلام کا مطلب یہی ہے کہ اللہ سبحانہ خالق نہیں کیونکہ جب تم اسکے واسطے صفت خلق نہیں مانتے تو پھر اس کو خالق کہنا بے معنی ہے یہ اس طرح ہے کہ کسی شخص میں قوت سامعہ نہ ہو اور اس کو سمیع کہا جائے یا باصرہ نہ ہو اور اسے بصیر کہا جائے یا گونگے کو متکلم اور عاجز کو قادر کہا جائے۔ اور اللہ سبحانہ کو ان افعال سے معطل قرار دینا جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اس کو اس کی صفات قائمہ سے معطل ٹھیراتا ہے۔ تعطیل کے کئی اقسام ہیں :

دہریہ اور زندیق لوگ یہ کہتے ہیں کہ وجود عالم کے لیے کسی صانع کی ضرورت نہیں۔ اور بعض لوگ صانع عالم کو تو مانتے ہیں مگر اس کو اس کے صفات کمال نعوت جلال سے معطل اور بیکار ٹھیراتے ہیں۔ اور یہ جہمیہ منکرین صفات باری تعالےٰ کا مذہب ہے اور بعض جہمیہ باری تعالےٰ کو اس کے افعال سے معطل مانتے ہیں صفات وافعال کی تعطیل کے پہلے تو یہی جہمیہ قائل ہوئے۔ اس کے بعد اور لوگوں میں بھی یہ مرض پھیلنے لگا۔ پس بعض نے تو یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ کوئی فعل قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فعل حادث ہوگا۔ اور باری تعالےٰ محل حوادث نہیں ہو سکتا اور بعض نے یہ کہا کہ اس کی ذات کے ساتھ کوئی صفت قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صفت عرض ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ محل اعراض نہیں ہو سکتا۔

حق بات یہ ہے کہ ان خرابیوں میں سے جن کو یہ پیش کرتے ہیں کسی ایک کو مان لینا جائز بلکہ بہتر ہے۔ مگر باری تعالےٰ کو صفات وافعال سے معطل ماننا ہرگز جائز نہیں۔ فرقہ مشبہ کی گمراہی اور بدعت فرقہ معطلہ سے کم ہے اور وہ اس سے اچھے ہیں اور اسی طرح معطلہ صفات منکرین ذات سے بہتر ہیں گو دونوں مذہب حقیقت

Marfat.com

میں ایک ہی ہیں۔کیونکہ ایسی ذات کا وجود محال ہے جس کے ساتھ کوئی صفت قائم نہ ہو۔ ذہن اور خارج کسی طرف میں اس کا وجود ممکن نہیں۔پس منکرین صفات کا مذہب درحقیقت وہی مذہب ہے۔جو منکرین ذات صانع کا ہے۔مگر چونکہ ظاہر میں فرق ہے لہذا منکرین صفات منکرین ذات سے اچھے ہیں اور معطلہ افعال منکرین صفات سے اچھے ہیں۔کیونکہ یہ صفت فعل کا انکار کرتے ہیں اور منکرین صفات خود ذات کی صفات کو نہیں مانتے۔اور قرآن وحدیث پر چلنے والے جن کو خدا نے عقل سلیم عطا فرمائی ہے اور حزب رسول اور فرقۂ ناجیہ ان کا لقب اور خطاب ہے ان سب تعطیلات سے بری اور بیزار ہیں وہ اللہ تعالےٰ کی ذات۔صفات فعل اور اسماء حسنیٰ کے حقائق میں سے ہر ایک کو کماحقہ مانتے ہیں۔اور فرق معطلہ اس کے اسماء حسنے کو مجاز قرار دیتے ہیں۔گمراہ فرقے بہترین فرقہ اہل سنت پر فدا ہو جائیں۔خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو تمام خرابیاں یہ پیش کرتے ہیں۔ان میں سے کسی ایک کو مان لینا جائز بلکہ بہتر ہے مگر خدا تعالےٰ کی صفت خالقیت کا انکار اور اسکو اس صفت سے معطل دبے کار ٹھہرانا جائز نہیں عقل سلیم کے نزدیک جس طرح یہ بات محال ہے کہ کوئی مفعول بلا فاعل موجود نہیں ہوسکتا۔اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ کوئی مفعول بدون فعل فاعل وجود میں نہیں آسکتا۔ان دونو کے محال ہونے میں کوئی فرق نہیں جس طرح مفعول بلا فاعل کا وجود محال ہے اسی طرح مفعول فعل کا وجود ناممکن ہے۔عاقل کو ضروری ہے کہ وہ ان سب امور میں غور کرے۔یعنی تسلسل حوادث۔قیام افعال بذاتِ باری۔مخلوق حادث کا وجود جو اس خلق قدیم کا اثر ہے۔جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے۔مفعول کا بلا فعل فاعل موجود ہونا پھر دیکھے کہ ان میں سے کونسی بات عقل اور شرع سے زیادہ خلاف اور کونسا امر ان کے موافق ہے۔جو امر عقل اور شرع کے موافق اور قریب معلوم

Marfat.com

سو اس کو اختیار کرے۔ اور اس سوال کے مختلف اور متعدد جواب جو لوگوں نے بیان کیے ہیں۔ ہم سب کو ذکر کر دیتے ہیں۔ پس ایک جماعت نے تو یہ جواب دیا ہے کہ ہم اس پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ کہ خلق اور تکوین قدیم اور ذات باری تعالےٰ کے ساتھ قائم ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ مخلوق اور مکون بھی قدیم ہوں۔ دیکھو تم اور ہم سب اس بات کو مانتے ہیں کہ باری تعالےٰ کا ارادہ قدیم ہے۔ مگر ارادہ کے قدیم ہونے سے مراد کا قدیم ہونا ضروری نہیں۔ پس جو کچھ اب تم ارادہ کی صورت میں بیان کرو گے وہی جواب ہم تکوین اور خلق کے مسئلہ میں ذکر کریں گے اور یہ جواب نہایت عمدہ ہے۔ جمہور یہ حنفیہ اور صوفیہ اور مقلدین آئمہ کا یہی مذہب ہے۔ اگر تم یہ جواب بیان کرو گے۔ کہ ارادہ کے قدم سے مراد کا قدیم ہونا اسلیے لازم نہیں آتا کہ ارادہ کا تعلق مراد سے اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً فلاں چیز فلاں وقت معین میں پیدا ہو گی۔ تو اب تعلق ارادہ کے وقت اس چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ چیز اپنے وقت معین پر موجود ہو گی۔ اور تکوین اور خلق کا تعلق مخلوق اور مکون سے اس طرح پر ہے کہ مخلوق اور مکون کے وجود کے بغیر خلق اور تکوین موجود ہی نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ باری تعالےٰ نے اشیاء کو ان کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے تکوین قدیم سے پیدا کر دیا ہے بلکہ تقویم قدیم کا یہ مقتضی ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اپنے وقت پر پیدا کریگا۔ جس طرح کہ ارادہ قدیم کا یہ مقتضی ہے۔ کہ فلاں چیز فلاں وقت میں پیدا ہو گی اسی طرح تکوین قدیمہ کا بعینہٖ یہی مقتضی ہے۔ اور اگر تم یہ شبہ کرو کہ خلق اور تکوین کا وجود بدوں مخلوق و مکون کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ جس طرح ارادہ کا وجود بغیر مراد درست ہے۔ اسی طرح خلق اور تکوین بھی بغیر مخلوق و مکون ہو سکتی ہے۔ اگر تم یہ فرق بتلاؤ کہ ارادہ کا وجود تو مراد کے بغیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسا

Marfat.com

ہو سکتا ہے کہ ارادہ کنندہ کبھی کسی چیز کے وجود سے پہلے اس کا ارادہ کرے لیکن کسی چیز کو پیدا کرنا اس کے وجود کے بغیر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا: تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس ارادہ کی نسبت کلام کرتے اور پوچھتے ہیں۔ جو مراد کے وجود کو مستلزم ہو کہ اس کا وجود قبل وجود مراد درست ہے یا نہیں۔ نہ اس ارادہ کی نسبت جو مراد کے وجود کو مستلزم نہ ہو اور اللہ سبحانہٗ کا ارادہ اس کی مراد کے وجود کو مستلزم ہوا کرتا ہے پس اگر یہ درست ہے تو تکوین کا وجود بھی قبل وجود مکون درست ہو سکتا ہے۔ اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ تکوین قدرت۔ ارادہ اور کلمہ تکوین کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور یہ سب چیزیں قدیم ہیں۔ اور اس سے مکون کا قدم لازم نہیں آتا۔ اس بات میں اور مفعول کے بلا فعل موجود ہونے میں اگر موازنہ کیا جائے اور عقول سلیمہ سے کام لیا جائے تو ظاہر ہے کہ عقول سلیمہ تکوین کے قدیم ہونے کو تسلیم کرینگی اور مفعول کے بلا فعل کو ہرگز نہیں قبول کرینگے۔ جواب اول کی تقریر ختم ہوئی۔

فرقہ کرامیہ کا یہ جواب ہے کہ ہم اس جانب کو لیتے ہیں کہ خلق اور تکوین حادث ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ خلق کے حادث ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات باری تعالےٰ کے ساتھ حوادث قائم ہوں اور یہ جائز نہیں بالکل غلط ہے۔ کیونکہ تمہارا یہ خیال ہے کہ تکوین جب اسکا فعل ہے تو یہ اسکے ساتھ قائم ہوگا۔ اور اس کے قیام سے قیام حوادث بذات باری لازم آئیگا ہم کہتے ہیں۔ کہ ذات باری کے ساتھ وہ حوادث جو اس کے افعال میں قائم ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی خرابی نہیں یہی تمہاری غلطی ہے کہ تم نے افعال واجب اللہ تعالےٰ کو حوادث ٹھیرا کر اس کو تمام افعال سے معطل سمجھ رکھا ہے جسطرح کہ بعض لوگوں نے اسکے صفات کو اعراض سمجھ کر ان سے انکار کر دیا ہے۔ اور جس طرح کہ بعض لوگ اسکے علوٗ علی الخلق اور استواء علی العرش کو تحیز د تمکن (مکان میں موجود ہونا) خیال کر کے اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ اور اسی طرح

Marfat.com

اسکے وجہ اعلٰی اور یدین کو اعضاء اور جوارح سمجھ کر ان کا انکار کیا ہے۔ مگر ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ہم خالق السموات والارض وما بینہما کے تمام افعال۔ کلام۔ تکلیم۔ نزول الی السماء۔ استواء علی العرش۔ قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلہ اور قضا کے لئے تشریف لانا۔ انبیاء۔ رسل اور ملائکہ کو پکارنا وغیرہ تمام کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان صفاتِ افعال کا منکر ہے وہ درحقیقت خدا تعالےٰ کی ربوبیت کا منکر ہے عقل اور فطرت بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ رب العالمین وہی ذات ہو سکتی ہے جس کے لیے افعال وصفات اختیاریہ ثابت ہوں۔ اور وہ ذات جو محض بیکار ہو ربوبیت اور معبودیت کا کبھی استحقاق نہیں رکھتی۔ بس ایسی ناجائز تعظیم اور لغو تنزیہ سے خدا تعالےٰ کی تعظیم و تنزیہ ضروری ہے۔ یعنی چونکہ افعال سے منزہ قرار دینا ربوبیت اور مملکت سے بے بہرہ ٹھیرانا ہے۔ لہٰذا تنزیہ افعال سے بچنا ضروری ہے۔ اور اس مسئلہ کی صحت پر ہمارے پاس ہزار سے زیادہ ادلہ نقلیہ جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں موجود ہیں اور عقلی دلیلیں ان کے علاوہ ہیں۔ اور خود تمہارے افضل المتاخرین نے اس مسئلہ کے انکار پر تمہارے تمام شبہات کے غلط ہونے کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور ایک ایک شبہے کو ذکر کر کے سب کا غلط ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس مسئلہ کو تمام فرقوں یہانتک کہ فلاسفہ نے بھی جو کہ صفات و افعال کے انکار میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں تسلیم کر لیا ہے اور سب نے یہ کہا ہے کہ عالم کا حادث اور باری تعالےٰ کا رب۔ خالق۔ متکلم۔ سامع۔ بصیر۔ مجیب الدعوات۔ مدبر مخلوقات۔ قادر۔ مرید وغیرہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہونا سوائے اس کے ثابت نہیں ہو سکتا کہ اسکو ان افعال کے ساتھ جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں موصوف مان لیا جائے۔ اور اگر اس کی ذات کے لیے کسی کا فعل ہونا ناجائز اور اسکی ذات کے ساتھ امور متجددہ اور حوادث کا قیام باطل ہو تو پھر نہ حدوث عالم ثابت

Marfat.com

ہو سکتا ہے اور نہ باری تعالےٰ کے لیے کوئی صفت کمال پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔

**فصل** - عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی نے اپنی کتاب حیدہ میں اس جواب کی نسبت یوں بیان کیا ہے کہ اس نے مریسی سے یہ سوال کیا۔ بتاؤ کہ سلسلہ کائنات کس طرح پیدا ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قدریہ سے اسے پیدا کیا ہے۔ پھر پوچھا کیا تم صرف یہ بات کہتے ہو کہ اس نے قدرت قدیمہ سے اسے پیدا کیا ہے۔ یا یہ بات بھی کہتے ہو کہ وہ ہمیشہ اور قدیم سے صاحب قدرت ہے مریسی نے جواب دیا کہ اس بات کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ سے صاحب قدرت ہے۔ عبدالعزیز نے پھر سوال کیا بتلاؤ کہ اللہ تعالےٰ کو قدیم سے فاعل افعال مانتے ہو یا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ کے فاعل قدیم ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالعزیز نے کہا کہ تم کو ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالےٰ قدیم سے خالق۔ فاعل اور صاحب قدرت ہے اور میرا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ خالق قدیم ہے تو قدیم سے خلق مخلوقات کرتا رہا ہے۔ یا فاعل قدیم ہے۔ تو ہمیشہ سے افعال کرتا رہا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل اسکی ایک صفت ہے۔ اور اسکی ذات اس پر قادر ہے اور کوئی شخص اسکو اس سے روک نہیں سکتا۔

عبدالعزیز کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فعل کو اللہ تعالےٰ کی ایسی صفت مانتا ہے جو اس کے قدرت کے تحت میں داخل اور غیر مخلوق ہے۔ بلکہ مخلوقات کو اس کے ذریعہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبدالعزیز کا مذہب سلف صالحین اور اہل حدیث کے مذہب کے بالکل موافق ہے کیونکہ خلق اور مخلوق اور فعل اور مفعول کے درمیان تمام اہل سنت با اجماع فرق بیان کرتے ہیں جیسا کہ بغوی نے ذکر کیا ہے اور عبدالعزیز کے کلام سے بھی یہی فرق ثابت ہوتا ہے اس نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہ کا فعل خلق اس کے ساتھ قائم ہے۔

Marfat.com

اور اسی فعل سے اس نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کے آخر میں اس کی تصریح کی ہے اور صحیح کے کتاب خلق الافعال میں یہ میں یہ مضمون اس عنوان سے ذکر کیا ہے باب ماجاء فی تخلیق السموات والارض وغیرھا من الخلائق و فعل الرب وامرہ فالرب سبحانہ بصفاتہ وفعلہ وامرہ وکلامہ ھو خالق المکون غیر مخلوق وما کان بفعلہ وامرہ وتخلیقہ وتکوینہ فھو مفعول مخلوق فکون امام السنہ امام بخاری نے تصریح کردی ہے کہ صفت تخلیق اللہ سبحانہ کا فعل اور اس کا امر ہے اور وہ اپنے فعل اور کلام سے خالق مخلوقات ہے اور تمام اہل حدیث امام بخاری کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق ہیں اور قرآن کریم میں اس کے ثبوت کے ادلہ جا بجا کثرت سے موجود اور عقل فطرت بھی اسکے موید ہیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (کیا جس (خدا) نے آسمان و زمین پیدا کئے وہ اس (بات) پر قادر نہیں کہ (قیامت میں) ان جیسے (آدمیوں کو دوبارہ) پیدا کرے) پھر خود ہی اس کا جواب بیان فرماتا ہے۔ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (ہاں ضرور قادر ہے اور وہ (تو) بڑا پیدا کرنے والا اور ماہر ہے)۔

پس اللہ سبحانہ نے بیان فرمادیا ہے کہ وہ اپنے نفس فعل یعنی خلق پر قادر ہے اور نفس خلق اس کا فعل ہے اور وہ اس پر قادر ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالے کا کوئی فعل نہیں یا فعل عین مفعول ہے تو در حقیقت یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالے ایسے فعل پر جو اسکے ساتھ قائم ہو قادر نہیں بلکہ وہ اس مفعول پر قائم ہے۔ جو اسکی ذات سے جدا اور اللہ تعالے کے فعل کے سوا وہ حادث ہے اور یہ قول سراسر غلط اور باطل ہے۔ بغیر قدرت کے کسی چیز کے پیدا کرنے سے بھی زیادہ محال ہے بلکہ یہ ایسا محال ہے جیسا کسی فعل کا بدوں فاعل پایا جانا محال ہے کیونکہ مفعول کا وجود فاعل کی قدرت پر لزوم عقلی سے دلالت کرتا ہے اس کے فعل پر دلالت تضمنی سے دلالت

Marfat.com

کر رہا ہے۔ پس جب یہ شخص دلالت تضمنی کا انکار کرتا ہے تو دلالت عقلیہ کا نہ ماننا تو اس سے آسان ہے۔ اور فاعل اور فعل پر مفعول کی دلالت یکساں ہے۔ اور فاعل کی قدرت و ارادہ پر دلالت کرنے سے یہ دلالت زیادہ واضح ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے اپنے افعال اور تکوین پر قادر ہونے کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے۔ کقولہ تعالیٰ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ (اے پیغمبر ان سے کہو کہ وہی اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے کوئی عذاب تمہارے لیے نکال کھڑا کرے) بعث عذاب اللہ سبحانہ کا نفس فعل ہے اور عذاب اس کا مفعول ہے جو اسکی ذات سے جدا ہے۔ وکقولہ تعالیٰ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ (کیا وہ (خدا جس نے یہ سب کچھ کیا قیامت میں) مردوں کے جلا اٹھانے پر قادر نہیں ہے؟) پس احیائے موتی اللہ سبحانہ، کا فعل ہے اور حیات اس کا مفعول اور یہ دونو اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہیں وقال تعالیٰ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ (اور ہم) اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور (اس کے اصلی) ٹھکانے سے بٹھا دیں) تسویہ بنان اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ان کا مستوی ہونا اس کا مفعول ہے۔ منکرین افعال یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ان پیدا کردہ چیزوں پر قدرت حاصل ہے۔ جو اسکی ذات سے مباین اور جدا ہیں اور کسی فعل لازم یا متعدی پر جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو ہرگز قدرت نہیں۔ اور اہل سنت کا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ کو افعال اور مفاعیل سب پر قدرت ہے۔ اور خلق اور امر سب کچھ اسی کے اختیار اور قدرت میں ہے پس جہمیہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اور امر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ خلق عین مخلوق ہے۔ اور اسی طرح اس کا امر منجملہ اس کی مخلوق کے ہے پس انکے نزدیک مخلوق کے علاوہ کوئی خلق و امر نہیں ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کو جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے مانتا ہے۔ لیکن اس کے لیے افعال قائمہ بالذات تسلیم

Marfat.com

نہیں کرتا تو وہ امر کو مانتا ہے۔ لیکن صفت خلق کا منکر ہے اور اس بات کا کوئی شخص قائل نہیں ہوا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ افعال تو قائم ہیں۔ لیکن اس کیلئے صفت کلام ثابت نہیں۔ تاکہ امر بدوں خلق ثابت ہو۔ اور اہل سنت ان تمام صفات و افعال خلق۔ امر وغیرہ کو جو باری تعالےٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت اور بیان فرمائے ہیں مانتے اور ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی خلق اس کا فعل ہے اور امر اس کا قول ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ قائل قوال اور فاعل افعال ہے۔ اور اہل سنت کے ایک دوسرے فریق قدریہ کے شبہے کا جواب اس طرح دیا ہے۔ کہ ہم اس صورت کو اختیار کرتے ہیں کہ باری تعالےٰ کے افعال میں تسلسل جائز ہے۔ اور شرعاً اور عقلاً کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ باری تعالےٰ کے افعال کا دوام اور زمانہ ماضی میں لاالی النہایہ یکے بعد دیگرے سے متحقق ہونا جائز نہیں۔ جس طرح کہ زمانہ آئندہ میں اس کے افعال کا تحقیق یکے بعد دیگرے الیٰ غیر النہایہ جائز ہے۔ اسی طرح زمانہ ماضی میں بھی جائز ہے۔ غرض باری تعالےٰ کے افعال قدیم اور ازلی ہیں۔ اور افعال باری تعالےٰ کی صفت کمال ہے۔ ظاہر ہے کہ عاجز بیکار پر صانع مدبر کو فوقیت اور کمال حاصل ہے۔ صریح عقل کا بھی یہی مقتضی ہے اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ پہلے ایک غیر متناہی زمانے میں باری تعالےٰ سے افعال کا صادر ہونا محال تھا۔ اور اس کو کسی فعل کے صادر ہونے پر قدرت نہ تھی۔ اس کے بعد بغیر کسی سبب کے پیدا ہونے کے اور بدوں کسی تغیر کے ذات باری میں افعال کا صدور جائز اور ممکن ہوا تو ان لوگوں کی کمال حماقت و نادانی ہے جسے ذرہ سی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ محض حماقت ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب عقلاً یہ ہو سکتا ہے کہ سلسلہ عالم بغیر کسی فاعل اور صانع کے نیستی سے خارج ہو کر قالب وجود میں آ جائے۔ تو اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔ کہ پہلے افعال کا صدور محال ہو۔ اور بعد میں بدوں کسی سبب کے ممکن ہو جائے۔ اگر کوئی

Marfat.com

یہ کہے کہ عالم کا بغیر فاعل تو پیدا ہونا تو ممکن ہے مگر افعال کا بغیر سبب ممکن ہونا جائز نہیں۔ تو وہ مقتضائے عقل کا خلاف کرتا ہے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے۔ کہ تسلسل ایک مجمل لفظ ہے اس کے نفی و اثبات یعنی بطلان و جواز کے متعلق قرآن اور حدیث میں کہیں ذکر نہیں پس ہم کو اس کی حقیقت پر غور کرنا چاہیے۔ غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تسلسل تین قسم ہے۔ واجب یعنی ضروری ممتنع و محال اور ممکن و جائز۔ تسلسل ممتنع کی مثال یہ ہے کہ ایسے غیر متناہی مؤثر موجود ہوں کہ ہر ایک اپنی صفت تاثیر میں دوسرے کا محتاج ہو۔ اس قسم کے مؤثر امور کا الی غیر النہایہ موجود ہونا محال ہے اور تسلسل واجب وہ ہے جس پر شرع اور عقل دونوں دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً زمانہ آئندہ میں باری تعالیٰ کے افعال کا دائم و مستمر ہونا چنانچہ اہل جنت کے لیے جب کوئی نعمت ختم ہوگی تو ان کے لیے اللہ تعالےٰ دوسری نعمت پیدا کریگا۔ اسی طرح نعمتوں کا پیدا کرنا دائم و مستمر رہیگا اہل جنت کے لئے اعطائے نعمات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح زمانہ ماضی میں بھی اسکے افعال کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا۔ اس کے ہر فعل سے پہلے اس کا دوسرا فعل سابق موجود ہے۔ اور اس کے ہر کلام سے پہلے اس کا دوسرا کلام موجود ہے۔ وہ ازل سے صفت کلام کے ساتھ موصوف ہے اسطرح نہیں ہے کہ کسی وقت میں صفت کلام موجود نہ ہو اور بعد میں موجود اور حادث ہو۔ اور اسی طرح اسکے تمام افعال جو اسکی حیات کے لوازم سے ہیں۔ ازل سے موجود اور قدیم ہیں۔ حی یعنی زندے اور میت میں فرق ہی یہ ہے کہ حی سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو مردہ سے صادر نہیں ہوتے اور جب اللہ سبحانہٗ ازل سے حی اور موجود ہے۔ تو اس کے افعال بھی ازلی اور غیر متناہی موجود ہیں۔ کسی حد پر ختم نہیں ہوتے۔ اسی واسطے اکثر سلف صالحین نے کہا ہے کہ باری تعالےٰ حی فعال ہے۔ عثمان بن سعید کا قول ہے کہ ہر زندہ فاعل افعال ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ کسی وقت میں اپنے افعال و کمالات یعنی کلام۔ ارادہ وغیرہ سے معطل نہ تھا اور وہ تسلسل

Marfat.com

جو ممکن اور جائز ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ زمانہ ماضی کی طرف اللہ تعالےٰ کے موجودات کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہ ہو جسطرح کہ آئندہ کو کسی حد پر ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وہ قدیم سے حیات۔ قدرت۔ ارادہ کلام وغیرہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور یہ صفات اس کے لوازم ذات سے ہیں۔ تو انکے لزوم اور وجوب کے لحاظ سے افعال کا وجود بھی ممکن ہے اور صدور افعال میں ایک کمال ہے۔ جو عدم صدور میں نہیں پایا جاتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ کی ذات کی طرح مخلوق بھی قدیم ہو جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کو مخلوق کے ہر فرد سے وہ تقدم حاصل ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ اور ہر مخلوق سے پہلے ایک دوسری مخلوق موجود ہے مگر اللہ سبحانہ سے پہلے کوئی چیز موجود نہیں۔ اور وہ واحد خالق ہے اور اسکے ماسوا تمام چیزیں مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں ان کا بیان ہے کہ اس قول کے سوا تمام اقوال عقل کے خلاف ہیں۔ اور عقل صراحۃً ان کی تردید اور انکے بطلان کا حکم کرتی ہے۔ جو لوگ اس بات کے معترف ہیں کہ اللہ سبحانہٗ ازل سے قادر علی الافعال ہے ان کو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی پڑیگی یا تو یہ کہیں گے کہ ازل سے صدور افعال ممکن ہے یا ازل سے افعال کا وجود ہے ورنہ انکے کلام میں تناقض لازم آئیگا۔ کیونکہ ادھر تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ ازل سے صدور افعال پر قادر ہے اور اُدھر یہ کہتے ہیں کہ صدور افعال محال ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ صدور افعال کا ارادہ بھی کرے۔ تاہم ان کا وجود ممکن نہیں بلکہ ارادہ کرنا ہی محال ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ افعال اس کے مقدور ہیں۔ تو یہ صریح تناقض ہے۔ ایک دوسری جماعت نے ایک اور طرز سے جواب دیا ہے ان کا جواب یہ ہے۔ کہ تسلسل آثار ممکن ہے۔ یا محال۔ اگر ممکن ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور اگر محال اور باطل ہے تو اسکے بطلان سے اس فعل کا بطلان لازم نہیں آتا جس سے مخلوق کا وجود ہوا۔ ہم کو قطعی طور پر معلوم ہے کہ مفعول کا وجود بدوں فعل

Marfat.com

محال ہے اور مخلوق کا بغیر خلق پایا جانا ناممکن ہے ۔ تسلسل کے جواز یا بطلان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو مگر یہ قطعاً معلوم ہے کہ مفعول بدون فعل اور مخلوق بدون خلق ہرگز موجود نہیں ہو سکتے اسی واسطے بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خلق اور مخلوق اور اسی طرح فعل اور مفعول ایک چیز نہیں بلکہ دو متغایر چیزیں ہیں ۔ یہ لوگ باوجودیکہ تسلسل کو باطل کہتے ہیں ۔ مگر خلق اور مخلوق کو اور اسی طرح فعل اور مفعول کو باہم متغائر مانتے ہیں ۔ آئمہ اربعہ کے مقلدین ۔ اکثر اہل حدیث صوفیہ اور متکلمین کا بھی مسلک ہے کہ خلق اور مخلوق اور اسی طرح فعل اور مفعول میں تغایر ہے ۔

پھر ان میں سے بعض لوگ تو اس بات کے قائل ہیں کہ خلق جسکو تکوین بھی کہتے ہیں ۔ اللہ سبحانہ کی ایک ایسی صفت قدیمہ ہے جیسی صفت ارادہ ہے ۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صفت خلق ایک صفت حادثہ ہے جو پہلے موجود نہ تھی ۔ اور اسی طرح کلام اور ارادہ بھی صفات حادثہ ہیں ۔ اور یہ سب اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہیں کرامیہ اور انکے موافقین کا یہی مسلک ہے کہ وہ باری تعالےٰ کے صفات کو حادث اور انکو اس کی ذات کے ساتھ قائم مانتے ہیں اور صفات کے دوام کے اس خیال کی بنا پر منکر ہوئے ہیں کہ دوام ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ حادث کے وجود کے لیے کوئی ابتدا نہ ہو ۔ اور یہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ صفت خلق اور تکوین اللہ تعالےٰ کی مخلوق نہیں ۔ بلکہ قدرت کی طرح مخلوق کا وجود اس کے ذریعہ سے ہوا ہے ۔

اور جب ان تمام لوگوں کو جو اللہ تعالےٰ کو ازل سے قادر علی الخلق مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ افعال کو بلا کسی مانع کے صادر کر سکتا ہے تسلسل کا ماننا ضروری ہے تو اسی طرح تم کو بھی تسلسل ضرور ماننا پڑیگا جس طرح تم اپنے مخالفین کو لزوم تسلسل کا الزام دیتے ہو ۔ اسی طرح خود تم پر بھی یہ الزام قائم ہوتا ہے ۔ پس اس الزام کا جواب جسطرح ان کے ذمہ ہے

Marfat.com

اسی طرح تمہارے ذمہ بھی ضروری ہے اور وہ الزام جو انہوں نے تم پر کیا ہے۔ کہ مفعول کا بلا فعل اور مخلوق کا بدون خلق وجود لازم آتا ہے اس کا جواب صرف تمہارے ذمہ لازم ہے ان کا بیان ہے کہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ فعل ایک ایسی صفت ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور وہ اس پر قادر ہے۔ کوئی شخص اسے روک نہیں سکتا۔ اور صفت فعل جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ عین مخلوق نہیں جو کہ اس سے منفصل اور جدا ہے پس ہم پر یہ الزام ہرگز قائم نہیں ہو سکتا۔ کہ باری تعالیٰ کی مخلوق بھی ازلی اور قدیم ہو جائے۔ البتہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے۔ کہ فعل لازم فعل متعدی کو مستلزم ہوتا ہے۔ اور فعل متعدی مفعولات کے نوع کا دوام چاہتا ہے اور دوام نوع اس بات کا مقتضی ہے کہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ازل میں مخلوق موجود ہے تب بیشک یہ الزام ہم پر قائم ہو سکتا ہے۔ مگر ان امور کے ثبوت پر تمہارے پاس بلکہ کسی شخص کے پاس کوئی دلیل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کے ثابت کرنے سے جونسا امر لازم آئے اس کا تسلیم کر لینا اچھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے افعال کی نفی کرنا اور اسکو معطل ٹھیرانا درست نہیں۔ پس اگر اس کے افعال کا قیام اس طور پر ثابت ہو کر حوادث کا قیام بھی اسکے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں۔ تو تمہارا قول بالکل باطل ہو جائے گا۔ اور اگر اسکے افعال کا اثبات اس طور پر کیا جائے کہ امور اختیاریہ کا قیام اسکی ذات کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ اور کہا جائے کہ یہ امور حادثہ ہیں اور ان کے وجود کے لیے ابتدا ہے جیسا کہ کرامیہ کہتے ہیں۔ تب بھی تمہارے قول سے تو ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اگر ان کا تسلسل لازم آئے اور افعال لازمہ کے لیے کوئی ابتدا ثابت نہ ہو تاہم تمہارے قول سے کئی درجہ اچھا ہے اور اگر تسلسل آثار اور یہ بات لازم آئے۔ کہ اللہ سبحانہ ازل سے خالق ہے جیسا کہ نص اور عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ تو یہ بھی

Marfat.com

تمہارے قول سے بہتر ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے۔ کہ اللہ سبحانہ کے خالق ازلی ہونے سے مخلوق بھی ازل سے اللہ سبحانہ کے ساتھ موجود اور قدیم ہے۔ تاہم تمہارے باطل مذہب سے تو بہتر ہے۔ گو یہ بات لازم نہیں آتی۔ اور اہل اسلام بلکہ تمام آسمانی دین رکھنے والے اقوام میں سے کوئی اس بات کا قائل نہیں۔ بلکہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ واحد خالق ہے اور ماسوا اس کے تمام چیزیں مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔ اور مخلوقات میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو اپنے وجود میں اللہ سبحانہ کے ساتھ اور اس کا وجود اللہ سبحانہ کے وجود کے مساوی ہو۔ اس کے بعد تمام امور خلق۔ امر۔ صفات کمال۔ نعوت جلال۔ ربوبیت وغیرہ جتنے امور لازم آتے ہیں ہم سب کو مانتے اور ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا کمال اس کی ذات مقدس کے لوازم سے ہے جسطرح کہ ہم ان سب امور کو مانتے ہیں جو اس کے حیّ۔ علیم۔ قدیر۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم۔ امر۔ ناہی۔ مستوی علی العرش ہونے سے اور نیز ان مسائل سے لازم آتے ہیں کہ وہ مخلوق سے اپنی ذات و صفات میں ممتاز اور جدا ہے۔ مومنین اپنی آنکھوں سے جنت میں اور عرصات قیامت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونگے۔ وہ مومنین کے ساتھ کلام فرمائیگا۔ اور مومن اس سے باتیں اور اپنا عرض معروض کرینگے۔ کیونکہ یہ سب کچھ حق ہے اور جو کچھ حق سے لازم آئے وہ بھی حق ہوتا ہے اور وہ غلط خیالات جو ناقص عقلوں نے تراش رکھے ہیں ہم ان کے منکر اور ان کے ماننے سے برکنار اور بیزار ہیں۔ اور توفیق صرف اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے قدری نے کہا کہ بندے کا اپنے افعال کا موجد اور فاعل ہونا نہایت بدیہہ اور واضح ہے۔ ہر صاحب عقل اس بات کو سمجھتا ہے۔ کہ جو افعال اسکے ارادے اور قصد کے ساتھ اس سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ ان کا فاعل ہوتا ہے مگر تعجب

Marfat.com

اور اسکی چیز کی حرکت کے درمیان جو جبراً کسی جانب کو حرکت دی جائے اور اپنی اختیاری حرکت اور ارادی افعال میں بداہتہً فرق سمجھتا ہے۔ کوئی صاحب عقل اس میں شک و شبہ نہیں کر سکتا اور کوئی دلیل اسکو نور نہیں سکتی۔ اس کے برخلاف استدلال قائم کرنا بدیہی چیز کے بطلان پر استدلال قائم کرنا ہے جو نامقبول اور مردود ہے۔ سنی نے جواب دیا۔ کہ تمہارے مقابل فریق یعنی جبریہ اس کا جواب یوں بیان کرتا ہے۔ کہ ہر صاحب عقل یہ بات سمجھتا ہے کہ اس کے افعال کا وقوع اسکی قدرت کے مقارن ہوتا ہے۔ یعنی وقوع افعال اور وجود قدرت معاً پائے جاتے ہیں۔ مگر ہر شخص یہ نہیں سمجھتا۔ کہ اس کے افعال اسکی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور دونو امر میں فرق ظاہر ہے اگر ہر شخص کو بداہتہً معلوم ہوتا کہ اسکے افعال اس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں تو عقلا کی ایک ایسی جماعت عظیم جن کی نسبت یہ خیال کرنا غلط ہے کہ وہ سب کے سب بدیہیات کے منکر ہیں۔ اس مسئلہ میں خلاف نہ کرتی۔ مگر یہ جواب کافی اور شافی نہیں بلکہ صحیح طور پر اس کا ماحصل بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر صاحب عقل یہ بات بالبداہتہ سمجھتا ہے کہ اس کے افعال اسکی قدرت۔ ارادہ اور قصد سے واقع ہوتے ہیں۔ اور یہی امور اس کے افعال کے صدور میں مؤثر ہوتے ہیں۔ اور افعال کے ساتھ ارادہ اور قدرت کے مقارن ہونے اور اپنے دوسرے صفات مثلاً طول۔ قد۔ رنگ۔ شکل وغیرہ ان کے ساتھ مقارن ہونے میں ظاہر طور پر فرق سمجھتا ہے۔ مگر جبری کے نزدیک ارادہ قدرت اور دیگر صفات مثلاً رنگ شکل وغیرہ سب یکساں ہیں۔ یعنی جس طرح دوسرے صفات مثلاً رنگ وغیرہ صدور افعال کے ساتھ محض مقارن فی الوجود ہیں۔ اور ان صفات کو صدور افعال میں کوئی دخل اور تاثیر نہیں۔ اسی طرح ارادہ اور قدرت کو بھی صدور افعال میں کوئی دخل اور تاثیر نہیں محض مقارن

Marfat.com

فی الوجود ہیں۔ اور جبریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ ارادہ اور قدرت کے وقت اللہ سبحانہٗ افعال کو پیدا کر دیتا ہے۔ مگر وہ افعال ارادہ اور قدرت سے واقع نہیں ہوتے۔ جبریہ کا قول بدیہیات کے مخالف ہے اسمیں ذرا شک نہیں ہو سکتا کہ جو شخص عقلا کے باہمی معاملات اور کاروبار تعلقات و تصرفات پر نظر ڈالے تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائیگا۔ کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ان افعال کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ہر ایک کے حال کے موافق اور اسکے شان کے لائق ہیں۔ اور قطعی طور پر اس سے یہ نتیجہ نکال لیگا کہ جس شخص سے جو کام طلب کیا جاتا ہے وہ اسکو اپنی قدرت اور ارادہ سے صادر کرتا ہے۔ اسی واسطے اس سے وہ کام کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور قسم قسم کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ کبھی لالچ اور طمع اور رشوت سے کام کرایا جاتا ہے۔ کبھی دھمکی اور دباؤ سے مطلب نکالا جاتا ہے غرض جس تدبیر سے کام نکلے خواہ امید دلانے یا دھمکی یا وعید سنانے سے اس کے عمل میں لانے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ کبھی اس کو یوں ابھارا جاتا ہے۔ کہ دیکھو فلاں شخص نے یہ کام کیا ہے تم کو کیا ہوا ہے کہ اس سے گریز کرتے ہو۔ یہ باتیں شب و روز محسوس اور مشاہد ہوتی ہیں۔ اور ان کے وجود میں ہرگز شک نہیں ہو سکتا غرض جملہ اہل عقل اس بات پر متفق ہیں۔ کہ افعال عباد ان کی قدرت و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اور اس میں کسی کو شک نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی انگلی ہلائے اور دوسرا شخص انگلی ہلانے والے کو گالیاں دینے لگے۔ تو وہ انگلی ہلانے والا غیظ و غضب میں آجائے گا۔ اور کہیگا ارے تو مجھے گالیاں کیوں دیتا ہے اور یوں نہیں کہیگا کہ میرے رب کو کیوں گالیاں دیتا ہے۔ اس مسئلہ کے لیے چنداں مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ انکو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کرنے کی حاجت ہے کیونکہ یہ مسئلہ نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ اور اس کے متعلق جتنے شبہات پیدا ہوتے

Marfat.com

وہ محض ملمع کاری اور دھوکے پر مبنی ہیں۔ تمام عقلاء فطرۃً یہ سمجھتے ہیں کہ برے کام کرنے والا مستحق مذمت اور بھلے کام کرنے والا قابل مدح ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرۃً یہ سمجھتے ہیں۔ کہ انسان فاعل افعال ہے۔ کیونکہ مذمت اور مدح فاعل افعال ہونے پر متفرع اور موقوف ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ فرع کے متعلق تو فطرۃً اور اضطراراً علم حاصل اور اصل کا پتہ ہی نہ ہو ہر صاحب عقل سمجھتا ہے کہ کاتب جب ارادہ کتابت کرتا ہے تو وہ لکھنے شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے تو قلم کو روک لیتا ہے اور اسی طرح معمار اور دوسرے اصحاب صنعت و حرفت جب چاہتے ہیں۔ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور جب جی چاہتا ہے۔ چھوڑ کر آرام کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب کسی شخص کا کسی کام پر ارادہ نہ ہو یا اس میں کسی وقت اس کام کی قدرت نہ ہو۔ تو وہ کام خود بخود یا ایسی حالت میں اس سے واقع نہیں ہوتا۔ اور جب دوبارہ قدرت حاصل ہو جائے اور اس کے متعلق ارادہ پایا جائے تو وہ کام پھر وقوع میں آنے لگتا ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر یہ مسئلہ بدیہی اور ظاہر ہوتا تو کسی صاحب عقل کو اس میں خلاف نہ ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام بدیہیات اور ضروریات میں اہل عقل کا اتفاق ضروری نہیں بہت سے اہل عقل کئی ضروری اور بدیہی امور کے اس لئے منکر ہیں کہ ان کو کوئی شبہ پیش آگیا اور وہ بدیہی امور کے منکر ہو گئے بالخصوص جب کئی ایک اہل عقل کو کچھ شبہات پیش آجائیں اور انکی نقل اور روایت ہونے لگتی دیکھو فلاسفہ مسائل الہیات میں چند بدیہی امور کے مخالف ہیں باوجودیکہ ان کی ایک بڑی جماعت ہے اور سب کے سب بالکل بیوقوف نہیں اور نصاریٰ کئی ایسے مسائل کے قائل ہیں جو بداہتہً معلوم ہوتا ہے کہ غلط اور باطل ہیں مگر وہ باوجود اس کے ان مسائل میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کو تیار اور ان بیہودہ لغویات کی مدد و حمایت کے

Marfat.com

لیے مستعد اور کمربستہ ہیں۔ روافض کو دیکھو معاذ اللہ یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ ایک لمحہ بھر بھی اللہ و رسول کے ساتھ ایمان نہیں لائے۔ وہ ہمیشہ حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کرتے اور آپ کے قتل کرنے کے منتظر رہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کے روبرو حضرت علی المرتضیٰ کو کھڑا کر کے فرمایا کہ یہ میرا وصی اور میرے بعد میرا ولیعہد ہے تم سب کو اس کی اطاعت اور تابعداری ضروری ہے۔ تمام صحابہؓ نے حضرت کی اس وصیت کو سنا اور اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا۔ مگر سب نے حضرت کے اس فرمان کو پوشیدہ رکھنے اور حضرت علیؓ کی نافرمانی کرنے پر اتفاق کر لیا غرض روافض نے جن کے مذہب کی بنا ہی جھوٹ پر ہے اس قسم کی بہت سی بے اصل اور سراسر جھوٹی باتیں بنا رکھی ہیں۔ اور قرآن کریم اور صریح صحیح احادیث کے مخالف اور منکر ہیں۔ اور اسی طرح جہمیہ اور انکے موافقین کئی ایک بدیہیہ اور صریح امور کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مفعول بلا فعل اور مخلوق بلا خلق موجود رہ سکتے ہیں۔ اور فلاسفہ جن کو اپنی عقلوں پر بڑا ناز ہے اس بات کے قائل ہیں کہ صورت معقولات بدوں ذہن بذات خود قائم ہیں اور وہ نہ تو عالم کے اندر حال اور نہ اس سے خارج ہیں۔ اور نہ اسکے ساتھ متصل اور نہ اس سے منفصل ہے۔ اور نہ اس سے مبائن اور نہ اس سے متحد ہیں فلاسفہ کی یہ ایسی بات ہے جو صریح عقل کے مخالف ہے اور نہ وہ جماعت جو وحدت وجود اور ہمہ اوست کی قائل ہے یہ کہتی ہے کہ صرف ایک اللہ کی ذات موجود ہے اور یہ جتنے متعدد امور اور اشیاء کثیرہ نظر آتی ہیں محض وہم اور خیال ہے درحقیقت کوئی چیز سوائے اللہ کے موجود نہیں۔ اور وہ گروہ جو اس بات کا منکر ہے یوں کہتا ہے۔ کہ آگ میں وہ حرارت جس سے اشیاء کو جلاتی ہے۔ اور پانی میں وہ رطوبت جس

Marfat.com

سے سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز موجود نہیں۔ اور اجسام کے اندر کوئی قوت یا طبیعت ودیعت نہیں رکھی گئی۔ اور سلسلہ عالم میں کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے سبب نہیں ہوسکتی۔ اگر ان امور کے انکار کو تم بدیہات اور ضروریات کا انکار نہیں سمجھتے تو دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا۔ جو بدیہات کا منکر ہو اور اگر ان امور کا انکار بدیہات کا انکار ہے۔ تو تمہارا یہ قول (کہ اگر یہ مسئلہ بدیہیہ ہوتا تو عقلا میں سے کوئی اس کا مخالف نہ ہوتا) باطل اور غلط ثابت ہوا۔ اور وہ بدیہات جن کا متکلمین نے انکار کیا ہے ان کو مذکورہ بالا امور سے کئی درجہ زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ بدیہات اور ضروریات عقل کی مخالف اور منکر متکلمین کی جماعت ہے۔ عقل سلیم کے نزدیک یہ کس طرح صحیح ہے کہ سمیع بدون سمع اور بصیر بلا بصر اور حی بغیر حیات موجود ہو اور نیز یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ ایک مرئی چیز آنکھوں کے سامنے دیکھی جائے۔ مگر وہ دیکھنے والے کے اوپر نیچے۔ داہنے بائیں۔ آگے۔ پیچھے کی طرف نہ ہو اور نیز یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے لیے صرف ازلی اور قدیم کلام ثابت کی جائے۔ حالانکہ کلام الٰہی کی یہ صفت ہے۔ کہ اگر بحر محیط کے برابر اور سات سمندر فرض کیے جائیں اور انکو روشنائی بنایا جائے اور تمام روئے زمین کے درخت چھوٹے بڑے سب جمع کرکے قلمیں بنائے جائیں اور کلام الٰہی کو لکھنا شروع کیا جائے تو تمام سمندر اور قلمیں ختم ہوجائینگے اور کلام الٰہی ختم نہ ہوگا۔ اور متکلمین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کلام معنی واحد ہے اس میں تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اس کا کوئی جز ہے اس میں نہی عین امر۔ نفی عین اثبات۔ خبر عین استفہام۔ تورات عین انجیل۔ و قرآن ہے۔ اور یہ سب ایک ہی چیز ہے صرف مختلف اضافات اور نسبتوں اور متعدد مدلولات کی وجہ سے مختلف نام سے موسوم ہے۔ ان مسائل پر اہل عقل یعنی متکلمین کی

Marfat.com

ایک جماعت عظیم متفق ہے اور اپنے مخالفین کو کافر سمجھتی ہے اور انکی ایذا رسانی کے درپے ہونا جو عند اللہ حرام ہے حلال جانتی ہے اور جہمیہ کا یہ قول ہے کہ عالم کے لیے ایک ایسا صانع ہے جو بذاتہ قائم ہے اور وہ نہ تو عالم کے اندر داخل اور نہ اس سے خارج ہے اور نہ عالم کے اوپر اور نہ اسکے نیچے ہے اور نہ آگے پیچھے۔ داہنے۔ بائیں غرض کسی طرف بھی موجود نہیں اور نہ عالم سے مبائن اور نہ اس سے متحد۔ جہمیہ نے واجب الوجود کو ایسے صفات کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے جن کا وجود ممکن نہیں اور یہ بھی اپنے مخالفین کو کافر اور ان کے قتل کرنے کو حلال سمجھتے ہیں اگر ہم ان تمام بدیہات کا ذکر کریں۔ جن کے کئی اہل عقل مخالف اور منکر ہیں۔ تو کتاب میں بہت طول ہو جائیگا اندیشہ ہے۔ نصاریٰ ہی کو دیکھو کہ تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سب سے زیادہ بدیہات اور ضروریات عقل کے منکر اور مخالف ہیں۔ فلاسفہ پر پر نظر ڈالو جو اپنے آپ کو معقولی کہلاتے ہیں سب سے بڑھ کر بدیہات اور ضروریات عقل کا انکار کرتے ہیں۔ غرض کسی جماعت کے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ مسئلہ بدیہہ اور ضروری نہ ہو۔

**فصل**۔ قدری نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (اے بندے) تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو (سمجھ کہ) اللہ کی طرف سے اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو (سمجھ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے) اور جبریہ کا تو یہ عقیدہ ہے کہ نیکی۔ بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندے کی جانب سے کوئی چیز نہیں جبری نے جواب دیا۔ کہ اس آیت میں حرف استفہام حذف کیا گیا ہے اصل عبارت اس طرح پر ہے۔ اَفَمِنْ نَّفْسِكَ اور استفہام یہاں انکار کے

Marfat.com

لئے ہے یعنی برائی کا پہنچنا بھی تمہاری طرف سے نہیں بلکہ وہ بھی من جانب اللہ ہی ہے۔ اور بعض قراء نے فَمَنْ نَفْسُكَ یعنی بفتح میم وضمہ سین پڑھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کون ہو کہ کسی چیز کے فاعل ہو سکو سب کا فاعل اللہ تعالٰے ہی ہے۔ اس آیت کے معنی میں ضرور تاویل کرنی پڑیگی۔ ورنہ اس پہلی آیت کے مخالف اور معارض ہوگی کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اے پیغمبر) ان (لوگوں) کو کچھ فائدہ پہنچ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ (اے پیغمبر) یہ تمہاری طرف سے ہے (سوائے پیغمبر تم ان سے کہدو کہ (نفع ہو یا نقصان) سب اللہ کی طرف سے ہے) اس آیت میں اللہ تعالٰے نے بیان فرما دیا ہے کہ نیکی ہو یا بدی سب کچھ اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے۔ بندے کا کسی چیز میں کوئی دخل نہیں۔ سنی بولا کہ تم دونو نے آیت کا معنی سمجھنے میں بڑی غلطی کھائی ہے اور تمہاری غلطی کا منشا اور باعث یہ ہے کہ اس آیت میں حسنات اور سیئات سے تم نے طاعات اور معاصی جو کہ بندے کے اختیاری افعال ہیں ارادہ کئے ہیں۔ اور یہاں یہ معنی ارادہ کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ حسنات اور سیئات سے یہاں نعمتیں اور مصائب مراد ہیں حسنات اور سیئات قرآن کریم میں کبھی طاعات اور معاصی پر بولا گیا ہے۔ اور کبھی نعمتوں اور مصائب پر اطلاق کیا گیا۔ اور اللہ تعالٰے کے قول اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہونچے تو انکو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں) وقولہ تعالٰے اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ

Marfat.com

تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ (اے پیغمبر) اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچ جائے تو ان (منافقوں) کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہنے لگتے ہیں کہ (اسی خیال سے) ہم نے پہلے ہی اپنا کام (ٹھیک ٹھاک کرلیا تھا) و قولہ تعالٰے وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ (اور ہم نے ان کو دکھ اور سکھ دونوں طرح سے آزمایا) و قولہ تعالٰے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ (اور اگر لوگوں کو ان کے اپنے ہی کرتوت کے بدلے میں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو خدا کی شکایت کرنے لگتے ہیں اور) انسان بڑا ہی احسان فراموش ہے) و قولہ تعالٰے فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (تو جب ان کو کوئی فائدہ پہنچتا تو کہتے یہ ہمارا حق ہے (اور ہماری وجہ سے ہے) اور اگر اُن پر کوئی مصیبت آتی تو موسٰی اور انکے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے) و قولہ تعالٰے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (اے بندے) تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو (سمجھ کہ) اللہ کی طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو (سمجھ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے)

ان تمام آیات میں حسنات سے نعمتیں و برکتیں اور سیئات سے مصائب اور تکالیف مراد ہیں۔ اور اللہ تعالٰے کے قول مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لیکر آئیگا تو اسکا دس گنا اس کو (ثواب) ملیگا اور جو بدی لے کر آئیگا تو بس اتنی ہی سزا بھگتیگا۔ و قولہ تعالٰے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (بلاشک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں) و قولہ تعالٰے اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ (تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا)

Marfat.com

ان تینوں آیات میں حسنات سے طاعات اور نیک اعمال اور سیئات سے معاصی اور برے کام مراد ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ان آیات میں جن میں حسنات سے نعمتیں اور سیئات سے مصائب مراد ہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے لفظ مَا اَصَابَکَ فرمایا ہے اور مَا اَصَبْتَ یا مَا کَسَبْتَ (جس کام کو تو کرے) نہیں فرمایا اور جن کاموں کو بندہ کرتا ہے ان میں اس قسم کے الفاظ یعنی مَا کَسَبْتَ وغیرہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ کقولہ تعالےٰ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (تو جو شخص نیک کام کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو) وقولہ تعالےٰ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ (تو جو شخص برا کام کریگا اس کی سزا پائیگا) وقولہ تعالےٰ وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَۃً اَوْ اِثْمًا (اور جو شخص کسی خطا یا گناہ کا مرتکب ہو) اور حدیث شریف میں مذنب تائب کے یہ الفاظ ہیں اَصَبْتُ ذَنْبًا (یعنی اے رسولِ خدا صلعم میں نے گناہ کیا ہے آپ مجھ پر حد شرع قائم فرمائیں۔ اور ایسے مواقع میں اَصَابَکَ ذَنْبٌ یا اَصَابَتْکَ سَیِّئَۃٌ نہیں کہا جاتا بلکہ جو امر انسان پر ارادہ و اختیار کے بغیر آجائے اس موقع پر اس قسم کے الفاظ بولے جاتے ہیں کقولہ تعالےٰ وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (اور (لوگو) تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے) وقولہ تعالےٰ وَاِنْ تُصِبْکَ مُصِیْبَۃٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ (اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہنے لگتے ہیں کہ (اسی خیال سے) ہم نے پہلے ہی اپنا کام (ٹھیک ٹھاک کرلیا تھا) وقولہ تعالےٰ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا (کیا جب تم (مسلمانوں) پر (جنگ احد میں شکست کی) مصیبت آپڑی حالانکہ تم (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت (اپنے دشمنوں پر ڈال چکے ہو) اخیر آیت میں دونوں قسم کے الفاظ موجود ہیں جو مصیبت کہ ان لوگ

Marfat.com

واختیار کے بغیر انسان کو پہنچتی ہے اسکی نسبت تو اَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ فرمایا اور جو کام انسان نے اپنے ارادہ واختیار سے کیا ہوا اسکے متعلق اَصَبْتُمْ فرمایا یعنی جو تم نے اپنے ارادہ سے کیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ (اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا تم پر اپنے ہاں سے کوئی عذاب نازل کرے) وقولہ تعالیٰ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (اور جو لوگ منکر ہیں (یعنی کفار مکہ) ان کو ان کے کرتوت کی سزا میں (کوئی نہ کوئی) مصیبت پہنچتی ہی رہیگی (جو ان سب کو کھڑکھڑاتی رہیگی) وقولہ تعالیٰ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ (اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے) غرض مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ اور مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ اس قسم کے الفاظ ایسے امور پر بولے جاتے ہیں جو ارادہ و اختیار کے بغیر انسان کو پیش آتے ہیں۔ تمام سلف صالحین ان آیات کے اس معنی و تفسیر پر متفق ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا ہے کہ وَاِنْ تُصِبْكُمْ حَسَنَةٌ میں حسنہ سے نعمت اور وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ میں سیئہ سے تکلیف مراد ہے۔ سدی کا قول ہے کہ حسنہ سے فراخ سالی مراد ہے جس میں مواشی۔ چوپائے خوب سیر ہو کر چرتے ہیں اور موٹے تازے ہو کر باہم جفتی کرتے اور کثرت سے بچے دیتے ہیں اور آدمی خوشحال پائے جاتے ہیں ایسے سال میں عورتیں اکثر لڑکے جنتی ہیں۔ منافقین ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے اور وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ میں سیئہ بمعنی تکلیف ہے اور اس کو حضرت محمد صلعم کی طرف منسوب کرتے اور آپکی شامت کا ثمرہ بتلاتے اور کہتے تھے۔ کہ ہم نے جو اپنا دین چھوڑ کر محمدؐ کا دین اختیار کیا ہے۔ اسی شامت سے ہم پر یہ وبال پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اس خیال باطل

Marfat.com

کے رد کرنے کے لیے فرمایا قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (اے محمدؐ کہدے کہ سب (نعمت اور تکلیف) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) والبی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ میں حسنہ سے فتح بدر اور غنیمت مراد ہے اور سیئہ سے وہ تکلیف مراد ہے جو احد کے دن پیش آئی۔ آپ کا دانت مبارک شہید ہوا اور آپ کے چہرہ انور پر کچھ زخم پہنچا۔ غرض حسنہ سے نعمت اور انعام اور سیئہ سے تکلیف اور امتحان مراد ہے اور ابوصالح کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اِنْ تُصِبْکَ حَسَنَۃٌ میں حسنہ سے فراخ سالی اور اِنْ تُصِبْکَ سَیِّئَۃٌ میں سیئہ سے قحط سالی اور تکلیف مراد ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن قتیبہ کا یہ قول ہے کہ حسنہ سے نعمت اور سیئہ سے مصیبت مراد ہے اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ ابوالفرج بن جوزیؒ نے ابوالعالیہ سے جو کہ ایک جلیل الشان تابعی ہیں نقل کیا ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے طاعت اور سیئہ سے معصیت مراد ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالفرج نے اس نقل اور روایت کی کوئی سند نہیں بیان کی۔ اور جب ابن ابی حاتم نے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ابوالعالیہ سے نعمت اور تکلیف کے معنی بیان کئے ہیں اور ابوالعالیہ سے مشہور طور پر بھی معنی منقول ہیں اور ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے نعمت اور تکلیف کے سوا کوئی دوسرے معنی نقل نہیں کیے اور ابن قتیبہ نے بھی ابوالعالیہ سے وہی معنی نقل کیے ہیں جو ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے روایت کیے ہیں تو ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ابوالفرج کی روایت صحیح اور قابل اعتبار نہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ دونو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اس اعتبار سے کہ جن طاعات اور عبادات کی بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوتی ہے وہ اس کے حق میں نعمت خداوندی ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ پس اس میں دین اور دنیا کی سب نعمتیں داخل ہیں - اور جو گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہ اس کے حق میں مصیبت ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں گر اس کا سبب خود بندے کے افعال ہی ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی توضیح اس سے ہو سکتی ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ نے معصیت کی جزا اور بدلہ اس سیئہ کو ٹھیرایا ہے جو بندے کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔ تو وہ معصیت جو موجب جزا ہے بطریق اولیٰ بندے کی جانب سے واقع ہوگی۔ پس عمل بد اور جزائے بد دونو کا باعث خود بندہ ہے اور اسی کی طرف سے ان کا وقوع ہوتا ہے۔ اس میں کوئی خرابی اور منافات نہیں اور اس معنے کے لحاظ سے کہ یہ سب کچھ من جانب اللہ مقدور ہے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے مگر یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے عدل۔ حکمت۔ مصلحت اور حسن ہے۔ اور بندے کی طرف سے سیئہ اور برائی ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَنَا قَدَّرْتُهَا عَلَيْكَ (اور تم کو جو مصیبت پیش آئے۔ تو (سمجھ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے اور میں نے اس کو تجھ پر مقدر کیا ہے) اور اس قرارت سے محض زیادت بیان اور توضیح مفہوم ہوتی ہے ورنہ یہ مضمون تو اس سے پہلے جملہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ قضائے سابق میں سب کچھ مقدر ہے۔ معاصی کا صدور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے گناہ کی سزا ہوتے ہیں۔ غرض معصیت پر من جانب اللہ دو قسم کی عقوبت ہوا کرتی ہے۔ ایک تو معصیت کے ذریعہ سے جس کا باعث پہلے معاصی ہوتے ہیں اور دوسرے تکلیف اور عذاب سے چنانچہ متفق علیہ حدیث میں

Marfat.com

ابن مسعودؓ سے مروی کہ صدق (سچائی) اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ بتلاتی ہے۔ اور جو آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچائی کا خیال رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت راست گو لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے پرہیز کرو۔ کہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم میں ڈالتی ہے اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور اسی کوشش میں رہتا ہے تو اللہ کے نزدیک نہایت جھوٹا اور کذاب لکھا جاتا ہے اور اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات میں فرمایا ہے۔ کہ دوسری نیکی کبھی پہلی نیکی کا بدلہ ہوتی ہے اسی طرح دوسرا گناہ کبھی پہلے گناہ کی سزا ہوتی ہے پہلی صورت یعنی حسنہ ثانیہ کا حسنہ اولیٰ کا بدلہ ہونا مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (اور جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے اگر اس کی تعمیل کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اس کی وجہ سے (دین پر بھی) مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے اور اس صورت میں ہم ان کو ضرور اپنی طرف سے بڑا (اچھا) بدلہ دیتے اور ان کو راہِ راست پر بھی ضرور لگا دیتے) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (اور جن لوگوں نے ہمارے دین (کے کام) میں کوششیں کیں ہم (بھی) ان کو اپنے رستے دکھائینگے) يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (جو لوگ خدا کی رضامندی کے طلبگار ہیں ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل (وکرم) سے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا اور ان کو راہ راست دکھاتا ہے) لیکن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے قول وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ سَیَھْدِیْھِمْ وَیُصْلِحُ بَالَھُمْ (اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو خدا ہرگز رائگاں نہیں ہونے دیتا (بلکہ) انہیں (منزل) مقصود کو پہنچا دیگا اور ان کو خوش حال کر دیگا) میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی یہاں مراد نہ ہوں۔ بلکہ یہاں ہدایت سے یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انکو جنت کی طرف راہ نمائی فرمائیگا یعنی وہ جنت میں داخل ہونگے۔ کیونکہ اس جزا کو انکے شہید فی سبیل اللہ ہونے پر مرتب فرمایا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ ہدایت فی الآخرت مراد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (پہلی آیات کی طرح) یہاں بھی یہی معنی مراد ہے اور جملہ سَیَھْدِیْھِمْ وَیُصْلِحُ بَالَھُمْ میں انکے اس انعام کا بیان ہو جو اللہ تعالیٰ ان کے شہید ہونے سے پہلے دنیا میں ان پر فیضان فرمائیگا۔ اور اسکو الفاظ مستقبل کے ساتھ اس لئے تعبیر فرمایا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ انعام ان پر آئندہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً یعنی ہدایت و اصلاح حال فیضان ہوتا رہے گا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے۔ کہ ان شہدا کے حال کا بیان جو شہید ہو چکے ہوں مستقبل کے الفاظ کے ساتھ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ خبر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انکو اپنے مرضیات کی ہدایت اور انکی اصلاح حال فرماتا رہیگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شہدا کے شہید ہونے کے بعد جو ان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے اعمال کو ضائع نہیں فرمائیگا۔ بلکہ ان کا پورا پورا اجر اور بدلہ ان کو عطا فرمائیگا۔ اور اسکے بعد یہ ایک دوسری بشارت ایسے لوگوں کو سنائی گئی ہے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کو علم تھا۔ کہ یہ میری راہ میں شہید ہونگے اور انہوں نے ہر طرح سے اس کے دین میں کوشش اور سعی دکھلائی۔ پس ایسے لوگوں کے لیے دو بدلے اور دو ہرے

Marfat.com

انعام ہیں۔ ایک تو دنیا میں جہاد جیسی نعمت ملی دوسرے آخرت میں جنت کے مالک ہوئے۔ قرآن کریم کے مضامین پر نظر ڈالنے والے کو ضرور ہے کہ ہر ایک جملہ کو اسکے موقع پر محمول کرے۔ مطلب واضح اور صاف ہے اور اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں اور نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (اسی طرح (ہم نے یوسف کو ثابت قدم رکھا) تاکہ ہم بدکاری اور بے حیائی (کے کام) ان سے دور رکھیں) وقال تعالےٰ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے ان کو دانائی عطا فرمائی اور (نیز فضیلت) علم اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح (انکی نیکی کا) بدلہ دیا کرتے ہیں۔) وقال تعالےٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (مسلمانو اللہ سے ڈرتے رہو اور بات (بھی) کہو (تو راہ کی) اور سیدھی (سچی) (ایسا کرو گے تو خدا) تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دیگا اور تمہارے گناہ بھی بخشدیگا) وقال تعالےٰ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (اور اگر رسول کے کہے پر چلو گے تو راہ سر جا لگو گے) وقال تعالےٰ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَي الَّذِيْٓ اَحْسَنَ (پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی جس سے نیکو کاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی) ان تمام آیات میں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ پہلے اعمال صالحہ کے بدلے حسنات اور نیک کاموں کی توفیق ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ معاصی اور گناہوں کے عوض یہ سزا ملتی ہے کہ انسان پہلے سے زیادہ معاصی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ پہلے گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ اس کا بیان ان آیات میں ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے تو خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی) وَلَا تَكُوْنُوْا

Marfat.com

كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (اور ان لوگوں جیسے نہ بنوں جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان کی ایسی مت ماری کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے) وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آئے پر بھی ایمان نہیں لائینگے اور ہم ان کے دلوں اور انکی آنکھوں کو الٹ دیں گے اور ہم انکو انکی سرکشی (کی حالت) میں رہنے دینگے کہ وہ پڑے بھٹکا کریں) اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا (جس دن (مقام احد میں مسلمانوں اور کافروں) کی دو جماعتیں (آپس میں) بھڑ گئیں (اور) تم مسلمانوں میں سے بہت لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو (ان کا بھاگنا کفر وارتداد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کی صرف) یہ وجہ ہوئی کہ) انکے بعض گناہوں (یعنی حکم رسول صلے اللہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے شیطان نے ان کے پاؤں (جگہ سے) اکھاڑ دئیے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (اور کہتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں (نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے ان کو پھٹکار دیا ہے پس شاذ و نادر ہی ایمان لائینگے) وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (اور اخاص کر حنین (کی لڑائی) کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور اتنی بڑی زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے) ان کے علاوہ اس قسم کی آیت قرآن کریم میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ اس بنا پر سیئات کے دو نوع یعنی مصائب و تکالیف

Marfat.com

اور فجور و معاصی کا صدور انسان کی طرف سے ہے اور اسی کے نفس کا شر دونو کا موجب و باعث ہے مگر دونو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے واقع ہوتے ہیں حضرت پیغمبر خدا سے مشہور خطبے کے الفاظ اس طرح مروی ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ یعنی اپنے نفسوں کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں ) نفس کا شر دو قسم پر ہے ۔ ایک صفت ۔ دوسرا عمل ۔ اور عمل صفت سے پیدا ہوتا ہے اور صفت عمل کے ذریعہ سے مضبوط اور قوی ہوتی ہے ۔ غرض ہر ایک ، دوسرے کا ممد و معاون ہے ۔ سیئات اعمال بھی دو قسم ہیں ۔ جنکی تفسیر خود حدیث میں آئی ہے ۔ ایک مساوی و قبائح ۔ یعنی معاصی پس سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا میں لفظ سیئات کی اضافت ۔ اضافت نوع الی الجنس ہے اور اس قسم اضافت کو اضافت بہ تقدیر حرف من کہتے ہیں ۔ پس تقدیر اس طرح پر ہو گی ۔ اس سیئات من اعمالنا ۔ دوم اعمال کے وہ ثمرات و نتائج ہیں جن سے عامل کو رنج و غم پیدا ہو ۔ یعنی وہ عذاب و تکالیف جو اعمال بد پر انسان کو پیش آئیں ۔ اس صورت میں سیئات اعمالنا میں اضافت مسبب الی سبب بمعنے لازم ہے اور بعض لوگ پہلے معنی کو اس وجہ سے ترجیح دیتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفت اور اس عمل سے جو صفت سے پیدا ہوتا ہے ۔ دونو سے استعاذہ اور پناہ طلب کی ہے اور اس میں انجام بد جو اعمال بد پر مرتب ہوتا ہے داخل اور شامل ہے غرض اس استعاذہ میں تین چیزوں سے استعاذہ اور پناہ طلب مقصود ہے ۔ عذاب ، سبب عذاب یعنی عمل ۔ سبب عمل یعنی صفت تینوں سے استعاذہ مطلوب ہے ۔ اور بعض لوگ دوسرے معنی کو اس خیال سے ترجیح

Marfat.com

دیتے ہیں۔ کہ شر النفس جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ دونو قسم کو شامل ہے۔ پس سئیات اعمال سے وہ جزا مراد ہوگی۔ جو اعمال بد پر مترتب ہوتی ہے اور حدیث میں بوجہ اضافت سئیات الی الاعمال اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ جزا ان اعمال ارادیہ پر مترتب ہوتی ہے جو انسان کے اختیار سے صادر ہوتے ہیں نہ اُن صفات پر جو کہ اس کے ارادہ و اختیار سے باہر ہیں۔ لیکن چونکہ وہ صفات بد بجائے خود شر ہیں لہذا ان سے بھی آنحضرت صلعم نے پناہ طلب کی اور ان کو شر نفس میں شامل کیا۔ صدیق اکبرؓ نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے ایسی دعا بتلائیں جو میں نماز کے اندر مانگا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کلمات کہا کرو اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَہٗ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْءًا اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ۔ صبح شام اور سوتے وقت یہ کلمات پڑھا کرو۔ چونکہ شر کے لیے ایک منبع اور مصدر ہے جہاں سے وہ پیدا ہوتا ہے اور ایک غایت ہے جس کی طرف اس کا انتہا ہوتا ہے منبع یا تو خود نفس انسان ہے یا شیطان ہے اور غایت اس کی یا تو خود اپنی جان پر وبال پڑتا ہے یا کسی مسلمان بھائی کو ضرر پہنچتا ہے لہذا نہایت مختصر مگر واضح الفاظ کے ساتھ ان چاروں مراتب سے آپ نے استعاذہ کی تعلیم فرمائی ؞

**فصل**۔ سُنی نے قدری سے کہا کہ آیت مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ الآیہ سے تم اپنے مذہب پر چند وجوہ سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اول یہ آیت تمہاری دلیل اس لیے نہیں ہو سکتی۔ کہ تم تو اس بات کے قائل ہو کہ

Marfat.com

بندے کا فعل خواہ نیکی ہو یا بدی سب کچھ بندے کی جانب سے ہے اللہ سبحانہ کی جانب سے کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے ہر ایک آدمی کو وہ قدرت دیدی ہے جس سے وہ نیکی اور بدی دونو کماتا ہے۔ پس کوئی نیکی کا ارادہ کرتا اور اس میں مشغول رہتا اور کوئی بدی کے خیالات پیدا کرتا اور اس میں مصروف ہوتا ہے اور نیک ارادہ ہو یا برا ارادہ دونو اپنے اختیار سے پیدا کرتا ہے اللہ سبحانہ کو اس کے ارادہ میں کوئی تصرف نہیں اور اس آیت میں تو نیکی اور بدی کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ تم ان دونوعی نیکی و بدی میں کچھ فرق ثابت نہیں کرتے۔ تمہارا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی مشیت نیکی یا بدی کسی چیز سے متعلق نہیں ہوتی ؛

قدری نے جواب دیا کہ نیکی اور بدی دونو کا فاعل تو بندہ ہی ہے مگر آیت میں بدی کو بندے کی طرف اسلئے منسوب کیا ہے کہ وہ اس کا فاعل اور موجد ہے اور نیکی کو اللہ سبحانہ نے اپنی جانب اس واسطے نسبت کیا ہے کہ اس نے نیکی کا حکم دیا اور اس کو مشروع فرمایا ہے ؛

سنی نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ نے اس برائی کو جو انسان کو پہنچتی ہے اسکی ذات کی طرف کیا اور جو نیکی اسے پیش آتی ہے اسکو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کو وہی چیز پیش آتی ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو اور امر بندے کی ذات کے ساتھ قائم نہیں بلکہ اس کے ساتھ مامور بہ قائم ہوتا ہے اور وہی مامور بہ اس کو پیش آتا ہے پس وہ چیز جو انسان کو پیش آتی چونکہ وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہے لہذا تمہارے نزدیک اللہ سبحانہ کی طرف اسکو منسوب کرنا درست نہیں اور جو چیز اللہ سبحانہ کیطرف منسوب ہے وہ بندے کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ نیکی یا

Marfat.com

بدی جو کچھ انسان کو پیش آتا ہے وہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس اگر اس سے افعال اختیاریہ یعنی طاعات و معاصی مراد ہوں تو دونو یکساں اس کی طرف مضاف و منسوب ہو سکتے ہیں اور ان میں فرق کرنا درست نہیں۔ گو ان میں اتنا فرق ہو سکتا ہے کہ طاعات مامور بہ اور معاصی منہی عنہ ہیں مگر اس فرق سے نسبت اور اضافت میں فرق نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ جس طرح کہ اوامر اللہ تعالےٰ کی جانب ہیں اسی طرح نواہی بھی اسی کی جانب سے ہیں پس اگر منجانب اللہ ہونے کی وجہ سے اضافت درست ہو سکتی ہے تو اس میں بھی دونو یکساں ہیں کیونکہ اوامر سے ایجاد افعال مطلوب ہے اور نواہی سے اعدام افعال مقصود ہے۔ پس دونو کی اضافت اللہ تعالےٰ کی جانب صحیح ہونی چاہیئے :۔

قدری نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے کہ طاعات اور معاصی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی مشیت اور ارادہ اس طور پر متعلق ہوں کہ انکو بندے کے اعمال کی جزا و سزا کی صورت میں پیدا کرے۔ اور یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف سے تو کوئی ان کا موجب اور باعث نہ ہو اور بغیر دخل اس کے محض ابتداءً ان کو پیدا کر دے اور جزا و سزا کے طور پر اسلئے پیدا کر سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کو اختیار ہے کہ جس چیز کے ساتھ چاہے بندے کو معذب کرے یا جو چیز چاہے انعام فرمائے۔ جس طرح عذاب و ثواب کے ساتھ سزا و جزا دے سکتا ہے اسی طرح طاعات و معاصی کے ساتھ بھی جزا و سزا کر سکتا ہے اور یہ اس کا عین عدل ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف سے تو کوئی موجب اور باعث نہ ہو اور ابتداءً اللہ تعالےٰ اسمیں کفر یا معصیت کو پیدا کر دے یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے :۔

سنی نے جواب دیا کہ اتنی بات تو تمہاری بیشک صحیح ہے کہ اللہ سبحانہٗ

Marfat.com

جزا و سزا کے طور پر بندے میں طاعات و معاصی پیدا کر دیتا ہے اور نیز یہ بات عقل اور شرع دونوں کے موافق ہے۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پہلے اعمال جن کے یہ طاعات و معاصی جزا و سزا قرار دیتے ہو) کس نے پیدا کیا ہیں۔ تمہارے نزدیک تو وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے باہر اور اسکی مشیت سے خارج ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ باری تعالےٰ کے ملک میں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں۔ جو اس کی قدرت سے باہر اور اس کی مشیت سے خارج ہیں اور نیز تمہارا بیان خود تمہارے اصول کے خلاف ہے تمہارا اصول یہ ہے کہ بندے کے افعال اختیاریہ اسکی قدرت مشیت اور اختیار سے واقع ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ کی قدرت و مشیت سے خارج ہوتے ہیں ابتدائی افعال اور ان افعال میں جو جزا و سزا کے طور پر واقع ہوں دونوں میں کوئی فرق نہیں :۔

قدری نے جواب دیا کہ قرآن مجید نے ان دونو قسم کے درمیان فرق بتلایا اور کفر و فسق ثانی کو پہلے کی سزا ٹھیرایا ہے پھر تم دونو قسم کے درمیان فرق کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ بلکہ جب قرآن نے کفر و فسق ثانی کو پہلے کی سزا ٹھیرایا ہے۔ تو یقیناً معلوم ہوا کہ پہلا کفر و فسق ضرور بندے کا فعل ہے ورنہ دوسرے کو پہلے کی سزا ٹھیرانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے کہ کفر ثانی پہلے کفر و فسق کی سزا ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (پس اُن ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا) :۔

اللہ سبحانہ نے نقض میثاق کو تو کفار کی طرف منسوب کیا ہے اور تقسیہ قلوب (دلوں کے سخت کر دینے) کو اپنی طرف نسبت فرمایا ہے سو ان کا فعل موجب اور باعث ہے اور اللہ سبحانہ کا فعل اس کی سزا ہے۔ اور مقام

Marfat.com

میں فرمایا ہے وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آئے پر بھی ایمان نہیں لائینگے اور ہم ان کے دلوں اور انکی آنکھوں کو الٹ دینگے۔ اور ہم انکو انکی سرکشی کی حالت میں رہنے دینگے کہ پڑے بھٹکا کریں) یہاں بھی عدم ایمان کو کفار کی طرف نسبت کیا ہے۔ کہ پہلے وہ ایمان نہ لائے جو اسکا باعث ہوا۔ کہ ہم نے سزا کے طور پر ان کے دلوں کو قبول حق سے پھیر دیا۔ اور ان کو گمراہی میں رہنے دیا۔ اور آیت فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے تو خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی) بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ ان آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات سے بھی مطلب ثابت ہوتا ہے ؛

سنی نے جواب دیا۔ کہ ہم بیشک تسلیم کرتے ہیں کہ کفر ثانی پہلے کی سزا ہے لیکن ان آیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا پہلا کفر و فسق اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج اور اسکی مشیت سے باہر ہے۔ بلکہ اگر اللہ سبحانہٗ چاہتا تو بندے اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا۔ اور اس کو قبول حق کی توفیق عطا فرما دیتا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اسی بات کا اختلاف ہے اور یہی بات جس کے تم قائل ہو انکار تقدیر ہے۔ چنانچہ اسباب کے وجود اور ان پر مسببات کے مترتب و موجود ہونے کا جبریہ انکار کرتے ہیں اور ان سے بھی صرف اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ منکر اسباب ہیں۔ تم دونو فریق مِنْ وَجْہٍ صواب پر ہو۔ مگر مِنْ وَجْہٍ غلطی پر اگر اس غلطی سے تم بچ جاؤ۔ تو سب کے سب آپس میں موافق اور حق پر قائم ہو جائیں اور توفیق خیر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ؛

Marfat.com

قدری نے کہا کہ اہل سنت فعل اول کی نسبت جبکہ وہ کسی فعل سابق کی جزا نہیں کیا کہینگے۔ وہ تو اللہ سبحانہ کو حکیم اور حقیقی ظلم (یعنی جو درحقیقت ظلم ہو نہ وہ ظلم جس سے جبریہ تنزیہ کے قائل ہیں کیونکہ وہ تو جمع نقیضین ہے) سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ یعنی جب بندے کی طرف سے کوئی موجب و باعث صادر نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالٰے ظلم سے منزہ اور حکیم ہے۔ تو ابتداءً بندے میں کفر و فسق کیوں پیدا کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اہل سنت اس کو بیان کریں سنی نے جواب دیا۔ کہ اس مقام پر اس کا بیان کرنا میرے ذمہ ضروری نہیں اور نہ اصول مناظرہ کے لحاظ سے میرا یہ منصب ہے۔ میرا منصب صرف یہ ہے کہ تم نے جو اپنے باطل مذہب پر آیت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب بیان کردں۔ سو وہ جواب میں نے کافی و شافی بیان کردیا ہے۔ خیر مختصر طور پر اس کا جواب بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بندے کے ابتداءً کافر ہونے میں حکیم مطلق کی وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ جن کو اہل عقل کی عقلیں نہیں پا سکتیں۔ اور اہل فہم کی سمجھ وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے مجملاً اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ جو شخص اسکے فضل۔ توفیق و انعام کے قابل اور صالح ہوتا ہے اس پر ابر رحمت و فیض برسا دیتے ہیں۔ اور جس شخص کا مادہ اس کے قابل نہیں ہوتا وہ ہدایت اور توفیق خیر سے محروم رہتا اور وہ اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ (اور اگر اللہ ان میں (کچھ بھی) بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا لیکن (وہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم بدلی ہوئی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر پھیر کر الٹے بھاگتے) ؛؛

Marfat.com

قدری بولا کہ جب اللہ سبحانہ نے کفار میں کفر و فسق کا ارادہ پیدا کر دیا جو ان کے کفر و فسق کا موجب ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے جس طرح مومنین و اہل ہدایت میں ہدایت و ایمان کو پیدا کیا اسی طرح کفار و فجار میں کفر و فسق کو پیدا کر دیا ؛

سنی نے جواب دیا کہ یہی مسئلہ تو معرکتہ الارا اور دنیا کے مختلف فرقوں میں متنازعہ فیہ ہے۔ اللہ سبحانہ نے بندے کو ارادہ بمشیت۔ اور قدرت عطا فرمائے ہیں جن سے اس کو کفر و ایمان دونو کے لیے صالح بنا دیا ہے اور یہ امور سب میں یکساں مشترک پیدا کر دئے ہیں۔ اسکے بعد جو لوگ اس کے فضل کے صالح تھے۔ ان کے ایسے اسباب مہیا کر دئے جو ان کے لیے قبول ایمان و ہدایت کا موجب ہوئے۔ اور جو لوگ اس کے علم میں اس نعمت عظمیٰ کے قابل و لائق نہ تھے۔ ان کی اعانت و امداد کو چھوڑ دیا۔ پس ایسے لوگ اپنے اختیار اور مرضی سے کفر۔ گمراہی اور برے کاموں کیطرف جھک پڑے۔ ان باتوں پر اللہ تعالےٰ نے ان کو مجبور نہیں کیا ؛

قدری بولا کیا ایسے لوگ ایمان و ہدایت کا ارادہ کرنے پر جن کے لیے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کی اعانت و امداد نہیں ہوتی قادر ہوتے ہیں یا نہیں ؛

سنی نے جواب دیا کہ بیشک وہ ایمان کے ارادہ کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور اگر وہ ارادہ کرتے تو ضرور مشرف با ایمان ہوتے لیکن ایمان کا وقوع اللہ تعالےٰ کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے جو چیز اس کی مشیت میں ہوتی ہے اس کا وقوع ضروری ہے۔ اور جس چیز سے اس کی مشیت متعلق نہ ہو اس کا وقوع محال ہے ؛

قدری بولا کہ بس اب تو تم نے مان لیا کہ اگر کسی چیز کا صدور اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کی مشیت میں نہ ہو تو اس کا صدور ناممکن اور محال ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیز بندے کی قدرت سے خارج ہے۔ اور اس پر یہ لازم آئیگا۔ کہ بندے کو ایسے کام پر عذاب دیا جائیگا جس کا کرنا اس کی قدرت سے باہر تھا؛
سنی نے جواب دیا کہ کسی فعل کے صدور سے اللہ سبحانہ کی مشیت کے متعلق نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل بندے کی قدرت سے خارج ہو اللہ سبحانہ کی مشیت کے نہ متعلق ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کام میں بندے کی اعانت نہیں فرماتا۔ مگر باوجود اس کے اس کام پر بندے کو قدرت دے رکھی ہے اور اس کے قدرت عطا فرمانے سے یہ ضروری نہیں۔ کہ اس کام کا وقوع بھی ہو جائے۔ وقوع اس وقت ہوتا ہے جب اس کی طرف سے قدرت کے علاوہ دوسری اعانت و امداد ہوتی ہے تو اب اعانت کے ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ فعل بندے کی قدرت سے خارج ہو۔ بندہ بہت سے کام کر سکتا ہے۔ لیکن کبھی تو سستی اور کاہلی کی وجہ سے ان کو نہیں کرتا اور کبھی ان کی ضد کو اختیار کر کے ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ پس اللہ سبحانہٗ یہ نہیں کرتا کہ بندے نے جو کام ارادۃً چھوڑا ہے جبراً وہی کام اس سے صادر کرائے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اس کام سے عاجز ہے اللہ سبحانہ کو معلوم ہے کہ میں نے بندے کو اس کام پر قدرت دے رکھی ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بندہ باوجود قادر ہونے کے اس کام کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور جب ان سب باتوں کا اللہ سبحانہ کو علم ہے تو اب بندہ جو اس کام کا خلاف کرتا ہے تو وہ بھی اللہ سبحانہ کے ارادہ سے باہر نہیں۔ غرض کفر و فسق وغیرہ ایسے امور کا صدور بندے سے ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ کی طرف سے یہ ہوتا ہے کہ وہ ایمان و ہدایت کے لیے امداد و

Marfat.com

اعانت نہیں فرماتا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ایمان وہدایت بندے کی قدرت سے خارج ہوجائیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ سبحانہ کا ارادہ ومشیت اس سے متعلق نہیں ہوتے ؛

اس مسئلے کا رازیہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ارادہ ایک تو افعال عباد سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور اس کے علاوہ باری تعالےٰ کے اپنے افعال کے ساتھ بھی اس کے ارادہ کو تعلق ہے جس کا وقوع افعال عباد کے تعلق کے بعد ہوتا ہے پس جو شخص اس راز کو نہیں سمجھتا۔ اس پر یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا ؛

جبری بولا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ بندہ فلاں کام نہیں کریگا یا اس کا علم نہیں ۔ اگر یہ کہو کہ اللہ تعالےٰ کو اس کام کا علم نہیں۔ تو یہ بالکل غلط اور ناجائز ہے ۔ اور اگر یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ بندہ یہ کام نہیں کریگا۔ تو وہ قطعاً محال ہے ورنہ باری تعالیٰ کا علم قدیم غلط ثابت ہوتا ہے ؛

سنی نے جواب دیا کہ تمہارا یہ بیان چند وجوہ سے غلط ہے اوّل یہ کہ یہی دلیل بعینہ ان افعال میں جاری ہوسکتی ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور ان کی نسبت باری تعالےٰ کو یہ علم ہے کہ وہ ان افعال کو صادر نہیں کریگا۔ پس جو کچھ تم اس کا جواب بیان کروگے وہی جواب ہم اس کا بیان کردینگے ۔ دوئم یہ کہ اللہ سبحانہ کا علم ایسا محیط ہے کہ وہ جملہ امور اور تمام اشیا کے ہر پہلو کو حاوی ہے ۔ پس اللہ سبحانہٗ کو یہ علم ہے کہ فلاں بندہ فلاں کام نہیں کریگا۔ مگر ساتھ ہی اس کو یہ بھی علم ہے کہ وہ اس کام کے کرنے پر قادر ہوگا۔ مگر باوجود قادر ہونے کے چونکہ وہ کام کا ارادہ نہیں کریگا۔ لہٰذا وہ کام اس سے ظہور میں نہ آئیگا۔ سوئم یہ کہ اللہ سبحانہ کا علم اشیا کے

Marfat.com

وقوع یا عدم وقوع کا کاشف ہے نہ کہ موجب علم تو صرف حقائق معلومات کا کاشف ہوتا ہے۔ ان کے وجود یا عدم کی موجب تو اسکی مشیت ہے۔ ہم دوبارہ اس آیت کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں جس سے قدری نے اپنے مذہب باطل پر استدلال کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مَآ اَصَابَکَ الآیہ سے مذہب قدریہ پر استدلال کرنا تین وجہ سے باطل ہے۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالےٰ نے مَآ اَصَابَکَ فرمایا ہے مَآ اَصَبْتَ نہیں فرمایا۔ دوم یہ کہ حسنہ سے نعمت اور سیئہ سے مصیبت مراد ہے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرما دیا ہے۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (اے پیغمبر تم ان سے) کہدو کہ نفع ہو یا نقصان سب اللہ کی طرف سے ہے) خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیئات کا فاعل انسان ہے اور وہ ان کے کرنے پر مستحق عذاب ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ منعم حسنات ہے خواہ وہ اعمال حسنہ ہوں جو توفیق ایزدی کے ساتھ بندے سے صادر ہوتے ہیں یا نعمتیں ہوں جو اعمال حسنہ کی جزائیں ملتی ہیں۔ اور سیئات جو اس سے سرزد ہوتے ہیں خواہ وہ ابتداءً واقع ہوں یا کہ سزا کے طور پر پیدا ہوں اللہ سبحانہ کے عدل کا مقتضے ہیں اور اگر اعمال صالحہ بھی محض بندے کی طرف سے واقع ہوتے جیسے کہ سیئات اس کی جانب سے صادر ہوتے ہیں۔ تو دونوں اقسام یعنی حسنات اور سیئات یکساں اسی کی طرف منسوب ہوتے حالانکہ آیت میں دونوں قسم میں فرق بیان کیا گیا ہے اور صحیح حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہم تمہارے اعمال کو لکھوا دیتے ہیں پھر انہی کے مطابق بدلہ و جزا دیتے ہیں۔ سو جس کو بہتری پیش آئے وہ اللہ تعالےٰ کا شکر بجالائے۔ اور جس کو کوئی مکروہ امر پیش آئے وہ فقط اپنے آپ کو ملامت کرے (اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہیں) ۔

**فصل** ۔ جبری نے کہا کہ آیت کا پہلا جملہ یعنی کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) تو محکم ہے اور آیت کا آخر یعنی مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (اے بندے) تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) متشابہ ہے اور قدری نے کہا کہ یوں نہیں بلکہ آیت کا آخر محکم اور اس کا اول متشابہ ہے سنی نے کہا تم دونوں غلطی پر ہو حق بات یہ ہے کہ آیت کا اوّل اور آخر سب محکم اور واضح المعنی ہیں تم دونوں نے قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھا اور ان میں تدبر اور غور نہیں کیا آیت کے اول و آخر میں کسی قسم کا لفظی یا معنوی کوئی تناقض یا اختلاف نہیں ۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے ان منافقین کا ذکر فرمایا ہے جو جہاد سے جی چراتے تھے اور اگر وضع داری کے خیال سے کبھی شامل ہو گئے ۔ اور اللہ کے فضل سے مسلمانوں کو فتح و غنیمت حاصل ہوئی جس میں سے انکو بھی حصہ ملا ۔ تو کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر تکلیف پیش آتی تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو نشانۂ ملامت بناتے اور کہتے کہ یہ مصیبت تمہاری شامت سے آئی کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر تیرا دین اختیار کر لیا ۔ اور تم نے ہمیں جہاد کے لیے حکم کیا جس پر یہ تکالیف و مصائب پیش آئے ۔ غرض سیئات سے یہاں وہ مصائب مراد ہیں جو ان کو پیش آتے ۔ اور نیز وہ اعمال مراد ہیں جن کو وہ تکالیف کا باعث خیال کرتے تھے اور جس سیئہ کو وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ اس میں وہ مصائب جو کبھی جہاد میں جانے سے پیش آجاتے مثلاً شکست ۔ ہزیمت ۔ بعض لوگوں کا زخمی ہونا ۔ بعض کا مقتول

Marfat.com

ہو جانا وغیرہ شامل کرتے تھے۔ اور نیز دوسرے مصائب مثلاً تنگی رزق، قحط سالی وغیرہ کو بھی بدفالی کے طور پر آپ کی طرف نسبت کرتے۔ اور کہتے تھے کہ تمہارا دین اختیار کرنے کے سبب سے یہ سب مصیبتیں ہمیں پیش آئیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے قوم فرعون کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کا بھی یہی شیوہ تھا۔ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ (تو جب ان کو کوئی فائدہ پہنچتا۔ تو کہتے یہ ہمارا حق ہے (اور ہماری وجہ سے ہے) اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے) یعنی جب ان کو وہ نعمتیں پیش آتیں۔ جن سے خوش ہوتے۔ تو کہتے کہ ہم ان کے مستحق اور سزاوار تھے اور اگر تکلیف پیش آتی۔ تو کہتے کہ یہ موسیٰؑ کا دین اختیار کرنے کی شامت ہے اور انطاکیہ کے لوگوں نے عیسیٰؑ کے حواریوں سے بھی کہا تھا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (ہم نے تو تم کو (بڑا ہی) منحوس پایا) اور صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان سے یہی کہا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ (ہم نے تو تم کو اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں بڑا ہی منحوس پایا) غرض اکثر لوگوں کا یہی اصول تھا کہ جو مصائب جہاد کے سبب یا اس کے علاوہ دوسرے مصائب قلت رزق قحط سالی وغیرہ ان کو پیش آتے تو ان کو رسول کی طرف نسبت کرتے اور کہتے کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑنے اور تمہارا دین اختیار کرنے سے یہ مصائب ہمیں پیش آئے۔ اب بھی اسلام کے لباس میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ کہ جب ان کو کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو بیساختہ کہتے ہیں کہ اصول اسلام کی پابندی کی وجہ سے یہ خرابی پیش آ رہی ہے۔ اس قسم کے لوگ دنیا میں بہت ہیں۔ ایسے لوگ درگاہ الٰہی میں نہایت ذلیل و حقیر ہونگے مگر یاد رہے کہ یہ

Marfat.com

لوگ رسول سے یہ نہیں کہتے تھے کہ تم نے ان مصائب کو پیدا کیا ہے جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا قول مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ اللہ تعالیٰ کا قول قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے مخالف نہیں۔ بلکہ دوسرا جملہ پہلے کلام کی تاکید ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نعمتیں اور مصیبتیں سب اللہ کی طرف سے ہیں وہی ان کا خالق اور مقدر ہے اور ان کے ذریعہ سے اپنی مخلوق کی آزمائش و امتحان فرماتا ہے۔ پس سب چیزیں نعمتیں ہوں یا مصائب اسکی مخلوق ہیں یہ نہیں کہ بعض چیزیں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور بعض کسی دوسرے شخص کی پیدا کردہ ہیں۔ جب تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں تو بعض کو رسول کیطرف اور بعض کو اللہ کی طرف نسبت کرنا درست نہیں یہ

---

لہ آجکل کی نئی روشنی والوں کا عام مقولہ ہے۔ کہ اسلام نے حصولِ معاش کے طریقے نہایت تنگ کر دئے ہیں نہ سود لینا جائز ہے نہ لاٹری کی اجازت ہے۔ نہ بینک قائم کرنے رخصت ہے۔ مسلمانوں پر نکبت ادبار اور افلاس نہ آئے تو اور کیا ہو۔ افسوس کہ انہوں نے اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اسلام وہ نعمت عظمےٰ ہے۔ کہ جب تک مسلمان اصول اسلام کے پابند رہے تو انکو دنیا میں بھی وہ شوکت و عظمت حاصل رہی کہ قیصر و کسریٰ جیسی دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں کو فتح کرلیا۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو نکبت و ادبار آرہا ہے وہ اسلامی اصول کی پابندی چھوڑنے اور انکی عظمت و وقعت نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر آج مسلمان اصول اسلام کے پابند ہو کر غمی و شادی کی ناجائز رسوم۔ اور بدعات کو جسمیں لاکھوں روپیہ برباد ہو سکتا ہے چھوڑ دیں اور متبع شریعت نبی امّی فداہ ابی و امّی ہو جائیں تو انشاء اللہ بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے خاکسار مترجم عرض کرتا ہے کہ میں یہ کلمات محض خیر خواہی کے طور پر لکھے ہیں۔ اگر کسی کو ناگوار معلوم ہوں تو وہ انصاف سے کام لے شاید مفید ہو جائیں یا اللہ توفیق۔ مترجم

Marfat.com

ظاہر ہے کہ منافقین کا بھی یہ خیال نہ تھا کہ ان مصائب کا خالق اور محدث رسول ہے بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ رسول ان کے موجود ہونے کا باعث اور سبب ہے یہ خیال عام طور پر جملہ تکالیف مثلاً قلت رزق وغیرہ کے متعلق بدفالی کے طور پر انکے دلوں میں جاگزین ہو یا خاص واقعات مثلاً جہاد کے موقع پر جو دقتیں آئیں انکی نسبت پیدا ہو۔ سب کو اللہ تعالےٰ نے باطل کر دیا کہ یہ محض وہم کاذب اور خیال باطل ہے۔ رسول کا اتباع ہرگز موجب شر و برائی نہیں بلکہ وہ سراپا خیر و برکت ہے۔ شر و برائی جو کچھ پیش آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال بد اور خدا تعالےٰ کی نافرمانی کا نتیجہ ہے چنانچہ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے اہل انطاکیہ کے جواب میں یہی کہا تھا۔ طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ (یہ تو تمہاری اپنی) شامت (اعمال ہے) اور یہ جملہ صالح علیہ السلام کے کلام سے جو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا یعنی طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (تمہاری نحوست (سب) خدا کی طرف سے ہے اور نیز اللہ تعالےٰ کے اس قول سے جو قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے۔ یعنی وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللّٰهِ (اور اگران پر کوئی مصیبت آتی تو موسٰی اور ان کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے۔ سنو جی! انکی نحوست تو بس خدا کے ہاں (انکی تقدیر میں لکھی جا چکی تھی) کے مخالف نہیں۔ بلکہ یہ دونو نسبتیں اسی نسبت و اضافت کے موافق ہیں جو اس آیت میں ہے کہ سیئہ کو بندے کی طرف نسبت کیا گیا اور حسنہ اور سیئہ دونو کے متعلق یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ دونو من جانب اللہ ہیں۔ قرآن کریم کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور اول سے لے کر آخر تک کہیں تناقض و اختلاف نہیں معلوم ہوتا ہے جن آیات میں طائر اور سیئہ کو عباد کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ شر و شوم جو تمہیں پیش آیا

Marfat.com

ہے۔ یہ خود تمہاری طرف سے ہے کیونکہ اس کے اسباب تم میں موجود اور تمہارے ساتھ قائم ہیں۔ اور جہاں یہ فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو اس کا یہ معنی ہے کہ سب کا خالق وہی ہے جو اپنے عدل و حکمت کے مطابق جزا و سزا کے طور پیدا کرتا ہے۔ لفظ طائر کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک عمل اور دوسرا جزا۔ پس جو بندے کی طرف منسوب ہے وہ بمعنی عمل ہے اور جو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف ہے وہ بمعنی جزا ہے پس طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ کا یہ معنی ہے کہ تمہارے اعمال بد تمہارے ساتھ ہیں۔ اور طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللهِ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اعمال بد کی سزا من جانب اللہ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا اتباع ہرگز موجب تکالیف و باعث آفات و مصائب نہیں بلکہ اللہ و رسول کی اطاعت تو دنیا اور آخرت میں باعث خیر و برکت ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اطاعت میں کمی اور قصور واقع ہونے سے خاص مومنین کو بھی کبھی مصیبت پیش آ جاتی ہے جیسا کہ اُحد اور حُنین کے دن اطاعت رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں قصور واقع ہونے سے اہل اسلام کو بعض تکالیف پیش آئے۔ اور وہ ایذا اور تکلیف جو کفار کی طرف سے مومنین کو پیش آتی ہے اس کا باعث ایمان و اطاعت الٰہی ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض امتحان اور آزمائش کے مراتب ہوتے ہیں تاکہ نفوس تمام علائق شر سے پاک و صاف ہو کر مورد انوار و عرفان ہو جائیں اور اس امتحان کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے سونار چاندی اور سونا کو پاک اور خالص بنانے کے لیے ٹھگ میں ڈالتا ہے جس طرح چاندی و سونا آگ میں ڈالنے پر آلائش اور کھوٹ سے نکھر جاتے ہیں اسی طرح امتحان اور آزمائش کے سبب گناہوں سے مومنین بھی پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلِيُمَحِّصَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا

Marfat.com

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (اور نیز یہ منظور تھا کہ اللہ مسلمانوں کو (شک وشبہ کے میل کچیل سے) نکھار دے اور کافروں کو زور توڑ دے) وقال تعالےٰ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (خدا کو منظور تھا کہ تمہارے مافی الضمیر کو آزمائے اور تمہارے دلی خیالات کو وسوسوں کے میل کچیل سے صاف کرے) غرض اللہ تعالےٰ کی اطاعت تو محض خیر وبرکت کا سبب ہے اور اسکی نافرمانی شرو نکبت کا باعث ہے اسی واسطے اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ بات کی سمجھ (یعنی عقل) کے پاس بھی ہو کر نہیں پھٹکے) کیونکہ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو وہ یقین کرتے کہ وہ احکام جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ہرگز موجب شر نہیں بلکہ وہ سراسر خیر وبرکت کا سبب ہیں۔ اور انکو چشم بصیرت ہوتی تو سمجھ لیتے کہ عقل وفطرت اس بات کے شاہد ہیں۔ کہ احکام اسلام وہ بے بہا نعمت ہیں کہ معاش ومعاد دونو کے مصالح ان سے وابستہ اور متعلق ہیں۔ اور نیز یہ معلوم کر لیتے کہ قرآن خیرات کے کرنے اور منکرات کے چھوڑنے کا حکم دیتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ جن احکام کے بجالانے کا حکم فرماتا ہے۔ ان کا حسن وخوبی عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور نیز جو ان احکام میں انسان کے لیے سراپا مصلحت۔ رحمت۔ منفعت۔ متصور ہوتی ہے اور اپنے خالق کی جانب سے اس کے ساتھ احسان ہوتا ہے۔ مگر بعض اہل باطل یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کبھی ایسے احکام صادر فرماتا ہے جن میں انسان کے لیے کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان میں اس کا ضرر ونقصان ہوتا ہے ان لوگوں کے قول ان کفار کے خیالات کی تصدیق کرتا ہے۔ جو انبیا علیہم السلام کے اتباع کو باعث تکلیف ومضرت قرار دیتے تھے ؛؛

Marfat.com

**فصل**۔ اس مسئلہ کی توضیح ایک طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے
مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ فرمایا تو اس
کے بعد یہ ارشاد کیا ہے وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور
اے پیغمبر ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور
(تمہارے پیغمبر ہونے کے لیے) خدا کی گواہی بس کرتی ہے) اور اس سے چند باتیں
معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ امت رسول کو اسی بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ
جب وہ رسول کہ جس کی رسالت کی خود اللہ سبحانہ نے شہادت دی ہے اس
کو کوئی تکلیف پیش آئے۔ تو وہ بھی اسکے اپنے اعمال کے سبب پیش آتی ہے
پس عام آدمیوں کی نسبت کیا خیال ہو سکتا ہے کہ جو تکالیف ان کو پیش
آئیں تو وہ ان کے اعمال کا ثمرہ نہ ہوں۔ دوم یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے انبیاء
علیہم السلام کو بھیجکر اپنے احکام سے آگاہ فرما دیا اور اپنی حجت کو اپنے بندوں
پر قائم کر دیا تو اس کے بعد اگر ان کو کوئی تکلیف پیش آئے تو اس میں اللہ سبحانہ
کا کوئی ظلم و بے انصافی نہیں۔ کیونکہ انبیا علیہم السلام نے نفع و نقصان کے
سب کام بتلا دئے ہیں۔ پس جسکو خیر اور بہتری پیش آئے۔ تو وہ اللہ سبحانہ کا
شکر بجا لائے اور جسے تکلیف کا سامنا ہو تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ سوم
یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کی صداقت اور اس کی رسالت کی حقانیت
پر خود شہادت بیان فرما دی ہے اور اس کے ہاتھ پر وہ معجزات و آیات ظاہر
فرمائے ہیں جو اس کی رسالت کی صداقت پر شاہد ہیں تو ان ظالمین کا انکار جو
اسکی رسالت کو باعث شامت خیال کرتے ہیں رسول کے لیے کچھ مضر نہیں۔
چہارم یہ کہ کفار نے یہ چاہا تھا کہ وہ اپنے تکالیف اور مصائب کو آپ کی رسالت
کے ابطال کے لیے دلیل اور حجت بنائیں کہ اگر تم سچے رسول ہوتے تو تمہارے

Marfat.com

سبب یہ مصائب پیش نہ آتے۔ پس اللہ سبحانہ نے آپ کی رسالت کی شہادت بیان فرمائی۔ اور یہ بھی تبلا دیا کہ صداقت رسالت کے لیے صرف میری شہادت کافی ہے اور اسی کے ضمن میں انکے اس خیال باطل کو رد فرمایا کہ یہ مصائب رسول کی پیروی کے سبب پیش نہیں آئے۔ بلکہ یہ خود تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ پنجم یہ کہ اس آیت میں جہمیہ اور ان کے موافقین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اللہ تعالے کبھی بغیر کسی قصور اور گناہ کے بندوں کو عذاب کرتا ہے ششم یہ کہ اس آیت میں قدریہ کے اس قول کا ابطال ہے کہ حسنات اور سیئات کے اسباب من جانب اللہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا موجد محض بندہ ہے۔ ہفتم اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو قران میں تدبر اور غور نہیں کرتے۔ اور نیز یہ کہ قران میں تدبر اور غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ ایسے لوگ جو تدبر نہیں کرتے گمراہی اور شقاوت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہشتم یہ کہ اس آیت میں اشیاء کے اسباب کا ثبوت اور ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے۔ جو وجود اسباب کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کوئی چیز کسی چیز کے لیے سبب ہیں۔
اور اسباب اور مسببات کے درمیان کوئی تعلق نہیں اور لگاؤ نہیں۔ نہم یہ کہ تمام خیرات منجانب اللہ اور تمام سزا بندے کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ کیونکہ شر کے دو ہی قسم ہیں۔ اوّل ذنوب اور معاصی دوّم عقوبت یعنی ان کی سزا سو دونو بندے کی جانب سے ہیں۔ کیونکہ گناہ خود بندہ کرتا ہے اور سزا اسکے اعمال بد کا ثمرہ ہے۔ اور چونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالے قضا و قدر سے وقوع میں آتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سب منجانب اللہ ہے گو اس کا سبب خود بندہ ہی ہے اس کے برخلاف خیرات اور حسنات کا سبب محض اللہ تعالے کا فضل۔ احسان اور اسکی توفیق ہے۔ دہم یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے کفار

Marfat.com

کے اس خیال کو کہ بہتری اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور تکلیف رسول کی طرف سے پیدا ہوئی ہے اپنے قول قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ سے رد فرمادیا تو ان لوگوں کے وہم کو بھی دور فرمادیا جو یہ کہتے ہیں کہ سیئات کے صدور میں بندے کا کوئی دخل و تاثیر نہیں بلکہ یہ بھی اللہ کی طرف سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اسلئے فرمایا مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ۔ اور اپنے رسول کو اس لیے مخاطب بنایا۔ تاکہ دوسرے لوگوں کو تنبیہ حاصل ہو۔ کہ جب رسول کی یہ حالت ہے تو ہماری کیا حقیقت ہے۔ نیز اس آیت میں یہ نکتہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ فرمایا ہے اور یوں نہیں فرمایا مِنَ اللّٰہِ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب اللہ سبحانہ نے حسنات اور سیئات دونو کو معًا اپنی طرف منسوب فرمایا۔ حالانکہ حسنات تو من کل الوجوہ اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہیں اور سیئات صرف اس لحاظ سے اس کی طرف منسوب ہیں کہ وہ ان کا خالق ہے اور اس کے قضاو قدر سے واقع ہوتے ہیں۔ لہذا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فرمایا اور چونکہ اللہ سبحانہ نے سیئات کو اپنی حکمت و عدل کے مطابق پیدا کیا ہے۔ لہذا وہ اس لحاظ سے سیئات نہیں۔ اور نہ سیئات ہونے کی جہت سے اسکی طرف منسوب ہیں۔ اور نفوس عباد چونکہ ان کے باعث ہیں اس لیے اس جہت یعنی سیئات ہونے کے لحاظ سے ان کے نفوس کیطرف منسوب ہیں۔ اور جب حسنہ کو سیئہ سے علیحدہ اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور اسکی نسبت مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ فرمایا ہے اور یہاں مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ نہیں فرمایا کیونکہ حسنہ من کل الوجوہ اس کی طرف منسوب ہے۔ غرض جملہ خیرات اللہ سبحانہ کی جانب سے ہیں اور یہ اسکے اسماء و صفات کا مقتضیٰ اور ثمرہ ہیں اور تمام شر جو

Marfat.com

کہ بندے کی نسبت شر ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ کی جانب سے ہیں کہ اس نے اپنی حکمت و عدل کے موافق ان کو پیدا کیا اور نیز اللہ سبحانہ نے وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ فرمایا ہے اور مِنْ عِنْدِكَ نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ نفس کی طبیعت کے مقتضی سے صدور شر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ نفس کی جانب سے ہے۔ غرض حسنات اور سیات سب من عند اللہ ہیں۔ مگر سیئات بلاشک بندے کے نفس سے ہیں اور حسنات بلاشبہ اور من کل الوجوہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہیں اور خلق۔ قضا و قدر کے لحاظ سے سب من عند اللہ ہیں۔ غرض من اللہ اور من عند اللہ ہونے کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ اور شر کو ارادہ محبت فعل وصف اور اسم کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ وہ صرف خیر کا ارادہ فرماتا ہے اور محض خیر سے اسکو محبت ہے اور خیر ہی کو کرتا ہے اور خیر ہی سے موصوف کیا جاتا ہے اور سب اسم اس کے خیر پر مشتمل ہیں اور عنقریب قضاء الٰہی میں شر کے داخل ہونے کے باب میں قضا کی طرف شر کے منسوب ہونے کی وجہ کو ہم انشاء اللہ بیان کرینگے ۔

**فصل** - مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ میں جو کاف حرف خطاب ہے۔ اس میں علمائے مفسرین کا یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ خطاب خاص حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر ایک آدمی شامل ہے۔ بروایت والبی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے۔ کہ حسنہ سے فتح بدر اور اس دن میں غنیمت کا ہاتھ آنا مراد ہے اور سیئہ سے وہ تکلیف مراد ہے جو اُحد کے دن آپکو پیش آئی۔ کہ آپ کے چہرہ مبارک پر کچھ زخم ہوا۔ اور ایک دانت مبارک آپکا شہید ہوا۔ مفسرین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے۔ کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور اس سے جنس ابن آدم مراد ہے۔ جس طرح کہ اس آیت

Marfat.com

میں خطاب عام ہے یَآ اَیُّہَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (اے آدم زاد تجھ کو کس چیز نے اپنے پروردگار کریم کی جناب میں گستاخ کر دیا)۔ سعیدؒ نے قتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ مَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ کا یہ مطلب ہے کہ اے ابن آدم جو سزا تیرے گناہ کے سبب تم کو پیش آئی وہ خود تیرے اپنے نفس کی جانب سے ہے۔ ایک جماعت نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے اپنے مدعا پر وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (اور اے پیغمبر ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے) سے استدلال کیا ہے کہ اس میں خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لہذا مَآ اَصَابَکَ الآیہ میں بھی آپ ہی مخاطب ہیں۔ اور نیز یہ بیان کیا ہے کہ اس مضمون کے سلسلے میں اس سے پہلے انسان کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس کو کسی جگہ مخاطب بنایا گیا ہے۔ البتہ اس سے پہلے اس جماعت کا ذکر ہے۔ جو حسنہ کو تو من جانب اللہ سمجھتے اور سیئہ کو رسول کی جانب منسوب کرتے تھے۔ پس اگر یہ لوگ مراد ہوتے تو مَآ اَصَابَھُمْ یا مَآ اَصَابَکُمْ فرمایا جاتا۔ اور نیز کہا ہے۔ کہ اس میں یہ ارشاد ہے۔ کہ جب سید ولد آدم صلعم کا یہ حال ہے۔ تو اوروں کی کیا حقیقت۔ اور ایک جماعت نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور ان دلیل یہ ہے کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات معاصی اور ذنوب سے معصوم ہے۔ پس آپ سے وہ گناہ جو مصیبت کے پہنچنے کا موجب ہو صادر نہیں ہو سکتا اور گو بظاہر خطاب آپ کو ہے۔ مگر اس سے امت مراد ہے چنانچہ اس آیت یَآ اَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ کہ) جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دینی چاہو) میں خطاب آپ کو ہے مگر مراد امت ہے۔ اور چونکہ اول آیت میں آپ کو

Marfat.com

خطاب کیا گیا ہے لہٰذا اس کے موافق باقی الفاظ میں بھی لفظ خطاب مفرد لایا گیا مگر مراد جمع ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی آدم جو تکالیف تم کو پیش آتی ہیں وہ خود تمہاری جانب سے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ میں تو خطاب آپ کو ہے اور وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ میں اُمت کو خطاب ہے اسی واسطے جس مقام میں سَیِّئَۃٍ کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے تو وہاں صیغہ خطاب کو جمع لایا گیا ہے چنانچہ وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (اور لوگو تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے) اور نیز فرمایا ہے اَوَلَمَّا اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ (کیا جب تم مسلمانوں پر (جنگ احد میں شکست کی) مصیبت آپڑی حالانکہ تم (جنگ بدر میں) اس سے دونی مصیبت (اپنے دشمنوں پر ڈال چکے ہو) اور نیز فرمایا ہے وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (اور (خاص کر) حنین (کی لڑائی) کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور (نیز) مسلمانوں پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی) اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ جنگ حنین میں اولاً مسلمانوں کو ہزیمت اور شکست اس لئے پیش آئی۔ کہ وہ اپنی کثرت تعداد پر غرہ ہوئے اور امداد اور نصرت الٰہی سے ایک گونہ اپنے آپ کو مستغنی سمجھا۔ لہٰذا اس قصور کی وجہ سے دشمن سے مغلوب ہونے کی سزا ملی۔ اور دوبارہ جو نصرت الٰہی

Marfat.com

شامل حال ہوئی، تو اس کا باعث وہ سکون ہوا جو اپنے حبیب کو عطا فرمایا اور انہی کی بدولت تائید ایزدی و امدادِ الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ اور آپ اس قصور سے بری اور منزہ تھے جو دوسرے مسلمانوں سے بمقتضائے بشریت سرزد ہوا۔ ایک اور جماعت کا قول ہے کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں مگر اس میں سب لوگ شامل ہیں اور یہ حکم سب کیلئے یکساں عام ہے، چنانچہ اس کے نظائر قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ (اے پیغمبر خدا ہی سے ڈرتے رہو اور کافروں اور منافقوں (سے ڈر کر ان) کے کہنے میں نہ آجانا) اور وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اور اے پیغمبر) تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی جاتی ہے اسی پر چلے جاؤ) اور وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (اور اللہ پر توکل کر) اور وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ (اور اے پیغمبر بلاشبہ تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں (ایک ایک کی طرف) وحی بھیجی جاچکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے (سارے) عمل ضبط ہو جائینگے اور ضرور تم گھاٹے میں آجاؤ گے (تو کافروں کا کہنا نہ مانو) بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور (اُس کے) شکرگذار بندوں کے زمرے میں رہو)۔ اور فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ فَاسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ (تو اے پیغمبر یہ قرآن، جو ہم نے تمہاری طرف اُتارا ہے اگر (بہ تقاضائے بشریت) اس کی نسبت تم کو کسی قسم کا واہمہ ہو تو تم سے پہلے (بھی کتابیں اُتری ہیں) جو لوگ (اُن) کتابوں کو پڑھتے ہیں ان سے پوچھو) اور ان کا یہ قول ہے کہ حضرت رسول خدا کو جو

Marfat.com

اِس طرح کا خطاب ہوتا ہے تو یہ دو قسم ہے۔ ایک وہ جس کا لفظ تو آپ کے ساتھ خاص لیکن معنے کے لحاظ سے تمام اُمت کو بطریق اولی شامل ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے اوپر کیوں حرام کرو) اور اس کے بعد فرمایا ہے قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ (تم مسلمانوں کے لیے خدا نے تمہاری قسموں کے توڑ ڈالنے کا بھی ٹھیراؤ کر دیا ہے) دوم یہ کہ جناب سرور کائنات اور اُمت دونو یکساں مخاطب ہوتے ہیں۔ لیکن صیغہ خطاب اس لیے مفرد لایا جاتا ہے کہ چونکہ آپ مواجہ و مخاطب وحی ہیں اور نیز آپ اُمت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفیر اور اُن کے لیے مبلغ احکام الٰہی ہیں لہٰذا صیغہ خطاب اصل مخاطب کلام کے لحاظ سے مفرد لایا جاتا ہے اور اکثر مفسرین کا اس کلام کا (کہ خطاب آپ کو ہے اور مراد اُمت ہے) یہی مطلب ہے اور انکے اس کلام کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا۔ کہ آپ اس خطاب میں داخل اور شامل نہیں بلکہ صرف اُمت مراد ہے۔ بلکہ ان کے کلام کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ آپ خلق کے امام۔ پیشوا۔ متبوع اور اصل ہیں۔ لہٰذا خطاب تو صرف آپ کو کیا گیا۔ اور اُمت بالتبع اس خطاب میں داخل ہو گئی چنانچہ بادشاہ کسی سپہ سالار اور افسر فوج کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ تم فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر پہنچو اور فلاں وقت میں دشمن پر حملہ کرو۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تم تنہا اور اکیلے جاؤ۔ بلکہ یہ حکم تمام فوج کو جو اس کے ماتحت ہے شامل اور حاوی ہوتا ہے۔ اور فوج کا ہر شخص اس حکم کا یکساں مخاطب ہوتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا قول مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَفْسِكَ میں خطاب تو آپ

Marfat.com

کو ہے، مگر تمام اُمت اس میں بطریقِ اولیٰ داخل ہے۔ اور وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا میں صرف آپ ہی مراد ہیں اور اس شبہے کا جواب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے امور کا سرزد ہونا جائز نہیں جو باعث اصابت سیئہ ہوں۔ اِن لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جملہ شرطیہ میں یہ ضروری اور مقصود نہیں ہوتا کہ شرط و جزا دونو کا وقوع بھی پایا جائے بلکہ ایک کا دوسرے سے تعلق بیان کرنا مقصود ہوتا ہے گو وہ دونو درحقیقت معدوم ہوں اور اعتبار اور لحاظ میں فرضی طور پر ان کا وجود مان لیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی آپ کے حق میں اصابت سیئہ کا وجود فرضی ہے اور اُمت کے حق میں حقیقی اور واقعی مراد ہے۔

قدری نے کہا کہ جب طاعات اور معاصی اور نعمتیں اور تکالیف سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر ہیں۔ تو اللہ سبحانہٗ نے حسنات یعنی نعمتیں اور سیئات یعنی تکالیف کے درمیان یہ فرق کس لیے بیان فرمایا ہے کہ حسنات تو اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہیں اور سیئات خود بندے کی جانب سے ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ اِن دونو میں مفصلہ ذیل وجوہ سے تفاوت اور فرق ہے، لہٰذا اللہ سبحانہٗ نے اِن دونوں کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے۔ اوّل یہ کہ اللہ سبحانہٗ کی نعمتیں اور اس کے احسانات بندوں کے کسی کسب پر موقوف نہیں۔ بلکہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے عافیت۔ رزق۔ نصرت۔ وغیرہ طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے، چنانچہ منجملہ اس کی انہی نعمتوں کے یہ بات بھی ہے کہ اس نے خلق کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں اور معجزات وغیرہ مختلف اسباب کو پیدا کیا اور نیز اپنی بعض مخلوق کو جنت کے لیے پیدا کیا۔ جن کو عیش و آرام کے ساتھ

Marfat.com

وہاں بسائے گا اور اسی طرح مومنین کے اطفال اور مجانین کو جنت میں داخل فرمائے گا حالانکہ ان سے کوئی ایسا عمل نہیں ہوا، جو اس اکرام و انعام کا باعث اور سبب ہو، اور کسی بندے کو عذاب و تکلیف نہیں دیتا جب تک اس سے ایسے کام صادر نہ ہوں، جو موجب عقاب ہوں دوم یہ کہ اعمال حسنہ محض اللہ تعالیٰ کے احسان، منت اور اس کے فضل سے ایمان و ہدایت کے ملنے سے صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہل جنت دخول جنت کے بعد یہ کہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ (خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس (بہشت میں آنے) کا رستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم (کسی طرح یہ جنت کا) رستہ ڈھونڈھے) نہ پاتے) اللہ سبحانہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ان بندوں کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرما کر ممتاز فرمایا۔ سب سے اول نعمتِ حیات عطا فرمائی اس کے بعد کان، آنکھیں، عقلیں، دل عطا کئے جن سے بھلے برے کی تمیز کر سکیں، پھر انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر ان کو اپنے احکام و مرضیات سے آگاہ فرمایا۔ جس کے طفیل وہ راہِ راست پر آئے۔ اور ہدایت کو پایا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان کو اُن کی نظروں میں مزین کر دیا۔ اور ان کے دلوں کو کفر وغیرہ برائیوں سے متنفر کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (مگر بھلے کو، خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے۔ اور کفر اور خود سری اور

Marfat.com

نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں اور اللہ جاننے والا اور رحمت والا ہے) غرض دنیا و آخرت کی جس قدر نعمتیں ہیں سب کی سب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور منت سے ہیں۔ بندوں کے اعمال ان کے سبب و موجب نہیں اور نہ کسی کی طاقت و قوت کو ان کے ملنے میں کچھ دخل ہے اور وہی تمام چیزوں کا خالق ہے۔ بندے ان کے اعمال اور ان کی جزا سب چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔ اور یہ سب اسی کی جانب سے ہیں بخلاف شر اور سیاست کے کہ اُن کا باعث بندوں کے معاصی اور گناہ ہیں۔ جو اُن سے صادر ہوتے ہیں۔ اور جب انسان اس مسئلہ میں غور کرے گا تو سمجھ لیگا کہ جتنی نعمتیں اس کو ملی ہیں وہ سب اللہ کے فضل سے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے گا تو اللہ سبحانہ اپنے فضل سے اُس کے اعمال صالحہ میں ترقی دے گا اور اس پر طرح طرح کی نعمتیں فیضان فرمائے گا اور جب اس بات کو سمجھیگا کہ شر اور برائی خود اُس کی اپنی جانب سے ہے اور اس کے گناہوں کا ثمرہ ہے اور اُس پر اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرے گا۔ تو اللہ سبحانہ اُس کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اس طرح سے بندہ ہمیشہ شاکر اور اپنے گناہوں سے تائب رہے گا۔ لہٰذا خیر و برکت سے مالا مال اور شر و برائی سے دور اور برکنار ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبے میں یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی اللہ سبحانہ کا شکر ہے نَسْتَعِیْنُہٗ اس کی عبادت و اطاعت میں ہم اس کی اعانت و مدد چاہتے ہیں وَنَسْتَغْفِرُہٗ اور گناہوں سے اس کی مغفرت مانگتے ہیں وَنَحْمَدُہٗ اور اس کے فضل و احسان کا شکر بجالاتے ہیں وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا (اور اپنے نفسوں کے شر اور برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں دف) پہلے گذشتہ گناہوں اور غلطیوں سے

Marfat.com

استغفار کیا۔ اس کے بعد آئندہ گناہوں کے صدور سے خدا تعالیٰ کی پناہ کی طلب اور درخواست کی۔ وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس جملے میں اعمال شر کے عذاب اور ان کی سزا سے خدا کی پناہ کا سوال کیا ہے مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کردے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں۔ ان جملوں میں آپ نے بتلا دیا ہے کہ ایک اللہ سبحانہ اپنی مشیت، قدرت، حکمت اور علم کے ساتھ اپنی مخلوق میں تصرف کرنیوالا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں وہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ جس کو وہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہ کردے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ اور اس کلام میں اللہ سبحانہ کی ربوبیت، قدرت، علم، حکمت اور اس کی قضاء و قدر کا ثبوت ہے جو کہ توحید کی جڑ اور بنیاد ہے اور یہ تمام جملے آپ کے قول وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے لیے تمہید اور مقدمات ہیں، کیونکہ شہادتین کا وجود اور تحقیق اللہ سبحانہ کی حمد اور اس سے اعانت و مغفرت مانگے اور اس کی طرف التجا کرے اور اس کی تقدیر پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے حسنات اور سیئات میں فرق بیان فرما دیا ہے۔ گو وہ دونو اس امر میں یکساں ہیں کہ سب کچھ اس کی قضاء، قدر اور مشیت سے واقع ہوتا ہے اور تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں اور اسی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور نہ ایمان درست نہ ہو گا اور بندوں کے ان سے منتفع ہونے کی جہت سے ان میں فرق بیان فرمایا ہے کہ حسنات اسی کی نعمت ہیں۔ اس کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤ وہ اپنے فضل سے اور

Marfat.com

زیادہ نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اور شر اور سیئات تمہارے اپنے گناہوں کے سبب سے ہیں تم گناہوں سے مغفرت طلب کرو، تو وہ شر کو تم سے ہٹا دے گا۔ اور سب خرابیوں کی جڑ نفس کا شر اور برائی ہے۔ پس اس کے شر سے خدا کی پناہ مانگو وہ تم کو اس سے نجات بخشے گا۔ اور یہ سب باتیں اللہ وحدہٗ کے کے ساتھ ایمان لانے اور اس امر کا یقین کرنے پر موقوف ہیں کہ وہی ہدایت کرتا اور وہی گمراہ کرتا ہے، اور تمام امور اس کے اختیار میں ہیں۔ اور یہی ایمان بالقدر ہے جو اللہ سبحانہ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ غرض جب یہ سب باتیں موجود ہوں، تب توحید اور آپ کی رسالت کی شہادت صحیح طور پر درست ہو سکتی ہے۔ یہ خطبہ عظیمہ اسلام و ایمان کے اصول عقائد پر حاوی ہے۔ اگر طاعات اور معاصی میں فرق بیان نہ کیا جاتا۔ بلکہ صرف یہ بیان ہوتا کہ دونو منجانب اللہ ہیں۔ تو مذنبین اور گناہ گار اپنے آپ کو مذمت نہ کرتے اور گناہوں کی مغفرت اور اُن کے شر سے خدا کی پناہ کا سوال نہ کرتے بلکہ اُن کے دل میں یہ حجت بیٹھ جاتی۔ کہ ہم اپنے آپ گناہ نہیں کرتے بلکہ خدا کی تقدیر اسی طرح پر ہے کہ ہم سے گناہ صادر ہوں اور یہ وہی فضول حجت ہے جو ابلیس نے اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں پیش کی تھی۔ شقی لوگ اس حجت میں ابلیس کی پیروی اختیار کرتے ہیں۔ جس سے اُن کی شقاوت اور عذاب میں اور زیادتی ہوتی ہے جس طرح کہ اُس کے پیش کرنے سے ابلیس کو اللہ سبحانہ کی جناب سے پہلے سے بھی زیادہ بعد حاصل ہوا۔ اور اس کی بارگاہ سے بالکل دُور کر دیا گیا۔ اور جب مشرکین نے اس حجت کو پیش کیا اور کہا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے) تو اُن کی گمراہی اور شقاوت میں اور ترقی ہوئی۔ اور وہ شخص جو قیامت میں یوں

Marfat.com

کہے گا. لَوْ اَنَّ اللّٰہَ ھَدَانِیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیز گاروں میں شامل ہوتا، اس کہنے پر اس کی حسرت اور عذاب زیادہ کیے جائیں گے. اور اگر حسنات و معاصی میں صرف فرق بیان ہوتا اور یہ بیان نہ ہوتا کہ سب منجانب اللہ ہیں، تو اللہ سبحانہ کے بندے اس کی توحید، ایمان بالقدر، ہدایت اور توفیق کے لیے اس سے التجا کرتے اور شر نفس اور اعمال سیئہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اس کی اعانت وفضل کی طرف اپنا احتیاج ظاہر کرنے میں کمی کرنے لگتے. دونو باتوں یعنی حسنات و معاصی کے درمیان فرق بیان کرنے اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے ان کی مساوات ظاہر کرنے میں عبودیت کے مراتب کو بیان فرمایا ہے اور اس عظیم الشان مسئلہ کے متعلق انشاء اللہ ہم عنقریب دوبارہ بحث کریں گے. سوم یہ کہ حسنات کو اللہ سبحانہ مضاعف فرماتا اور ان کو بڑھاتا ہے. اور بندے کی ادنیٰ سعی اور محض ارادہ کرنے سے حسنات لکھے جاتے ہیں، اور ان پر ثواب ملتا ہے اور برائی کے ارادہ کرنے پر عذاب اور مواخذہ نہیں. اور نیز ایک برائی کرنے سے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے. اور توبہ کرنے اور بعض اعمال حسنہ کے سبب اللہ تعالیٰ برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور مصائب اور تکالیف کو ان کا کفارہ کر دیتا ہے پس ان وجوہ سے حسنات کو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و منسوب کرنا اولیٰ و انسب ہوا. اور سیئات کو بندے کی طرف نسبت کرنا مناسب و لائق ٹھیرا چہارم یہ ہے کہ حسنہ بمعنی طاعت و نعمت ہے. اور یہ دونو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہیں. کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی اطاعت کریں اور وہ ان پر انعام. احسان اور جود و بخشش فرمائے. گو اس نے گناہوں کو بھی مقدر کیا ہے. مگر وہ ان سے روکنا چاہتا ہے. غرض طاعت عطا. بذل

Marfat.com

اور جو آپ کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہیں۔ لہٰذا حسنہ کو دونو معنی یعنی طاعت ونعمت کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا اولی اور سیئہ کو دونو معنی یعنی اعمال بد وتکالیف کے رُو سے نفس کی طرف نسبت کرنا مناسب ہوا۔ اسی واسطے اس کے عارف بندوں نے اس ادب کو ملحوظ رکھ کر تمام خیرات اور نعمتوں کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کیا۔ اور شرور کو ان کے محل یعنی نفس کی طرف مضاف کیا ہے چنانچہ امام الحنفا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی دنیا و دین کی مشکلات میں) میری راہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو (کھانا) کھلاتا ہے اور (جو) مجھ کو پانی پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے)۔ ابراہیمؑ نے مرض کو تو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کیا اور خضرؑ نے کہا اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (کہ کشتی تو ملاحی پیشہ، غریبوں کی تھی وہ (اسکو) دریا میں مزدوری پر چلاتے تھے تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں) اور اس کے بعد پھر یوں کہا وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (اور رہی دیوار سو شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اور دیوار کے نیچے انہی (لڑکوں) کا خزانہ (گڑا ہوا) تھا اور ان لڑکوں کا باپ (ایک) نیک (آدمی) تھا بس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونو لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور دیوار کے تلے سے) اپنا خزانہ نکال لیں، اور مومنین جن نے اس طرح کہا وَاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ

Marfat.com

اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (اور ہم نہیں جانتے کہ اِس انتظام سے) زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا اُن کے پروردگار کا ارادہ ان کے حق میں بہتری کرنے کا ہے) پنجم یہ ہے کہ حسنات اللہ سبحانہ کی طرف اِس لیے مضاف و منسوب ہیں کہ وہ تمام وجوہ اور جمیع اعتبارات سے اس کا احسان ہیں لہذا وہ ہر طرح سے اُس کی طرف مضاف و منسوب ہونے کے لائق ہیں۔ اور سیئات کو اللہ سبحانہٗ نے اپنی کسی حکمت سے مقرر و مقدر فرمایا ہے سو وہ بھی اس حکمت کے لحاظ سے منجملہ اُس کے احسانات کے ہیں اللہ سبحانہ جو کچھ کرتا ہے وہ خیر ہے) اُس کا کوئی فعل شر نہیں، نہ وہ شر کے ساتھ موصوف اور نہ وہ اِس قسم کے ساتھ موسوم ہے، بلکہ سب کام حکمت اور خیر ہیں، چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے بِیَدِهِ الْخَيْرُ (تمام خیرات اسی کے ہاتھ میں ہے) اور اعرف الخلق یعنی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ (اور اے اللہ) شر تیری طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ غرض اللہ سبحانہ محض شر کو جمیع وجوہ سے شر ہو پیدا نہیں کرتا بلکہ جو کچھ پیدا کیا ہے اس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ضرور ہے گو بعض اشیاء میں کسی وجہ سے کچھ شر ہو مگر شر محض کے پیدا کرنے سے اللہ سبحانہ منزہ اور پاک ہے۔ ششم یہ کہ جو اعمال حسنہ انسان سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ وجودی امور ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کی مشیت قدرت۔ رعت اور حکمت کو تعلق ہے۔ اور وہ عدمی امور نہیں جو غیر اللہ کی طرف مضاف ہو بلکہ وہ سب کے سب، وجودی یعنی موجودہ امور ہیں اور جملہ موجودات حادث ہیں۔ اور تمام حادث چیزوں کا خالق اور پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ ہے۔ اِس دعوے کی دلیل کہ حسنات اور اعمال حسنہ

Marfat.com

موجودہ امور میں یہ ہے کہ حسنات دو ہی ہیں۔ اوّل وہ کام جن کے بجالانے کا حکم ہے۔ دوم وہ کام جن کے نہ کرنے یعنی ترک کرنے کا امر ہے، اور خود ترک ایک وجودی امر ہے، اور نیز گناہ کو گناہ جاننا اور اس کو قبیح اور عذاب کا سبب سمجھ کر اس سے نفرت اور کراہت کرنا۔ اور پھر نفس کو جب اُس کی خواہش اور طالب کرے اس سے ہٹانا اور باز رکھنا یہ سب وجودی امور ہیں جس طرح کہ حسنات مثلاً عدل، صدق وغیرہ کو حسنہ اور نیکی سمجھا اور پھر ان کو وجود میں لانا وجودی امر ہیں۔ اسی طرح یہ تمام امور مذکور بھی وجودی ہیں۔ انسان کو ترک سئیات پر ثواب کا استحقاق اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اُن کو نفرت اور کراہت سے ترک کرے اور نفس کے خواہش کرنے پر اس کو ان سے ہٹائے اور باز رکھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے حق میں فرمایا ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (مگر بھلے کو، خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خودسری اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے) وقال تعالےٰ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (اور جو اپنے پروردگار کے حضور میں (جواب دہی کے لیے) کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا) وقال تعالیٰ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی کے کاموں) اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی رہتی ہے)، اور صحیحین میں حضرت رسول خدا صلعم سے مروی ہے کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں موجود ہوں اس کو ایمان کی حلاوت اور چاشنی معلوم ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمام چیزوں سے

Marfat.com

اس کے نزدیک زیادہ محبوب ہوں۔ دُوسرا یہ کہ جس آدمی سے دوستی کرے۔ تو اُس کی دوستی محض اللہ کے واسطے ہو۔ تیسرا یہ کہ جب کفر سے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے نجات بخشی ہے تو اب دوبارہ اسلام کو چھوڑ کر کفر میں جانا اس کے نزدیک ایسا بُرا اور ناپسند ہو جیسا کہ آگ میں ڈالا جانا اُسے برا و ناپسند معلوم ہوتا ہے۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغض فی اللہ کو ایمان کے مضبوط اسباب میں سے قرار دیا ہے اور اسی طرح منع للہ کو کمال وایمان بتایا ہے اور بغض اور منع دونو دراصل ترک ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ کے لیے کی اور جس سے دشمنی کی تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اور کسی کو کچھ دیا تو بھی اللہ تعالےٰ کے لیے اور نہ دیا تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تو اس نے اپنے ایمان کو کامل اور درست کر لیا۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بُرے کام کو دل سے بُرا سمجھے یعنی اس سے بغض وکراہت کو جو اس کے ترک کا باعث ہو مراتب ایمان سے قرار دیا ہے۔ اور بُرے کام کا ترک کرنا اور اس سے باز آنا جبکہ بغض وکراہت سے ہو۔ منجملہ اور ایمان کے ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا اپنی مشرک قوم اور ان کے معبودوں سے بری و بیزار ہونا ترک محض نہ تھا۔ بلکہ وہ براءت بغض۔ عداوت اور کراہت پر مبنی تھی۔ اور یہ چیزیں یعنی بغض۔ عداوت وغیرہ وجودی امور اور قلب کے اعمال میں سے ہیں۔ ان کا ثمرہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی نسبت دل میں بغض عداوت پیدا ہو گا۔ تو وہ چیز اعضائے ظاہری سے صادر نہ ہو گی۔ جس طرح کہ تصدیق اللہ و رسول اور طاعت کے ارادہ اور اس کی محبت پر یہ اثر مترتب ہوتا ہے کہ اعضائے بدن طاعت الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حب اور بغض کلمہ شہادت کا مضمون

Marfat.com

ہے کہ باطل معبودوں سے بغض اور اللہ سبحانہ کے ساتھ دل میں محبت پیدا ہو اور جب تک باطل معبودوں سے پوری نفرت نہ ہو، گو اللہ سبحانہ کی عبادت کرے، اس سے محبت رکھے، اسی پر توکل کرے، اسی سے خوف و امید رکھے اور اسی کی طرف متوجہ ہو۔ مگر جب تک غیروں کی عبادت اور ان پر بھروسا کرنا اور ان کی طرف توجہ نہ چھوڑے اور دل سے ان کے خوف اور امید کو بھی نہ نکال دے اور ان سے کامل بغض و عداوت نہ رکھے ایمان درست نہیں ہوتا اور یہ سب وجودی امور اور حسنات ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتا ہے۔ سیئات اور برے اعمال کا اس طور پر صدور نہ ہونا کہ نہ تو ان کی برائی معلوم اور نہ دل میں ان کی برائی اور کراہت و نفرت پیدا اور نہ اپنے آپ کو ان سے بچانے کا قصد و ارادہ ہو۔ بلکہ ان کا عدم صدور صرف اس وجہ سے ہو کہ وہ خیال ہی میں نہ آئے ہوں۔ اس طور پر ترک معاصی موجب ثواب نہیں بلکہ اس قسم کا ترک ایسا ہے جیسا کہ بچے اور سوئے ہوئے آدمی سے گناہ سرزد نہیں ہوتے لیکن اگر ان کی حرمت کا اعتقاد ہو گو ان کا صدور فطرۃً کسی سے ناممکن ہو۔ مثلاً عنین یا نہایت بوڑھا آدمی جس کو جماع کی خواہش ہی نہیں۔ جب زنا کی حرمت کے معتقد ہوں تو اس پر ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ غرض برے کاموں کو چھوڑنا تین قسم ہے اول وہ جس پر ثواب ملتا ہے دوم وہ جس پر عذاب ہوتا ہے۔ سوم وہ جس پر عذاب یا ثواب کچھ مرتب نہیں ہوتا۔ قسم اول جس پر ثواب ملتا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ انسان برے کام کو حرام سمجھے اور باوجود یہ کہ اس کے کرنے پر قادر ہو محض اللہ کی رضامندی کے لیے اسے چھوڑ دے اور قسم دوم جس پر عذاب ہوتا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ آدمی کسی برے

Marfat.com

کام کو غیر اللہ کے خوش کرنے کے لیے چھوڑ دے اور اللہ کی خوشنودی ملحوظ نہ ہو. غیر اللہ کی رضا مندی کے لیے گناہ کے ترک کرنے پر ایسا ہی عذاب ہوتا ہے. جیسا کہ غیر اللہ کے خوش کرنے کے لیے عبادات اور اعمال حسنہ کے کرنے پر عذاب ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے خوش کرنے کے لیے گناہ سے باز آنا ایک قسم کا شرک ہے جس پر انسان مستحق عذاب ہوتا ہے قسم سوم جس پر ثواب یا عذاب کچھ مرتب نہیں ہوتا اس کی یہ صورت ہے کہ کسی کے دل میں کسی بُرے کام کی نہ تو محبت ہے اور نہ اس سے نفرت ہے بلکہ وہ کام اس کے خیال میں بھی نہیں پس ایسے کام کا متروک ہونا نہ تو باعث ثواب ہے اور نہ موجب عذاب بلکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ طفل صغیر اور نائم صغر اور نوم کی حالت میں بُرے کاموں سے محفوظ ہوتے ہیں. اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اگر کوئی شخص فواحش اور بُرے کاموں سے خلقت سے حیا کرنے. ان کے درمیان اپنی وجاہت اور وضعداری قائم رکھنے اور ان کی نظروں میں ذلت سے محفوظ رہنے کے لیے باز رہتا ہے. تو اس پر وہ کس طرح معذب ہو گا حالانکہ اللہ سبحانہ نے ایسا کرنے کی ممانعت اور مذمت نہیں فرمائی. تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان مذکورہ بالا وجوہ کے باعث گناہ اور برائیوں سے باز رہتا ہے. تو بیشک وہ اس پر معذب نہ ہوگا. بلکہ وہ معذب اسی صورت میں ہوگا کہ محض ان کی خوشنودی اور رضا مندی کے لیے گناہوں سے باز رہے اور بظاہر یہ دکھلائے کہ اس نے ایسے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ترک کیا ہے اور در حقیقت غیر اللہ کی رضا مندی مقصود ہو. غرض اگر گناہوں کو غیر اللہ کے تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے اور ریا کی غرض سے چھوڑتا ہے تو اس پر مستحق عذاب ہے اور اگر حیا مخلوق کی نظروں میں ذلت سے محفوظ رہے اور ان کے ایذاء تکلیف سے

Marfat.com

بچنے کے خیال سے چھوڑتا ہے تو اس پر مستحق عذاب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر اپنی وجاہت قائم رکھنے میں کوئی اچھی غرض ملحوظ ہو جو کہ عند اللہ محبوب و پسندیدہ ہو جیسے کہ کوئی شخص ہادی اور پیشوا ہو جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام۔ علمائے کرامؒ۔ صوفیائے عظامؒ۔ اور وہ اس خیال سے کہ لوگوں کی نظروں میں میری عزت اور وقعت ہونے سے تبلیغ احکام الٰہی میں مجھے پوری کامیابی حاصل ہوگی۔ گناہوں سے باز رہے تو یہ امر باعث ثواب اور رضائے الٰہی ہے۔ ترک یعنی کسی کام کے نہ کرنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض وجودی کہتے ہیں اور بعض عدمی مگر اکثر کی رائے یہی ہے کہ وجودی امر ہے۔ ابو ہاشم اور اس کے متبعین کا قول ہے کہ ترک عدمی امر ہے اور مامور کو محض مامور بہ کے نہ کرنے پر عذاب ہوگا۔ گو اس کے دل میں اُس کے ترک کا قصد و ارادہ نہ ہو مگر جب اس نے مامور بہ کو پورا نہیں کیا، تو وہ محض اسی عدم فعل پر معذب ہوگا، یہ لوگ مذمت اور عقاب کو عدم محض پر مرتب قرار دیتے ہیں۔ مگر اکثر اہل علم کا یہ قول ہے کہ منہی عنہ کے ترک کرنے پر جو ثواب ملتا ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بھی ایک وجودی چیز کو ترک کیا جاتا ہے یعنی وہ ارادہ جو اس منہی عنہ کام کے کرنے کے متعلق دل میں مستحکم ہوتا ہے اس کے ترک کرنے اور چھوڑنے پر ثواب ملتا ہے۔ اور مامور بہ کے ترک کرنے کی صورت میں بھی ایک وجودی چیز کے ترک کرنے اور مامور بہ سے اپنے آپ کو بچانے پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اِس سے معلوم ہو گیا کہ وہ حسنات جن پر ثواب مرتب ہوتا ہے سب کی سب وجودی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے بعض بندوں کے دل میں ایمان و طاعت کی محبت اور ان کے مخالف اشیاء کی کراہت و نفرت ڈال دی ہے اور سیئات کا منشاء اور سبب جہالت اور ظلم ہے۔ کیونکہ انسان کوئی برا کام دو وجہ سے کرتا ہے یا تو اُس کی برائی سے

Marfat.com

ناواقف اور بےخبر ہوتا ہے یا دیدہ دانستہ خواہش نفس کی پیروی سے بُرے کام کرتا ہے پس ناواقفی سے کرنا جہالت اور جان بوجھ کر کرنا ظلم ہے۔ اور نیکی اور اچھے کام کو یا تو جہالت کی وجہ سے چھوڑتا ہے یا اس وجہ سے ترک کرتا ہے کہ اُس کے خلاف میں خواہش نفس کا پورا ہونا ملحوظ رکھ کر اس کی طرف راغب ہوتا ہے۔ غرض تمام سیئات کا مرجع اور مآل جہالت ہے۔ اگر انسان کو پورا علم ہو۔ جس سے بُرے کاموں کے ضرر و منافع میں تمیز کر سکتے تو وہ کبھی بُرے کام کا نام نہ لے کیونکہ ان کے ضرر اُن کے منافع سے کئی درجہ زیادہ ہیں۔ اور عقل کا یہی خاصہ ہے کہ نفع اور ضرر سوچنے کے بعد جس کام میں نفع کی بہ نسبت ضرر زیادہ معلوم ہو اس کام کے کرنے کی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ظاہر ہے کہ چونکہ اونچے مینار اور بلند پہاڑ سے نیچے گرنے میں انسان کو ضرر پہنچنے کا یقین ہے۔ لہٰذا کوئی صحیح العقل ایسا کام نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی دیوار گرنے لگے تو اس کے نیچے کھڑا نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس سمندر میں کود پڑنا یا زہر کو کھانا چونکہ یقیناً مضر ہے لہٰذا کوئی عاقل بھول کر بھی ایسے کام نہیں کرتا اور یہ ایک فطرتی امر ہے جو انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات میں بھی موجود ہے کہ جہاں اُن کو ضرر و تکالیف پہنچتی ہے تو وہاں نہیں جاتے۔ اور ضرر رساں چیزوں سے بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ اور جس شخص کو ضرر معلوم نہیں ہوتا جیسے بالکل نادان بچہ یا مجنوں اور مست جن کی عقل بالکل زائل ہو گئی ہے تو وہ ایسے کام کر گزرتا ہے۔ اور جو شخص ضرر اور نقصان کو سمجھتا ہے اور پھر مضر کام کو اختیار کرتا ہے۔ تو وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ اگرچہ اس کام میں کسی قدر ضرر بھی ہے، مگر اس کا نفع ضرر سے بہت زیادہ ہے لہٰذا وہ نفع اُس کام کے کرنے کے لیے مرجح ہو جاتا ہے۔ اگر بحری سفر کرنے والے تاجر کو یہ معلوم ہو کہ وہ خود بھی سمندر میں ڈوب کر مر جائے گا اور اس کا

Marfat.com

تمام مال واسباب بھی غرق ہو جائے گا۔ تو وہ کبھی بحری سفر کو اختیار نہ کرے لیکن وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس سفر میں بہت سے منافع اور فوائد حاصل ہوں گے گو یہ خیال اس کا غلط ہو۔ اسی طرح گناہوں اور معاصی کا حال ہے۔ اگر چور کو یقین ہو کہ وہ پکڑا جائے گا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو وہ کبھی چوری نہ کرے لیکن وہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کون دیکھے گا۔ بلکہ میں بہت سا مال لے کر صحیح وسلامت واپس آجاؤں گا۔ قاتل۔ شارب۔ زانی سب کا یہی حال ہے۔ اگر گناہ کرنے والے کو یہ یقین ہو کہ اس کو گناہ کرنے میں ضرور وہ ضرر لاحق ہو گا۔ جو نفع موہوم سے کئی گنے زیادہ اور یقینی ہے تو وہ کبھی گناہ کا نام نہ لے۔ بلکہ گنا ہگار اس لیے گناہ کرتا ہے کہ یا تو اس کی حرمت کا اس کو یقین نہیں ہوتا یا اس کی سزا اور عقوبت کی نسبت یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معاف فرمانے سے عقوبت اور سزا ٹل جائے گا یا یہ خیال کرتا ہے۔ کہ توبہ کر لوں گا یا ان کے بعد ایسے نیک کام کروں گا۔ جن سے گناہوں کا اثر مٹ جائے گا۔ اور کبھی خواہش نفس کے غلبہ کے سبب ان سب باتوں سے غافل اور بے خبر ہوتا ہے۔ شہوت نفس اس پر ایسی غالب آجاتی ہے کہ گناہ کی مضرت کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ اور غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے حقیقۃ الامر یہ ہے کہ شہوت نفس کی پیروی تمام برائیوں کی جڑ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی دنیاداری حد سے بڑھ گئی ہے) یہ معلوم کرنا چاہیے کہ محض خواہش نفس گناہوں کے صدور کے لیے مستقل اور کافی سبب نہیں بلکہ جہالت کے

Marfat.com

ساتھ مِلکر موجب صدور معاصی ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خواہش نفس کے پیرو کو اگر یہ بات یقیناً معلوم ہو کہ اتباع ہوائے نفس میں اُس کو ضرور ضرر اور نقصان پہنچے گا۔ تو وہ فطرۃً اپنی نفس کی اطاعت نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ذی روح کی خلقت میں اپنے منافع کی محبت اور مضار سے نفرت و عداوت پیدا کر دی ہے۔ پس ضرر کا یقین ہونے پر دیدہ و دانستہ مضر کام کو ہرگز نہیں کرتا۔ غرض معاصی میں مبتلا ہونے کے لیے دو چیزیں موجب اور باعث ہیں ایک تو اغوائے شیطان و اتباع نفس۔ دوسرے جہالت شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ معاصی اور سیئات کو منافع۔ لذات اور طیبات کی صورت میں انسان کو دکھلاتا ہے اور نفس ان کے مضرت کے سوچنے سے جاہل اور غافل ہو جاتا ہے پس اس اغوا اور غفلت سے ایک ارادہ اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس میں ترقی ہوتے ہوتے عزم بالجزم کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ جس کے بعد فعل کا صدور متحقق ہوتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی نظر میں شجرہ کے کھانے کو ایک ایسی عمدہ اور مفید صورت میں دکھلایا کہ وہ معصیت کی مضرت کے سوچنے سے غافل ہو گئے۔ غرض تزیین اعمال نیکی اور بُرائی کے کرنے کا موجب ہے اگر شیطان نے انسان کی نظر میں بُرے اعمال کو مزین کر دیا تو وہ ان کو کرنے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور جو (اعمالِ بد) کرتے تھے شیطان نے اُن (کی نظروں میں اُن) کو آراستہ کر دکھایا تھا) وقال تعالیٰ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (تو کیا وہ شخص جس کو اُس کا عمل بد (اغوائے شیطانی کی وجہ سے) اچھا کر دکھایا گیا) اور اگر اللہ سبحانہٗ نے اپنے فضل سے نیک اعمال کو اپنے بندے کے دل میں مزین کر دیا تو وہ ان کا عامل بن گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ

Marfat.com

اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ (مگر بعضے کو) خدا نے تمہیں ایمان کا محبت دے دی اور اُس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے) اور دونو قسم کے اعمال کے متعلق فرمایا ہے۔ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَھُمۡ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمۡ مَّرۡجِعُھُمۡ فَیُنَبِّئُھُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (اسی طرح ہم نے ہر فریق کے اعمال اُن کو عمدہ کر دکھائے ہیں پھر (آخر کار) ان (سب) کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جیسے جیسے اعمال (دنیا میں) کر رہے تھے خدا ان کا بُرا بھلا) اُن کو بتادیویگا، خیر اور ہدایت کی تزیین ملائکہ اور مومنین کے واسطہ اور ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اور شر اور ضلال کی تزیین کے موجب جن وانس میں سے بُرے اور شیطان لوگ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِھِمۡ شُرَکَآؤُھُمۡ (اور اسی طرح بہتیرے مشرکین کو ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں نے اُن کے اپنے بچے مار ڈالنے کو (ان کی نظروں میں عمدہ) کر دکھایا ہے، حقیقۃ الامر یہ ہے کہ شیطان اور بُرے لوگوں کے اغوا اور فریب میں جاہل ہی پھنستا ہے باطل مضر اور موذی چیزیں اُس کو حق نافع اور موافق مطلب معلوم ہوتی ہیں غرض تمام خرابی کی جڑ جہالت اور نادانی ہے۔ اسی واسطے صحابہؓ کا مقولہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ تو وہ جاہل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ (اللہ توبہ (تو) قبول کرتا ہی ہے (مگر) انہیں لوگوں کی جو نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر جلدی سے توبہ کر لی قال تعالیٰ وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ اَنَّہٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ

Marfat.com

مِنْ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور (اے پیغمبر) جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، جب تمہارے پاس آیا کریں تو (تم ان کی دلجوئی کرو اور) کہو کہ (خدا کی طرف سے) تم کو سلامتی (کی خوشخبری) ہو اور تمہارے پروردگار نے (بندوں پر) مہربانی کرنا (از خود) اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے براہ نادانی کوئی گناہ کر بیٹھے پھر کئے پیچھے توبہ اور (اپنی حالت کی) اصلاح کرے تو خدا اس کو بخش دیگا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

ابوالعالیہ کا قول ہے کہ میں نے صحابہ کرامؓ سے آیت اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ کا مطلب پوچھا تو صحابہؓ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو وہ جاہل ہے۔ اور جس نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی سو اس نے قریب سے توبہ کر لی۔ قتادہ کا قول ہے کہ تمام صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی نافرمانی کرنا خواہ عمداً ہو یا نہ جہالت اور نادانی ہے اور اللہ سبحانہٗ کا نافرمان جاہل ہے مجاہد کا قول ہے کہ جوان یا بوڑھا کوئی شخص نافرمانی کرے تو وہ جہالت ہے اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے جب تک وہ اپنے گناہ سے باز نہ آئے تو وہ جاہل ہے مجاہد اور عطا کا قول ہے کہ جہالت وہ نافرمانی ہے جو عملاً صادر ہو۔ اور مجاہد کا ایک اور قول یہ ہے۔ کہ جو شخص کوئی برائی کرے خواہ عمداً ہو یا خطاً جب تک وہ اس سے باز نہ آئے۔ تو وہ جاہل ہے۔ ان تمام آثار کو ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے۔ اور نیز یہ کہا ہے کہ قتادہ اور عمرو بن مرہ اور ثوری سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ عمداً ہو یا خطاً ہو خدا تعالیٰ کی نافرمانی جہالت ہے۔ مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے کہ حلال یا حرام کو صرف نہ جاننا جہالت نہیں، بلکہ حرام کا ارتکاب کرنا جہالت ہے عکرمہ کا قول ہے کہ ناحق کسی کا خون کرنا جہالت ہے۔ ان اقوال کی تصدیق آیت

Marfat.com

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (خدا سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو خدا کے آثار قدرت کا، علم رکھتے ہیں) اسے ہوتی ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے ڈرے گا وہ اس کے ادامر بجالائے گا اور ممنوعات سے باز رہے گا۔ وہی عالم درحقیقت عالم ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے اَمَّنۡ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَۃَ وَ یَرۡجُوۡا رَحۡمَۃَ رَبِّہٖ قُلۡ ھَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ بھلا جو شخص رات کے اوقات (تنہائی) میں خدا کی بندگی میں لگا ہے (کبھی اس کی جناب میں) سجدہ کرتا اور (کبھی اس کے حضور میں دست بستہ) کھڑا ہوتا آخرت اور اپنے پروردگار کے فضل کا امیدوار ہے (کہیں ایسا شخص) بندہ نافرمان کے برابر ہوسکتا ہے (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہیں) ایک آدمی نے شعبیؒ سے یوں کہا اے عالم تو شعبی بولے کہ اے بھائی ہم عالم نہیں بلکہ عالم وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ کامل علم یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے ڈرے اور پوری نادانی یہ ہے۔ کہ اس کے عذاب سے غافل ہو۔ جملہ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا میں جانبین سے حصر ہے۔ کہ اللہ سے وہی ڈرتے ہیں۔ جو عالم ہیں۔ اور عالم وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ پس اس سے وہی ڈرے گا جو عالم ہوگا اور جو عالم ہوگا وہ اس سے ضرور ڈرے گا۔ جس میں علم نہ ہوگا اس میں اللہ کی خشیت نہ ہوگی۔ اور جس میں خشیت نہ ہوگی وہ درحقیقت عالم نہیں بلکہ جاہل ہے۔ ہاں اتنا اشتباہ ہوتا ہے کہ بعض آدمی احکام الٰہی اور مسائل کے جاننے میں پورے ماہر ہوتے ہیں۔ اور پھر ان میں خشیت الٰہی موجود نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علم خشیت کے بدوں بھی حاصل ہوسکتا ہے مگر یہ غلطی ہے علم بدوں خشیت موجود ہونا ممکن اور محال ہے کہ کیا فطرۃً یہ بات

Marfat.com

ثابت نہیں، کہ آدمی آگ یا شیر یا اور کسی اپنے ایسے دشمن کو دیکھ کر جس سے اس کو ضرر کا اندیشہ ہو خوف نہ کرے ہرگز نہیں بلکہ اس سے ضرور ڈریگا۔ اور وہاں سے بھاگنے اور جان بچانے کی کوشش کرے گا۔ یا کوئی شخص اپنے آپ کو بلند پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرانے میں موت کا خوف نہ کرے۔ ضرور خوف کرے گا۔ اور اگر ایسے مواقع میں بھی کوئی شخص خوف نہ کرے۔ تو وہ ضرور بے خبر اور پرانا دان ہے۔ لیکن اگر ایسے مواقع میں خوف کرے۔ اور گناہ کے ارتکاب میں خوف الٰہی نہ کرے تو عالم نہیں بلکہ عقلمند جاہل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ ابلیس کو تو پورا علم اور تمام چیزوں یعنی بہشت و دوزخ کا مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح کی جن کو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اور نیز یہ مضمون کہ جن کو علم حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، مندرجہ ذیل آیات کے مخالف معلوم ہوتا ہے جیسے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے سیدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی)، وقال تعالیٰ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً (ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی (کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا)، اور فرعون کی قوم کی نسبت فرمایا ہے۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور باوجود یہ کہ ان کے دل ان (معجزوں)، کا یقین کر چکے تھے (مگر)، انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے ان کو نہ مانا)، اور قوم عاد اور ثمود کی نسبت فرمایا ہے وَعَادًا وَّثَمُوْدَ وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (اور ہم نے قوم) عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا، اور

Marfat.com

(اے اہل مکہ ملک شام کو آتے جاتے، تم کو ان کے اُجڑے ہوئے گھر بھی دکھائے دیتے ہیں اور شیطان نے انہیں اُن کے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا اور اسی تدبیر سے، ان کو راہ راست کے اختیار کرنے سے روکا ہی تھا، اور (وہ شامت اعمال سے شیطان کے بہکائے میں آگئے ورنہ یوں تو) وہ بڑی، سوجھ بوجھ کے لوگ تھے، اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَائِرَ (کہ آپ دل ہی دل میں، ضرور جان چکے ہیں کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے دیہ معجزے اتارے ہیں (اور لوگوں کے لیے یہ) سوجھ کی باتیں (ہیں)، وقال تعالٰے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ سے بعید ہے اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ قرار دے تا وقتیکہ ان کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں)، وقال تعالیٰ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اسی طرح ہمارے) ان (پیغمبر محمد) کو بھی پہچانتے ہیں) وقال تعالیٰ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اے اہل کتاب کیوں حق و باطل کو گڈمڈ کرتے اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم (حقیقۃ الحال سے) واقف ہو)، وقال تعالٰے فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (کیونکہ یہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ) ظالم (حقیقت میں) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں)، جحود کا یہ معنی ہے کہ حق کو معلوم کرنے کے بعد دیدہ و دانستہ اُس کا انکار کیا جائے۔ اِن کے علاوہ اِس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں کہ جن کا مضمون اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کے مخالف معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے۔ تو اب اس کا کیا جواب ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آیاتِ قرآن کریم باہم متناقض اور مخالف نہیں بلکہ سب درست اور صحیح ہیں۔ اور ایک کا مضمون دوسری کے مخالف و معارض نہیں بلکہ باہم ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔ جب اللہ سبحانہ نے اس شخص کو جس نے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا اقرار کرنے اور معاصی کو حرام اور موجب عذاب جاننے کے بعد ارتکاب معاصی کیا ہو جاہل قرار دیا ہے تو مشرکین اور کفار جو آیاتِ الٰہی کے منکر اور انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن تھے وہ کس طرح جاہل نہ ہوں گے بلکہ وہ تو سب جاہلوں سے جہالت میں بڑھے ہوئے اور زیادہ اجہل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اقامت حجت کے بعد منکرین کو جاہل قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اے پیغمبر) درگذر (کا شیوہ) اختیار کرو اور لوگوں سے، نیک کام (کرنے) کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔ اقامت حجت اور صداقت رسول کا یقین ہو چکنے کے بعد جب کفار نے انکار پر اصرار کیا، تو اللہ سبحانہ نے انکو جاہل قرار دیا۔ ایک اور مقام میں مومنین کے حق میں فرمایا ہے وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو انکو سلام کریں جاہلوں سے مراد وہ کفار ہیں جنکو رسول کی رسالت کی حقانیت کا یقین حاصل تھا، مگر ہٹ دھرمی کے مارے انکار سے باز نہ آتے تھے غرض اس قسم کے علم سے آدمی عالم نہیں ہو سکتا، بلکہ بظاہر اور صورۃً تو عالم ہے مگر درحقیقت جاہل اور کور باطن ہوتا ہے اسی واسطے ایسے لوگوں کے حق میں علم کا ثبوت اور نفی دونوں ایک مقام میں وارد ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ساحرین یہود کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (باوجودیکہ جان چکے تھے کہ جو شخص ان باتوں کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب ہے اور البتہ دہ بہت ہی برا معاوضہ ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا۔ اے کاش انکو اتنی سمجھ ہوتی)، اس آیت میں اللہ سبحانہ نے ساحرین یہود کیلئے وہ علم جس سے ان پر حجت قائم ہو ثابت فرمایا ہے اور اس علم کو جو نافع اور مضر چیزوں سے بچنے کا ذریعہ ہو انسے نفی کیا ہے، اس مسئلہ میں نکتہ اور بھید یہی ہے کہ جو لوگ برے کاموں سے

Marfat.com

باز نہیں آتے۔ گو وہ عالم کیوں نہ ہوں مگر علم نافع سے خالی بے بہرہ اور جاہل ہیں پس ایسے عالم جو درحقیقت جاہل ہیں دوزخ میں جھونکے جاویں گے۔ علم نافع اور جہالت دونو ایک آدمی میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہوائے نفس۔ غفلت اور اعراض من الحق نافع چیز کے سوچنے۔ اس کے حاضر کرنے اور کمال علمی سے مانع ہو کر آدمی کے دل میں طرح طرح کے شبہات اور ایسی فضول تاویلات پیدا کر دیتے ہیں جو حق کے سمجھنے کے معارض ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ ایسی چیز کا خیال ہی جاتا رہتا اور آدمی بالکل جاہل ہو جاتا ہے۔ اگر ابلیس کو یقیناً معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے وہ درگاہِ الٰہی سے بالکل نکال دیا جائے گا۔ اور وہ سب سے زیادہ عذاب میں گرفتار و مبتلا ہوگا تو وہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے ہرگز انکار نہ کرتا۔ لیکن اس کے اور ان باتوں کے سوچنے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا۔ تاکہ اس کا امر جاری اور اس کی تقدیر نافذ ہو اور اگر آدمؑ اور حواؑ کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ وہ اس درخت کے پھل کھانے سے جنت سے نکال دیے جائیں گے۔ اور گوناگوں مصائب و تکالیف ان کو پیش آئیں گے تو وہ کبھی اس کے پاس نہ جاتے۔ اسی طرح منکرین انبیاء اور کفار کو اگر ان تکالیف کا جزم و علم ہو جو قیامت میں ان کو پیش آئینگی تو وہ ہرگز انبیاء علیہم السلام کی مخالفت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ (اور لوط نے اُن لوگوں کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر وہ اُن کے ڈرانے میں لگے حجتیں نکالنے) وقال تعالیٰ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ (اور اب) ان میں اور ان کی توقعات ایک روک کر دی جائے گی کہ ایسا ہی (سلوک) اُن لوگوں کے ساتھ

Marfat.com

کیا گیا جو ان کے ہم جنس تھے (اور) ان سے پہلے کفر کر چکے تھے) وہ بھی ان ہی کی طرح (شک در شک میں پڑے ہوئے تھے) اور منافقین کی نسبت یوں فرمایا ہے وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ (اور ان کے دِل شک میں پڑے ہیں تو وہ اپنے شک کی حالت میں حیران ہیں۔ وقال تعالیٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ (مگر تم نے آپ اپنے تئیں بلا میں ڈالا اور اس بات کے، منتظر رہے دکہ مسلمانوں پر کوئی آفت نازل ہو) اور اسلام کی طرف سے، شک میں پڑے رہے) وقال تعالیٰ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ان کے دلوں میں پہلے ہی کفر کا مرض تھا) مرض سے مراد شک ہے حالانکہ منافقین کو صداقت رسول میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا کیونکہ انہوں نے آپ کی صداقت کے معجزات باہرہ اور نشاناتِ ظاہرہ کو بچشم خود دیکھ لیا تھا اور ان پر حجت الہٰی قائم ہو چکی تھی۔ مگر باوجود اس کے وہ شک و شبہ میں پڑے تھے۔ اس لیے دوزخ میں سب سے بُری جگہ میں رکھے جائیں گے۔ ان کے شکوک و شبہات ایسے تھے جو علم نافع سے ان کو مانع اور حاجب ہوئے ورنہ صداقت رسول کا ان کو یقین حاصل تھا اور حجت الہٰی پوری ہو چکی تھی۔ جاہل اور مرتاب یعنی شک کرنے والے اس لیے قرار دیئے گئے ہیں کہ علم نافع سے خالی اور بے بہرہ تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ غفلت۔ اعراض عن الحق۔ اتباع ہوائے نفس شہوات کی پیروی سے انسان علم نافع اور حق بینی سے محروم رہتا ہے اور یہ امور اس کے دل میں ایسے شبہات اور باطل تاویلات پیدا کر دیتے ہیں۔ جو علم نافع کے مخالف اور اس کو روکنے والے ہو جاتے ہیں۔ اس مقام کو غور سے سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ مسئلہ تقدیر، شرع اور عدل الہٰی کے اسرار میں سے ہے۔ بس وہ علم جس سے خشیت الہٰی حاصل ہوتی ہے اس سے معرفت کامل اور علم نافع

Marfat.com

مراد ہے جس پر اس کا ثمرہ مرتب ہو۔ اور جس علم سے محبت الٰہی قائم ہوتی ہے وہ علم غیر نافع ہے۔ جس کا وجود کالعدم ہے بلکہ ایسا عالم جاہل سے بدتر ہے اور علم کی قسم دوم یعنی غیر نافع جہل کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اور قسم اول جہل کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سیئات اور برائیوں کی دار و مدار جہالت اور عدم علم پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عدم علم وجودی چیز نہیں۔ جس کے لیے فاعل مؤثر کی ضرورت ہو بلکہ عدم علم محض عدم کا نام ہے جو سمع، بصر، قدرت، اور ارادہ کے نہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے اور عدم محض اللہ سبحانہ کی طرف اس لیے مضاف نہیں ہو سکتا کہ وہ شر ہے اور شر سے اللہ کی ذات منزہ اور پاک ہے۔ پس جب انسان کسی اچھے کام کے ارادہ سے فاعل ہوا اور ارادہ خیر اس میں موجود نہ ہو تو چونکہ اس کا نفس بالطبع شہوت و ہوی کی طرف مائل ہے لہٰذا علم نافع سے محروم اور جاہل رہتا اور شر اور خرابی میں پڑ جاتا ہے۔

**فصل**۔ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر طرح طرح کے انعام و احسان فرمائے ہیں۔ منجملہ اپنے احسانات کے دو ایسی جلیل القدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو تمام سعادات اور خوبیوں کی جڑ اور اصل ہیں اوّل یہ کہ ان کو اصل خلقت میں فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ اُس کو فطرت سلیمہ سے نکالتے دیا اسی پر قائم رکھتے) ہیں چنانچہ یہ مضمون پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور آپ نے اُس کی تمثیل یوں بیان فرمائی ہے کہ جس طرح اونٹ، بکری، وغیرہ حیوانات کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے کان وغیرہ سب اعضاء صحیح و سالم ہوتے ہیں اس کے بعد اس کے رکھنے والے کبھی اُس کے کان دُم وغیرہ اعضاء کاٹ دیا کرتے

Marfat.com

ہیں۔ اسی طرح انسان کا ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اُس کے ماں باپ اس کے عقائد۔ اخلاق و اعمال میں یا تو خرابی پیدا کرتے ہیں یا اُس کے معاون و مددگار ہو کر اُسے فطرت سلیمہ پر قائم رکھتے ہیں، جس سے اس کے تمام حالات حسب فطرت درست اور صحیح پائے جاتے ہیں۔ اور نیز پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا۔ پھر شیطان نے ان کو طرح طرح کے فریب دیکر اُس فطرتی توحید و جبلی دین سے دُور کر دیا اور جو چیزیں میں نے اپنے بندوں پر حلال کر دی تھیں، شیاطین نے اُن کو اُن چیزوں سے ایسا ہٹا دیا کہ انہوں نے اُن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور ان کو یہ سوجھایا کہ میری ذات کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھیرائیں۔ جن کی نسبت میری طرف سے کوئی دلیل و سند نہیں۔ اگر نفس انسانی کو اپنی فطرت پر چھوڑا جاتا تو وہ اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کی محبت اور اس کی عبادت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتا۔ اور اُس کی ذات کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ کرتا۔ اور اس کے کمالِ ربوبیت کا کبھی منکر نہ ہوتا۔ بلکہ توحید اور عبادت الٰہی اُس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوتیں۔ لیکن شیاطین جن و انس کی مقارنت اور مصاحبت سے جو بُرے کاموں کی طرف اُس کو ترغیب اور توجہ دلاتے ہیں۔ اُس کی اصلی حالت بدل جاتی اور شر اور خرابی میں پڑ جاتا ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اول تو اپنے بندوں کو جوہر عقل و علم عطا فرما کر ہدایت عامہ سے سرفراز کیا ہے۔ اور اس کے اسباب مہیا کر دیے ہیں۔ اِس کے علاوہ ان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہ السلام کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور جو باتیں معلوم نہ تھیں۔ اُن سے آگاہ فرمایا۔

Marfat.com

غرض ہر ایک نفس میں وہ چیزیں رکھدی ہیں۔ جو حق کے سمجھنے اور اس کی محبت کے لیے کافی ہیں۔ اور ہر ایک بندے کو وہ علم عطا کیا ہے جس سے وہ سعادت آخرت کی طرف پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ چیزیں اُس کی فطرت میں داخل ہیں۔
لیکن کبھی ایسے عوارض اور موانع اسکو پیش آجاتے ہیں۔ جو منافع اور حق کے سمجھنے سے باز رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ حق کے سمجھنے اور اس کا ارادہ کرنے سے غافل ہوجاتا ہے۔ حق کو نہ سمجھنا اور اس کا ارادہ نہ کرنا یہ ایک عدمی امر ہے جو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ عدم محض ہونے کی حیثیت سے یہ شر ہے اور شر سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ ہاں اللہ سبحانہ کی طرف اُس کا علم منسوب ہے اور نیز اُس کی قضا بدیں معنی اُس کی طرف مضاف و منسوب ہے کہ اُس نے اس کی ضد کا ارادہ نہیں فرمایا اور اُس کو اپنی حالت پر رہنے دیا اور شر کا جاننا شر نہیں بلکہ اس کے جہل سے اچھا ہے۔ اور اُس کی ضد کو پیدا کر کے اس کو زائل اس لیے نہ کیا کہ اس کی حکمت کا یہی مقتضا تھا۔ اور جب مقتضائے حکمت یہی تھا۔ تو اس لحاظ سے یہ بھی خیر ہوا۔ گو اپنے محل کے لیے شر اور خرابی کا موجب ہو اور ان شاء اللہ قضا الٰہی میں شر داخل ہونے کے باب میں اس مسئلہ کے متعلق ہم پوری تقریر بیان کریں گے۔

**فصل**۔ انسان میں طبعی اور حیوانی حیات کے علاوہ ایک دوسری زندگی موجود ہے۔ جس کو دل سے وہی نسبت ہے جو جسمانی زندگی کو بدن سے نسبت ہے۔ اللہ سبحانہ جب اپنے بندے کے دل کو اس حیات سے زندہ فرما دیتا ہے تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کے دل میں اللہ سبحانہ کی محبت۔ عظمت اور جلال پوری طرح سما جاتے ہیں۔ اور اپنے اللہ تعالیٰ سے حیا اور خوف کرنا اور اُس کی طاعت و عبادت میں مصروف رہنا ہے جس

Marfat.com

طرح کہ بدن کی زندگی کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کام کاج کر سکتا ہے اسی طرح حیات قلب کا یہ ثمرہ ہے کہ بندہ ہمہ تن اپنے مالک کا پورا مطیع ہو جاتا ہے۔ نجات۔ فلاح اور سعادت کی دار و مدار اسی حیات پہ ہے اور یہی حیاۃ ذاتی ہیشگی اور دائمی زندگی ہے اور جب قلب میں یہ حیاتی موجود نہ ہو اور اس کے عوض حیوانی اور طبعی حیات کے مقتضی اور خواہش کے پورا کرنے میں انسان مصروف ہو تو وہ دنیا میں گمراہ۔ شقی اور آخرت میں ایسا معذب ہو گا۔ کہ اس کو نہ تو زندوں کی طرح عیش و آرام حاصل ہو گا۔ اور نہ مردوں کی طرح راحت و سکون چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشٰى وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (جو خدا سے) ڈرتا ہے تو وہ جلد سمجھے گا۔ مگر بد بخت (ازلی) تو اس سے گریز ہی کرتا رہے گا۔ جو (آخرکار) بڑی (سخت) آگ یعنی دوزخ میں پڑیگا۔ پھر وہاں اس کو نہ موت ہی آئیگی اور نہ جینے سے جینا ہی ملیگا) اس قسم کا عذاب اس لیے ہو گا کہ سزا قصور کے موافق اور عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔

چونکہ وہ دنیا میں حیات نافع سے دور رہا اور بہائم کی طرح خورد و نوش میں اپنی زندگی کو بسر کیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے عقل۔ کان۔ آنکھیں سب کچھ دے رکھی تھیں اور جمادات کی طرح بے حس و حرکت یا حیوانات کی طرح لایعقل نہیں بنایا تھا۔ لہٰذا آخرت میں یہ سزا ملیگی کہ اس کو ایسی حیاتی نصیب ہو گی کہ نہ مریگا اور نہ جینے کا کوئی مزا ہو گا جینے کا مزہ تو اس لیے نہ ہو گا کہ منافع اور لذت سے جو زندگی کا مقصود ہے محروم ہو گا۔ اور چونکہ گوناگوں اور طرح طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار ہو گا۔ لہٰذا موت کو پسند اور اختیار کریگا۔ مگر چونکہ موت آنے کی نہیں۔ لہٰذا نہ مردوں میں شمار ہو گا۔ اور نہ زندوں میں داخل ہو گا۔ اس بیان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خیر حیاتِ قلب کے لوازم سے ہے اور اس کا نہ ہونا شر ہے۔ مگر چونکہ

Marfat.com

یہ ایک عدمی امر ہے لہذا یہ مخلوق الٰہی نہیں اللہ سبحانہٗ خالق اشیاء ہے نہ خالق اعدام اگر اللہ سبحانہ کسی بندے کو یہ حیاتی عطا نہ کرے تو یہ اللہ سبحانہ کا ظلم یا اسکی جانب سے شر نہیں۔ کیونکہ یہ عدم محض ہے اور اللہ سبحانہ عدم محض کا خالق نہیں۔ اور بندے کے لحاظ سے اس حیات کا نہ ہونا شر ہے کیونکہ وہ اسکے مفقود ہونے سے تمام خیرات سے محروم رہتا ہے۔ خلاصہ کلام تمام شر خود بندے کی جانب سے ہے اور جملہ خیرات اللہ سبحانہ کی طرف سے اور سب چیزوں کا خالق وہی ہے اور اسکی قضاء و قدر اور حکمت سے واقع ہوتی ہے ؛

**فصل**۔ قدری نے کہا کہ ہم بھی ان سب باتوں کو مانتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ نے انسان کو صاحب ارادہ بنایا ہے یعنی اس میں یہ قابلیت رکھ دی ہے کہ وہ مختلف افعال کا ارادہ کر سکتا ہے۔ لیکن کسی خاص فعل اور جزئی کام کا ارادہ اللہ تعالٰے کا مخلوق نہیں بلکہ اس کو انسان خود پیدا کرتا ہے۔ جبری نے کہا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی خاص کام کا ارادہ حادث اور نو پیدا ہوگا۔ اور کوئی حادث محدث کے بدوں پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس اس ارادہ کا محدث یا تو خود انسان ہوگا یا کوئی دوسری مخلوق چیز یا وہ ذات جو تمام اشیا کی خالق اور پیدا کرنے والی ہے۔ پہلی دونوں صورتیں محال اور باطل ہیں۔ لہذا تیسری صورت متعین ہوئی کہ اس ارادہ کا پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خود انسان اپنے ارادہ کا محدث اور پیدا کنندہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اس ارادہ مخصوص کو ارادہ اور اختیار سے پیدا کریگا یا بدون ارادہ و اختیار کے اس سے صادر ہوگا۔ دونو صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ ارادہ مخصوص کا پیدا کرنا اگر دوسرے ارادہ پر موقوف ہے تو اس میں کلام کیا جائیگا۔ کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اگر خود انسان ہے تو پھر اس کا پیدا کرنا ایک دوسرے ارادہ پر موقوف

Marfat.com

ہے۔ تو اس طرح تسلسل لازم آئیگا جو محال اور باطل ہے اور اگر اس ارادہ کا صدور کسی دوسرے ارادہ پر موقوف نہ ہو۔ تو انسان سے اس ارادہ مخصوص کا صدور بھی ناممکن اور محال ہے کیونکہ فاعل مختار سے حادث چیز کا بلا ارادہ صادر ہونا محالات سے ہے۔ جب دونوں صورتیں یعنی انسان کا ارادہ مخصوص کو بالارادہ یا بغیر ارادہ صادر کرنا محال ہے۔ تو ثابت ہوا کہ انسان اپنے ارادہ مخصوص کا محدث اور پیدا کنندہ نہیں ہوسکتا۔ اور جب خود انسان اپنے ارادہ کا محدث نہ ہوا تو اب اس ارادہ کا پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ ہوگا یا اسکی مخلوق میں سے کوئی دوسری چیز اس کی خالق ہوگی۔ خالق تعالےٰ کے سوا اگر کوئی چیز محدث ارادہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا وہ صاحب ارادہ ہوگی یا نہ اگر وہ صاحب ارادہ نہ ہو تو وہ انسان کو صاحب ارادہ نہیں بنا سکتی۔ جس میں خود ارادہ نہیں وہ دوسرے کو صاحب ارادہ کیسے بنا سکتی ہے ؎ آں خود کہ گمراہ ہست کرا رہبری کند اور اگر وہ صاحب ارادہ ہوگی تو اس کے ارادہ کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ کہ اس کے پیدا کرنے والا کون ہے اور بدستور تمام شقوق کو باطل کیا جائیگا۔ پس جب نہ تو خود انسان اپنے ارادہ کا محدث ہوسکتا ہے اور نہ کوئی دوسری مخلوق چیز اسکی پیدا کرنے والی ہوسکتی ہے تو لا محالہ انسان کے ارادہ مخصوص کا خالق اور محدث بھی اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ قدری نے کہا ہماری جماعت نے اس شبہے کے مختلف جواب دیئے ہیں۔ جاحظ کا قول ہے کہ انسان اپنے افعال کو بغیر ارادہ پیدا کرتا ہے بلکہ صرف اپنے علم اور قدرت سے انکو پیدا کرتا ہے۔ صرف کسی فعل کا اپنے حق میں مفید اور اپنے لیے مناسب و موافق جاننا اور اس پر قادر ہونا اسکے صدور کے لیے کافی ہے کسی ارادہ پر اس کا صدور موقوف نہیں۔ جاحظ حقیقت ارادہ کا منکر ہے مگر میلانِ قلب اور شہوت کا

Marfat.com

انکار نہیں کرتا۔ مگر ساتھ ہی یہ کہتا ہے۔ کہ میلانِ قلب اور شہوت پر حسد در افعال موقوف نہیں۔ کیونکہ انسان کبھی ایسے کام بھی کرتا ہے۔ جن کی طرف اس سے قلب کا میلان اور طبعی رغبت نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے زمرہ کے تمام لوگ اللہ ارادہ میں جاحظ کے مخالف ہیں ہماری تمام جماعت بالاتفاق ارادہ حادث کو تو مانتی ہے۔ مگر اس کے سبب حدوث میں باہم مخالف ہے بعض کا یہ قول ہے۔ کہ نفس کا صاحب ارادہ ہونا اس کی ایک ذاتی صفت ہے۔ اور جو چیز بالذات موجود ہو اسکے وجود کے لیے کسی سبب اور علت کی ضرورت نہیں۔ علت اور سبب کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں علت کے ثابت کرنے سے کوئی مانع نہ ہو۔ اور جس طرح کہ ذات کا صفت ذاتیہ کے ساتھ مخصوص ہونا صفت کے علت کے ثبوت سے مانع ہے۔ اسی طرح یہاں نفس کا صاحب ارادہ ہونا چونکہ ایک ذاتی امر ہے۔ لہٰذا یہاں علت اور سبب کا توسط جائز نہیں۔ پس معترضین کا یوں کہنا کہ فلاں ارادہ کیوں کیا یا اس ارادہ کا موجب کیا چیز ہے گویا یہ کہنا ہے۔ کہ نفس نفس کیوں ہوا۔ اور نفس کے نفس ہونے کا موجب کیا ہے یا آگ کے محرق اور متحرک ہونے کا باعث کیا چیز ہے اور پانی سیال اور رقیق اور ہوا خفیف کس لیے ہے غرض نفس کا نفس کا صاحب ارادہ اور متحرک ہونا اور نفس نفس ہونا دونو یکساں ہیں اور اسکی حرکت فلک کی حرکت کی طرح خلقی اور فطری ہے اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے اس میں دونو قسم کا ارادہ پیدا کر دیا ہے یعنی انسان کو اس طور پر پیدا کیا ہے کہ وہ خیر اور شر دونو کا ارادہ کر سکتا ہے۔ پھر وہ اپنی خواہش اور میلان طبع سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور اسی طرح اس میں ایک ایسی قدرت پیدا کر دی ہے جس سے دونو قسم کے احکام یعنی خیر و شر کو کر سکتا ہے۔ پس ارادہ اور قدرت کا خالق تو اللہ تعالےٰ ہے۔

Marfat.com

اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ انسان کا کام ہے اور قادر مختار دو مساوی امر میں سے ایک کو دوسرے پر بغیر کسی مرجح کے ترجیح دے سکتا ہے۔ جیسا کہ پیاسے آدمی کے سامنے جب ایک جیسے دو پیالے رکھ دیے جائیں۔ تو وہ ایک کو اٹھا لیتا ہے یا کسی بھاگنے والے کو جب دو راستے معلوم ہوں تو وہ ایک راستے کو اختیار کرتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ نے گو انسان میں ارادہ پیدا کر دیا ہے۔ مگر محض ارادہ سے فعل کا وجود ضروری نہیں بلکہ یہ صرف اس کے امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے ارادہ کے خلاف پر بھی قدرت دے رکھی ہے۔ اور اس کو یہ بھی امر کیا ہے۔ کہ اپنی خواہش اور ارادات نفسانی کی پیروی نہ کرے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان اپنے ارادہ کا خلاف کر سکتا ہے پس ارادۂ انسانی کے مخلوق الٰہی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ارادہ سے فعل کا وجود ضروری ہو جائے۔ اور انسان اس کے کرنے میں مجبور اور بے اختیار سمجھا جائے۔ ابو الحسین بصری کا قول ہے۔ کہ انسان کے افعال کا صدور دواعی محرکات) اور قدرت پر موقوف ہے اور دواعی یعنی محرک خیالات اور قدرت دونو کو اللہ تعالیٰ نے بندے میں پیدا کر دیا ہے پس قدرت اور دواعی کے ذریعہ سے انسان افعال کا محدث اور پیدا کنندہ ہے ہماری جماعت نے بھی تین جواب بیان کیے ہیں۔ سنی بولا کہ ان جوابات سے جبریہ کے اعتراض سے نجات نہیں ہو سکتی اور نہ تم نے ان کی دلیل مذکور کے بطلان کو بیان کیا ہے نہ اس کے کسی مقدمہ پر جرح و نقض کیا ہے اور نہ اس کے مقابل میں کوئی اس سے زیادہ قوی اور زبردست دلیل ذکر کر کے اس کا معارضہ کیا ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے تمہاری دلیل کے بطلان کو بیان کیا ہے اور وہ بھی تمہارے اعتراض اور الزام کا کافی جواب نہیں دے سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی

Marfat.com

بات ہے کہ تمہارے اور انکے اقوال باہم متعارض ومخالف ہیں۔ سو یہ اعانت حق
اور ابطال باطل کے لیئے کچھ مفید نہیں بلکہ ان سے تم دونو کی غلطی اور راہ صواب سے
عدول اور اعراض ثابت ہوتا ہے اس لیئے بتوفیق الٰہی ہم اس مسئلہ کی تحقیق کرتے
ہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ تم دونو کا قول من وجہ خطا اور من وجہ صواب ہے۔ جبری
کا انتہا کہنا تو صحیح اور درست ہے کہ تمام حوادث اللہ تعالےٰ کی مشیت۔ خلق
قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں۔ اور قدری اس کے انکار کرنے میں ہدایت کی مخالفت
کرتا ہے۔ کیونکہ بندے کا صاحب ارادہ اور فاعل افعال ہونا ایک حادث اور
نوپید امر ہے جو پہلے موجود نہ تھا۔ تو اب دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کے
لیے کوئی محدث اور پیدا کنندہ ہوگا یا نہیں۔ اگر اس کے لئے کوئی محدث نہ ہو تو
حوادث کا بلا محدث پیدا ہوا لازم آئیگا۔ اور اگر اس کے لئے کوئی محدث ہے
تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ یعنی یا تو خود بندہ اس کا محدث ہے یا اللہ تعالےٰ اس
کا پیدا کرنے والا ہے یا ان دونوں کے سوا کوئی دوسرا شخص اس کو پیدا کرتا ہے
اگر خود بندہ محدث ہو تو اس احداث کے سبب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ کہ
اس کو کس نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ بھی منجملہ اس کے افعال میں داخل ہے۔ اور
اس طرح تسلسل لازم آئیگا۔ اور وہ یہاں بالاتفاق باطل ہے کیونکہ بندہ حادث
اور موجد بعد العدام ہے تو یہ جائز نہیں ہوسکتا۔ کہ غیر متناہی امور جن کی کوئی
ابتدا نہ ہو اسکے ساتھ قائم ہوسکیں۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص
ہو۔ تو چونکہ وہ بھی حادث ہوگا۔ لہٰذا یہی دلیل جو خود انسان کے محدث نہ ہونے
پر قائم کی گئی ہے۔ اسمیں بھی جاری کی جائیگی۔ اور جب دونو صورتیں باطل ہیں
تو لا محالہ بندے کے ارادہ۔ قدرت۔ احداث۔ فعل سب کا خالق اور پیدا کرنے
والا صرف اللہ تعالےٰ ہے۔ اور یہ تمام مقدمات یقینی اور بدیہی ہیں۔ ان میں

Marfat.com

رد و قدح کی گنجائش نہیں۔ پس جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ بندے کا ارادہ اور فاعل افعال ہونا بغیر سبب موجود ہیں۔ اور خود بندہ محدث افعال ہے اور احداث کے وقت اس میں کوئی جدید امر پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طرح قبل احداث تھا۔ احداث کے وقت بھی بدستور ویسا ہی ہوتا ہے بلکہ بغیر کسی سبب و مرجح کے کسی خاص وقت کو کسی معین کام کے پیدا کرنے کے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور بندہ اگرچہ پہلے موجود نہ تھا۔ مگر موجود ہونے کے بعد صاحب ارادہ محدث اور فاعل افعال ہو گیا۔ اور ان صفات کو کسی غیر نے اسمیں پیدا نہیں کیا۔ تو اس شخص کا قول عقل سے بعید بلکہ صریح عقل کے خلاف ہے۔ اور یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ حوادث کا حدوث بلا محدث ہو سکتا ہے جو تمام اہل عقل کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور تمہارا یہ قول کہ ارادہ علت اور سبب کا محتاج نہیں۔ یہ بھی بالکل لغو اور باطل ہے۔ کیونکہ ارادہ ایک حادث چیز ہے اور کوئی حادث چیز بغیر محدث پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح تمہارا یہ قول بھی باطل اور لغو ہے کہ اللہ تعالےٰ کے افعال اس ارادہ کے واسطے سے صادر ہوتے ہیں۔ جن کو وہ بغیر کسی سبب کے پیدا کرتا ہے اور اس کا کوئی محل نہیں ہوتا۔ تمہارے اس کلام میں تین استحالے موجود ہیں۔ ایک کسی حادث چیز کا بغیر سبب پیدا ہونا۔ دوسرا کسی حادث چیز کا بغیر ارادہ حادث ہونا تیسرا کسی صفت کا بنفسہ بغیر کسی محل کے موجود ہونا۔ ایسے فضول اقوال اور دعویٰ یہ کہ ہم صاحب عقل اور نظر ہیں۔ کونسی بات اس سے زیادہ خراب اور کونسی نظر اس سے زیادہ اندھی ہو گی ہم اپنے مدعا پر ایک اور دلیل قائم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ انسان کا صاحب ارادہ ہونا ایک ممکن امر ہے اور ممکن کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ پس جب تک اس کے وجود کے لیے کوئی مرجح تام

Marfat.com

نہ ہو وہ موجود نہیں ہو سکتا۔ مرجح کے تین احتمال ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ خود بندہ ہی اس کا مرجح ہو۔ دوم یہ کہ اس کا مرجح اللہ تعالےٰ ہو۔ سوم یہ کہ ان دونو کے سوا کوئی اور مخلوق چیز اس کی مرجح ہو۔ بندے اور کسی مخلوق کا مرجح ہونا تو باطل ہے کیونکہ ترجیح بھی ایک ممکن امر ہے۔ اس کے لیے پھر اور مرجح کی ضرورت ہے اور اس طرح تسلسل لازم آئیگا۔ اور جب یہ دونو احتمال باطل ہیں۔ تو لامحالہ اس کے وجود کا مرجح اللہ تعالےٰ ہُوا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا۔ اس دلیل پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی بداہتہً معلوم ہے کہ ہمارے اختیاری افعال ہمارے ارادہ اور قدرت سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم داہنی طرف حرکت کریں تو یہ نہیں ہوتا کہ بائیں جانب واقع ہو۔ اور اگر بائیں جانب کریں تو داہنی طرف واقع نہیں ہوتی اور اس دلیل کا بھی کوئی جواب نہیں۔ پس دونو دلیلوں کے موافق قول کرنا حق اور صواب ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ بندے کے ارادہ اور قدرت کا خالق ہے۔ اور ان دونو کو اس نے بندے کے افعال کے لیے سبب بنا دیا ہے اور ان کے ذریعہ سے وہ اپنے افعال کو صادر کرتا ہے اور بندہ اپنے قدرت اور ارادہ کے ذریعہ سے اپنے افعال کا محدث ہے۔ اور چونکہ ان کے اسباب یعنی ارادہ و قدرت کا خالق اللہ تعالےٰ ہے اور اسباب کا خالق اور پیدا کرنے والا مسببات کا خالق اور بنانے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا افعال عباد کا خالق اللہ تعالےٰ ہے اگر اللہ سبحانہ اسکے افعال کا وجود نہ چاہتا تو اس کے لئے اسباب پیدا نہ کرتا۔ قدری اور جبری دونو نے سنی پر یہ اعتراض کیا کہ افعال عباد کا محدث اللہ تعالےٰ اور بندہ دونو کس طرح ہو سکتے ہیں:۔

سنی نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ کے محدث ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس نے انکو ایسے طور پر پیدا کیا ہے کہ یہ اس کی ذات سے منفصل اور جدا اور اپنے محل

Marfat.com

یعنی بندے کے ساتھ قائم ہیں اور بندے میں قدرت و ارادہ پیدا کر کے اس کو ان کا فاعل بنا دیا ہے۔ اور بندے کے محدث ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس کی ذات کے ساتھ قائم اور اسکی قدرت اور ارادہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ دونو احداث ایک دوسرے کو مستلزم ہیں۔ لیکن اضافت اور نسبت میں تفاوت ہے۔ کہ یہی افعال باری تعالے کی طرف نسبت کرنے سے اس کے مخلوق اور مفعول کہلاتے ہیں۔ اور اس کی ذات سے منفصل ہیں۔ اور بندے کی طرف لحاظ کرنے سے اس کے افعال کہلاتے ہیں۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اور جن کے احکام اس کی طرف عائد اور راجع ہوتے ہیں لہٰذا ان کے اسماء مشتقہ کے ساتھ بندہ موصوف کیا جاتا ہے اور بہت سے حوادث کو اللہ سبحانہ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور نیز ان کو اپنی مخلوق کی طرف نسبت کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (لوگوں کے مرتے وقت اللہ ان کی روحیں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں (ان کی روحیں بھی) ان کے سوتے وقت خدا کے ہاں بلائی جاتی ہیں) اور نیز فرمایا ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ ملک الموت جو تم پر تعینات ہے (وہی) تمہاری روحوں کو قبض کرتا ہے) وقال تعالے تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (ہمارے فرشتے اس کی روح (پورے طور پر) قبض کرتے ہیں) وقال تعالے اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (اے پیغمبر) یہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تو تم مسلمانوں کو جمائے رکھو ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں دہشت ڈال دینگے) وقال تعالے يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (جو لوگ

Marfat.com

ایمان لائے ہیں ان کو پکی بات یعنی کلمہ توحید کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی ایمان پر ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھیگا) وقال تعالےٰ وَاَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (وہ اللہ جس نے تم پر کتاب اتاری) وقال تعالےٰ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ حق تو یہ ہے کہ اس قرآن کو تمہارے پروردگار کی طرف روح القدس یعنی جبریل لیکر آئے ہیں) وقال تعالےٰ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (عذاب الٰہی نے ان کو آپکڑا) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ (ان کو ایک بڑی زور کی آواز نے آلیا) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ (تو ہم نے سب کو ان کے گناہ کی سزا میں دھر پکڑا) فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ (تو ہم نے ان کو ایسا (سخت) پکڑا جیسا زبردست صاحب قدرت پکڑتا ہے) ×

پس ان چیزوں کو اپنی ذات کی طرف تو اسنے منسوب فرمایا ہے کہ ان کا خالق اور جاعل وہی ہے اور یہ اس کی مشیت اور قضاو قدر سے واقع ہوتی ہیں۔ اور انکو انکے اسباب کی طرف اس لیے نسبت کیا ہے کہ اسی نے ان کے اسباب کو پیدا کیا اور انکو ان اشیا کے حصول کے لیے ذریعہ بنایا ہے اور ان دونوں نسبتوں میں باہم کوئی منافات و تناقض نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندوں کے اختیاری افعال اس لحاظ سے اُن کی طرف منسوب ہیں کہ وہ ان کی ذات کے ساتھ قائم اور انکے ارادہ کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ اور باری تعالےٰ کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق ہے اور اس کی قدرت اور مشیت سے "ظہور میں آتے ہیں"، دونوں کی طرف نسبت جائز اور صحیح اور قرآن کریم میں اس کی نظائر موجود ہیں۔ وقال تعالےٰ اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ (لوگو! نوحؑ کے وقت ہیں) جب پانی کا طوفان آیا تو ہم ہی نے تم کو (یعنی تمہارے بزرگوں کو) کشتی میں سوار کر لیا تھا) اور نوحؑ

Marfat.com

سے فرمایا اِحْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (ہر قسم کے جانداروں میں سے دو (نر و مادہ) دو دو کے جوڑے کشتی میں بٹھالو) اللہ سبحانہٗ نے قوم نوحؑ کو کشتی میں سوار کرنے کو اپنی طرف تو اس لئے نسبت فرمایا ہے کہ یہ کام اسکی مشیت امر اور اذن سے ہوا۔ اور نوحؑ کی طرف اس واسطے منسوب کیا کہ وہ اسکے فاعل و مباشر تھے۔

**فصل**۔ جاحظ کا یہ قول کہ بندہ اپنے اختیاری افعال کو بغیر ارادہ پیدا کرتا ہے۔ اور اسکے افعال کے صدور کے لئے صرف قدرت کافی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بندے کے لیے کوئی صفت ارادہ ثابت نہیں اور جاحظ صفت ارادہ کا بالکل انکار کرتا ہے۔ تو اس کا یہ انکار بالکل مکابرہ یعنی جان بوجھ کر حق صریح کا انکار ہے۔ جو ایسے لوگوں سے جو بدیہات کے انکار اور حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں کچھ بعید نہیں اور اگر جاحظ کا یہ مطلب ہے کہ ارادہ ایک عدمی چیز ہے یعنی مغلوب اور مجبور نہ ہونا تو اس کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ عدمی مفہوم ارادہ کے لوازم سے ہے عین ارادہ نہیں۔ اور ارادہ کو امر عدمی قرار دینا یہ ایک دوسرا مکابرہ ہے۔ اسی طرح تو سب صفات مثلاً قدرت۔ کلام۔ سمع بصر عدمی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قدرت کا معنی عاجز نہ ہونا۔ کلام کا معنی گنگا نہ ہونا۔ سمع کا معنی بہرہ نہ ہونا۔ بصر کا معنی اندھا نہ ہونا ہو سکتے ہیں۔ اور جاحظ کا یہ کہنا کہ بندے کے افعال محض قدرت اور علم سے واقع ہوتے ہیں۔ یہ ایک تیسرا مکابرہ ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی خاص کام کے کرنے پر قادر ہوتا ہے اور اسکی مصلحت سمجھتا ہے۔ مگر اس کے کرنے کا اس لیے ارادہ نہیں کرتا کہ اس کے کرنے میں کوئی تکلیف پیش آنے کا یا کسی مطلوب چیز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ غرض محض قدرت اور مصلحت کے ... سے فعا

Marfat.com

ایمان لائے ہیں ان کو پکی بات یعنی کلمہ توحید کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی ایمان پر ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھیگا) وقال تعالےٰ وَ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ (وہ اللہ جس نے تم پر کتاب اتاری) وقال تعالےٰ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ حق تو یہ ہے کہ اس قرآن کو تمہارے پروردگار کی طرف روح القدس یعنی جبریل لیکر آئے ہیں) وقال تعالےٰ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (عذاب الٰہی نے ان کو آپکڑا) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ (ان کو ایک بڑی زور کی آواز نے آلیا) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ (تو ہم نے سب کو ان کے گناہ کی سزا میں دھر پکڑا) فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ (تو ہم نے ان کو ایسا (سخت) پکڑا جیسا زبردست صاحب قدرت پکڑتا ہے) ؛

پس ان چیزوں کو اپنی ذات کی طرف تو اسنے منسوب فرمایا ہے کہ ان کا خالق اور جاعل وہی ہے اور یہ اس کی مشیت اور قضاو قدر سے واقع ہوتی ہیں۔ اور انکو انکے اسباب کی طرف اس لیے نسبت کیا ہے کہ اسی نے ان کے اسباب کو پیدا کیا اور انکو ان اشیا کے حصول کے لیے ذریعہ بنایا ہے اور ان دونوں نسبتوں میں باہم کوئی منافات و تناقض نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندوں کے اختیاری افعال اس لحاظ سے ان کی طرف منسوب ہیں کہ وہ ان کی ذات کے ساتھ قائم اور انکے ارادہ کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ اور باری تعالےٰ کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق ہے اور اس کی قدرت اور مشیت سے ظہور میں آتے ہیں۔ دونوں کی طرف نسبت جائز اور صحیح اور قرآن کریم میں اس کی نظائر موجود ہیں۔ وقال تعالےٰ اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ (لوگو! نوحؑ کے وقت ہیں) جب پانی کا طوفان آیا تو ہم ہی نے تم کو (یعنی تمہارے بزرگوں کو) کشتی میں سوار کر لیا تھا) اور نوحؑ

Marfat.com

سے فرمایا احمل فیھا من کل زوجین اثنین (ہر قسم کے جانداروں میں سے دو نر و مادہ) دو دو کے جوڑے کشتی میں بٹھا لو) اللہ سبحانہ نے قوم نوح کو کشتی میں سوار کرنے کو اپنی طرف تو اس لئے نسبت فرمایا ہے کہ یہ کام اسکی مشیت امر اور اذن سے ہوا۔ اور نوح کی طرف اس واسطے منسوب کیا کہ وہ اسکے فاعل و مباشر تھے ::

**فصل**۔ جاحظ کا یہ قول کہ بندہ اپنے اختیاری افعال کو بغیر ارادہ پیدا کرتا ہے۔ اور اسکے افعال کے صدور کے لئے صرف قدرت کافی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بندے کے لیے کوئی صفت ارادہ ثابت نہیں اور جاحظ صفت ارادہ کا بالکل انکار کرتا ہے۔ تو اس کا یہ انکار بالکل مکابرہ یعنی جان بوجھ کر حق صریح کا انکار ہے۔ جو ایسے لوگوں سے جو بدیہات کے انکار اور حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں کچھ بعید نہیں اور اگر جاحظ کا یہ مطلب ہے کہ ارادہ ایک عدمی چیز ہے یعنی مغلوب اور مجبور نہ ہونا تو اس کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ عدمی مفہوم ارادہ کے لوازم سے ہے عین ارادہ نہیں۔ اور ارادہ کو امر عدمی قرار دینا یہ ایک دوسرا مکابرہ ہے۔ اس طرح تو سب صفات مثلاً قدرت۔ کلام۔ سمع بصر عدمی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قدرت کا معنی عاجز نہ ہونا۔ کلام کا معنی گنگا نہ ہونا۔ سمع کا معنی بہرہ نہ ہونا۔ بصر کا معنی اندھا نہ ہونا ہو سکتے ہیں۔ اور جاحظ کا یہ کہنا نہ بندے کے افعال محض قدرت اور علم سے واقع ہوتے ہیں۔ یہ ایک تیسرا مکابرہ ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی خاص کام کے کرنے پر قادر ہوتا ہے اور اسکی مصلحت سمجھتا ہے۔ مگر اس کے کرنے کا اس لیے ارادہ نہیں کرتا کہ اس کے کرنے میں کوئی تکلیف پیش آنے کا یا کسی مطلوب چیز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ غرض محض قدرت اور مصلحت کے ... سے فعل

Marfat.com

ضرور نہیں بلکہ جب تک اس کا ارادہ نہ کرے واقع نہیں ہوتی :۔

فصل۔ قدری جماعت کے ایک دوسرے فریق کا یہ قول کہ نفس کا صاحب ارادہ ہونا اسکی ایک ذاتی صفت ہے جو کسی سبب اور علت کی محتاج نہیں سرا سر غلط ہے۔ فرض کریں کہ نفس کے صاحب ارادہ ہونے کی علت کو ہم نہیں پوچھتے مگر یہ پوچھتے ہیں کہ یہ صفت مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر مخلوق ہے تو اس کا خالق خود نفس ہے یا وہ ذات پاک جس نے نفس کو پیدا کیا ہے۔ جب خود نفس کسی چیز کا خالق نہیں ہو سکتا۔ تو تو اس صفت کا خالق اور پیدا کرنے والا بھی وہی پروردگار ہے جس نے نفس اور اُس کی تمام صفات ہیئات کو پیدا کیا ہے۔ غرض جب نفس اور اسکے جملہ صفات کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور صاحب ارادہ ہونا بھی نفس کی ایک صفت ہے تو اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ صفت فعل کے صدور کا سبب ہے اور سبب کا خالق اور پیدا کرنیوالا اور مسبب کا پیدا کرنے والا ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ افعال عباد اللہ کے مخلوق اور اسکی مشیت۔ قدرت تکوین سے واقع ہیں۔ اس بات کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو شخص ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہو :۔

فصل۔ قدری جماعت کے ایک تیسرے فریق کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے بندے میں ایک ایسا ارادہ پیدا کیا ہے پھر بندہ اپنی مرضی و اختیار سے ایک ارادہ کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ بیشک صحیح ہے۔ مگر بندے کے اختیار اور ترجیح دینے سے کسی کام کا واقع ہونا اس بات کا مقتضی نہیں کہ وہ کام اللہ سبحانہ کا مخلوق اور اس کی قدرت میں داخل نہ ہو اور اس کے قضاء قدر سے واقع نہ ہو بلکہ وہ کام اللہ تعالیٰ کا مخلوق۔ مقدور اور اس کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ بندے کو وہی قدرت دیتا ہے اگر اللہ سبحانہ اس کام کا وقوع

Marfat.com

نہ چاہتا تو اس کے ارادہ کو اس کی ضد کی طرف پھیر دیتا۔ یہ فرقہ صرف اس بات کا انکار کرتا ہے کہ افعال عباد جب انکے ایک جانب اختیار کرنے اور ترجیح دینے سے واقع ہوتے ہیں۔ تو یہ اللہ تعالےٰ کے مخلوق۔ مقدور اور اس کی قضا و قدر سے واقع نہیں ہوتے۔ اگر یہ لوگ افعال عباد کے مخلوق و مقدور الٰہی ہونے کا انکار نہ کرتے تو ان کے عقائد میں جو غلطی ہے وہ دور ہو جاتی اور اہل حق و صواب کی جماعت میں داخل ہو جاتے۔ اس مسئلہ کی متعلق تحقیق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے عدل و حکمت سے بندہ کو وہ قدرت اور ارادہ عطا فرمایا ہے کہ جن سے وہ اپنے نافع اور مفید امور کو حاصل کرنے اور اشیا کو دفع کرنے پر قادر ہے اور ظاہری اور باطنی اسباب سے اس کی اعانت و امداد فرمائی ہے۔ اور قدرت اور ارادہ بھی منجملہ ان ہی اسباب اعانت میں ہیں اور خیر و شر کے طریقے اور راستے بتا دیئے اور تمام راہیں سوجھا دی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث فرمانے۔ اپنی کتابیں نازل کرنے۔ ملائکہ کو بھیجنے غرض مختلف ذریعوں سے انسان کی اعانت فرما کر کوئی حجت باقی نہیں رہنے دی۔ جس سے وہ یہ کہہ سکے۔ کہ مجھے امور خیر کا علم نہ تھا۔ یا ان کے کرنے پر قدرت حاصل نہ تھی۔ اسکے علاوہ اس کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے۔ کہ وہ بالطبع اپنے منافع سے محبت اور مضر اشیا سے نفرت کرتے ہیں بلکہ یہ بات تو دوسرے حیوانات میں بھی موجود ہے اس مشترکہ صفت کے علاوہ چونکہ انسان کو بہت سی نافع اور مفید چیزوں کا علی التفصیل علم نہ تھا۔ اور ان میں کئی ایسے نافع اور ضروری امور تھے۔ جن کے جاننے۔ سمجھنے اور ان کے کرنے پر انسان کی صلاح و فلاح اور سعادت کا مدار تھا۔ اور تعلیم خاص اور وحی کے بدوں ان کا جاننا ممکن نہ تھا لہذا اس نے اپنی مہربانی سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث

Marfat.com

فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں نازل کر کے اپنے بندوں کو وہ تمام کام بتلا دیئے۔ جن سے ان کی سعادت اور فلاح وابستہ ہے۔ انبیا علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بندوں کو ابتر حالت میں پایا کہ وہ ان کاموں سے مالوف و مانوس ہیں۔ جن سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور ان کاموں کے نقائص اور ضرر ان کو پہنچ رہے ہیں۔ لہذا انبیاء علیہم السلام نے ان کو آگاہ کیا کہ یہ کام تمہارے لیے نہایت مضر۔ تمہارے رنج و غم کا باعث اور خوشی اور مقصود اصلی کے فوت ہونے کا سبب ہیں۔ پس انسانی ارادات میں سعادت و فلاح کی طلب اور جستجو کے لیے ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اور انبیا علیہم السلام کی دعوت دلوں۔ کانوں اور آنکھوں کو اپنی طرف کشش کرنے لگی۔ مگر عادات و رسوم اور رواج کی پابندی اور ان کا دل کی محبت و الفت کی وجہ سے جن سے طبائع پہلے سے مانوس تھے۔ اس کی مخالفت کرنے لگے۔ نفس کو حیلے بہانے سکھلاتے اور انہی مالوف و مانوس امور کی طرف رغبت دلاتے اور متوجہ کرتے کیونکہ یہ امور اس کے مرغوب و موافق۔ طبع۔ نقد موجود راحت مرغوبہ۔ لذت مطلوبہ۔ لہو۔ لعب۔ زینت۔ فخر اور بڑھائی کے اسباب اور سامان ہیں۔ مگر ساتھ ہی داعی فلاح کی کشش بھی اپنا کام کرتی جاتی تھی اُسکی ہدایت یہ بتلاتی تھی۔ کہ اس عالم دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم میں تم کو جانا ہے وہاں کی خوشی اور لذت یہاں کے عیش و آرام کو چھوڑنے دنیا کے لذات و مسرات کے ترک کرنے آفات و تکلیف کے برداشت کرنے۔ نفس کی خواہشوں سے منہ پھیرنے اور خلاف طبع احکام کے بجالانے پر موقوف ہے اور دوسری طرف یہ خیالات پیدا ہوتے کہ جو چیزیں دنیا میں موجود ہیں۔ ان سے تو فائدہ حاصل کر لو۔ آخرت کی کیا خبر ہے۔ پس ارادہ کی دونو طرف کشش ہو رہی تھی۔ کبھی اس طرف متوجہ

Marfat.com

ہوتا۔ اور کبھی اس طرف۔ اور یہی میدان جنگ اور جہاد کا مقام ہے جس میں بعض لوگ مقتول ہو جاتے اور بعض قید کیے جاتے۔ اور خوش نصیب لوگ فتح مندی اور غنیمت کو حاصل کرتے ہیں۔ جب اللہ سبحانہ اپنے کسی بندے پر اپنی رحمت کرنی چاہتا ہے تو اس کے قویٰ اور ارادات کو اس کے نافع امور کی طرف متوجہ کر دیتا۔ اس کو حیات طیبہ عطا فرماتا اور اپنے ملائکہ کی طرف وحی فرماتا ہے کہ میرے بندے کو ثابت قدم رکھو۔ اور اس کے ارادہ اور ہمت کو میری مرضیات اور طاعت کی طرف پھیر دو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے پیغمبر) یہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا۔ کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم مسلمانوں کو جمائے رکھو) اور حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کے دل پر ایک اثر فرشتے کا ہے اور ایک اثر شیطان کا ہے۔ فرشتہ تو اللہ تعالےٰ کی جانب سے خیر کا وعدہ اور اسکے وعدہ کی تصدیق کی خبر سناتا ہے اور شیطان شر کا پیش آنا بتاتا اور حق کو نہ ماننا سکھاتا ہے اور اسکی تصدیق میں آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْہُ وَفَضْلًا (شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات (یعنی بخل) پر برانگیختہ کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے (قصوروں کی) معافی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے) اور جب کسی بندے کو اپنی رحمت سے محروم رکھنا منظور ہوتا ہے تو اس کی اعانت۔ تائید۔ تثبیت (ثابت قدم رکھنا) چھوڑ دیتا اور اس کو نفس کے سپرد کر دیتا ہے کہ جس طرح چاہے کرے) مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جبراً اسے گمراہ بنا دیا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کو ارادہ۔ قدرت عطا فرمایا۔ خیر و شر سے آگاہ کر دیا۔ ہلاکت اور نجات کے سب راستے بتلا دئے

Marfat.com

ہیں۔ اور اس کے بعد اُس کو اس کے نفس کے سپرد کیا ہے کہ جو چاہے کرے۔ اللہ کی طرف سے کسی کام پر جبر نہیں۔ اب اگر کسی شخص کو اپنے کئے پر کوئی تکلیف پیش آئے، تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ قدری نے کہا کہ ارادہ مخصوص جو خاص کام کے صدور کو مستلزم ہے کہ اس کا پیدا کرنیوالا اور محدث بندہ ہے یا اللہ تعالٰے اگر اس کا محدث بندہ ہے تو یہ ہمارا مذہب ہے اور اگر اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے تو یہ جبریہ کا مذہب ہے اور اگر کوئی شخص اُس کا خالق و محدث نہیں تو حوادث کا حدوث بدوں محدِث لازم آیا جو نا جائز اور محال ہے۔ سُنی نے جواب دیا کہ بندے کے خاص خاص ارادے جو مخصوص کاموں سے متعلق ہوتے ہیں اپنے حدوث میں باری تعالیٰ کی خاص خاص مشیت کی طرف جو ان کے حدوث کی موجب ہو محتاج نہیں۔ بلکہ ان کے حدوث کے لیے اللہ تعالیٰ کی وہی مشیت عامہ کافی ہے۔ جس سے بندہ صاحب ارادہ بنایا گیا ہے کیونکہ ارادہ ایک حرکت نفس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندے کو خلقۃً ہی ایسا بنایا کہ اس میں حرکت نفس پیدا کر دی ہے۔ پس یہ ضرورت نہیں کہ ہر ایک ارادہ اور حرکتِ نفس علیحدہ علیحدہ مشیت سے پیدا ہوں۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے جاندار چیزوں کو متنفس بنایا ہے۔ اور حیوانات کا ہر ایک سانس اپنے حدوث میں جداگانہ مشیت کا محتاج نہیں یا جس طرح کہ پانی میں جاری اور سیال ہونے کی صفت رکھدی ہے اور یہ نہیں کہ پانی کا ہر ایک قطرہ اپنے جریان اور سیلان میں خاص خاص مشیت کا محتاج ہو یا جس طرح کہ افلاک کی حرکات، ہواؤں کا مختلف اطراف کو چلنا۔ بارش کے قطرات کا برسنا اس طور پر نہیں، کہ ہر ایک قطرہ اپنے برسنے یا ہر جزو فلک یا ہوا اپنے حرکت کرنے میں نئی نئی اور جداگانہ مشیت کا محتاج ہو۔ پس اسی طرح نفس کے

Marfat.com

ارادے بھی منفرداً اور علیحدہ علیحدہ جداگانہ مشیت کے محتاج نہیں یا جس طرح کہ خالق نے بندے کو متکلم بنایا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ کلام کا ہر ایک حرف نئی نئی مشیت سے پیدا ہو۔

غرض اللہ سبحانہ کی مشیت سے یہ ہوا کہ بندے کو صاحب ارادہ و مشیت بنایا اور یہ مشیت اور ارادہ ضدیں سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ یعنی بندہ خیر و شر ہر ایک کا ارادہ کر سکتا ہے۔ اور جب اُس کو اپنے کسی بندے کو راہِ راست پر لانا منظور ہوتا ہے۔ تو اُس کے ارادہ، مشیت اور دواعی کو معاش و معاد دونوں کی اصلاح کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اور جو کسی کو گمراہ رکھنا منظور ہوتا ہے۔ تو اُس کو اُس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے اور اُس سے اپنی اعانت و امداد کو روک دیتا ہے۔ اور چونکہ نفس بالطبع متحرک اور صاحب ارادہ ہے لہٰذا وہ کسی مراد اور محبوب کو طلب کرتا ہے کہ وہ اس کا معبود اور خداوند ہو۔ پس اگر اللہ سبحانہ کو اپنا معبود و خداوند نہ سمجھے گا۔ تو ضرور کسی اور چیز کو اپنا معبود اور خداوند ٹھیرائیگا۔ کیونکہ حرکت و محبت اُس کی ذات کے لوازم سے ہے۔ پس اگر اپنے حقیقی رب اور خالق سے محبت نہ ہو گی اور نہ اُس کی پرستش اختیار کرے گا۔ تو ضرور کسی اور چیز سے محبت پیدا کرے گا۔ اور اُس کی پرستش کرنے لگے گا۔ اور اسی طرح جب ان کاموں کی طرف متوجہ نہ ہو گا۔ جن سے ان کی معاد کی اصلاح وابستہ ہے تو چونکہ اس کی فطرت اور خلقت بیکار نہیں بنائی گئی لہٰذا ضرور ایسے کاموں میں مشغول ہو گا۔ جو معاد میں اُس کے حق میں مضر اور اُس کی آخرت کو بگاڑنیوالے ہوں گے یہاں پر اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ بندے کی ہدایت اور گمراہی دو تو اللہ تعالےٰ کی مشیت پر موقوف ہیں اور اس کی مشیت بغیر گمراہ نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت کا اُس کی مشیت پر موقوف ہونا اس سے متعلق ہونے کا

Marfat.com

یہ مطلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے اپنے خیالات وارادات میں رہنے دیتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جب ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اُس کے خیالات اور ارادات کو اپنی طرف پھیر لیتا اور قبول ہدایت کے موانع کو اُس سے ہٹا دیتا اور اپنی طرف سے اس کی امداد و اعانت فرماتا ہے اور یہ اعانت و امداد اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ امداد تو سب کے لئے یکساں ہے کہ ہر ایک کو عقل، کان، آنکھ عطا فرمائے سمجھ بوجھ بخشی، انبیاء علیہم السلام کو سب کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اور اسی طرح اپنی کتابیں سب کی تعلیم و ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہیں۔ اس میں اور دوسرے گمراہ افراد میں اتنا فرق ہے کہ اس سے قبولِ ہدایت کے موانع کو روک دیا اور اُن کو ان کے اپنے خیالات میں رکھا، جو اُنکے واسطے راہِ راست پر آئے اور قبول حق سے مانع ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کی مشیت اور قدرت سے واقع ہے۔ موجودات میں سے کوئی چیز اُس کی مشیت۔ قدرت اور تکوین سے باہر نہیں۔ لیکن اُس کی عادت یوں جاری ہے کہ تمام چیزوں کو اسباب اور حکمتوں سے پیدا کرتا ہے۔ اگر فرقہ جبریہ اسباب اور حکمتوں کے قائل ہو جاتے تو اُن پر اس مسئلے کا عقدہ حل ہو جاتا۔ اور فرقہ قدریہ تمام کائنات کی نسبت اگر یہ کہتے کہ سب کچھ اس کی مشیت۔ قدرت۔ اور خلق سے واقع ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کو حکمتوں، مصالح اور غایاتِ محمودہ پر مبنی قرار دیتے تو ان پر بھی یہ مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا۔ اور توفیق اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے ؂

Marfat.com

# اکیسواں باب

## اس امر کے بیان میں کہ قضائے الٰہی شر سے منزہ اور پاک ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (اے پیغمبر! تم (تو یہ) دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو (ہی) جس کو چاہے سلطنت دے اور تو (ہی) جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو (ہی) جس کو چاہے عزت دے اور تو (ہی) جسے چاہے ذلت دے۔ (ہر طرح کی خیر و) خوبی تیرے ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) اللہ سبحانہ اس آیت کے شروع میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مملکت کلی اور اصلی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں۔ اور نیز اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مملکت (ظاہری) جسے چاہے وہی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں کوئی تصرف نہیں۔ غرض مملکت حقیقی کا وہی مالک اور مملکت ظاہری کے عطا کرنے اور اس کے لے لینے میں وہی متصرف ہے۔ اور نیز اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہی جسے چاہے طرح طرح کی عزت بخشتا اور جس کو چاہے اس سے عزت کو دور کر کے ذلت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے اور تمام خیرات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو اس میں کوئی شرکت و اختیار

Marfat.com

نہیں اور اس آیت کو جملہ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پر ختم کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مملکت حقیقی کا وہی مالک اور مملکت ظاہری میں وہی متصرف ہے اور اس کی قدرت تمام چیزوں کو حاوی ہے۔ اور یہ تمام تصرفات اسی کے اختیار میں ہیں۔ اور سب کے سب خیر ہیں۔ اور جس سے چاہے مملکت کو چھین لینا یا جسے چاہے اس کو ذلت میں رکھنا اس کی نسبت سب خیر ہیں گو مملکت کا چھین لینا یا ذلت میں رکھنا اس شخص کی نسبت جس سے مملکت کو چھین لیا یا اس کو ذلت میں رکھا ہے شر اور بُرا ہے۔ مگر اللہ سبحانہ کی نسبت سب خیر ہے کیونکہ یہ تصرفات اس کے عدل۔ فضل حکمت۔ اور مصلحت بینی کے آثار ہیں۔ پس اس کی حکمت و مصلحت کے لحاظ سے سب خیر ہیں۔ ان سب پر وہ قابل حمد اور لائق ثنا ہے۔ اور اس کی ذات پاک شر سے منزہ اور مقدس ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دعائے افتتاح نماز میں ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ثنا کیا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت کے لئے موجود ہوں۔ اور تمام خیرات تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور کوئی شر تیری طرف منسوب نہیں۔ میں تیری ہی توفیق اور اعانت سے نیک کام کر سکتا ہوں۔ اور تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تیری ذات بابرکت اور متعالی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی نسبت شر سے پاک اور منزہ ہے اور جو کچھ اس کی طرف منسوب ہے سب خیر اور برکت ہے اور جو چیز شر ہے وہ اس کی طرف منسوب اور مضاف نہ ہونے کے سبب سے شر اور برائی ہے۔ اگر اس کی طرف منسوب ہو تو وہ شر نہیں۔ چنانچہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ اور اللہ سبحانہ خیر اور شر دونو کا خالق ہے سو شر اس کے بعض مخلوقات میں ہے۔ اس کے فعل اور خلق میں کوئی شر نہیں

Marfat.com

بلکہ اس کا فعل۔ خلق۔ قضا و قدر سب خیر ہیں۔ اور اسی واسطے اللہ سبحانہ ظلم یعنی کسی چیز کو ایسے محل میں رکھنے سے جس کے وہ لائق نہ ہو پاک ہے۔ پس وہ تمام چیزوں کو ان کے مناسب مواقع میں رکھتا ہے لہذا یہ سب خیر ہیں۔ اس کے کسی فعل میں شر موجود نہیں کیونکہ شر کا یہ معنی ہے کہ کسی چیز کو ایسے موقع میں رکھا جائے۔ جو اس کے مناسب نہ ہو۔ سو جب اللہ سبحانہ تمام اشیاء کو ان کے مناسب موقعوں پر رکھتا ہے۔ لہذا اس کا کوئی کام شر نہیں اور نہ کسی شر کو اس کی طرف نسبت کرنا جائز ہے اور اس کے اسمائے حسنٰی اس پر شاہد ہیں۔ چنانچہ منجملہ اسماء حسنٰی کے یہ اسماء ہیں۔ سَلَامٌ۔ عَزِیْزٌ۔ جَبَّارٌ۔ مُتَکَبِّرٌ۔ قُدُّوْسٌ کا یہ معنی ہے کہ وہ تمام شرور۔ نقصانات اور عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ تمام عیوب سے پاک اور تمام ایسی صفات سے جو اس کے شان کے لائق نہیں منزہ ہے اور اہل لغت کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کے اصلی معنی طہارت اور نزاہت کے ہیں چنانچہ بیت المقدس کو بھی اسی وجہ سے مقدس کہا گیا ہے کہ اس جگہ عبادت کرنے سے آدمی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص صرف نماز پڑھنے کے ارادہ سے وہاں جائے اور وہاں نماز پڑھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جس طرح کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن گناہوں سے پاک تھا اور جنت کو خطیرۃ القدس اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آفات و تکالیف دنیا سے پاک ہے۔ اور جبریل علیہ السلام کو روح القدس اس واسطے کہا گیا ہے کہ وہ تمام عیبوں سے پاک ہے اور ملائکہ کے اس قول وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (کہ ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں) میں جو جملہ نقدس لک ہے اس کے بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ کہ ہم اپنے نفوس کو تیرے

Marfat.com

سامنے پاک کرتے ہیں۔ مگر اس کے صحیح معنی یہ ہیں۔ کہ ہم تیری ذات کو ان تمام صفات سے جو تیری ذات کے لائق نہیں منزہ اور پاک جانتے اور تیرا تقدس بیان کرتے ہیں۔ جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ ہم تیری ذات کو اس صفت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ تیری ذات مقدس موصوف ہے یعنی تیری ذات ان تمام عیوب اور آلائشوں سے پاک ہے جو کفار تیری طرف نسبت کرتے ہیں۔ ابو صالح کا قول ہے کہ ہم تیری عظمت اور مجد کو بیان کرتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہم تیری عظمت اور کبریا کو بیان کرتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہم تجھے برائی سے پاک ٹھیراتے ہیں اور اس کو تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی واسطے یہ جملہ دوسرے جملہ نسبح بحمدک کے ساتھ ملایا گیا ہے کیونکہ تسبیح کے یہی معنے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو تمام برائیوں سے پاک اور منزہ قرار دینا۔ میمون بن مہران کا قول ہے کہ سبحان اللہ ایک ایسا کلمہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر اور برائی سے اس کے پاک ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس کا معنے ہے اللہ تعالیٰ کو تمام برائیوں سے پاک ٹھیرانا۔ لغت میں اس کلمہ کا اصلی معنی دور ہونا ہے چنانچہ محاورے میں بولتے ہیں سبحت فی الارض یعنی میں زمین میں دور چلا گیا۔ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (سب اپنے اپنے مدار (یعنی گھیرے) میں (پڑے) تیر رہے ہیں) اسی محاورہ کے موافق ہے۔ غرض جس شخص نے اللہ تعالےٰ کی ثناء اور برائی سے اس کا تقدس بیان کیا۔ تو اس نے اللہ تعالےٰ کی تسبیح کی۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ کا اسم سلام ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ تمام عیوب اور نقائص سے سلامت اور بچا ہوا ہے۔ اور لفظ سلام میں یہ خوبی ہے کہ اس میں بہ نسبت لفظ سالم کے مبالغہ ہے یعنی وہ تمام عیوب سے نہایت بچا ہوا ہے۔ اس اسم کے آثار میں سے یہ بات ہے کہ اس

Marfat.com

کی مخلوق اس کے ظلم سے سلامت اور بچی ہوئی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ ظلم اور شر کے ارادہ اس کے ساتھ موسوم ہونے اس کے کرنے اور اس کی طرف منسوب ہونے سے سالم اور بچا ہوا ہے۔ پس وہ صفات اور افعال اور اسمائے نقص سے سالم اور اپنی مخلوق کو ظلم سے بچانے والا ہے اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے لیلۃ القدر کو فرمایا ہے کہ وہ سلام ہے اور جنت کو دارالسلام فرمایا ہے۔ اور اہل جنت کو دارالسلام فرمایا ہے اور اہل جنت کا تحیہ سلام بتایا ہے۔ اور اپنے نیک بندوں کی صفات میں ذکر کیا ہے وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا اور جب جاہل ان سے (جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کریں) ان سب کے یہی معنی ہیں کہ یہ اشیاء عیوب سے سالم اور بچی ہوئی ہیں اور اسی طرح اس کا اسم کبیر اور متکبر ہے۔ ان کے معنے کے متعلق قتادہ وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اس کی ذات برائی اور سیئات سے بزرگ اور برتر ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ وہ ہر برائی سے پاک اور برتر ہے۔ ابو اسحاق کا قول ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے سے پاک اور بزرگ ہے اور اسی طرح اس کا اسم عزیز ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے لئے عزت کاملہ حاصل ہے۔ اور منجملہ کمال عزت کے یہ بات ہے کہ وہ تمام برائیوں شرور اور عیوب سے پاک ہے کیونکہ شر اور عیب کا موجود ہونا کمال عزت کے خلاف ہے اور اسی طرح اس کا اسم علی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر برائی عیب اور نقصان سے بلند اور پاک ہے منجملہ اس کے کمال علو اور بلندی کے یہ بات ہے کہ کوئی چیز اس پر غالب اور کوئی شے اس کے اوپر نہیں بلکہ سب چیزوں پر وہی غالب اور تمام اشیاء پر وہی فائق ہے اور اسی طرح اس کا اسم حمید ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام محامد کا مستحق وہی ہے۔ پس اس کی کمال محمودیت اس بات کی مقتضی اور موجب ہے کہ کسی شر۔ نقص اور برائی کو اس کی طرف منسوب نہ

Marfat.com

کیا جائے۔ اس کے اسماء۔ صفات اور افعال میں سے کسی کی طرف بھی شر کو نسبت نہ ہو۔ غرض اس کے اسماء حسنیٰ شر۔ ظلم اور برائی کو اس کی طرف منسوب کرنے سے مانع ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بات ہے۔ کہ تمام چیزوں کا خالق وہی ہے۔ بندوں کے ذوات۔ صفات۔ افعال۔ حرکات اور اقوال سب کا خالق وہی ہے اور بندہ جب کسی قبیح اور منہی عنہ کام کو کرتا ہے تو وہ فاعل شر اور کاسب برائی ہوتا ہے۔ اور اس کام کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی اُسے بناتا ہے مگر یہ فاعل بنانا اس کے عدل و حکمت پر مبنی ہے جو سراسر صواب ہے غرض اس کو اس کام کا فاعل بنانا محض خیر ہے۔ گو مفعول شر اور قبیح ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس کے فاعل بنانے میں اپنی حکمت کاملہ سے ایک چیز کو اپنے مناسب موقع پر رکھا ہے جس پر وہ قابل حمد و تعریف ہے غرض فاعل بنانا محض خیر۔ حکمت اور مصلحت ہے گو بندے سے اس فعل کا صدور عیب۔ نقص اور شر ہے۔ اور یہ بات بالکل عقل کے موافق اور مشاہدہ کے مطابق ہے مثلاً دیکھو کوئی ہوشیار کاریگر ایک ٹیڑھی لکڑی یا ٹوٹا ہوا پتھر یا خراب اینٹ لے کر جب ایسی جگہ پر لگائے جو اس کے لائق اور مناسب ہو تو یہ کام اس کی حکمت اور عقلمندی پر دلالت کرتا ہے جس پر وہ قابل مدح و تعریف ہے اگر مکان میں کوئی کجی۔ نقص یا عیب ہو تو اس سے مکان کی خوبی پر دھبا ہے۔ مگر کاریگر کا اس کی کجی میں ٹیڑھی لکڑی لگانا یا شگاف میں ٹوٹا ہوا پتھر جوڑنا یا دراڑ کو اینٹ کے ریزوں سے بھرنا اس کی کمال حکمت اور عقلمندی کی بات ہے کیونکہ جو شخص خراب چیزوں کو ان کے مناسب موقعوں پر رکھے تو یہ اس کی حکمت اور عدل ہے۔ بیوقوفی اور ظلم تو یہ ہے کہ اشیاء کو ان کے نامناسب مواقع میں رکھا جائے۔ پس جو شخص عمامہ کو سر پر رکھے جوتا کو پاؤں میں ڈالے۔ سرمہ کو آنکھ میں لگائے کوڑا کرکٹ کو کوڑے کے ڈھیر پر ڈالے۔ تو اس نے ہر ایک چیز کو اس کے مناسب موقع

Marfat.com

پر رکھا یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے جوتے اور کوڑے کرکٹ پر ظلم کیا کہ ان کو ذلیل جگہ میں رکھا کیونکہ جب ان کی جگہ پاؤں اور ڈھیر ہی ہے۔ تو ان کو اسی جگہ میں رکھنا حکمت اور عدل ہے اللہ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے عدل اور حکیم ہے۔ جن کا مقتضی یہ ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب موقع پر رکھتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ تمام چیزوں کے پیدا کرنے اور ہر ایک کو اس کے مناسب محل میں رکھنے میں محسن۔ جواد۔ حکیم اور عادل ہے۔ خلق اور امر دونو اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ سبحانہ اسی کام کا حکم کرتا ہے جو نافع اور مفید ہو۔ اور مصالح کی تحصیل وتکمیل کا ارشاد فرماتا ہے۔ اور مفاسد کی تقلیل اور ان کے چھوڑنے کا حکم کرتا ہے اور جب دو کام باہم متعارض ہوں تو احسن اور اصلح کو ترجیح دیتا ہے۔ شریعت میں کوئی ایسا مامور بہ کام نہیں کہ جس کے کرنے میں بندے کے حق میں بہ نسبت نہ کرنے کے بہتری نہ ہو اور کوئی منہی عنہ کام ایسا نہیں ہے کہ اس کے نہ کرنے میں بہ نسبت نہ کرنے کے بھلائی نہ ہو۔ یہاں پر اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ جب مامور بہ کا وجود بہ نسبت عدم کے بندے کے حق میں بہتر ہے۔ اس کی مشیت اس کے وجود سے کیوں متعلق نہیں ہوتی۔ اور نیز جب منہی عنہ کا عدم اچھا ہے تو اس کے وجود سے اس کی مشیت کیوں متعلق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت عامہ سے تمہارا یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ مامور بہ کے کرنے اور منہی عنہ کے نہ کرنے میں بندے کے حق میں بہتری ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ بالکل صحیح اور اس پر یہ نقض وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مامور بہ کے کرنے میں بہ نسبت نہ کرنے کے بندے کے حق میں ضرور بہتری ہوتی ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے علم میں یہ ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے سے ایک دوسرا کام جو زیادہ اچھا ہے فوت ہو جائے گا لہٰذا اس کے وجود سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوتی اور اسی طرح منہی عنہ کا نہ کرنا ضرور اس کے حق میں مفید ہوتا ہے لیکن کبھی اس

Marfat.com

کے علم میں یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے سے بندہ فلاں اچھے کام تک پہنچ جائیگا اور یہ اس کے لیئے وسیلہ اور سبب ہو جائے گا۔ لہذا اس کے وجود سے مشیت متعلق ہو جاتی ہے ۔

## تقدیر اور شرع کے مجتمع اور جُدا ہونیکے باب میں انشاءاللہ ہم اس تقریر کو پوری طرح بیان کریں گے ۔

اللہ سبحانہ جس کام کے کرنے کا حکم فرماتا ہے تو وہ اس کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے اور جو کام اس کو محبوب و پسندیدہ ہو۔ اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہوتا ہے۔ اور جن کاموں سے اللہ سبحانہ نے منع کیا ہے وہ کام اس کے نزدیک بُرے اور مبغوض ہیں اور جو کام اس کے نزدیک مبغوض ہیں ان کا عدم ان کے وجود سے بہتر ہے یہ قاعدہ محض افعال کی ذات کی طرف لحاظ کرنے سے ہے اور اس لحاظ سے کہ بعض کام کسی دوسرے اچھے یا بُرے کام کی طرف وسیلہ ہو جاتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے ان کا دوسرا حکم ہے۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کاموں کو اختیار کریں جو احسن اور اچھے ہیں۔ احسن اور اچھے وہی کام ہیں۔ جن کے بجالانے کا اس نے امر فرمایا ہے۔ پس مامورہ کام ان کاموں سے اچھے ہیں جن سے اس نے منع فرمایا ہے اور جس طرح کہ امر اور شرع کے متعلق اللہ سبحانہ کا یہ قانون اور عادت جاری ہے۔ اسی طرح خلق۔ قضا و قدر کی نسبت بھی یہی طریقہ اور عادت ہے یعنی جس چیز کے پیدا کرنے یا جس کام کے کرنے کا اللہ سبحانہ نے ارادہ فرمایا ہے۔ اس چیز کا پیدا کرنا اور اس کام کا کرنا اس چیز کے نہ پیدا کرنے اور اس کام کے نہ کرنے سے بہتر اور اچھا ہے اور اسی طرح جس چیز کے نہ پیدا کرنے یا جس کام کے نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس چیز کا نہ پیدا کرنا

Marfat.com

اور اس کام کا نہ کرنا اس چیز کے پیدا کرنے یا اس کام کے نہ کرنے سے اچھا اور بہتر ہے۔ اور جس چیز کا عدم اس کے وجود سے بہتر ہو تو اس کا وجود شر ہے اور اللہ سبحانہ شر کو نہیں کرتا۔ بلکہ وہ شر سے منزہ اور پاک ہے اور شر اس کی طرف منسوب نہیں اگر کوئی شخص یہ سوال پیش کرے کہ اللہ سبحانہ نے شر کو پیدا کیوں کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پیدا کرنا شر نہیں کیونکہ خلق اللہ سبحانہ کی ایک صفت ہے۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور شر کا اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہونا اور اس کا اس کے ساتھ موصوف ہونا محال ہے۔ اور مخلوق میں جو شر موجود ہے تو یہ اس لئے ہے۔ کہ یہ اس کی طرف مضاف اور منسوب نہیں اور خلق اور فعل اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و منسوب ہے لہٰذا یہ محض خیر ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہو وہ سب خیر ہے۔ اور جس چیز سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوئی وہ اپنے عدم اصلی پہ باقی اور شر ہے کیونکہ تمام شر عدم ہیں اور ان کا سبب یا تو بندے کی جہالت یعنی عدم علم ہے یا ظلم یعنی عدم عدل ہے اور بندے کو شر کے کرنے پہ جو تکلیفیں پیش آتی ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ اس کا مادہ خیرات اور لذات کے قبول کرنے کے لئے قابل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی یہ استفسار کرے کہ بعض لوگ یوں کہتے ہیں۔ کہ خیرات سب کے سب وجود اور اس کے لوازم میں سے ہیں اور شرور جتنے ہیں وہ سب عدم اور اس کے لوازم میں سے ہیں۔ اور وجود خیر ہے اور شر محض عدم ہی کا نام ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کلام میں اجمال ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ سبحانہ نے پیدا کیا ہے اس کے پیدا کرنے میں خیر ہے اور اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہے اور جس چیز کو پیدا نہیں کیا ہے اس کے پیدا کرنے میں خیر ہے اور اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہے۔ اور جس چیز کو پیدا نہیں کیا۔ تو وہ اپنے اصلی عدم پہ باقی ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں کیونکہ اگر اس میں خیریت اور بہتری ہوتی تو اس کو ضرور

Marfat.com

پیدا کرتا۔ اس لئے کہ تمام خیرات اسی کے ہاتھ میں ہیں تو یہ صحیح ہے کیونکہ جو چیزیں معدوم ہیں۔ اور ان کے وجود سے اللہ سبحانہ کی مشیت متعلق نہیں ہوئی وہ شر ہیں اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں وجود کو لازم ہوں وہ سب خیر اور جو عدم کو لازم ہوں وہ تمام شر ہیں۔ تو یہ صحیح نہیں کیونکہ کبھی وجود کو شر مرجوح اور عدم کو خیر راجح لازم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آگ۔ بارش۔ گرمی۔ سردی۔ ژالہ باری۔ برف اور حیوانات کا وجود کہ یہ سب موجود چیزیں ہیں کہ ان کو شر جزوی جو بہ نسبت ان خیرات کے جو ان کے وجود میں پائے جاتے ہیں بہت کم اور مرجوح ہوتا ہے۔ لازم آجاتا ہے مثلاً بارش میں ہزاروں منافع ہیں۔ مگر اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی بیکس بیوہ کا مکان گر جاتا ہے اور اسی طرح مامور بہ کاموں کے ادا کرنے میں تھوڑی سی تکلیف و مشقت پائی جاتی ہے جو بہ نسبت ان خیرات کے جو ان کے اندر رکھے گئے بہت کم ہوتی ہے۔

**فصل ۱۰** اس مسئلہ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ شر دو قسم ہے ایک شر محض حقیقی جو من کل الوجوہ شر ہے دوسرا شر اضافی جو من وجہ شر اور من وجہ خیر ہے ان میں سے قسم اول کا وجود نہیں۔ کیونکہ اگر اس کا وجود ہو تو وہ شر محض نہیں ہوگا۔ اور قسم دوم موجود ہوتا ہے اور جس امور کو شر کہا جاتا ہے۔ ان کے دو قسم ہیں امور عدمیہ اور امور وجودیہ۔ پھر امور عدمیہ کے چار قسم ہیں اول یہ کہ کسی چیز کے وجود کے لئے جو ضروری امور ہیں ان کا عدم ہو۔ دوم یہ کہ کسی چیز کے دوام و وجود بقا کے لئے جو ضروری امور ہیں ان کا عدم ہو۔ سوم یہ کہ کسی چیز کے کمال کے لئے جو ضروری امور ہیں ان کا عدم ہو۔ چہارم یہ کہ ایسے امور کا عدم ہو جو کسی چیز کے وجود۔ بقا یا کمال کے لئے ضروری نہیں۔ گو ان کا وجود اس چیز کے حق میں ان کے عدم سے بہتر ہو۔ پس یہ تمام چار قسم ہیں۔ قسم اول یعنی ان امور کی مثال جو کسی چیز کے وجود کے لئے ضروری ہیں مثلاً حس و حرکت اور تنفس ہے جو حیوانات کے وجود کے لئے ضروری ہے قسم دوم کی مثال غذا کا کھانا اور

Marfat.com

نشو و نما پانا جو حیوانات کے بقا کے لیئے ضروری ہے قسم سوم کی مثال قوت صحت۔ سمع و بصر جو حیوانات کے کمال کے لیئے ضروری ہے۔ قسم چہارم کی مثال دقائق علوم کو معلوم کرنا کہ جن کا علم جہل سے اچھا ہے۔ گو یہ ضروری نہیں۔ اور امور وجودیہ جو من وجہ شر ہیں۔ وہ تمام چیزیں ہیں جو اشیاء کے حیات۔ بقا اور کمال کے لیئے مضر اور مخالف ہیں مثلاً امراض اور ان کے اسباب اور جیز وہ چیزیں جو حصول خیرات اور محل قابل ہیں ان کے پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں۔ مثلاً ردّی مادے جو غذا کو اعضائے بدن تک پہنچنے اور اس کا فائدہ حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔ یا باطل عقیدے اور فاسد خیالات جو صحیح علوم اور سچے عقائد حاصل کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ امور جو کہ اشیاء کے وجود بقا یا کمال کے لیئے ضروری ہیں۔ ان کا عدم اور نہ ہونا شر بالذات ہے۔ اور اس عدم کے لیئے کئی ایک لوازم وجودی ہیں جو وہ بھی شر ہیں۔ کیونکہ عدم علم کو جہل اور عدم کو ظلم لازم ہے۔ جو شر اور وجودی امور ہیں اور عدم صحت و اعتدال کو درد اور تکلیف لازم ہیں۔ جو شر اور وجودی چیز ہیں۔ اور ان امور کا عدم جو حیات۔ بقا یا کمال کے لیئے ضروری نہیں۔ جیسے کثرتِ مال یا ایسے علوم کا نہ ہونا جن کا نہ جاننا مضر نہیں تو یہ عدم درحقیقت شر نہیں اور نہ اس کا وجود شر کا سبب ہے کیونکہ علم اور کثرتِ مال بذاتِ خود شر کے سبب نہیں، بلکہ بعض دیگر صفات جو باعث خیر ہیں مثلاً۔ عفت۔ صبر۔ اور عدل ان کے نہ ہونے سے غنیٰ اور کثرت مال وسیلہ شر ہو جاتے ہیں اور اسی طرح حکمت اور سلیقہ دانی کے نہ ہونے سے علم موجب شر ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شر صرف عدم پر مترتب ہوتا ہے اور موجود اپنے موجود ہونے کے لحاظ سے نہ تو شر ہے اور نہ باعث شر ہے پس امور وجودیہ بذات خود شر نہیں بلکہ وہ بالتبع۔ بالعرض اور اس وجہ

Marfat.com

سے شر ہوتے ہیں کہ وہ ایسے امور کے عدم کو متضمن ہوا کرتے ہیں۔ جو کہ نافع یا ضروری ہوں۔ کوئی فعل شر ایسا نہیں ہے جو کسی دوسرے امر کے لئے کمال نہ ہو جس لحاظ سے وہ کمال ہے۔ اس لحاظ سے شر بھی نہیں بلکہ بعض اور امور کے لحاظ سے وہ شر ہے مثلاً ظلم جو قوت غضبیہ سے صادر ہوتا ہے اس قوت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان دوسرے پر غالب ہو اور اس کا کمال اسی میں متصور ہے۔ اور اسی واسطے خالق نے اس کو پیدا کیا ہے۔ پس اس کا اثر یعنی قہر اور غلبہ اگر اس پر مترتب ہو تو موجود ہونے کے لحاظ سے اس میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اس کے اثر کا اس پر مترتب نہ ہونا شر اور بُرا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ قوت عاجز۔ ضعیف اور مقہور ہو گی۔ بلکہ ظلم اس وجہ سے شر ہے کہ اس میں مظلوم کی جان یا مال کا نقصان پایا جاتا ہے۔ کہ ظالم نے اپنے قوت اور غلبہ کو اپنے موقع پر ظاہر نہیں کیا۔ غرض قوت اور غلبہ کے ظاہر کرنے میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اس کو بے موقع ظاہر کرنے میں شر ہے اگر یہی قوت اور غلبہ موذی جانوروں اور تکلیف دینے والے اور ظالم آدمیوں کے زیر کرنے میں خرچ کیا جاتا تو یہی خیر ہوتا لیکن بے موقع خرچ کرنے سے کہ عدل و انصاف کے بجائے قہر و غلبے کو اور رحمت اور شفقت کے بجائے سختی اور تندی کو صرف کیا۔ لہٰذا اس میں بُرائی پائی گئی۔ قوت غضبیہ بذات خود یا اس پر اس کے اثر یعنی قہر و غلبے کا مترتب ہونا فی نفسہٖ شر اور بُرا نہیں بلکہ اس کے اثر کو بے موقع ظاہر کرنا بُرا ہے اور اس کی مثال اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ ایک نہر کا پانی ایک زمین کو سیراب کرتا ہے جس سے اس میں طرح طرح کی زراعت اور مفید چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور ان سے آدمیوں اور دوسرے جانوروں کو فائدہ پہنچتا ہے پس اس پانی کا کمال اور خوبی یہی ہے کہ اس نہر کے راستے سے اس زمین کو سیراب کرے۔ اور اگر وہ راستہ چھوڑ

Marfat.com

کر ایک دوسرے راستے سے جاری ہونے لگے۔ اور ایسی زمین میں پہنچ جائے جس کے لیئے اس پانی کا جانا مضر ہو۔ اور وہاں کے گھروں اور مکانات کو گرا دے تو پانی کی ذات میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اپنا راستہ چھوڑنے اور مقرر جگہ پر نہ پہنچنے سے شر پیدا ہوا۔ اسی طرح یہ ارادہ اور قوت غضبیہ ہیں کہ یہ انسان میں اس لیئے پیدا کیئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے اپنی نافع اور مفید چیزیں حاصل کرے اور اپنی مہلک اور موذی چیزوں سے بچے اور ان پر غالب آ جائے۔ پس اگر ان کو اسی کام میں جس کے لیئے یہ پیدا کیئے گئے ہیں۔ خرچ کیا تو یہ عین کمال اور خیر ہے اور اگر ان کو اپنے موقع پر خرچ نہ کیا تو اس میں شر پایا جائے گا۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ پس اگر ایسی چیزوں کو جلائے جن کا جلانا ضروری یا مناسب ہو تو یہ خیر اور خوبی ہے اور اگر ایسی چیزوں کو جلا دے جن کے جلنے سے آدمی کو نقصان پہنچے تو ان چیزوں کے لحاظ سے یہ شر اور برائی ہے اور اسی طرح قتل اور خونریزی ہیں بذات خود کوئی شر اور خرابی نہیں کیونکہ قتل آلہ تیز اور قاطع کو اس طور پر استعمال کرنے کا نام ہے۔ جس سے بدن کے اجزا متفرق ہو جائیں پس اس میں بذات خود کوئی چیز شر نہیں۔ قاتل میں اس قوت کا موجود ہونا جس سے وہ آلہ قتل کو استعمال کر سکے اس کا کمال اور خوبی ہے۔ آلہ قتل کا تیز اور قاطع ہونا اس کی عمدگی اور کمال ہے بلکہ قتل میں شر اس وجہ سے پیدا ہوا کہ قوت کو اپنے موقع پر صرف نہیں کیا گیا۔ اگر اسی قوت اور اسی آلہ سے کسی موذی چیز کو مارا جاتا تو یہ خیر و خوبی کی بات تھی۔ یہ تو قاتل اور فاعل کے لحاظ سے ہے کہ قتل بذات خود شر نہیں بلکہ ایک دوسری وجہ سے اس میں شر پایا گیا۔ اور اسی طرح مقتول کے لحاظ سے اس وجہ شر ہے کہ اس کو تکلیف ہوئی۔ اور اس کی جان جاتی رہی۔ لیکن اس کے حق میں کسی دوسری وجہ سے خیر ہو سکتا ہے اور اسی طرح وطی کرنا فی نفسہ برا نہیں۔ لیکن اس فعل کو غیر محل میں

Marfat.com

کرنا بُرا ہے۔ اسی طرح حرکت لسان اور بولنا بذاتِ خود شر اور بُرا نہیں۔ بلکہ بے موقع اور بے محل کلام کرنے سے برائی پیدا ہوتی ہے۔ تمام جوارح اور اعضا کے افعال وحرکات کا یہی حال ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ امور وجودیہ اپنے وجود اور ذات کے لحاظ سے شر نہیں۔ بلکہ اور چیزوں کے لحاظ سے ان میں شر اور بُرائی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح سجدہ کرنا فی نفسہ اور بذاتِ خود بُرا نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے آگے سجدہ کرنے سے اس میں شر اور بُرائی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے واسطے مخصوص فرمایا ہے تو کسی دوسرے کے آگے سجدہ کرنا ہرگز درست نہیں تمام افعال کفر و شرک کا یہی حال ہے کہ وہ بذاتِ خود بُرے نہیں مثلاً تعظیم بذاتِ خود بُری نہیں لیکن جب اس کو بتوں کے سامنے کیا جائے تو یہ کفر اور شرک ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہ اس کی کتاب رسول اور اس کے دین کی تعظیم کی جائے تو عبادت اور خیر محض ہے اور یہی تعظیم جب شیطان اور بتوں کی ہو تو شر اور کفر ہے غرض محل کے تعلق اور اضافت سے اس میں خیر یا شر پیدا ہوتا ہے :

**فصل ۱۰۔** اس مقام میں یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ ان مادی چیزوں میں جو وقتاً فوقتاً حادث اور پیدا ہوتی ہیں۔ دو طرح کا نقص جسے شر کہا جائے پیدا ہوتا ہے ایک وہ نقصان جو ابتدائے خلقت میں ہوتا ہے۔ دوسرا جو پیدا ہونے کے بعد عارض ہوتا ہے۔ وہ نقص جو ابتدائے خلقت میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مادے کو ایسے عوارض و اسباب لاحق ہوتے ہیں کہ وہ اس کو ردی اور ناقص الاستعداد بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا اس کی خلقت میں نقص اور شر پایا جاتا ہے اور اس نقصان کی یہ وجہ نہیں ہے کہ فاعل نے ان کو اپنے فیض سے محروم رکھا اور کسی وجودی چیز کو جس سے ان کا کمال منصور تھا دور کر دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے

Marfat.com

کہ ان کا مادہ ہی کمال و تمامیت کے قابل نہیں ہوتا اور مادے کا قابل و مستعد نہ ہونا یہ ایک عدمی امر ہے فاعل سے اس کو کوئی تعلق نہیں فاعل کا فعل تو محض خیر ہے۔ جو کچھ نقص اور شر ہے وہ عدم قابلیت سے ہے اور اسی تحقیق سے اللہ تعالٰی کے اس قول مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (دیکھنے والے بھلا تجھ کو (خدائے) رحمٰن کی (اس) صنعت میں کوئی کور کسر دکھائی دیتی ہے) کا راز معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا فعل اور خلق ایک وجودی چیز ہے جس سے مخلوق کا کمال اور تمامیت منصور ہے اور جو نقص اور عیب ہے وہ اس کے مادہ کی عدم قابلیت سے ہے اور عدم قابلیت اللہ تعالٰی کی مخلوق نہیں یہ ایک عدمی چیز ہے۔ اور خلق جو وجودی ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ تفاوت صرف اس قدر ہے کہ بعض اشیاء جن کے مادے قابل و مستعد نہ تھے ان کے لیے اللہ سبحانہ نے استعداد کو پیدا نہیں کیا پس تفاوت عدم خلق کی وجہ سے پیدا ہوا نہ کہ خلق سے جو کہ اللہ سبحانہ کی صفت ہے اور اس کی طرف منسوب ہے اور عدم خلق کا اللہ تعالٰی فاعل نہیں تاکہ یہ اس کی طرف منسوب ہو سکے۔ غرض جب نطفہ شکم میں ہو۔ اور اس کے اندر وہ استعداد حاصل نہ ہو جو اس کے کمال۔ سلامت اعضا اور اعتدال کی مقتضی ہے۔ تو اس کی فطرت اور خلقت میں تفاوت اور نقص ہو گا۔ نباتات وغیرہ دوسری چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔

**فصل**۔ وہ نقصان جو اشیا کے پیدا ہونے کے بعد ان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی دو قسم ہیں ایک یہ کہ ان کو وہ امداد نہ پہنچنے سے جو ان کے کمال کا باعث تھی نقص پیدا ہو مثلاً نباتات کو پانی اور حیوانات کو غذا نہ ملنے سے ان میں نقص پیدا ہو جائے۔ تو یہ نقص بھی ایک عدمی چیز کا اثر ہے دوم یہ کہ کوئی مخالف اور منافی چیز پیدا ہونے سے نقص پیدا ہو۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ محل میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جو اسباب صالحہ کی تاثیر کو روک دے جیسے کہ بدن میں وہ ردّی اخلاط پیدا ہو جائیں

Marfat.com

جو غذا کی تاثیر اور اس کے نفع کو روک دیں یا دل میں ایسے فاسد خیالات اور باطل عقائد پیدا ہو جائیں جو ہدایت اور علم سے منتفع ہونے سے مانع ہو جائیں۔ نقص اور شر کا ہر قسم اگرچہ بظاہر خود بھی وجودی ہے اور اس کے اسباب بھی وجودی ہیں مگر درحقیقت یہ بھی اس قوت اور ارادہ کے عدم کا نتیجہ ہے جن سے یہ موانع دفع ہو سکتے تھے۔ اگر وہ قوت اور ارادہ جو ان کو دفع کر سکتے تھے موجود ہوتے تو یہ محل ان موانع سے کبھی متاثر نہ ہوتا۔ مثلاً اخلاط ردیہ کا غلبہ اس وجہ سے ہوا کہ قوت منضجہ یا قوت دافعہ موجود نہ تھی۔ ورنہ اول تو قوت منضجہ ان کو نضج دے کر حد اعتدال پر لاتی یا قوت دافعہ ان کو بدن سے باہر نکال دیتی اور اسی طرح خیالات فاسدہ اس وجہ سے غالب ہو جاتے ہیں۔ کہ قوت عفت اور صبر میں کمی اور ضعف ہوتا ہے۔ اور باطل عقیدے اس واسطے مستولی ہو جاتے ہیں۔ کہ حقیقی اور واقعی طور پر علم حاصل نہیں ہوتا۔ غرض ہر ایک شر اور نقص کا وجود اس کی ضد کے عدم اور نہ ہونے سے پایا جاتا ہے اور ضد کا معدوم ہونا چونکہ ایک عدمی امر ہے لہذا یہ اللہ سبحانہ کا مخلوق نہیں بلکہ عدم ضد کے وجود کے لئے کسی پیدا کنندہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا وجود یہی ہے۔ کہ ضد کا وجود حاصل نہ ہو اور وہ اپنے عدم اصلی پر باقی رہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خارج سے کچھ ایسے امور و موانع پیش آ جائیں جو اشیا کو کمال سے روک کر ان میں نقص پیدا کر دیں یا بالکل فاسد اور بیکار بنا دیں۔ مثلاً حد سے زیادہ سردی۔ آگ لگ جانا۔ پانی میں ڈوب جانا وغیرہ ایسے امور پیش آ جانے سے حیوانات اور نباتات میں کبھی نقصان ... ہو جاتا ہے شر کا یہ قسم وجودی اور اس کا سبب بھی وجودی ہے لیکن یہ شر من کل الوجوہ شر نہیں۔ بلکہ بعض وجہ سے شر اور بعض وجہ سے خیر ہے۔ کیونکہ سردی۔ پانی۔ آگ میں وہ خوبیاں اور مصالح کلیہ موجود ہیں جن کی نسبت یہ شر بہت ہی کم اور حقیر ہے۔ پس اس شر جزوی سے بچنے کے لئے ان تمام مصالح و خیرات کو نظر انداز کر دینا اس شر سے زیادہ برا اور مذموم ہے۔ کیونکہ آفتاب

Marfat.com

کی حرارت۔ ہواؤں کے چلنے۔ بارش برسنے۔ ژالہ باری۔ گرمی اور سردی میں مخلوق کے وہ مصالح و منافع پائے جاتے ہیں جو بہ نسبت ان جزوی نقصانات کے جو ان ہی چیزوں سے پیدا ہوں کئی گنے زیادہ ہوتے ہیں پانی کے ایک قطرہ کو سمندر سے کیا نسبت ہے ان خیرات و مصالح کے سامنے ان جزوی نقصانات کو یہی نسبت ہے جو پانی کے ایک قطرہ کو سمندر سے ہے۔ یہ نسبت بھی تب صحیح ہو سکتی ہے۔ کہ وہ نقصان شر محض ہوں۔ اور جب ان میں بھی من وجہ خیر موجود ہو تو پھر یہ نسبت بھی صحیح نہیں۔ ان نقصانات میں جو خیر و خوبی پائی جاتی ہے۔ گو اُس کو اکثر آدمی نہیں سمجھ سکتے مگر اللہ سبحانہ نے ان کو بھی بیکار اور فضول نہیں بنایا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشیائے وجودی کے کئی اقسام ہو سکتے ہیں۔ اوّل خیر محض جو من کل الوجوہ خیر ہوں۔ دوم شر محض جو جمیع وجود سے شر ہوں۔ سوم وہ جو من وجہٍ خیر اور من وجہٍ شر ہوں۔ اس تیسرے قسم کی پھر تین صورتیں ہیں اوّل یہ کہ اس کی خیریت اُس کی شر پر راجح ہوں۔ دوم یہ کہ اُس کی برائی اس کی بہتری سے غالب اور زیادہ ہو۔ سوم یہ کہ اس کی برائی اور بہتری دونوں برابر اور یکساں ہوں۔ چہارم یہ کہ خیر اور شر کچھ نہ ہوں۔ اور یہ تمام چھ اقسام ہیں ان کے علاوہ کوئی قسم نہیں۔ بعض ان میں سے موجود اور ثابت ہیں اور بعض موجود نہیں۔ قسم اول جو من کل الوجوہ خیر محض ہے اور اس میں کسی قسم کا شر نہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس ہے جو تمام چیزوں سے علی الاطلاق اور جمیع وجوہ سے اشرف۔ اکمل اور بزرگتر ہے۔ سلسلۂ ہستی میں جتنے کمالات اور خوبیاں نظر آتی ہیں۔ یہ اسی کے کمال اور جلال کا ظل اور نمونہ اور اسی کے فیض و عطا کا ظہور اور کرشمہ ہیں۔ تمام چیزیں اس سے امداد و اعانت کی خواستگار ہیں۔ اور اس کو کسی کی اعانت کی حاجت نہیں سب چیزیں اسی کی محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں تمام مخلوق اس سے اپنے کمال کا سوال کرتی ہے ملائکہ سے لے کر اشجار اور نباتات تک سب اپنے

Marfat.com

کمال کا اس سے سوال کرتے ہیں۔ ملائکہ عبادت۔ ذکر تسبیح و تہلیل کا سوال کرتے ہیں۔ جس پر ان کی حیات کا دارومدار ہے اور نیز یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے۔ ذکر۔ شکر حسن عبادت۔ اور اپنے اوامر کی تنفیذ اور جاری کرتے میں اور عالم علوی اور سفلی کے متعلق جو کاروبار ان کے سپرد ہیں ان کی بجا آوری میں ان کی اعانت فرمائے اور نیز بنی آدم کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام یہ سوال کرتے ہیں کہ اداے رسالت اور تبلیغ احکام میں ان کی اعانت فرمائے اور ان کے دشمنوں پر انہیں نصرت بخشے اور معاش اور معاد کے تمام مصالح اور ضروریات کا اسی سے سوال کرتے ہیں۔ بنی آدم باوجودیکہ مختلف اور خیالات اور متفاوت الحالات ہیں مگر سب کے سب اپنے ضروریات کے اسی سے خواستگار ہیں۔ اسی طرح دوسرے حیوانات بھی اپنا رزق۔ غذا۔ قوت۔ اور وہ چیزیں جن سے ان کی زندگی کا بقا ہے۔ اسی سے مانگتے ہیں۔ اور نیز اپنی مضر چیزوں کی مدافعت اور ان سے بچاؤ کے لئے خدا تعالیٰ ہی سے سوال کرتے ہیں۔ بلکہ درخت اور نباتات بھی اپنی غذا اور وہ چیزیں جن سے ان کا کمال متصور ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ غرض تمام کائنات زبان حال اور قال سے اسی کی اعانت و امداد کی خواستگار ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (جتنی مخلوقات آسمانوں میں) اور زمین میں ہے (جو اس کو درکار ہے سب ہی تو) اس سے مانگتے ہیں (وہ معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ) ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں رہتا ہے) جملہ عالم طلب اور سوال کے ساتھ اس کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہر وقت کھلا اور کشادہ ہے۔ یعنی بخشش اور عطا فرما رہا ہے اس کے ہاتھ میں اس قدر خزانے ہیں کہ دن رات ہر وقت خرچ کرتا اور اپنے بندوں کو نعمتیں عطا فرماتا ہے مگر وہ کچھ کم نہیں ہوتے۔ اس کی عطا اور بخشش نیک بندوں اور گناہگاروں

Marfat.com

سب کو شامل ہے۔ اسی کی ذات جمیع کمالات کی جامع اور اسی کے ہاتھ میں جملہ خیرات ہیں۔ تمام محامد اور تعریفیں اسی کے واسطے شایان ہیں۔ سب کاموں کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے اسماء۔ اوصاف۔ افعال اور ذات سب بابرکات ہیں۔ سب برکتیں اور خیرات اس کی طرف سے ہیں۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا سوال کرے اس کی بارگاہ میں اس کو پورا کرنا کوئی دشوار نہیں۔ اور اس کے خزانوں میں خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی۔ جہان میں جتنے کمالات ہیں اگر سب کے سب ایک جگہ جمع ہوں اور پھر یہ جملہ کمالات ہر ایک شخص میں پائے جاتے ہیں تب بھی ان کو باری تعالیٰ کے کمالات سے وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک ٹمٹماتے چراغ کو آفتاب سے ہے۔

**فصل**۔ شر کی باقی پانچ قسموں میں سے صرف وہ ایک قسم موجود ہے جس کے ایجاد میں خیر۔ مصلحت اور حکمت اس کے نقصان پر غالب ہے اور باقی چار اقسام کا وجود نہیں۔ اور وہ امور جو شر محض ہیں۔ ان میں کسی وجہ سے خیر نہیں۔ ان کا کوئی وجود اور حقیقت نہیں۔ بلکہ وہ عدم محض ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے۔ کہ ابلیس کا وجود۔ کفر اور شرک یہ تمام چیزیں شر محض ہیں۔ ان کے وجود میں کونسی خیر اور بہتری ہے اور پھر یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس کے پیدا کرنے میں وہ حکمتیں۔ مصالح اور خیرات موجود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معلوم نہیں۔ اور جو مصالح اس کے موجود ہونے پر مترتب ہیں۔ خالق کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں۔ اور ہم بعض ان مصالح کو جو ابلیس کے وجود میں متصور ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ اللہ سبحانہ نے ابلیس کو عبث اور فضول نہیں بنایا اور نہ اُس کے پیدا کرنے سے بندوں کا ضرر اور ان کو تباہ کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی بہت سی حکمتیں باہرہ۔ حجج قاہرہ۔ آیات ظاہرہ۔ اور نعمتیں کاملہ مخفی اور

Marfat.com

اور پوشیدہ ہیں۔ ابلیس کا وجود دین اور ایمان کے حق میں اگرچہ ایسا مضر ہے جیسا زہریلی چیزوں اور سمیات کا وجود ابدان کے لئے مضر ہے۔ مگر تاہم سمیات کے پیدا کرنے میں دو حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جو ان کے نہ پیدا کرنے میں متصور نہیں۔ اور ان مصالح اور حکمتوں کے لحاظ سے اُن کا وجود ان کے عدم سے بہتر اور خیر ہے۔ وہ امور جن میں خیر اور شر دونو مفقود ہیں وہ بھی موجود نہیں کیونکہ ان کا وجود عبث ہے اور اللہ تعالیٰ عبث کے پیدا کرنے سے پاک ہے۔ اور جب ایسے امور کا وجود نہیں تو وہ امور جن کے پیدا کرنے میں بہ نسبت خیر کے شر زیادہ ہے تو وہ بطریق اولیٰ موجود نہیں۔ جو شخص غور و فکر سے کام لے تو اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو امور موجود ہیں گو بعض اُن میں سے بظاہر شر ہیں لیکن ان کے وجود میں بھی (جو بظاہر شر معلوم ہوتے ہیں) بہ نسبت شر کے خیر اور مصلحت غالب ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ امور خیر کا وجود شر سے زیادہ ہے۔ دیکھو امراض اگرچہ بکثرت موجود ہیں مگر صحت ان سے زیادہ موجود ہے۔ لذات بہ نسبت مکروہات اور عافیت بہ نسبت تکالیف و بلا زیادہ ہے۔ پانی میں ڈوب جانا۔ آگ سے جل جانا۔ دیوار یا کسی اور چیز کے نیچے دب کر مر جانا۔ وغیرہ اس قسم کے عوارض اگرچہ بکثرت موجود ہیں۔ مگر سلامتی بہ نسبت ان کے زیادہ موجود ہے ایسے امور کا وجود جن میں بہ نسبت شر کے خیر غالب ہے۔ اگر نہ ہو تو وہ خیر جو ان کے وجود پر مترتب اور بہ نسبت شر کے زیادہ اور غالب ہے فوت ہو جائے۔ اور خیر کثیر کا فوت ہونا شر ہے۔ مثلاً آگ کے وجود میں بہت سے منافع موجود ہیں اور ساتھ ہی اس کے کچھ نقصان بھی ہیں۔ لیکن جب ان منافع اور مفاسد کو باہم مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو یہ مفاسد ان منافع سے بہت ہی کم ہیں بلکہ ان کو ان سے کچھ نسبت نہیں۔ اور اسی طرح بارش کے برسنے۔ ہواؤں کے چلنے۔ گرمی۔ سردی وغیرہ کا

Marfat.com

حال ہے۔ غرض عالم سفلی کے جملہ عناصر میں خیر اور شر دونو ملے جلے ہیں۔ لیکن ان کی خیر شر پر غالب ہے۔ اور عالم علوی محض خیر پر مشتمل ہے۔ اس میں کسی قسم کا شر نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے۔ کہ خالق حکیم نے عالم سفلی کو بھی اس طور پر کیوں نہ پیدا کیا کہ اس میں کسی قسم کا شر نہ ہوتا اور اس کی تمام چیزیں خیر محض ہوتیں۔ اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ اس کی حکمت کا یہی تقاضا ہوا کہ اس عالم کو اس طور پیدا کرے کہ جس میں لذت تکلیف کے ساتھ اور خیر شر کے ساتھ مخلوط ہو۔ تو اس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کو عالم علوی کی طرح ایسے طور پر بھی پیدا کر سکتا تھا کہ جس میں بالکل کوئی شر نہ ہوتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس چیز کے وجود میں بہ نسبت شر کے خیر اور خوبی زیادہ اور غالب ہو اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر اور اولٰی ہے۔ لیکن یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام برائیوں کی جڑ۔ جملہ شرور کے منبع۔ اور اہل شر کے اول پیشوا یعنی ابلیس کے وجود میں کونسی مصلحت اور خیر ہے اور پھر اس کو قیام دنیا تک باقی رکھنے میں کیا خوبی ہے۔ اور نیز ایسے عالم کے قائم کرنے میں جس میں فیصدی ننانوے آدمی تو دوزخ میں جھونکے جائیں۔ اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں۔ اور فیصدی ایک آدمی جنت اور عیش و آرام میں ہو۔ کونسی خوبی اور خیر غالب ہے اور نیز آدم اور حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے جنت سے نکالنے اور ان کی اولاد کو طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرنے میں کیا خوبی ہے۔ اگر وہ جنت سے نہ نکالے جاتے اور ہمیشہ وہیں رہتے تو کسی شر کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ ان کو جنت سے نکال کر ان میں سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جو اس کی عبادت کریں۔ تو اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔ تو پھر بہت سے لوگوں کو اپنی عبادت سے کیوں ہٹا دیا۔ اور تھوڑے سے لوگوں کو اپنی عبادت کی توفیق بخشی۔ اور کفر فسق

Marfat.com

عصیان. ظلم. تعدی وغیرہ ایسے امور کے پیدا کرنے میں کیا خوبی اور خیر ہے. اور نیز بچوں اور دیوانوں کو جو اہل تکلیف نہیں۔ دنیا میں درد دکھ پہنچانے میں کیا خیر و خوبی ہے. اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ دنیا میں اس لئے ان کو دکھ درد ہوتا ہے کہ آخرت میں ان کو اس کا ثواب اور بدلہ حاصل ہو۔ تو اس پر بہائم سے نقض ہوسکتا ہے کہ ان کو جو دنیا میں تکلیف ہوتی ہے. اس کا بدلہ اُن کو کہاں ملے گا. اور نیز دجال کے پیدا کرنے اور اس کو طرح طرح کے خوارق عادت دے کر مسلمانوں کو اس کے فتنے میں مبتلا کرنے میں کونسی خیر و خوبی ہے اور سحر اور اس پر جو مفاسد اور نقصان مترتب ہوتے ہیں ان کے پیدا کرنے میں کیا خیر و خوبی ہے. اور نیز مخلوق کے منفرق گروہ بنانے اور بعض کے دلوں میں بعض کا خوف ڈال دینے میں کیا خیر و خوبی ہے اور نیز. زہر. زہریلے موذی اور حملہ کرنیوالوں جانوروں اور زہریلی چیزوں کے پیدا کرنے میں کونسی خیر و خوبی ہے. اور انسان کو ایک اچھی خلقت اور بناوٹ میں پیدا کرنے کے بعد پھر اس کو فنا کر دینے اور مضبوط قوی بنانے کے بعد ضعیف اور کمزور کر دینے میں کیا خیر و خوبی ہے. اور اسی طرح اس عالم کو فنا کر دینے اور اس کے اثر کے مٹا دینے میں کیا خیر و خوبی ہے. اگر اس کے وجود میں بہ نسبت شر کے خیر غالب اور راجح ہے تو پھر اس کے فنا کرنے میں اس خیر کو مٹا دینا ہے اور خیر غالب کا معدوم کرنا اور مٹانا مذموم ہے. ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ پوچھتے ہیں کہ دوزخ کے پیدا کرنے میں جو تمام مصائب. آفات اور تکالیف کا گھر ہے کونسی خیر راجح یا مرجوح ہے۔ تمہاری جانب سے ان سوالات کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا. کہ یا تو حکمت اور تعلیل کو چھوڑ کر یہ کہا جائے کہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی مشیت سے ہوتا ہے محض اس کی مشیت ہے ان کی علت اور لم ہے اس کے علاوہ ان چیزوں میں کوئی دوسرے مصالح یا حکمتیں موجود نہیں یا یہ کہا جائے

Marfat.com

کہ اسباب و شرائط کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر اشیاء کا پیدا کرنا واجب اور ضروری ہے اور وہ اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے افعال صادر نہیں کرتا. بلکہ وہ ان کے صدور میں مجبور ہے۔ اور یہ سوال ان لوگوں پر وارد ہوتے ہیں. جو اللہ سبحانہ کو فاعل مختار مانتے ہیں. اسی واسطے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت پر مبنی اور معلل ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت پر مبنی ہونا اور ان مذکورہ اشیاء کا وجود باہم متنافی ہیں۔ پس ان چیزوں کے موجود ہونے وقت یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے. کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکم اور مصالح پر مبنی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے گا. کہ جو کچھ ہوتا ہے محض اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ تو ان تمام شبہات کے جواب میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے کے بعد مندرجہ ذیل آیات کو ہم پیش کرتے ہیں۔ جو ان کا شافی جواب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے پروردگار تو نے اس (کارخانہ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا تیری ذات (ایسے فعل عبث کے کرنے سے) پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (اور ہم نے آسمانوں (کو) اور زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین میں ہیں ان کو کھیل بنانے کے لئے پیدا نہیں کیا. ہم نے تو آسمان و زمین کو (ایک غرض اور) مصلحت سے پیدا کیا ہے) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین میں ہیں ان کو بیکار نہیں پیدا کیا. یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں اور دوزخ (کے اعتبار) سے کافروں کے حال پر (بڑا ہی) افسوس ہے۔ (اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

Marfat.com

فَتَعَالَی اللّٰہُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ (لوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یونہی) بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں تو خدا (جو) بادشاہ برحق (ہے) بیفائدہ کام کرنے سے بری اور بالاتر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش بزرگ کا مالک (ہے) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ (اللہ ہی تو ہے جس نے (تہ بر تہ) سات آسمان پیدا کیے اور ان ہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں (انتظامی) احکام (وقتاً فوقتاً) نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور (نیز) یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے) جَعَلَ اللّٰہُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ (خدا نے کعبے کو کہ وہ (خدا) کا معزز گھر ہے لوگوں کے (امن و اطمینان کے) قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے اور (اسی طرح) حرمت والے مہینوں کو اور (حج کی) قربانی (کے جانوروں) کو جن (کو خدا کی نیاز کے واسطے خاص کر کے شناخت کے لئے ان) کے (گلے میں) پٹے باندھ دیتے ہیں یہ اس لئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (یہ بھی) اللہ کی کاریگری (ہے) جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے۔ الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (اس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی) مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (اے دیکھنے والے بھلا تجھ کو (خدائے) رحمٰن کی (اس) صنعت میں کوئی کور کسر دکھائی دیتی ہے) بلکہ ان اشیاء کا وجود اور اس

Marfat.com

عالم کا سلسلہ ان مصالح مطلوبہ اور غایات محمودہ اور حکم مخفیہ کے لحاظ سے جو ان کے وجود سے وابستہ ہیں نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ ان مصالح اور غایات کی تفصیل سے تو صرف اللہ سبحانہ واقف ہے۔ ہاں بعض امور سے اپنے خاص بندوں کو بھی مطلع فرما دیا ہے بلکہ ان مصالح اور خیرات کے وجود کو جب خالق نے اس عالم کے اسباب و ذرائع سے وابستہ کر دیا ہے تو اس لحاظ سے ان کا وجود ضروری ہوا۔ ملائکہ مقربین نے بھی بارگاہ الٰہی میں اسی قسم کے سوالات پیش کئے تھے۔ تو ان کو یہ جواب ملا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) تو ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے کمال علم و حکمت کا اقرار کیا۔ اور اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کے سب کام ٹھیک ہیں اور حکمت سے خالی نہیں۔ اور یوں کہا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (تو پاک (ذات) ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا (مصلحت کا) پہنچاننے والا ہے) اور چونکہ اپنی بعض حکمتیں جو ان پر مخفی تھیں۔ ان کے سوال کرنے پر ظاہر فرما دیں۔ اس لئے ان سے یوں ارشاد فرمایا اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان کی اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کرتے ہو (وہ) اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے (وہ) ہم کو (سب) معلوم ہے۔)

**فصل:** ہم اس مقام پر چند ایسے اصول بیان کرتے ہیں۔ جن سے ان سوالات کے جواب واضح طور پر معلوم ہو جائیں۔ بہت سے متکلمین نے جن کو علم فلسفہ اور کلام میں پوری مہارت ہے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ان سوالات کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو اللہ سبحانہ کو فاعل مختار نہ مانا جائے یا یہ

Marfat.com

کہا جائے کہ اس کے افعال کسی حکمت و مصلحت پر مبنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بنانا یا کسی کام کا حکم کرنا کسی مصلحت یا حکمت کے لئے نہیں۔ اور نیز اللہ تعالے نے کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے لئے سبب نہیں بنایا بلکہ جو کچھ ہوتا ہے محض اس کی مشیت اور قدرت سے ہوتا ہے۔ اس کی مشیت بلا سبب۔ اور بلا وجہ ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دیدیتی ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے افعال کے لئے کوئی لِم۔ کیف۔ یا سبب حکمت ہے۔ اور نہ یہ کہ کسی مصلحت پر مبنی ہیں۔ امام رازی نے اپنی کتاب مباحث مشرقیہ میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ خالق نے ان اشیاء کو ایسا کیوں نہ بنایا۔ کہ تمام شرور سے یہ خالی ہوتیں۔ تو ہم یہ جواب دیں گے۔ کہ اگر ان کو خالی از شر پیدا کرتا تو یہ قسم اوّل یعنی ان چیزوں میں جو خیر محض ہیں میں داخل ہو جاتیں حالانکہ یہ ان کے علاوہ ایک دوسرا قسم ہے اور باری تعالیٰ کے افعال میں ایک قسم وہ ہے۔ کہ جس میں بہ نسبت شر کے خیر و خوبی زیادہ اور غالب ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اس قسم کی چیزوں کا وجود اُن کے عدم سے اولیٰ ہے۔ امام رازی خود ہی کہتے ہیں کہ یہ جواب مجھے پسند نہیں کیونکہ کوئی شخص یہ شبہ کر سکتا ہے کہ جب تمام خیرات اور شرور کا وجود اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار سے ہے تو آگ کا جلانا کسی چیز کے جلنے کا موجب نہیں۔ بلکہ تماس اور کسی چیز سے آگ کے مجاور و متصل ہونے کے بعد اللہ تعالے اپنے اختیار سے یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ وہ چیز جل جاتی ہے۔ اور جب اس کا جلنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جہاں جلا دینے میں خیر و خوبی ہو وہاں یہ فعل پیدا ہو جایا کرے اور جہاں اس میں نقصان اور خرابی ہو وہاں پیدا نہ کرے۔ اور اس شبہے کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے افعال اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر نہیں ہوتے۔ اور اس مسئلہ کا مآل قدم

Marfat.com

اور حدوث کے مسئلہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ دیکھو رازی جیسے فلسفہ دان نے کیسی سخت غلطی کھائی ہے کہ اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ ان سوالات کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ کہ اول سے آخر تک تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب۔ جملہ آسمانی کتابوں کا انکار۔ اور اس امر میں کہ اللہ سبحانہ خالق عالم مرید اور مختار ہے جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ اس کے عدم مشیت کے سبب وجود میں نہیں آتا۔ سلسلہ ہستی میں کوئی چیز اس کی مشیت بغیر موجود نہیں عقل کی صریح مخالفت کی جائے۔ امام رازی نے کس طرح مان لیا ہے کہ ان سوالات کا جواب ان جاہل لوگوں کا طریقہ اختیار کئے بغیر ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور ادیان سماوی کے دشمن ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ روز میں پیدا نہیں کیا۔ اور نہ اس عالم کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور نہ اس کو فنا کرے گا۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اس کے ارادہ اور مشیت سے صادر نہیں ہوتے اور نہ اللہ سبحانہ کو مرید و مختار سمجھتے ہیں۔ رازی کے پاس ان سوالات کا یہی جواب ہے۔ یا جبریہ کا قول ہے جو اسباب اور حکم کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی مصلحت و حکمت پر مبنی نہیں یا معتزلہ کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو چیز عقلاً مفید اور بہتر ہو اللہ پر واجب ہے کہ اس کو پیدا کرے معتزلہ اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت سے خالی نہیں۔ مگر یہ حکمت اس طور پر نہیں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے علم میں اس کو حکمت و مصلحت سمجھا۔ اور اس کے پورا کرنے کے واسطے کسی چیز کو پیدا کیا۔ بلکہ حکمت و مصلحت انسانی عقل کے رو سے ہے۔ معتزلہ نے اللہ سبحانہ کو مخلوق سے تشبیہ دے کر اپنے عقول سے شریعت کو ثابت کیا اور اللہ سبحانہ پر نافع اور مفید چیزوں کا پیدا کرنا واجب اور مضر اور نقصان دہ چیزوں کا پیدا کرنا حرام ٹھیرایا ہے۔ یہ تینوں اقوال جو سراسر بیہودہ

Marfat.com

ہیں۔ رازی کے دل میں گھومتے ہیں۔ اور کوئی عقلمند آدمی ان تینوں میں سے کسی ایک قول کو پسند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ اقوال عقل۔ نقل فطرت کے مخالف ہیں۔ اور قول حق ان اقوال میں ایسا مخفی ہے جیسا اہل کتاب پر جمعہ کا روز دوسرے ایام میں مخفی رہا۔ اور اس اُمت کو اللہ تعالےٰ نے وہ دن سوجھا دیا۔ چنانچہ یوم جمعہ کی بابت حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہم سے پہلی اُمتوں کو یہ دن نملا۔ پس یہ دن یعنی یوم جمعہ ہمارے لئے ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا روز یہود کے لئے اور اس کے بعد تیسرا روز نصارےٰ کے لئے۔ اور ہم بحمد اللہ اس طرح کہتے ہیں۔ کہ ہم اہل سنت طریق متوسط اور حق پر قائم ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے فاعل مختار ہونے کا انکار ان لوگوں کا حصہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دشمن ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے افعال کو خالی از حکمت و مصلحت کہنا جہمیہ اور جبریہ کا مسلک ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی قدرت عامہ۔ مشیت تامہ۔ محبت۔ کراہت۔ موجبات حمد۔ اسماء و صفات کے مقتضی اور ان کے معانی اور آثار کا انکار کرنا قدریہ (مجوس ہذہ الامۃ) کا شیوہ ہے اور ہم ان جملہ اقوال اور ان کے قائلین سے بری اور بیزار ہیں۔ ہاں کسی کے قول میں جتنا قدر صحیح بات ہو اس کو مانتے اور اُس پر یقین کرتے ہیں۔

**فصل**۔ پہلا اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا علم سب چیزوں پر حاوی اور تمام اشیاء کے محیط ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ بھر بھی اُس کے علم سے غائب نہیں بلکہ سب چیزیں اس کے حاطہ علم میں داخل اور اس کے نزدیک محصور و معدود ہیں۔ اس اصول میں دو گروہ کا اختلاف ہے۔ ایک تو وہ لوگ اس اصول کا انکار کرتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور رسالت کے منکر ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم جزئیات پر حاوی نہیں۔ ان کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ وہ کسی موجود چیز کو نہیں جانتا کیونکہ جو چیزیں موجود ہیں وہ سب جزئیات

Marfat.com

ہیں اور جب اللہ تعالیٰ جزئیات کو نہیں جانتا تو عالم علوی اور سفلی میں سے کسی چیز کا اُسے علم نہیں۔ دوسرے فرقہ قدریہ کے لوگ اس میں مخالف ہیں سلف صالحین ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے اور ان کے قتل کا حکم دیتے تھے۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا عالم نہیں۔ نہ تو ان کے موجود ہونے کے بعد ان کو جانتا ہے اور نہ قبل وجود اُسے ان کا علم ہے اور نیز یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال کو ان کے موجود ہونے سے پہلے مقدر نہیں کیا اور نہ ان کو لکھا ہے چہ جائیکہ یہ افعال اس کی مشیت اور تکوین سے ہوں۔ ان کا قول سراسر غلط اور باطل ہے۔ جمیع انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اور تمام آسمانی کتابیں اس کے بطلان پر شاہد ہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی ان کے قول کے ابطال و تکذیب اور اللہ سبحانہ کے احاطہ علمی کے اثبات کے بارے میں بکثرت اور موجود ہیں۔ اللہ سبحانہ کا علم اس کی خاص صفت ہے۔ جس میں کوئی مخلوق اس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اس کے علم کا احاطہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ بعض امور سے اپنے خاص و ممتاز بندوں کو مطلع کر دیتا ہے۔ مگر جو چیزیں اُن سے مخفی رکھی ہیں اور ان کا علم خاص اللہ تعالیٰ کو ہے اُن کے معلومات کو ان سے وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو پانی کے ایک قطرہ کو تمام روئے زمین کے دریاؤں اور سمندر کے پانی سے ہے چنانچہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا کہ اے موسیٰ تیرے علم اور میرے علم کو اللہ سبحانہ کے علم سے کیا نسبت ہے۔ اگر ایک چڑیا اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے کچھ پانی اٹھائے۔ تو اس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا نسبت ہے۔ میرے علم اور تیرے علم کا اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے یہی حال ہے۔ باوجودیکہ حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اُس وقت کے تمام اہل زمین سے زیادہ عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ شان

Marfat.com

ہے کہ اگر وہ اپنے علم کے مطابق کلام فرمائے اور فرض کیا جائے کہ سمندر کا پا
روشنائی ہو۔ بلکہ ایسے ہی سات سمندر اس کے ساتھ اور ملا دیئے جائیں اور
ابتدائے عالم سے آخر تک جتنے درخت اور اشجار ہیں سب کے قلم بنائے جائیں
اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو لکھنا شروع کیا جائے تو یہ تمام روشنائی اور قلمیں
اس کے لکھنے کے لئے ناکافی ہونگے بلکہ یہ سب سمندر اور قلمیں ختم ہو جائیں گے۔
اور اس کے کلمات پاک ختم نہ ہونگے۔ مخلوق کے علوم کو اللہ تعالیٰ سبحانہ کے علم
وہی نسبت ہے جو ان کی قدرت کو اس کی قدرت اور ان کے غنا و اس کے غنا اور ا
کی حکمت کو اس کی حکمت سے ہے اور جب اعلم الخلائق یعنی سرور کائنات صلی ال
علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ اے اللہ میں تیری ثناء کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ تیری
ذات ویسی ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا فرمائی ہے اور دعائے استخارہ میں
آپ یہ کلمات کہا کرتے تھے فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اور جب اللہ سبحانہ ملائکہ کو یوں ارشاد فرمائے اِنِّیْ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ مصلحتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور نیز اللہ تعالیٰ
اعلم اور خیر الامم یعنی امت حضرت محمد صلعم سے اس طرح فرمائے كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ
تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (مسلمو!
تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے
اور تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور تمہارے حق میں
بری ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اور اہل کتاب کو اس طرح خطاب
فرمائے وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (اور تم لوگوں کو (اسرار الٰہی میں سے
بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے) اور انبیاء علیہم السلام سے قیامت کے دن جب

Marfat.com

اللہ تعالیٰ یہ دریافت فرمائے گا کہ لوگوں نے تمہارا کہا مانا یا نہیں تو یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ ہمیں کچھ علم نہیں تو سب پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اس طرح لاعلمی بیان کرنا پاس ادب کے علاوہ حق اور نفس الامر کے مطابق ہے کیونکہ ان کے علوم بلکہ سب مخلوق کے علوم اللہ سبحانہ کے علم کے سامنے ہیچ اور لا شے ہیں جس طرح کہ آفتاب کے سامنے ایک ٹمٹمانے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے مخلوق کے علوم کی کوئی ہستی نہیں۔ تو بڑے ظلم نہایت جہالت۔ کمال بیحیائی۔ اعلیٰ درجہ کی بے شرمی اور سخت جرأت کی بات ہے کہ وہ شخص جس کے علم کو اور لوگوں کے علوم سے کوئی نسبت نہیں اور انبیاء کے علوم کے سامنے ان لوگوں کے علوم کی کوئی حقیقت نہیں اور انبیاء کے علوم کی اللہ کے سامنے کوئی ہستی نہیں۔ اللہ سبحانہ کے علم کی نسبت اعتراض کرے اور اس کی حکمت میں نقص اور عیب نکالے اور یہ خیال کرے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اپنے علم سابق کے مطابق مقدر فرمایا ہے وہ حکمت کے برخلاف ہے اور اولیٰ اور بہتر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا۔ سبحان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت۔ الہیت۔ عظمت و جلال ان باتوں سے منزہ اور پاک ہیں جن کو جاہل اور ظالم اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ کلمہ سبحان اللہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس کے ساتھ تمام برائیوں نقصانوں اور عیوب سے اللہ سبحانہ کے کمال کا تنزہ اور تقدس بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ کی ذات من کل الوجود اور جملہ اعتبارات سے تمام نقائص سے پاک اور بالکل منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال محمودیت اور ان صفات الہیہ کے ساتھ موصوف ہونا جن کے ساتھ کوئی دوسرا موصوف نہیں اور اپنی ذات اور صفات اور افعال میں تمام چیزوں سے بزرگ اور برتر ہونا منکرین علم الٰہی کے قول کی تردید کرتا ہے جو شخص سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کے معنی کو اچھی طرح سمجھے اور

Marfat.com

اس کے قلب میں اس کا مضمون جاگزیں ہو جائے بشرطیکہ اس کے معانی کو تعلیم نبوی کے مطابق سمجھا ہو نہ کہ فلسفہ اور غلط علم کلام اور نا اہل متکلمین سے سیکھا ہو تو وہ خوب سمجھتا ہے کہ منکرین علم الٰہی کا قول سراسر غلط اور باطل ہے۔ یہی اصول ہے جس کا اس مقام میں جاننا اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے۔ یہاں پر جاننا ضروری ہے کہ تمام مخلوق کے علوم۔ حکمتیں اور عقول اللہ تعالیٰ کی ان حکمتوں کی تفصیل جاننے سے قاصر ہیں۔ جو اس نے اپنی ایک چھوٹی سی مخلوق میں رکھی ہیں :

دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حقیقی حیّ اور زندہ ہے اور اس کی حیات اور زندگی تمام زندگیوں سے اعلےٰ اور اکمل ہے اور اس کی زندگی جمیع صفات کمال کے، وجود اور ان کی اضداد کی نفی کو مستلزم ہے یعنی جملہ صفات کمال من کل الوجوہ اس میں موجود ہیں اور وہ تمام نقائص سے منزہ ہے اور منجملہ لوازم حیات یہ امر ہے کہ اس کے افعال اختیاری ہوں۔ کیونکہ ہر ایک زندہ چیز کوئی نہ کوئی فعل کرتی ہے اور ہر ایک زندہ چیز کے افعال اس کے حیات کے کمال و نقصان کے مطابق اس سے صادر ہوتے ہیں۔ پس جس چیز کی حیات سب سے اعلےٰ و اکمل ہوگی اس کے افعال بھی سب سے زیادہ قوی اور کامل ہونگے۔ اور یہی حال اس کی قدرت کا ہوگا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ ہر ایک چیز پر قادر اور جو چاہے اس کو کر سکتا ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی کتاب خلق الافعال میں نعیم بن حماد سے نقل کیا ہے کہ حیّ بمعنیٰ فعال ہے اور ہر زندہ کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے۔ پس زندہ اور مردہ کے درمیان یہی فرق ہے کہ زندہ کوئی کام کر سکتا ہے اور اس کو شعور ہوتا ہے اور مردہ کسی کام کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور نہ اسے شعور ہوتا ہے۔ اور جب کہ حیات فعل کو مستلزم ہے :

اور یہی تیسرا اصول ہے اور فعل اسی کام کو کہتے ہیں جو فاعل کے اختیار اور

Marfat.com

ارادہ اور قدرت سے صادر ہوا اور جو کام کسی سے اس کے اختیار ارادہ اور قدرت کے بدوں سرزد ہو اس کو کوئی اہل عقل اس کا فعل نہیں کہتا۔ گو اس کو اس کا اثر کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً آگ کا کسی چیز کے جلانے پانی کا کسی کے غرق کرنے اور آفتاب کا حرارت پہنچانے میں مؤثر ہونا ان چیزوں کا اثر کہا جاتا ہے۔ اور ان کو ان اجسام کا فعل نہیں کہہ سکتے اگرچہ ان کا صدور ان قوی اور طبائع سے ہوتا ہے جو خالق نے ان میں پیدا کر دی ہیں۔ مگر تاہم ان چیزوں کو ان کے آثار کہا جاتا ہے غرض حی عالم کا فعل وہی ہے جو اس کی مشیت اور قدرت سے صادر ہو۔ اور اللہ سبحانہ کے حی عالم۔ فاعل بالاختیار اور صاحب ارادہ ہونے پر جمیع انبیاء علیہم السلام اور تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں۔ اور عقل و فطرت بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جملہ موجودات ناطق۔ صامت۔ جمادات۔ حیوانات۔ عالم علوی۔ سفلی سب اس کے شاہد ہیں پس جو شخص اس بات کا انکار کرتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال اس کے اختیار اور ارادہ سے صادر ہوتے ہیں تو وہ اپنے رب اور پیدا کرنے والے کا منکر ہے اور اس کے زعم میں اس عالم کے لئے کسی رب کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

چوتھا اصول یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قضا و قدر میں اور نیز شریعت میں بعض چیزوں کو بعض چیزوں کیلئے اسباب ٹھیرایا ہے اور ان اسباب کو اوامر شرعیہ۔ دینیہ اور احکام کونیہ قدریہ کے لئے محل حکمت و تصرف قرار دیا ہے پس جو شخص اسباب۔ قوی۔ طبائع کو نہیں مانتا تو وہ ضروریات اور بدیہیات کا انکار کرتا ہے۔ اور نیز عقل فطرت اور مشاہدہ حس کا خلاف کرتا ہے۔ اور نیز شریعت اور جزا و سزا کا صاف منکر ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کے معاش و معاد کے جملہ امور و مصالح۔ ثواب و عقاب۔ حدود۔ کفارات۔ اوامر۔ نواہی۔ حلت۔ حرمت وغیرہ کو ان کے اسباب سے مربوط اور وابستہ فرمایا ہے۔ بلکہ خود بندے کی ذات و صفات ان افعال کا سبب

Marfat.com

ہیں جو اس سے صادر ہوتے ہیں۔ غرض تمام موجودات میں یہی علاقہ ہے کہ بعض چیزیں اسباب اور بعض ان کی مسبب ہیں۔ اور شریعت کے جملہ امور و احکام بھی اسی طرح ایک دوسرے کے لئے سبب و مسبب ہیں اور قضا و قدر میں اسی طور پر بعض چیزوں کو بعض کے لئے سبب ٹھیرایا ہے اور اس عالم میں اسی کے مطابق ظہور ہوتا ہے غرض شریعت اور تقدیر میں اسباب اور مسببات کا دستور جاری ہے اور قرآن کریم کی آیات بکثرت اس پر شاہد ہیں چنانچہ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (ان اعمال کی بدولت جن کو) دنیا میں کرتے ہیں) کرتے تھے) بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ۔ (اپنے کئے سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ (یہ تیرے ان اعمال (بد) کا بدلہ ہے جو تو نے پہلے اپنے ہاتھوں (زاد آخرت بنا کر) بھیجے تھے۔ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (ان اعمال کا بدلہ ہے جو تو نے پہلے اپنے ہاتھوں سے کئے كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (اور ان کو اجازت ہوگی کہ ایام گذشتہ (یعنی دنیا) میں جو تم نے (عمل کئے اور ان کو پہلے سے زاد آخرت بنا کر) بھیجا تھا۔ ان کے بدلے کھاؤ پیو (اور تمہارے) نیک لگے) جَزَاءً وِفَاقًا (پورا بدلہ) فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (الغرض یہودیوں کی (ان) شرارتوں کی وجہ سے ہم نے (بہت سی) پاک چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور (نیز) اس وجہ سے کہ اکثر راہِ خدا سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور (نیز) اس وجہ سے کہ ہر چند ان کو سود کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس پر بھی سود لیتے تھے۔ اور (نیز) اس وجہ سے کہ لوگوں کے مال ناحق خورد برد کرتے تھے) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (پس

Marfat.com

(اور ناحق (زبردستی) ان کے قول توڑنے کی وجہ سے اور احکام الٰہی نہ ماننے کی وجہ سے اور ناحق (زناروا)
پیغمبروں کو قتل کرنے کی وجہ سے) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا
(اور نیز) ان کے کفر کی وجہ سے اور مریم کی نسبت بڑے (سخت) بہتان (کی باتیں)
بکنے کی وجہ سے) وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ (اور ان کے کہنے
اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا) فَبِمَا نَقْضِهِمْ
مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (پس ان ہی لوگوں کے اپنے
عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا)
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ (تو اے پیغمبر یہ بھی) اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ تم
ان کو نرم دل (سردار) ملے ہو) ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم...
بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ (اور) یہ اس سبب سے ہوا کہ ان کے پیغمبر
معجزے لے کر ان کے پاس آتے رہے اس پر (بھی) انہوں نے نہ مانا تو اللہ نے
ان کو دھر پکڑا) ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبَا (یہ ان کے اس کہنے کی سزا ہے۔ کہ جیسا معاملہ بیع ویسا ہی معاملہ
سود حالانکہ بیع کو تو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام) ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ (یہ ر
اختلاف حالت) اس لئے ہے کہ جن لوگوں نے دین حق سے) انکار کیا وہ غلط ر
رستے پر) چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے ٹھیک رستے پر چلے) فَعَصَوْا
رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً (تو ان کی طرف رسول بھیجے
گئے اور) انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی (جو ان کی طرف بھیجا گیا تھا)
نافرمانی کی تو اس نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا) فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ
(غرض ان لوگوں نے (موسیٰ اور ہارون) دونوں کو جھٹلایا تو انجام یہ ہوا کہ) ہلاک کر دیئے

Marfat.com

گئے) فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (سو فرعون نے (اُن) پیغمبر کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو بڑے وبال میں دھر پکڑا) فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (اس پر بھی ان لوگوں نے صالح کو جھٹلایا اور اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے بدلے ہلاکت لا نازل کی اور سب کو (مار کے) برابر کر دیا) فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ پھر جب ان لوگوں نے (اپنی نافرمانیوں سے) ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا۔ اور ان کو گیا گذرا کر دیا اور آنے والی نسلوں کے لئے (انکو) ضرب المثل بنا دیا) وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ (اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اتارا اور (اپنے) بندوں کو روزی دینے کے لئے اس (پانی) کے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (یہاں تک کہ جب (ہوا) بھاری (بوجھل) بادلوں کو لئے اڑتی ہے تو ہم کسی بستی کی طرف جو ذا فتادگی کی وجہ سے گویا مری پڑی تھی بادل کو ہانک دیتے ہیں پھر (وہاں) بادل سے پانی برساتے ہیں۔ پھر پانی سے ہر طرح کے پھل (زمین سے) نکالتے ہیں) يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (جو لوگ خدا کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔ ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے) قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ (ان لوگوں سے (بے تامل) لڑو خدا تمہارے ہی ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو رسوا کرے گا) وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (اور ہم ہی نے بادلوں سے زور کا پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعہ

Marfat.com

سے غلہ اور (ہر طرح کی) روئیدگی اور گھنے گھنے باغ (زمین سے) نکالیں) اور اللہ سبحانہٗ نے جس حکم شرعی یا جزا وسزا کو کسی وصف پر مترتب قرار دیا ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ وصف اس حکم کا سبب ہے کقولہٖ تعالےٰ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (اور (مسلمانو) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو ان کے (اس) کرتوت کے بدلے میں (بلا امتیاز) دونوں کے (داہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو (یہ) تعزیر (ان کے حق میں) خدا کی طرف) سے قرار پائی) ہے وقولہٖ تعالےٰ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سَو دُرّے مارو) وقولہٖ تعالےٰ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (اور (بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور نماز پڑھتے ہیں تو ہم ایسے نیکو کاروں کے ثواب کو ضائع نہیں ہونے دیں گے وقولہٖ تعالیٰ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (جو لوگ کفر کرتے اور (لوگوں کو) راہ خدا سے روکتے رہے ان کی مفسدہ پردازیوں کی پاداش میں ہم ان کے حق میں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے) اس قسم کی آیات بکثرت موجود ہیں سب کا شمار کرنا دشوار ہے اور اللہ تعالےٰ نے جس مقام میں شرط و جزا کو ذکر فرمایا ہے۔ تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وجود شرط جزا کے وجود کے لیے سبب ہے اور اس کی مثالیں اور نظائر بھی بکثرت موجود ہیں چنانچہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (مسلمانو!) اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کر دیگا۔ وقولہٖ تعالےٰ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (اگر ہمارا) شکر کرو گے تو ہم تم کو اور زیادہ (نعمتیں) دینگے اور اگر تم نے ناشکری کی تو

Marfat.com

دتم کو معلوم رہے کہ ہماری مار بھی بڑی سخت مار ہے) اور قرآن کریم میں جو حکم بواسطہ حرف اپنے ماقبل پر مترتب کیا گیا ہے تو ماقبل اس کا سبب ہے اور اس کے نظائر پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اور آیات مذکورہ میں سے جس مقام میں بات سببیہ ذکر کر کے مابعد کو ماقبل کی علت قرار دیا ہے تو وہ بھی اسی علاقہ سببیت کی مفید ہے اور اس کے نظائر اور امثلہ بھی بکثرت موجود ہیں۔ اور جس جگہ پر اللہ سبحانہ نے صراحتہً بیان فرما دیا ہے۔ کہ یہ چیز فلاں کام کی جزا ہے تو وہ بھی اسی سببیت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ علت غائی علت فاعلی کی علیت کے لئے سبب ہوا کرتی ہے۔
قرآن اور حدیث میں سے اگر وہ تمام مواقع پیش کئے جائیں۔ جو وجود اسباب کے مثبت ہیں تو ہم بلا مبالغہ کہتے ہیں۔ کہ دس ہزار سے زیادہ ایسے مواقع موجود ہیں۔ اسکے علاوہ وجود اسباب پر حس عقل اور فطرت کی شہادت ہی کافی ہے۔ اسی واسطے اہل علم نے منکرین اسباب کے حق میں کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اسباب کا انکار کر کے اپنی عقلوں پر اہل عقل کو مضحکہ اڑانے کا موقع دیا ہے اور وہ اپنے زعم میں توحید کے حامی ہیں۔ مگر وہ توحید کے حامی نہیں بلکہ وہ اہل تعطیل کے بھائی ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے صفات کمال۔ نعوت جلال۔ علو علی الخلق۔ استوا علی العرش۔ تکلم اور ملائکہ اور بندوں سے اس کے ہمکلام ہونے کے منکر ہیں۔ اہل تعطیل کا بھی یہی زعم ہے کہ وہ توحید کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر یہ حمایت ایسی بیہودہ ہے۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی تکذیب پائی جاتی ہے اور نیز یہ لازم آتا ہے۔ کہ اس کی ذات پاک جملہ صفات کمال سے خالی بلکہ ایسے صفات سے موصوف ہے جو اشیائے معدومہ مستحیلہ کے صفات ہوتے ہیں۔ اور ان کی حمایت توحید بالکل اس شخص کی حمایت کے موافق اور اس کی نظیر ہے جو باری تعالےٰ کے افعال کا انکار کرتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ کسی فعل کا قیام جائز نہیں کیونکہ یہ افعال حادث اور مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔ اپنے زعم میں تو وہ حدوث عالم اور باری تعالےٰ

Marfat.com

کی تنزہ و تقدس کی حمایت کرتا ہے۔ مگر یہ حمایت بھی ایسی ہی بیہودہ ہے۔ کہ اس میں باری تعالیٰ کے جملہ افعال اور خالقیت کا انکار پایا جاتا ہے۔ شریعت اور نبوت اور توحید پر بڑا حملہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ دھوکا دینا کہ انکار اسباب کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی۔ ضعیف العقل لوگوں نے ان کی اس دھوکا دہی سے جب یہ سمجھا کہ انکار اسباب کے بدوں توحید کامل نہیں ہوتی۔ اور انکار اسباب عقل۔ فطرت اور مشاہدۂ حس کے خلاف ہے تو ان کو مسئلہ توحید و نبوت میں، شک اور اس کے متعلق بدگمانی پیدا ہوگئی۔ جس طرح قرآن کریم نے اسباب کے وجود کو ثابت کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ تعجب کی بات ہے ہے کہ جب اسباب اور مسببات سب کا خالق اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے بعض چیزوں کو بعض کے لئے سبب بنایا ہے اور اسباب اور مسببات سب کچھ اس کی مشیت۔ قدرت کے تابع اور اس کے حکم کے منقاد ہیں وہ جس چیز کی سببیت کو باطل اور دور کرنا چاہے اس کو باطل کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں احراقِ نار اور موسیٰؑ اور ان کی قوم کے حق میں اغراق ماء کو باطل کر دیا۔ اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کے لئے ایسے موانع، موجود کر دے جو باوجود ان کی قوت موجود ہونے کے ان کی تاثیر کو روک دیں۔ اور اگر وہ چاہے تو ان کے آثار اور ان پر مترتب اور موجود ہوں۔ تو اس سے توحید میں کونسا نقص ہے غرض جب اسباب کا پیدا کرنا اور ان کو سبب بنانا اور پھر ان میں تاثیر، ڈالنا سب کچھ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے تو اسباب کا وجود ماننے میں کونسی شرک کی وجہ پائی جاتی ہے۔ لیکن جن کی عقلیں ضعیف اور کمزور ہیں۔ انہوں نے جب منکرین اسباب کے اس قول کو سنا کہ آگ محرق نہیں پانی غرق نہیں کرتا۔ روٹی سے سیری حاصل نہیں ہوتی۔ تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ غرض کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں

Marfat.com

اور کوئی چیز کسی اثر کا سبب نہیں، اور کسی چیز میں کوئی قوت موجود نہیں۔ بلکہ ہر ایک اثر کا پیدا ہونا خالق مختار کی مشیت پر موقوف ہے۔ تو وہ توحید میں متردد ہو گئے اور اللہ سبحانہ کے خالق اور موثر ہونے میں ان کو شک پیدا ہو گیا کہ یہ کیسی توحید ہے کہ تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ روٹی سے آدمی سیر نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ منکرین اسباب نے توحید پر یہ بڑا حملہ کیا اور منکرین رسالت کو تکذیب شریعت کے لئے ایک راستہ کھول دیا۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں صراحتہً موجود ہے کہ ایسی ہی باتیں سنا کر لوگوں کو ایمان سے متنفر کیا کرتے۔ حق بات یہ ہے کہ جاہل دوست اور خیر خواہ سے وہ نقصان پہنچتا ہے جو دانا دشمن سے نہیں پہنچتا۔ وجود اسباب کے متعلق اللہ سبحانہ نے ذوالقرنین کے قصہ میں فرمایا ہے وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (اور ہم نے اس کو ہر طرح کے ساز و سامان دے رکھے تھے) اس کی تفسیر میں علی ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہاں لفظ سَبَبً بمعنی علم ہے۔ قتادہ۔ ابن زید۔ ابن جریج اور ضحاک نے کہا ہے کہ وہ علم عطا کیا جو اس کے لئے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں سبب بنا اور اسحٰق نے کہا ہے کہ وہ علم جو اس کے لیے اس کے ارادوں کی طرف متصل ہوا۔ اور مبرد کا قول ہے کہ جو چیز کسی چیز کو ایک دوسری چیز کی طرف پہنچائے تو اس پہنچانے والی چیز کو لغت میں سبب کہا جاتا ہے۔ اور بہت سے مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ کہ ہم نے ذوالقرنین کو علم وغیرہ وہ چیزیں عطا فرمائیں۔ کہ جن چیزوں کی طرف مخلوق کو حاجت اور ان کو ان کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ نے اس جملہ فَاَتْبَعَ سَبَبًا (پس وہ ایک سامان کے پیچھے پڑا) میں راستے کو بھی سبب فرمایا ہے چنانچہ مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے طریقاً یعنی راستہ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس جملہ میں سبب سے وہی سبب مراد ہے جو پہلے مذکور ہے یعنی ان اسباب میں سے جو اللہ تعالٰے نے اُسے عطا فرمائے

Marfat.com

تھے اور وہ اس کو اس کے مقاصد تک پہنچانے والے تھے اور اللہ سبحانہ نے آسمان کے دروازوں کو بھی سبب فرمایا ہے کیونکہ وہ آسمان میں داخل ہونے کے راستے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قول کو بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے وزیر سے یوں کہا لَعَلِّیٓ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ (تاکہ جو آسمان اوپر چڑھنے) کے رستے ہیں ہم ان رستوں پر جا پہنچیں یعنی آسمان کے دروازوں تک جن سے اس میں داخل ہوتے ہیں۔ اور مشہور شاعر زہیر نے کہا ہے ؎

وَمَنۡ هَابَ اَسۡبَابَ الۡمَنَايَا يَنَلۡنَهٗ وَلَوۡ رَامَ اَسۡبَابَ السَّمَآءِ بِسُلَّمِ

(یعنی جو شخص موت کے اسباب سے ڈرتا ہے تو اس کا ڈرنا فضول ہے کیونکہ موت کے اسباب تو ضرور پیش آنے والے ہیں گو وہ سیڑھی کے ذریعہ سے آسمان کے دروازوں کی طرف چڑھنے کا قصد کرے) اور رسی کو اسی واسطے سبب کہتے ہیں کہ وہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ (تو اس کو چاہیئے کہ اوپر کی طرف ایک رسی تانے) بعض اہل لغت کا قول ہے کہ سبب اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جو نہایت مضبوط اور لمبی ہو اور نیز رسی کو سبب اس وقت کہا جاتا ہے۔ کہ جب اس کے ذریعہ سے کسی چیز پر چڑھنا اور اس سے اترنا پایا جائے اس کے بعد ہر ایک ایسی چیز کو کہ جس کے ذریعہ سے کسی مقام یا حاجت مقصودی تک رسائی ہو سبب کہنے لگے۔ چنانچہ بولتے ہیں کہ میرے اور فلاں شخص کے درمیان کوئی سبب یعنی رشتہ قرابت یا تعلق محبت موجود نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ان تعلقات کو جو ان کو آپس میں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے وہ ایک دوسرے سے کام نکالتے ہیں اسباب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِيۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡا وَرَاَوُا الۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ (اس وقت گرو اپنے) چیلے چانٹوں

Marfat.com

سے دست بردار ہو جائیں گے اور عذاب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے اور ان (آپس کے) تعلقات (سب) ٹوٹ ٹاٹ جائیں گے) یعنی وہ تعلقات جو ان کے درمیان دنیا میں قائم تھے۔ ابن عباسؓ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ وہ دوستانہ تعلقات جو ان کے درمیان دنیا میں قائم تھے۔ ابن زید کہتے ہیں۔ کہ لفظ اسباب سے یہاں وہ عمل مراد ہیں جن کی نسبت وہ امید کرتے تھے۔ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف ثواب ملے گا۔ بعض کا قول ہے کہ قرابت کے وہ رشتے مراد ہیں جن کے سبب آپس میں ایک دوسرے پر شفقت اور مہربانی کرتے تھے۔ غرض جو کچھ ہو اللہ سبحانہ نے ان کو لفظ اسباب سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ اپنے مسبب کی طرف پہنچنے کا ذریعہ تھے۔ منکرین اسباب کے نزدیک یہ سب کلام مجاز پر محمول ہوں گے:۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام عبث نہیں بلکہ اس کے تمام کام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہیں اور وہ مصلحت اور حکمت جس کے لئے صدور افعال ہوتا ہے اس کو ان کی غایت مقصودہ کہہ سکتے ہیں اور جس طرح کہ صدور افعال کے لئے اور اسباب موجب اور باعث ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اس کی حکمت کاملہ ان کے صدور کے لئے باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی کلام اس پر شاہد ہیں۔ وہ آیات اور احادیث جو اس مدعا پر دلالت کرتی ہیں۔ چونکہ ان سب کو بالاستیعاب ذکر کرنا دشوار ہے۔ لہذا ہم ان کے بعض انواع کو ذکر کر دیتے ہیں:۔

نوع اول۔ وہ آیات ہیں جن میں لفظ حکمت اور اس کے مشتقات بالتصریح مذکور ہیں۔ چنانچہ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ (حکمت کاملہ) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (اللہ نے تم پر کتاب اتاری ہے اور فہم وتسلیم دی ہے) وَ مَنْ

Marfat.com

یُؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (اور جس کو بات کی سمجھ دیگئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی ہے) حکمت علم نافع اور عمل صالح کو کہتے ہیں اور ان کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ ان کا تعلق اس چیز سے ہوتا ہے جس کے لئے یہ موضوع ہیں اور جو غایات ان سے مقصود ہے اس تک پہنچا دیتے ہیں اور کسی کلام کو حکمت کہنا تب صحیح ہے جبکہ وہ غایاتِ محمودہ اور مطالب نافع کی طرف موصل ہو یعنی وہ علم نافع اور عمل صالح کی طرف راہ نما ہو جس سے غایت مطلوبہ حاصل ہوتی ہے۔ اور جب کسی متکلم نے مخاطبین کی مصلحت کا ارادہ نہ کیا ہو اور نہ وہ ان کو سعادت کی طرف راہ نمائی کرے اور نہ ان کو سعادت کے اسباب اور موانع سے آگاہ کرے تو ایسے متکلم کو حکیم نہیں کہہ سکتے۔ پس اسی طرح اگر اللہ تعالےٰ کو اپنے بندوں کی مصلحت۔ ہدایت اور سعادت مقصود نہ ہوتی اور نہ اس نے اس کے اسباب و موانع بیان فرمائے ہوتے اور نہ اس کے واسطے اپنے مبلغ اور رسول بھیجتا اور نہ کتابیں نازل فرماتا اور نہ اس پر ثواب و عقاب کا وعدہ اور وعید فرماتا تو وہ بھی حکیم نہ ہوتا اور نہ اس کی کلام کو حکمت کہتے۔ اور اللہ سبحانہ کا کلام تو حکمت کیا بلکہ وہ تو حکمت بالغہ ہے کیونکہ اس نے بندونکی مصلحت میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا ہے

نوع دوم۔ وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ نے فلاں کام کس واسطے کیا اور فلاں حکم کس لئے دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (یہ اسلئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے) وقوله تعالیٰ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

Marfat.com

وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْئٍ عِلْمًا (اللہ ہی تو ہے جس نے تہ بر تہ سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین۔ آسمان وزمین میں اس کے انتظامی احکام (وقتاً فوقتاً) نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور نیز یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے) اور قول تعالیٰ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَائِدَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ (خدا نے کعبے کو کہ وہ (خدا کا) معزز گھر ہے لوگوں کے) امن واطمینان کے قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے اور (اسی طرح) حرمت والے مہینوں کو اور (حج کی) قربانی (کے جانوروں) کو اور ان (جانوروں) جن کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں یہ اس لئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) وقول تعالیٰ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (یہ سب) پیغمبر نیکوں کو جنت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب خدا سے) ڈرانے والے (تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آنے) پیچھے لوگوں کو خدا پر (کسی طرح کا) حجت (یعنی الزام رکھنے کا موقع باقی) نہ رہے) وقول تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ (اے پیغمبر! ہم نے کتاب برحق تم پر نازل کی ہے (تو اس لئے) کہ جیسا تم کو خدا نے بتلا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو) قول تعالیٰ لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْئٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰہِ (اور یہ تم سے اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو خدا کے فضل پر کچھ دسترس نہیں) وقول تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَۃَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

Marfat.com

رجِعتَن ینقلب علیٰ عقبیہ (اور اے پیغمبر) جس قبلے پر تم (پہلے) تھے (یعنی بیت المقدس) ہم نے اُس کو اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ (جب قبلہ بدلا جائے تو) جو لوگ رسول کی پیروی کریں اُن کو ہم اُن لوگوں سے (الگ) معلوم کرلیں جو (سرتابی کرکے) اپنے اُلٹے پاؤں پھر جائیں) وقولہ تعالیٰ فانّہٗ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدًا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم (اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے (فرشتوں کا) پہرہ (ان کے ساتھ) رکھتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام لوگوں کو (ٹھیک ٹھیک) پہنچادیئے) اس حفاظت اور نگہبانی سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ رسالت میں آسانی اور قوت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے۔ کہ انہوں نے تبلیغ رسالت کے فرض کو ادا کر دیا تھا کہ (تعالیٰ ویُنزّل علیکم من السّماء ماءً لیطھّرکم بہٖ ولیربط علیٰ قلوبکم ویثبّت بہ الاقدام (اور آسمان سے تم پر پانی برسا رہا تھا تاکہ اُس کے ذریعے سے تم کو پاک کرے اور شیطانی گندگی کو تم سے دُور کرے اور تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے) وقولہ تعالیٰ لیحقّ الحقّ ویبطل الباطل (تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے) وقولہ تعالیٰ وما جعلہ اللہ الّا بشریٰ لکم ولتطمئنّ قلوبکم بہ (اور یہ امداد تو خدا نے صرف تمہارے خوش کرنے کو کی ہے اور اس لیے (کی ہے) کہ تمہارے دل اس سے تسلّی پائیں) وقولہ تعالیٰ قل نزّلہ روح القدس من ربّک بالحقّ لیثبّت الّذین اٰمنوا (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ حق تو یہ ہے کہ اس (قرآن) کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس (یعنی جبریل) لے کر آئے ہیں) وقولہ تعالیٰ وما جعلنا اصحاب النّار الّا ملٰئکۃ وما جعلنا عدّتھم الّا فتنۃ للّذین کفروا لیستیقن الّذین اوتوا الکتاب ویزداد الّذین اٰمنوا ایمانًا (اور ہم نے دوزخ کے پاسبان (آدمی نہیں بلکہ) فرشتے بنائے ہیں اور ان کی (انیس کی) گنتی (بھی) اس غرض سے ٹھہرائی ہے کہ جو لوگ

Marfat.com

(قیامت کے) منکر ہیں اُن کو (ان باتوں سے) اور زیادہ پریشانی ہو (اور) تاکہ اہلِ کتاب (سننے کے ساتھ) یقین کرلیں اور جو مسلمان ہیں (ان باتوں سے) اُن کا ایمان زیادہ ہو)

وقولہ تعالٰے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی (اس کی) اُمت (بھی) بنایا ہے تاکہ (اور) لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلے میں (تمہارے) رسول محمدؐ گواہ بنیں۔)

وقولہ تعالٰے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی (اس کی) اُمت (بھی) بنایا ہے تاکہ (اور) لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلے میں (تمہارے) رسول محمدؐ گواہ بنیں۔)

وقولہ تعالٰے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (ہم نے تم پر (ابھی یہ قرآن) اُتارا ہے تاکہ جو احکام لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ان کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تم ان کو اچھی طرح سمجھا دو) وقولہ تعالٰے هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (یہ قرآن) لوگوں کے لیے ایک اطلاع نامہ ہے (اور اُس کے نازل کرنے سے) غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کے (عذابِ خدا سے) ڈرایا جائے اور تاکہ (سب لوگ) معلوم کرلیں کہ خدا ہی ایک معبود ہے اور تاکہ جو لوگ عقل رکھتے ہیں نصیحت پکڑیں) وقولہ تعالٰی لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ (تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دیکر بھیجا اور (ان کی معرفت کے لیے کتابیں اُتاریں اور (نیز ہم نے) ترازو (کا رواج) دیا گیا تاکہ لوگ (دینی و دنیاوی دونوں طرح کے معاملات میں) انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا کہ (ہتھیاروں کے کام میں لایا جائے تو) اُس میں بڑا خطرا ہے اور (اُس میں لوگوں کے (بہتری) فائدے (بھی) ہیں۔

Marfat.com

ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو معلوم کرے جنہوں نے (اللہ کو) دیکھا نہیں (اور) پھر بھی اللہ اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں وقولہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل الیقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں) وقولہ تعالیٰ وَالْخَيْلَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

اور (اسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ ان سے سواری لو اور (سواری کے علاوہ یہ چیزیں موجب زینت (بھی ہیں) اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ ان آیات میں حرف لام علت کے لیے نہیں بلکہ یہاں لام بمعنی عاقبت ہے جس طرح کہ مندرجہ ذیل آیات میں حرف لام بمعنی عاقبت ہے فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (تو فرعون کے لوگوں نے انہیں (بہتے کو) اٹھا لیا کہ (آخر کار یہی موسیٰؑ) ان کے دشمن اور (ان کی) پریشانی (کے باعث) ہوں) وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا اور اسی طرح (اختلاف حالت سے) ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ (مقدروالے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی (ذلیل) لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اپنا فضل کیا ہے لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (ایسے معاملات میں منظور خدا یہ رہا ہے) کہ اس (وسوسے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے ان لوگوں کی آزمائش (کا ذریعہ) بنائے جن کے دلوں میں (بدعقیدتی کا) مرض ہے) لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (تاکہ جو شخص ہلاک ہونے والا ہے وہ حجت تمام ہوئے پیچھے ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے وہ بھی حجت تمام ہوئے پیچھے زندہ رہے) وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ (اور اس لیے کہ جو لوگ روز آخرت کا یقین نہیں

Marfat.com

رکھتے اُن کے دِل ان کی باتوں کی طرف مائل ہوں ۔ اور ان کی باتوں کو پسند کریں اور تا کہ بدکرداریاں یہ (خود) کرتے ہیں وہ (بھی) کیا کریں ) دیکھو اِن آیات میں حرف لام کا مابعد ان افعال کی غایت مقصودہ نہیں ۔ لیکن چونکہ ان افعال پر وہ مترتب ہے اِس واسطے حرف لام جو عِلّت کے لیے موضوع ہے اِس پر لایا گیا مگر جہاں علت کے معنے کے لیے نہیں بلکہ بمعنی عاقبت ہے ۔ تو اِس شبہے کا جواب ہم دو طرح پر دے سکتے ہیں ۔ اوّل اجمالی طور پر جو معترض کے تمام پیش کردہ مثالوں کے لیے ایک ہی جواب کافی ہے ۔ کہ لام عاقبت اُس شخص کی نسبت کہا جاتا ہے جو اُس عاقبت اور انجام سے جاہل یا اُس کے دفع کرنے سے عاجز ہو ۔ جاہل کی مثال اس آیت فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (تو فرعون کے لوگوں نے اُنہیں اُٹھا لیا کہ (آخر کار یہی موسیٰ) اُن کے دشمن اور اُن کی پریشانی (کے باعث) ہوں) میں ہے اور عاجز کی مثال شاعر کے اس قول سے

لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ فَكُلُّكُمْ يَصِيْرُ اِلٰى ذَهَابِ

یعنی تمہاری پیدائش کا انجام موت اور بنائے عمارات کی انتہا خرابی اور ویرانی ہے کیونکہ تم سب کو آخر فنا ہونا ہے ۔ اور اللہ سبحانہ کے حق میں جو کہ تمام اشیاء کا عالم اور سب چیزوں پر قادر ہے ۔ حرف لام کو بمعنی عاقبت قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ۔ اُس کے افعال اور احکام میں جو حرف لام وارد ہے وہ بمعنی حکمت اور غایت ہے جس کو لام تعلیل کہتے ہیں ۔ دوم یہ کہ ہم ہر ایک مثال کا علیحدہ علیحدہ جواب بیان کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں حرف لام تعلیل کے لیے ہے ۔ اور اللہ سبحانہ نے اس میں اس واقعہ کے مقدر کرنے کی علت بیان فرمائی ہے یعنی آل فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھا لینا اس لیے مقدر کیا ۔ کہ اُن کے لیے باعث رنج وغم ہوں ۔ اور بجائے ذکر کرنے تقدیر کے اُن کا فعل اِس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اُن کے لیے باعث رنج وغم ہول ۔ اور بجائے ذکر

Marfat.com

کرتے تقدیر کے اُن کا فعل اِس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اُن کے لیے زیادہ موجب حسرت واندوہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی چیز کو پسند کرے اور پھر اُس چیز سے تکلیف پہنچے تو یہ زیادہ موجب حسرت ورنج ہوتا ہے۔ بخلاف اُس چیز کو جس میں آدمی کا کوئی دخل نہ ہو تو اُس سے تکلیف پہنچنے میں اتنا افسوس نہیں ہوتا۔ اللہ سبحانہ فرعون۔ اُس کی قوم اور دوسرے لوگوں پر اپنی قدرت علم۔ اور حکمت کاملہ کا کمال ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ دیکھو فرعون جس شخص کے نابود کرنے اور ہٹانے کے لیے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا۔ اُس کی تربیت کے لیے خود متولی ہوا اور اپنی خوشی اور مرضی سے اُس کو اپنے گھر میں پالا۔ اور موسیٰ علیہ السلام مدت تک اُس کے قبضہ اور تصرف میں رہے۔ مگر اُن کو ذرا نقصان نہ پہنچا سکا۔ غرض آل فرعون کا جو سلوک موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا اور اپنے گھر میں بیٹوں کی طرح رکھا چونکہ اس کا ذکر کرنا اُن کے لیے زیادہ موجب حسرت تھا۔ لہٰذا قضا و قدر کو ذکر نہیں فرمایا اور اُس کے بجائے اُن کے سلوک کو ذکر کر دیا۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی ہم کو بتا دیا ہے کہ بندوں کے تمام افعال اُس کی قضا وقدر سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے قول وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا میں ظاہر ہے کہ حرف لام علت کے لیے ہے کیونکہ مابعد لام اللہ تعالےٰ کے فعل مذکور یعنی بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ آزمایا۔ کیونکہ جب معزز۔ شریف اور سردار لوگ دیکھتے کہ کمزور۔ ضعیف اور کم رتبہ آدمی اسلام لائے ہیں تو بعض متکبر لوگ اسلام کے اختیار کرنے سے ناک چڑھاتے اور یوں کہتے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کمینے لوگ تو خیر وخوبی ہی نہیں ورنہ ہم لوگ جو عزت و وقعت رکھتے ہیں۔ اس سے محروم نہ رہتے پس اُن کا یہ کہنا اِس امتحان کی غایت اور حکمت ہے اور یہ خیال بھی ان کو دامن گیر ہوتا کہ اگر ہم اسلام لائیں گے تو ادنےٰ لوگوں کے ساتھ برابر بیٹھنا

Marfat.com

پڑے گا۔ اُن کا یہ رویہ اور ایسی باتیں صاف طور اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ دیدہ دانستہ تکبر اور غرور کی وجہ سے حق کے منکر ہوئے۔ اور اسلام قبول نہ کیا۔ علت غائی دو قسم ہے ایک وہ جو بذات خود کسی فعل سے مطلوب ہو۔ دوسری وہ جو کسی اور چیز کے لیے مطلوب ہو اور اُس کی طرف وسیلہ ہو۔ اُن متکبرین کا یہ قول اور جو کچھ اس پر مترتب ہوا۔ علت غائی کی دوسری قسم میں سے ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالےٰ کی حکمت عدل عزت۔ قہر اور سلطان کے ظاہر کرنے کی طرف وسیلہ ہیں۔ جو مقصود بالذات ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی نعمتیں اُس شخص کو عطا فرماتا ہے جو ان کا مستحق اور اہل ہو۔ اور جو ان کے لائق و سزاوار نہ ہو وہ اُس کی نعمتوں سے محروم رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (کیا اللہ شکر گذار بندوں (کے حال) سے بخوبی واقف نہیں) شاکرین وہ لوگ ہیں جو اُس کی نعمت کی قدر سمجھتے اور اپنے منعم کا شکر بجالاتے ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ نے یہ امتحان اور آزمائش اس لیے فرمائی تاکہ شکر گذار اور کفرانِ نعمت کرنے والے ممتاز ہو جائیں کہ کون شکر بجالاتا اور کون کفران اختیار کرتا ہے۔

فصل۔ اللہ تعالےٰ کے قول لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ میں حرف لام حکمت اور تعلیل کے لیے ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے شیطان کی اس بات کو جو رسول کے کلام کے بیچ میں اُس نے کہدی تھی۔ لوگوں کے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بنایا جس سے منافقین اور وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ اور قساوت تھی شک وشبہ میں پڑے اور مخلص مومنین نے اِس بات کا یقین کیا کہ قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا سچا کلام ہے اور حضرت محمد صلعم اُس کے سچے رسول ہیں اور شیطان نے جو بات کہی ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے مسلمان صدق دل سے اس پر ایمان لائے اور اس کے دِل اُس پر ثابت اور قائم ہوگئے پس اس امتحان اور اُس کے مقدر کرنے کی یہ غایت مقصود ہے

Marfat.com

العلیل

ر سبحانہ نے بندوں کے قلوب اور دل تین قسم کے بنائے ہیں۔ مریض ۔ قاسی۔ مجنت
ر یہ تین قسم اس طرح پر ہیں کہ بعض قلوب ایسے خشک اور جامد ہوتے ہیں۔ وہ حق
قبول کرنے اور اس کے ماننے کے لیے نرم نہیں ہوتے ایسے قلوب قاسی اور
پتھر کی مانند ہیں۔ کہ جو ہدایت ان کو سنائی جائے اُس کو قبول نہیں کرتے۔ حق
اور علوم نافعہ اُن میں جاگزیں نہیں ہوتے۔ اور نہ اعمال صالحہ کی طرف مائل ہوتے
ہیں۔ اور بعض قلوب ایسے ہیں جو حق کو قبول تو کر لیتے ہیں۔ اور اُن میں حق منتقش ہو
جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان میں ضعف ہوتا ہے اس واسطے وہ حق اُن میں ثابت اور
قائم نہیں رہتا ایسے قلوب مریض ہیں اور بعض قلوب ایسے ہیں کہ جن میں حق کے
کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس کے اُن میں قوت اور
مضبوطی ایسی ہوتی ہے۔ کہ حق اور ہدایت اُن سے کبھی زائل نہیں ہوتی ایسے قلوب
مجنت اور صحیح ہیں۔ ان میں تین صفتیں موجود ہوتی ہیں۔ صلابت۔ صفائی۔ اور نرمی
صفائی کے ذریعہ سے حق کو دیکھتے اور صلابت اور سختی کی وجہ سے حق پر قائم و دائم
رہتے اور نرمی کی وجہ سے حق کو قبول کرنے اور اسی صفت کی وجہ سے خلق خدا پر
رحم کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے
برتن ہیں۔ جو اُس نے اپنی زمین میں رکھے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ محبوب اللہ سبحانہ
کے نزدیک وہ دل ہے جو نہایت مضبوط اور بہت رقیق اور اعلیٰ درجہ کا صاف ہو
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِن قلوب والوں کے شان میں فرمایا ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (کافروں کے حق میں بڑے سخت رہیں مگر آپس میں رحم دل) اس
آیت میں اللہ سبحانہ نے اُن مومنین کی صفت بیان فرمائی ہے۔ جنہوں نے اپنی
صفائی قلب سے حق اور ایمان کو پہچانا اور دِل کی مضبوطی کے سبب کفار پر غالب رہے
اور اُس کی نرمی کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر رحم کیا۔ اس کی لِم یہ ہے۔ کہ
دِل بدن کے تمام اعضاؤں کا سردار اور ان کا بادشاہ ہے۔ بدن کے تمام اعضا اسی

Marfat.com

طرح تین قسم ہیں۔ مثلاً ہاتھ ہی کو دیکھو بعضے ہاتھ ایسے خشک ہوجاتے ہیں کہ وہ نہ اِدھر اُدھر مُڑ سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔ پس ایسے ہاتھ قلب قاسی کے مشابہ ہیں اور بعضے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں جو چیزوں کو پکڑ تو سکتے ہیں مگر ضعف کی وجہ سے اُن کو تھام نہیں سکتے۔ پس یہ قلب مریض کی مانند ہیں اور بعضے ہاتھ ایسے ہیں جو پکڑنے کے بعد مضبوطی کے ساتھ تھام رکھتے ہیں پس یہ قلب صحیح اور سمجھدار اور رحم والے دِل کو مشابہ ہیں۔ قلب میں جب صفت علم حاصل ہوتی ہے تو اس کے سبب بلائے مرض سے جس کا منشا شہوت اور شُبہ ہے نجات پاتا ہے اور صفت رحم کی وجہ سے قسوت سے بچتا ہے اسی واسطے اللہ سبحانہ نے مریض اور قاسی دِل والوں کے سوا دوسرے لوگوں یعنی صحیح دل والوں کو علم ایمان اور راخبات کے ساتھ موصوف فرمایا ہے۔ صحیح القلوب لوگوں یعنی اِس امت کے حق میں اللہ تعالےٰ کی حکمت کا ظہور غور کرنے کے لائق ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو علم اور سمجھ رکھتے تھے اُنہوں نے تو اس امر کا یقین کیا کہ قرآن کریم اللہ کا سچا کلام ہے جس طرح کہ ان کی نسبت یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ آیات متشابہات کے بارے میں وہ یوں کہتے ہیں اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا اس پر ہمارا ایمان ہے (یہ) سب (کچھ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے) یہ دونو امر یعنی آیات متشابہات کا نازل کرنا اور شیطان کا رسول کے کلام کے بیچ میں غلط بات کہہ دینا امتحان اور آزمائش کے لیے ہیں۔ جن میں کم فہموں کو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان متشابہات پر ایمان لاتے اور القائے شیطان کو غلط سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ اپنے آیات کے احکام کو القائے شیطان کے مقابلے میں آیات محکمات کے بجائے جو متشابہات کے مقابل ہیں قرار دیا ہے پس یہاں احکام آیات محکمات کے نازل کرنے کے بجائے ہے اور القائے شیطان کو مٹانا اور نسخ کرنا ایسا ہے جس طرح متشابہ کو محکم کی طرف پھیرنا۔ القائے شیطان کے نسخ کے یہ معنے ہیں۔ کہ جو بات اُس نے کہہ دی تھی اُس کی تردید کرنا اور نسخ بدیں معنی نہیں کہ احکام مشروعہ کو اُٹھا

Marfat.com

دینا اور نسخ کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ کہ مخاطبین نے جو ظاہر الفاظ سے ایک مطلب سمجھا تھا اور اللہ سبحانہ کے نزدیک اُن الفاظ کا یہ مطلب نہ تھا۔ اُس کو ان کے قلوب میں سے دُور کر دیا۔ چنانچہ صحابہ کرام کہا کرتے تھے کہ آیہ وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِی اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ (اور (لوگو!) جو تمہارے دلوں میں ہے اگر اُس کو ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا پھر (دل کے کھوٹ پر) جس کو چاہے بخشے) کو آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا الآیہ (اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو ہم کو (اس کے وبال میں) نہ پکڑ) نے منسوخ کر دیا پس یہ نسخ بدیں معنی ہیں کہ جو انہوں نے مضمون سمجھا تھا وہ اُن کے اذہان میں سے دور کر دیا۔ کہ حکم ثابت کو مٹا دیا۔ محاسبہ آخرت یا دنیا میں عذاب دینے کو مستلزم نہیں اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اس حکم یعنی محاسبہ کرنے میں سب کو شامل کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جسے چاہے بخشدے۔ اور جسے چاہے معذب کرے پس اس آیت سے یہ سمجھنا کہ اللہ سبحانہ ہر ایک کو مواخذہ یعنی عقاب فرمائے گا اللہ سبحانہ کے منشا کے خلاف تھا۔ اس واسطے آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا الآیہ کے ساتھ یہ مضمون اُن کے اذہان سے نکال دیا۔ القائے شیطان کے نسخ اور اس میں اتنا فرق ہے کہ یہ اُس مضمون کا نسخ ہے جو کلام الہٰی کے منشاء کے خلاف سمجھا گیا اور وہ اُس کلام کا نسخ ہے جو غیر خدا نے اُن کے کانوں میں کہدی اور پڑھنے کے وقت بیچ میں ملا دی تھی۔ صحابہ اور تابعین کے نزدیک نسخ کے ایک تیسرے معنے بھی ہیں کہ آیات کو اُن کے ظاہر الفاظ پر محمول نہ کرنا بلکہ عام کو خاص اور مطلق کو مقید کر لینا یہ بھی بمعنی نسخ ہے اور نسخ بدیں معنے اُن کے کلام میں کثرت سے مستعمل ہے اور نسخ کے چوتھے معنی جو متاخرین کے نزدیک مشہور اور ان کی اصلاح میں مراد ہوتے ہیں یہ ہیں کہ ایک حکم شرعی کو جو پہلے ثابت ہو کسی دلیل سے اُٹھا دینا۔ غرض نسخ کے چار معنے اور

Marfat.com

اور لفظ احکام کے تین معنے ہیں۔ ایک وہ جو متشابہ کے مقابل لے جاتے ہیں کقولہ تعالیٰ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (جس میں بعض آتیں پکی (یعنی صاف وصریح) ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور (بعض) دوسری مبہم (کہ اُن کے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں) دوسرے وہ جو القائے شیطان کے نسخ کے مقابل مراد ہیں۔ کقولہ تعالیٰ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ (پھر آخر کار خدا نے وسوسۂ شیطانی کو دُور کر دیا اور اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیا) احکام بدیں معنیٰ تمام آیات میں موجود ہے یعنی سب کی سب مثبت۔ مقرر وسبیّن ہیں چنانچہ فرمایا ہے۔ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ (وہ کتاب جس کی آیتیں مضبوط ہیں) تیسرے وہ جو آیات منسوخہ کے مقابل ارادہ کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ سلف صالحین کے اِس قسم کے اقوال بکثرت موجود ہیں کہ یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں۔ اور احکام کے معانی متعدد اس لیے ہیں کہ اِحکام کبھی نفس کلام میں ہوتا ہے۔ جو کہ القائے شیطان کے مقابل ہے۔ یہاں محکم بمعنی مفصل ہے یعنی اللہ سبحانہ نے اپنے کلام کو شیطان کے کلام سے اِس طرح ممتاز اور علیحدہ کر دیا کہ اس کو منسوخ اور باطل کر دیا تاکہ کلام منزل من اللہ اور اُس کے درمیان کسی طرح کا اِشتباہ نہ پڑے اور کبھی احکام حکم منزل کے باقی اور مستمر رکھنے میں متصور ہوتا ہے کہ ثبوت کے بعد وہ منسوخ نہیں کیا جاتا۔ اور کبھی کلام منزل کے معنی اور تاویل کے متعلق پایا جاتا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ معنی مقصود کو غیر مقصود سے ممتاز کر دیا کہ اُس کے سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ پیدا ہو۔

Marfat.com

حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ میں حرف لام اپنے اصل کے مطابق تعلیل کے لیے ہے۔ اور اس امتحان اور آزمائش سے یہ مطلوب ہے کہ مختلف قسم کے قلوب یعنی مریضہ۔ قاسیہ اور مُخبتہ کے باطنی احوال ظاہر ہو جائیں، پس مریض اور قاسیہ کا تو شک اور کفر ظاہر ہوا، اور مخبتہ کا ایمان۔ ہدایت اور ایمان کی محبت اور کفر و شرک سے بغض اور نفرت ظاہر ہوئے اور یہی آزمائش القائے شیطان کی بڑی حکمت ہے۔

**فصل** - اللہ تعالےٰ کے قول لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ حرف لام قاعدہ کے مطابق تعلیل کے لیے ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اپنی وہ حکمت بیان فرمائی ہے جو مسلمانوں اور کفار کے آپس میں اچانک مٹھ بھیڑ ہونے اور پھر مسلمانوں کے ایسی حالت میں غالب اور کامیاب ہونے میں پوشیدہ اور مخفی تھی کہ بظاہر ان کے فتحمند اور غالب آنے کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ ایک ان کی تعداد ہی بہت کم تھی۔ اور پھر ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا، جس سے کفار کے ایک عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کا مقابلہ کرسکتے جس کے پاس ہر قسم کے سامان موجود مہیا تھے انسان کے وہم میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ مسلمان ایسی کمزوری کمی اور بے سامانی کی حالت میں غالب آسکیں گے۔ پس مسلمانوں کا ایسی میں منصور و فتحمند ہونا اللہ تعالےٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے جس سے اُس نے اپنے رسول اور کتاب کی تصدیق ظاہر فرمائی۔ تاکہ جو شخص اس نشانی کے بعد کفر و عناد اختیار کرے گا، تو اس پر اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی حجت نہ ہو گی اور جو شخص اسلام لائے گا، تو اُس کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے گا

Marfat.com

پس یہ کتنی بڑی حکمت ہے اور اس کی نظیر یہ دوسری آیت بھی موجود ہے
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (یہ قرآن تو بس ذکر (نصیحت) ہے اور پڑھنے کے لائق اور عام فہم ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو زندہ (دل) ہوں ان کو عذاب خدا سے) ڈرا دے اور منکروں پر حجت (الہٰی قائم ہو) ۔

**فصل**: اللہ تعالیٰ کے قول وَلِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ میں بھی حرف لام اپنے قاعدہ کے مطابق تعلیل کے لیے کیونکہ اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ لام کا مابعد کفار کے فعل یعنی ایک دوسرے کو بہکانے کی علت ہو اور اس وقت لفظ غرورا پر یہ معطوف ہو گا۔ اور معطوف علیہ دونو ملکر کفار کے فعل مذکور کا مفعول لہ ہوں گے یعنی وہ ایک دوسرے کو اس لیے بہکاتے ہیں تاکہ ان کو دھوکے میں ڈالیں اور ان کے دل اپنے سابقہ خیالات کی طرف مائل رہیں اور انہی کو اچھا سمجھ کر ان کے مطابق عمل کریں۔ غرض اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ کفار جو ایک دوسرے کو بہکاتے تھے۔ تو ان کا مقصود کیا تھا۔ چار باتیں انہیں مقصود تھیں۔ فریب دہی ان کے دلوں کو اپنے خیالات کی طرف مائل کرنا۔ اُن کے دلوں میں ان کی محبت الفت پیدا کرنا۔ اُن کے مطابق اُن کا عمل ہونا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ لام کا مابعد اس امر کی علت ہو کہ اللہ سبحانہ نے ہر ایک نبیؑ کے واسطے ایک دشمن کیوں مقرر کر دیا ہے۔ تو اس وقت یہ غایت اور حکمت مقصود بغیرہ ہو گی۔ یعنی اس سے ایسے امور مطلوب ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کے نزدیک محبوب و مطلوب ہیں اور یہ ان کی لیئے وسیلہ ہے۔ اور اس کے فوت ہونے سے وہ مطلوب چیز فوت ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔ غرض دونو صورتوں

Marfat.com

میں حرف لام تعلیل کے لیے ہے۔

**فصل** نوع ثالث وہ آیات ہیں جن میں حرف کی جو صراحتہً علیت پر دلالت کرتا ہے مذکور ہے کقولہ تعالےٰ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (جو مال اللہ نے رسول کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا (حق) ہے اور رسول کا اور رسول کے (قرابت داروں کا) اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا (یہ حکم اس لیے دیا گیا) کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں۔ یہ (مال) ان (ہی) میں دائر نہ رہے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یعنی اس قسم کے مال غنیمت کو ان اصناف کے لیے مخصوص فرمانے کی یہ علت بیان فرمادی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس قسم کے مال کو دولت مند اور زور آور لوگ سمیٹ لیں اور محتاج اور کمزور بے بہرہ رہ جائیں بلکہ اس قسم کا مال خاص کمزور اور محتاجوں کا حق ہے وقولہ تعالیٰ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۙ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ (لوگو! جتنی مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں اور جو خود تم پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب) ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہے اور بیشک یہ اللہ کے نزدیک (ایک) سہل (سی بات) ہے اور یہ ہم نے کو، اس لیے (جتا دیا ہے کہ کوئی چیز تم سے جاتی رہے تو اس کا رنج نہ کرو اور کوئی نعمت خدا تم کو عطا کرے تو اس پر اتراؤ مت، اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آدمیوں کو جو مصیبت اور تکلیف بدنی پیش آتی ہے۔ وہ براءت اور تندرستی پہلے سے اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کی تقدیر میں مقدر ہو چکی ہے۔ ضمیر ھا کے مرجع میں مفسرین کے تین قول ہیں بعض نے کہا ہے۔کہ اس کا مرجع لفظ انفس ہے اور بعضے مصیبت اور بعضے ارض کہتے ہیں۔ اس کے بعد بیان فرمایا ہے کہ تکلیف پہنچانے اور تندرستی بخشنے سب باتوں پر اُسے قدرت ہے اور یہ امور اُسکے نزدیک کوئی دشوار نہیں اور اس کے مقدر کرنے کی علت اور حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب بندوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ جو مصیبت انہیں پیش آتی ہے وہ پہلے سے تقدیر الٰہی میں مقدر تھی، تو ان کو اپنے مطلوب کے فوت ہونے پر غم و اندوہ پیدا نہ ہوگا اور نہ کسی مرغوب چیز کے حاصل ہونے پر اترانے لگیں گے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں کوئی نہ کوئی دکھ لگا ہے۔ تو پھر ایسی چیزوں کے حاصل ہونے پر جن کے ساتھ مصیبت لگی ہے فرحت اور خوشی ظاہر کرنے کا کیا موقع ہے چونکہ مصیبت کسی محبوب چیز کے فوت ہونے یا اُس کے چلے جانے کے خوف و اندیشہ یا کسی مکروہ چیز کے حصول یا اس کے حاصل ہونے کے خوف کو متضمن ہوتی ہے اس لیے اللہ سبحانہ نے جملہ لِکَیۡلَا تَاسَوا سے متنبہ فرمادیا ہے کہ جو مرغوب چیز حاصل ہو، اُس کی مفارقت پر اور کسی مطلوب چیز کے نہ حاصل ہونے پر غم و اندوہ ہونا چاہیے۔ اور جملہ لَا تَفۡرَحُوۡا میں اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی مطلوب چیز حاصل ہو جائے تو قبل اس کے کہ اس کی مفارقت کا وقت آئے نفس کو پہلے سے اس کی مفارقت کا متحمل بنا لینا اور پھر مفارقت کے صدمہ پر صبر کرنا ضروری ہے چونکہ جملہ مصائب بدنی اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ اور جو بندے کو یقین ہوگا کہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقدر اور مکتوب ہیں۔ اور جو مصیبت پیش آئے وہ کبھی ٹلنے کی نہ تھی۔ اور ٹل گئی ہے وہ کبھی پیش آنیوالی نہ تھی تو آدمی کے دل میں ایک سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا اور ان کا تحمل اور

Marfat.com

برداشت کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور اُن کی نسبت یہ سمجھے گا کہ گرمی، سردی وغیرہ مقررہ چیزوں کی طرح یہ بھی مقررہ امور ہیں۔

**فصل۔** نوع رابع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے افعال کا مفعول لہٗ ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ قاعدہ مقررہ ہے کہ مفعول لہ اپنے فعل کی علت ہوا کرتا ہے تو یہ آیات صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت اور غایت سے خالی نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً (اور اے پیغمبر) ہم نے تم پر (یہ) کتاب نازل کی ہے (جس میں) ہر چیز کا بیان (شافی) ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت، اس آیت میں مصادر تبیاناً ہدیً اور رحمۃً کو بنا بر مفعول لہ منصوب قرار دینا راجح اور احسن ہے چنانچہ دوسری آیت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ لایہ اور وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (اور دوسری غرض یہ ہے کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کریں (اور (تیسری) غرض یہ ہے کہ تم (قبلے کے بارے میں) سیدھے رستے لگو) سے صراحۃً یہ مضمون ثابت ہے، اتمام نعمت سے رحمت مراد ہے وقال تعالیٰ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ (اور ہم نے کسی گاؤں کو بے اسکے ہلاک نہیں کیا کہ آگاہ کرنے کو ان کے پاس ڈرسنانے والے (پیغمبر) آئے (اور انہوں نے نہ مانا) اور ہم ظالم نہیں ہیں، وقال تعالیٰ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (اور البتہ ہم نے قرآن کو لوگوں کو نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا ہے، یعنی ذکر کے لیے چنانچہ دوسری آیت میں ہے فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (تو (اے پیغمبر) ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری بولی میں اس غرض سے آسان کر دیا ہے کہ یہ (اہل عرب) نصیحت

Marfat.com

پکڑیں)، وقال تعالیٰ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (لوگوں کے دِلوں میں خدا کا) خیال ڈالتی ہیں تاکہ حجت تمام ہو اور ڈرایا جائے، یعنی عذر دُور کرنے اور ڈرانے کے لیے وقال تعالیٰ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا فرمائی جس سے نیکوں کاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی اور اس میں کل باتوں کے تفصیلی احکام موجود ہیں، اور (لوگوں کے لیے) ہدایت اور رحمت ہے) اور یہ کتاب موسیٰ کو اس غرض سے دی گئی) تاکہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا یقین لائیں) اس آیت میں تمام مصادر تمامًا، تفصیلًا، ہدًی اور رحمةً مفعول لہٗ ہیں وقال تعالیٰ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا. مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (ہم ہی نے اوپر سے پانی برسایا)، (تم لوگوں کو اور تمہارے چارپایوں کو فائدہ پہنچے) تک لفظ متاع تمتیع کے موقع پر استعمال کیا گیا ہے، جیسے سلام تسلیم کے اور عطا اعطا کے موقع میں استعمال کئے جاتے ہیں، اور اللہ سبحانہ کے قول يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی کی چمک تم لوگوں کو دکھاتا ہے) میں دو احتمال ہو سکتے ہیں، اوّل یہ کہ خوفًا اور طمعًا بمعنی اخافت و اطماع يُرِيْكُمْ کے مفعول لہٗ ہوں اور یہی احسن اور راجح ہے دوم یہ کہ فعل محذوف کے معمول ہوں یعنی يريكم البرق کے بعد فَيَخَافُوْنَ خَوْفًا وَيَطْمَعُوْنَ طَمَعًا محذوف ہے، جس سے یہ حال واقع ہیں وقال تعالیٰ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا (کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف (نظر بھر کر) نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس کو کیسا بنایا) تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (تاکہ جتنے بندے (ہماری طرف رجوع لانے والے ہیں (وہ ہماری قدرت کا تماشا دیکھیں) تک۔ یعنی تبصرہ

Marfat.com

اور ذکر کے لیے اور دونوں میں فرق یہ ہے۔ کہ تبصرہ توعلم اور معرفت کا سبب ہے اور ذکر کی توجہ الی اللہ اور انقیاد کا موجب ہے۔ اور اِن دو تو امر سے ہدایت کا اتمام ہوتا ہے۔

**فصل۔** نوع خامس وہ آیات ہیں جن میں لفظ اَنْ اور اس کے بعد فعل مستقبل اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اپنے ماقبل کی علت ظاہر کرے قولہ تعالیٰ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا (کہ مبادا کل کلاں کو) کہیں یہ کہہ بیٹھو کہ ہم سے پہلے (یہود و نصاریٰ) بس دو ہی گروہ پر کتاب اتری تھی وقولہ تعالیٰ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى (کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی کہنے لگا اے افسوس)، وقولہ تعالیٰ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے گی تو ایک دوسری کو یاد دلادیگی)، وغیرہ وہ آیات جن میں اَنْ کے بعد فعل مستقبل اس واسطے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ماقبل کی علت ظاہر کرے۔ اس قسم کی آیات کے متعلق نحویین کوفہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ وہ لفظ اَنْ سے پہلے حرف ل مکسور اور اس کے لا نفی محذوف قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں لِئَلَّا تَقُوْلُوْا اور لِئَلَّا تَقُوْلَ ہے۔ اور اہل بصرہ کا یہ مذہب ہے کہ وہ اَنْ سے پہلے مفعول لہٗ محذوف ٹھہراتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں یوں ہے كَرَاهَةَ اَنْ تَقُوْلُوْا یا حذار اَنْ تَقُوْلُوْا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ یہ دونوں مذہب اللہ تعالیٰ کے قول اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى میں کس طرح جاری ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر لِئَلَّا محذوف مانکر یوں کہا جائے لِئَلَّا تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا تو فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا کو اس پر عطف کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اور اسی طرح اگر حَذَارَ اَنْ تَضِلَّ کہا جائے تب بھی عطف درست نہیں۔ اور اگر لفظ لفظ ارادہ محذوف سمجھ کر اِرَادَةَ اَنْ تَضِلَّ کہا جائے تو یہ مطلب بھی ٹھیک

Marfat.com

نہیں. تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا مطلب ایسا ظاہر ہے کہ اس سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا. کیونکہ مطلب یہ ہے. کہ جب ایک عورت شہادت دینے میں کچھ غلطی کرے یا کوئی بات اُسے بھول گئی ہو. تو دوسری عورت اُس کو سمجھا دے. اور چونکہ غلطی کرنا یاد دلانے کا سبب ہے اس لیے اس کو علت کے قائم مقام کیا گیا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ میں نے اِس لکڑی کو اس لیے تیار رکھا ہے کہ جب دیوار گرنے لگے گی - تو اس کو ستون بنا دوں گا یعنی اس لکڑی اسلئے تیار رکھا ہے نہ کہ دیوار کے گرانے کے لیے یا یوں کہا کرتے ہیں. کہ یہ دوائیں تے اس لیے مہیا کر رکھی ہے. کہ اگر بیمار ہو گیا تو اُس کو استعمال کروں گا وغیرہ اس قسم کے اور بھی محاورے ہیں. سیبویہ اور اہل بصرہ کا یہ قول ہے. اہل کوفہ کا یہ قول ہے کہ یہاں لفظ کیٔ محذوف ہے اور اصل میں یوں ہے کیٔ تُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی اِنْ ضَلَّتْ (مگر چونکہ جزا مقدم ہو گئی. اس لیے ان حرف شرط بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہو گیا اور اس کو فتحہ دیا گیا. فرا نے کہا کہ یہ آیت اِس محاورہ کے مطابق ہے یُعْجِبُنِیْ اَنْ یَّسْاَلَ السَّائِلُ فَیُعْطٰی اس کا معنی یہ ہے کہ اگر سائل سوال کرے تو اس کو کچھ دے دینا مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ سوال کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے بلکہ سوال کرنے پر عطا کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے اور آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ (اور اے پیغمبر ان لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا. اور ان کے مقابلے میں خود انہی کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ ان سے پوچھا کیا میں

Marfat.com

تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں (اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو) کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا اور ہم اُن ہی کی اولاد تھے (کہ اُن کے بعد دُنیا میں آئے جیسا بڑوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی ہم بھی کرنے لگے) میں بھی لفظ اَنْ کے بعد فعل مستقبل، قبل کی علت بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ نے اس آیت میں اخذ میثاق یعنی بنی آدم سے وعدہ لینے کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے، کہ قیامت کے دن وہ یہ حجت نہ کریں کہ ہم اس دین سے جاہل اور ناواقف تھے یا کہ ہم اپنے باپ دادا کی تقدیر پر رہے۔ ہمارا کیا قصور ہے اور اسی طرح آیت وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ (اور قرآن کے ذریعے سے (ان کو) سمجھاتے رہو کہ کہیں (ایسا نہ ہو) کوئی شخص قیامت میں، اپنے کرتوت کے بدلے مبتلائے آفت ہو جائے) میں بھی لفظ اَنْ کے بعد فعل مستقبل اظہار علت کے لیے مذکور ہے۔ لفظ بِهٖ میں ضمیر مجرور قرآن کی طرف راجع ہے اور اَنْ تُبْسَلَ بنا بر مفعول لہ ہونے کے منصوب ہے۔ اور اصل میں اس طرح ہے حَذَارَ اَنْ تُبْسَلَ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات سے بچنے کے لیے (ہمارے احکام) سمجھا دو کہ کوئی جان (بخری میں) ہلاکت میں پڑے اور اپنی بداعمالی کی سزا میں گرفتار رہے۔

**فصل**۔ نوع سادس۔ وہ آیات ہیں جن میں حرف علت یعنی مِنْ اَجْلِ بالتصریح موجود ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (اسی (واقعہ کی) وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریری حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلے نہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی سزا

Marfat.com

کے طور پر نہیں (بلکہ ناحق) کسی کو مار ڈالے تو داس کی نسبت ایسا سمجھا جائے گا کہ) گویا اُس نے تمام آدمیوں کو مار ڈالا) بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ جملہ فَاَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِیْنَ کی علت ہے یعنی قابیل اپنے بھائی کے قتل کرنے کی وجہ سے نادم ہوا۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ ایک تو سیاق نظم اور ترتیب کے خلاف ہے۔ دوسرے اُس کے ذکر کرنے میں کچھ ایسا بڑا فائدہ نہیں۔ اور کنایت مذکورہ کے ساتھ علت بیان کرنے کی دقعت اور قتل کی برائی کی عظمتِ شان جاتی رہے گی۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ ایک شخص کا قتل کرنا ایک دوسری اُمت وجماعت پر حکم مذکور کے مقرر کرنے کی علت کس طرح ہو سکتا ہے اور نیز ایک جان کا قتل کرنے والا تمام لوگوں کے قاتل کے حکم میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کبھی اپنے قضاء وقدر کو شرع اور امر کے لیے علت اور سبب ٹھیراتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کوئی اور تقدیری حکم کو شرعی اور دینی حکم کے لیے علت قرار دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ جان کا مار ڈالنا اُس کے نزدیک اعلےٰ درجہ کا ظلم اور فساد ہے اِس لیے اس کو تمام برائیوں سے بڑا بنایا ہے اور سب کے گناہ سے اُس کا گناہ زیادہ ٹھیرایا۔ اور ایک جان کے مار ڈالنے والے کو تمام لوگوں کے قاتل کے حکم میں فرمایا ہے اور تشبیہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ مشبہ من کل الوجوہ مشبہ بہ کے موافق ہو۔ اور جبکہ سب نفوس کا قاتل دوزخ میں داخل ہو گا اور ایک جان کا قاتل بھی اس میں داخل کیا جائے گا۔ اور دوزخ میں داخل ہونے کی صفت میں دونو یکساں ہیں۔ اس واسطے تشبیہ صحیح اور درست ہے اور من کل الوجوہ موافق ہونا تشبیہ کے لیے ضروری نہیں جیسے کہ جو شخص شراب کا ایک قطرہ پی لے وہ بھی گناہگار ہے اور جو کوئی من بھر پی جائے وہ بھی گناہگار ہے اور دونو محض گناہگار ہونے میں یکساں ہیں گو مقدار

Marfat.com

میں تفاوت اور اختلاف ہے۔ اور اسی طرح جس نے ایک بار زنا کیا وہ بھی گناہگار ہے اور جس نے کئی بار کیا وہ بھی گناہگار ہے۔ اور دونوں گناہگار ہونے میں شریک ہیں۔ اگرچہ گناہ کی مقدار میں فرق ہے۔ گو گناہگار تو دونوں ہیں۔ مجاہدؒ کے اس قول کہ جو شخص ایک جان کو مار ڈالے وہ بھی ویسا ہی دوزخ میں داخل ہوگا۔ جیسا کہ وہ شخص جو سب آدمیوں کو مار ڈالے، کا یہی مطلب ہے غرض نفس عذاب میں تشبیہ ہے دونوں کو عذاب ہوگا اور صفت عذاب میں تشبیہ نہیں کہ دونوں کو ایک ہی قسم کا عذاب ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیاوی عقوبت اور سزا میں تشبیہ ہو۔ کیونکہ دنیاوی سزا ایک جان کے قاتل اور بہت سی جانوں کے قاتل پر ایک ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص شراب کا ایک قطرہ پی لے تو دنیا میں اس پر بھی وہی حد قائم ہوگی۔ جو شراب کی ایک مشک پینے والے پر قائم ہوگی۔ اور جو ایک عورت سے زنا کرے۔ اس پر اور جو ہزار عورتوں سے زنا کرے۔ دونوں پر ایک ہی حد قائم کی جائے گی حسن اور ابن زید نے بھی مطلب بیان کیا ہے۔ کہ ایک جان کے مار ڈالنے پر وہی قصاص آتا ہے جو سب لوگوں کے مار ڈالنے پر آئے گا۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے ایک مومن جان کو مار ڈالا چونکہ اس نے سب مسلمانوں کو صدمہ اور غم پہنچایا ہے۔ تو گویا اس نے اس ایذا اور غم پہنچانے کی وجہ سے سب کو ہلاکت میں ڈالا اور وہ سب کا دشمن ہو گیا ابن انباری کا یہی قول ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک تاویلیں اور وجوہ ہو سکتے ہیں۔

**فصل**۔ نوع سابع وہ آیات ہیں جن میں لفظ لَعَلَّ مذکور ہے لفظ لَعَلَّ کلام الٰہی میں تعلیل کے معنی میں مستعمل اور ترجی کے معنی سے خالی ہوتا ہے اس میں ترجی کے معنی اس وقت پائے جاتے ہیں جب مخلوق کی جانب سے ہو اور جس کے حق میں ترجی صحیح نہیں ہو سکتی یعنی اللہ سبحانہ تو اس کے حق میں محض تعلیل

Marfat.com

کے واسطے مذکور ہے قولہ تعالیٰ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں پیدا کیا عجب نہیں تم (آخر کار) پرہیزگار بن جاؤ، بعض مفسرین کا قول ہے کہ جملہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ جملہ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کی علت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جملہ خَلَقَكُمْ کی علت ہے اور صحیح یہ ہے کہ شر[ع] اور خلق دونوں کی علت ہے وکقولہ تعالیٰ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ [عَلَى] الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (جس طرح تم سے پہلے لوگوں (یعنی اہل کتاب) پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم (بہت سے گناہو[ں] سے بچو) وقولہ تعالیٰ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (ہم نے اس قرآن کو زبان عربی میں (اس لیے) اتارا ہے کہ تاکہ تم (عرب کے لوگ، مادری زبان ہونے کی وجہ سے اس کو بخوبی سمجھ سکو) وقولہ تعالیٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تاکہ تم نصیحت پکڑو) قولہ تعالیٰ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (شاید وہ سمجھے یا ہمارے عذاب سے ڈرے)، ان تمام آیات میں لفظ لعل اللہ سبحانہ کی نسبت بمعنی تعلیل ہے اور مخاطبین کے لحاظ سے اس میں ترجی کے معنی بھی پائے جاتے ہیں ۔

**فصل** - نوع ثامن وہ آیات ہیں جن میں حکم کونی یا شرعی کو ایسے وصف کے بعد ذکر کیا گیا ہے جو اس کے ساتھ مناسب ہے اور ان کی تین قسمیں ہیں اول وہ جن میں لفظ اِنْ مذکور ہے دوم وہ جن میں حرف فا مذکور ہے، سوم وہ جو ان دونوں سے خالی ہیں ۔

قسم اول کی مثالیں وَزَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ

Marfat.com

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (اور زکریا کو (یاد کرو) جب انہوں نے (اولاد کی طرف سے مایوس ہوکر) اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اکیلا (یعنی بے اولاد) نہ چھوڑ اور یوں تو تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے تو ہم نے ان کی (فریاد) سن لی اور ان کو یحییٰ فرزند عنایت کیا اور ان کی بی بی کو ان کے لیے بھلا چنگا کر دیا یہ لوگ جن کا اوپر مذکور ہوا) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو ہمارے فضل کی) توقع اور ہمارے عذاب کے) خوف سے پکارتے تھے اور آگے عاجزی کیا کرتے تھے وقولہ تعالےٰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ (بے شک پرہیز گار (بہشت کے) باغوں میں ہوں گے اور چشموں میں خدا دے اور بندہ لے یہ لوگ اس سے پہلے نیکوکار تھے وقولہ تعالےٰ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ (تاکہ ہم بدکاری اور بےحیائی (کے کام) اُن سے دور رکھیں۔ کچھ شک نہیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے) وقولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (اور بنی اسرائیل میں ہے) جو لوگ کتاب (تورات) کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں تو ایسے نیکوکاروں کے ثواب کو ہم ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

قسم دوم کی مثالیں وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا (اور (مسلمانو) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو اُن کے (اس) کرتوت کے بدلے میں (بلا امتیاز) دونوں کے (دہنے) ہاتھ کاٹ ڈال وقولہ تعالیٰ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (عورت اور مرد زنا کریں تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو)

تیسری قسم کی مثالیں اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (بیشک پرہیزگار

Marfat.com

لوگ (بہشت کے) باغوں میں ہوں گے اور چشموں میں، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام (بھی) کیئے اور نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے رہے (ان کے لیئے) کا ثواب اُن کے پروردگار کے ہاں ملیگا) اس قسم کی آیات قرآن کریم میں کئی ہزار سے زیادہ موجود ہیں بلکہ تمام قرآن اس قسم کی آیات سے بھرا ہوا ہے اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ ان آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات وافعال اُن احکام کے لیے جو ان پر مرتب کئے گئے ہیں، اسباب ہیں. اور ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالٰی کے افعال و اوامر معلل ہیں. ان دونوں میں بڑا فرق ہے. تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ان اوصاف کو ان احکام کی علت اور سبب ٹھرایا ہے تو معلوم ہوا کہ اس نے اِن احکام شرعیہ اور قدریہ کو انہی اوصاف کے سبب سے جاری فرمایا ہے، اور اس نے علت اور حکمت کے بغیر ان کو مقرر اور جاری نہیں فرمایا. اسی واسطے جو لوگ اللہ سبحانہ کے افعال میں تعلیل اور حکمت کے منکر ہیں. وہ اسباب کا بھی انکار کرتے ہیں. اور اللہ تعالٰی کے کسی حکم کونی یا دینی کے لیے کوئی سبب یا حکمت اور علت غائی نہیں ٹھہرلتے. اور جو شخص اللہ سبحانہ کے احکام شرعیہ. قدریہ اور جزا و سزا کے احکام میں غور کرے گا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ منکرین اسباب و حکم کا قول بالکل غلط ہے اور اللہ سبحانہ نے اپنے احکام کو علل و اسباب پر مرتب فرمایا ہے اور پھر اس کو اپنے کلام میں بیان بھی فرما دیا ہے. اس کے علاوہ حس. مشاہدہ. عقل و فطرت سب کے سب وجود اسباب و علل پر دلالت کرتے ہیں. اور اگر ہم اس کو تفصیل سے بیان کریں تو صرف اس مضمون کے لیے چند کتابیں درکار ہیں.

Marfat.com

**فصل** نوع تاسع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کسی حکم شرعی یا قدری کے عدم کی یہ علت بیان فرمائی ہے کہ یہ حکم اس لیے جاری نہ ہوا کہ اس کے لیے فلاں چیز مانع ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ اور اگر یہ بات نہ ہوئی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو دساز وسامان دنیا ہمارے ہاں اس قدر حقیر ہے کہ، جو لوگ منکر (خدائے) رحمٰن ہیں ان کے لیے ان کے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کر دیتے وقال تعالیٰ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے (ان کی روزی فراخ کر دے تو وہ ضرور سرکشی کرنے لگیں مگر وہ بقدر مناسب (ہر ایک کی) جتنی روزی چاہتا ہے اتارتا ہے کیونکہ، وہ اپنے بندوں (کی ضرورتوں) سے خبردار اور ان کے حال کا نگران ہے، وقال تعالیٰ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ اور ہم کو (فرمائشی) معجزوں کے بھیجنے سے (اور کوئی وجہ) مانع نہیں رہی مگر یہی کہ اگلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا، آیات سے وہ آیات اور معجزات مراد ہیں جن کو منکرین لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے اپنی طرف سے سوال کرتے تھے. مراد نہیں، جن کو اللہ سبحانہ نے بغیر کسی کے سوال اور درخواست کے انبیاء کی صداقت کے لیے ظاہر فرمایا. وقال تعالیٰ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۔ اور اگر ہم اس کو عربی کے سوا دوسری زبان کا قرآن بناتے تو (یہ کفار مکہ) ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں ہماری زبان میں ہم کو) اچھی طرح کھول کر کیوں نہیں سمجھائی گئیں کیا (تعجب کی بات ہے قرآن کی زبان) عجمی (یعنی اوپری) اور (ہماری) عربی، وقال

Marfat.com

تعالیٰ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ (اور کافر) کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا اور اگر ہم فرشتے کو بھیجتے تو جھگڑا ہی چک گیا تھا کہ فرشتے کے آنے پر نہ مانتے تو ضرور فوراً عذاب نازل ہوتا، پھر انکو کسی طرح کی مہلت بھی نہ ملتی اور اگر ہم رسول کا مددگار کوئی فرشتہ بناتے تو اس کو بھی آدمی ہی بناتے (کیوں ان کو فرشتوں کے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں) اور جو شبہے (یہ لوگ اب) کر رہے ہیں، وہ شبہے ہم (اس وقت بھی) ان (کے دلوں) پر طاری کر دیتے، اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اس طرح پر فرشتے کے بھیجنے کے مانع کو کہ لوگ اس کو آنکھوں سے دیکھتے اور مشاہدہ کرتے بیان فرمایا ہے۔ وہ مانع یہ ہے کہ اس کی حکمت اور مخلوق کی حالت کی رعایت کا یہی مقتضی ہے کہ دنیا میں اس طور پر فرشتے نہ بھیجے جائیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیج دیتا اور لوگ اس کو آنکھوں سے دیکھ کر پھر ایمان نہ لاتے تو اسی وقت ہلاک کئے جاتے ہیں اور مہلت نہ ملتی۔ رسول کے بشر ہونے میں یہ حکمت ہے کہ رسول جب ان کا ہم جنس اور ان ہی جیسا آدمی ہوگا۔ تو وہ اس سے کھلے طور بات چیت کر سکیں گے اور احکام الٰہی اور دینی ضروریات کے استفسار و دریافت کرنے میں ہر طرح سے سہولت اور آسانی پیدا ہوگی۔ اور اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اپنی اصلی ہیئت ملکی میں ہوتا یا آدمی کی شکل پر اگر اپنی اصلی ہیئت پر ہوتا، تو اس کی ہیبت و دہشت کی وجہ سے آدمی اس سے احکام نہ سیکھ سکتے اور اگر آدمی کی شکل پر ہوتا تو منکرین رسالت کا مقصود حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا۔ اور وہ فرشتہ جو بشکل آدمی ہوتا ہے اسکی نسبت بھی یہی کہتے کہ یہ تو بشر ہے فرشتہ نہیں اور بشر رسول

نہیں ہو سکتا لہذا یہ بھی رسول نہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اس خیال اور اس کے جواب کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (اور جب لوگوں کے پاس (خدا کی طرف سے) ہدایت آ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی کہ لگے کہنے کیا خدا نے آدمی کو (پیغمبر) بنا کر بھیجا ہے (اے پیغمبر) تم ان لوگوں کو جواب دو کہ اگر فرشتے (بستے) ہوتے کہ (روئے زمین پر) اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم فرشتے ہی کو آسمان سے پیغمبر (بنا کر) ان کے پاس بھیجتے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے ورسول نہ بنانے کا سبب اور مانع بتلا دیا ہے کہ ملائکہ کے لیے زمین مسکن نہیں بنائی گئی اور نہ وہ اس میں مطمئن ہو کر رہ سکتے ہیں بلکہ وہ گاہ گاہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پہنچانے اور ان کے جاری کرنے کے لیے زمین میں اترتے ہیں اور پھر آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ وقال تعالیٰ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ (اور ہم کو فرمائشی معجزوں کے بھیجنے سے (کوئی وجہ) مانع نہیں (ہوئی) مگر یہ کہ اگلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اس امر کی حکمت اور مانع بتلا دیا ہے کہ منکرین کی طلب اور سوال کے موافق رسول صلعم کو آیات اور معجزے اس لیے عطا نہیں فرمائے کہ ایسے آیات موجب ایمان نہیں کیونکہ امم سابقہ نے جب انبیاء سے معجزات طلب کیے اور ان کی خواہش اور سوال کے مطابق ان کو دے گئے تو امم سابقہ نے ان کی تکذیب کی جس پر وہ ہلاک اور تباہ کی گئیں پس چونکہ ایسے معجزات عطا کرنے میں سائلین کے لیے مصلحت نہیں لہذا اپنے پیارے نبی

Marfat.com

کو وہ معجزات جو منکرین نے طلب کئے ہیں عطا نہیں فرمائے۔ کیونکہ اس کی حکمت کا یہ مقتضی نہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے قوم ثمود کا ذکر فرمایا ہے کہ جب انہوں نے معجزہ ناقہ طلب کیا اور اُن کی طلب کے موافق عطا کیا گیا تو وہ ایمان نہ لائے اور ایمان نہ لانے کے سبب ہلاک کئے گئے۔ پس ان کے سوال کے پورا کرنے میں ان کی بیخکنی اور بربادی ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیَاتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (اور دیکھو) ہم معجزے بھیجا کرتے ہیں تو، صرف ڈرانے کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں، یعنی معجزات و آیات کو ہم خوف دلانے اور ڈرانے کے لیے ظاہر کرتے ہیں لفظ تخویفاً بنا بر مفعول لہٗ ہونے کے منصوب ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ جن آیات سے چاہتا ہے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اپنی شرارت سے باز آجائیں اور عبرت حاصل کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ وہ آیات جن سے اللہ تعالیٰ بندوں کو ڈراتا ہے عام ہیں خواہ نبی کے وقت میں ظاہر ہوں، یا اس کے بعد کسی دوسرے زمانے میں واقع ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ ہمیشہ ایسے آیات ظاہر فرماتا رہتا ہے جن کے دیکھنے سے بندوں کے دلوں میں خوف اور عبرت، پیدا ہو وقال تعالیٰ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور کافر کہتے ہیں کہ اس (مدعی رسالت) کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان (یعنی معجزہ جیسا ہم کہتے ہیں)، کیوں نہیں اترا اے پیغمبر تم ان کے جواب میں، کہو کہ اللہ تعالیٰ (یعنی فرمائشی معجزے) کے اُتارنے پر (بھی) قادر ہے مگر ان میں کے اکثر (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے) یعنی اکثر لوگ اس امر کی حکمت نہیں سمجھتے۔ کہ ایسے آیات ومعجزات جو منکرین طلب کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر نہ کرتے میں بندوں کی کیا

Marfat.com

مصلحت ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر کرنے پر قادر ہے کیونکہ اس بات پر اللہ تعالےٰ کے قادر ہونے میں جو لوگ اس کے وجود کے قائل ہیں۔ ان میں سے کسی کو شک و شبہ نہیں۔ البتہ ایسے معجزات کے ظاہر نہ کرنے کی حکمت و مصلحت کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔

**فصل۔ نوع عاشرہ** وہ آیات ہیں۔ جن میں اللہ سبحانہ نے اُن حکمتوں اور غایات کو بیان فرمایا ہے جو اُس نے سلسلہ خلق اور امر میں ودیعت رکھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ (جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بنایا اور آسمان کی چھت اور آسمان سے پانی برسا کر اُس سے تمہارے کھانے کے پھل پیدا کیے) وقولہ تعالےٰ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا۔ لوگو! کیا ہم نے زمین کو (تمہارا) فرش اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا اور (اس کے علاوہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد عورت) پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو (موجب) راحت بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ پوش بنایا اور ہم ہی نے ان کو روزی کے دھندوں کا وقت) بنایا) وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (اور ہم ہی نے بادلوں سے زور کا پانی برسایا تاکہ ہم اُس کے ذریعے سے غلہ اور ہر طرح کی روئیدگی اور گھنے گھنے باغ (زمین سے) نکالیں) تاکہ وقولہ تعالیٰ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا وَّجَعَلْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰکُمْ

Marfat.com

کِفَاتًا اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا (کیا ہم نے زمین کو جیتوں اور مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا! اور اس کے علاوہ اس میں اونچے اونچے اٹل پہاڑ رکھ دیے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا) وقولہ تعالیٰ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَھَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ وَمِنْ اَصْوَافِھَا وَاَوْبَارِھَا وَاَشْعَارِھَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ اور اللہ ہی نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو ٹھکانا بنایا، اور چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لیے (ایک خاص قسم کے) گھر (یعنی خیمے وغیرہ) بنائے کہ تم اپنے کوچ کے وقت ٹھیرنے کے وقت ان کو ہلکا پھلکا پاتے ہو اور چارپایوں کی اون اور ان کی رؤوں اور ان کے بالوں سے تمہارے، بہت سے سامان اور بکار آمد چیزیں بنائیں کہ تم، ایک وقتِ خاص تک (ان سے فائدہ اٹھاؤ)، اور اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں سے (از قسم غار وغیرہ)، تمہارے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے (کپڑے کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچائیں اور کچھ لوہے کے کرتے بنائے یعنی زرہیں (جو تم کو تمہاری ایک دوسرے کی) زد سے بچائیں)، وقولہ تعالیٰ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖٓ ﴿ تو آدمی کو چاہیے کہ ذرا اور نہیں تو اپنے کھانے (ہی) کی طرف نظر کرے)، مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْ (یہ سب) اس لیے کہ تم لوگوں کو اور تمہارے چارپایوں کو فائدہ پہنچے اِتنک

وقولہ تعالیٰ وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا (اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ بھی

Marfat.com

ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان کی طرف رغبت کرنے سے، راحت ملے) وقولہ تعالیٰ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھَارَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ (اللہ ہی ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعے سے درختوں کے پھل نکالے، کہ وہ تمام لوگوں کی روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں بڑے چکر کھا رہے ہیں اور ایسا ہی ایک طرح سے) اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا، وقولہ تعالیٰ اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (لوگو!) اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا تاکہ خدا کے حکم سے اس میں جہاز چلیں اور تاکہ تم لوگ اس کے فضل (یعنی معاش) کو تلاش کرو، ان کے علاوہ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں، اگر کوئی شخص تھوڑا سا غور کرے تو اس کو ان آیات سے اس بات کا یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان اشیاء کو کئی ایک مصالح اور حکمتوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ جن میں سے صرف بعض کا ذکر فرمایا ہے اور بعض دوسرے ہیں اُن کا ذکر ہی نہیں فرمایا و قولہ تعالیٰ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ

Marfat.com

لِلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (اور (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں بنا لیتے ہیں۔ ان میں چھتے بنا پھر ہر طرح کے پھلوں میں سے (اُن کا عرق) چوستی پھر پھر (مزے سے) اپنے پروردگار کے تعلیم کئے ہوئے آسان طریقوں پر چلی جا۔ مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (یعنی شہد) جس کی رنگتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں (اور) اس میں لوگوں کی (بہت سی بیماریوں) کی شفا ہے۔ بیشک غور کرنے والوں کے لیے اس میں بھی قدرتِ خدا کی ایک بڑی) نشانی ہے) (قولہ تعالیٰ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ کَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ (اور (لوگو!) تمہارے لیے چارپایوں میں بھی سوچنے کی جگہ ہے کہ اُن کے پیٹ میں جو (الا بلا بھری) ہے اس سے ہم تم کو دودھ پلاتے ہیں اور (دودھ کے علاوہ) چارپایوں میں تمہارے لیے (اور بھی) بہت فائدے ہیں اور اُن میں سے (بعض کو) تم کھاتے (بھی) ہو) وقولہ تعالےٰ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ وَلَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بَالِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اُسی نے چارپایوں کو پیدا کیا جن (کی کھال اور اُون) میں تم لوگوں کی جڑاول ہے اور (اُور بھی بہت طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے (بھی) ہو اور جب شام کے وقت (اُن کو چرا کر) گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو اُن کی وجہ سے

Marfat.com

تمہاری رونق بھی ہے، اور جن شہروں تک تم بے جان کا ہی نہیں پہنچ سکتے چار پائے وہاں تک تمہارے بوجھ (بھی) اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (تم پر) بڑی شفقت رکھتا (اور) مہربان ہے اور (اسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ تم ان سے سواری لو اور سواری کے علاوہ وہ چیزیں موجب (زینت بھی ہیں) اور وہی (اور بہت چیزیں) جن کو تم نہیں جانتے پیدا کرتا ہے اکیا جس شخص کے افعال کسی حکمت مصلحت اور غایت مقصودہ کے لیے نہ ہوں وہ اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ہم نے یہ کام فلاں مصلحت کے لیے کیا اور وہ کام فلاں حکمت کے لیے اور اس کا یوں کہنا کبھی صحیح ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ظاہر ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالحکمۃ ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ ان آیات کا خلاف کرتے ہیں۔

**فصل۔** نوع گیارہویں وہ آیات ہیں۔ جن میں اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کے خیال کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ نے مخلوق کو کسی غایت یا حکمت کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ محض عبث طور پر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (لوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) بے کار پیدا کر دیا ہے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (کیا انسان (ایسا) خیال کرتا ہے کہ اس کو (بلا باز پرس) یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ اور ہم نے آسمانوں (کو) اور زمین کو اور جو چیزیں زمین و آسمان میں ہیں ان کو کھیل بناتے کیلئے پیدا نہیں کیا ہم نے زمین و آسمان کو (ایک غرض اور) مصلحت سے پیدا کیا ہے (حق سے وہ حکم اور غایات محمودہ مراد ہیں جن کے لیے یہ تمام سلسلہ قائم اور پیدا کیا ہے اور ان غایات اور حکمتوں کے بہت سے انواع ہیں

Marfat.com

منجملہ ان کے ایک یہ حکمت ہے کہ مخلوق کو اللہ سبحانہ کے اسماء صفات اور
افعال اور آیات کی معرفت حاصل ہو۔ اور ایک یہ حکمت ہے کہ ان کے
دلوں میں اُس کی محبت پیدا ہو۔ اور اُس کی عبادت۔ ذکر۔ شکر اور اطاعت
میں مصروف ہوں۔ اور ایک یہ حکمت ہے کہ اس کا امر اور نہی جاری ہو۔ اور
شرائع کو مقرر فرمائے۔ اور یہ کہ اپنی مملکت میں اپنا تصرف و تدبیر اور تنفیذ احکام
فرمائے اور یہ کہ فرماں برداروں اور نیک لوگوں کو ثواب اور بدلہ عطا فرمائے
اور نافرمانوں اور بدکاروں کو سزا دے تاکہ اس کے عدل و فضل کا اثر موجود
مشاہد ہو جس پر اس کی تعریف و ثنا کریں اور شکر بجالائیں۔ اور یہ کہ مخلوق کو
معلوم ہو جائے کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔ اور سب کا وہی
رب ہے۔ اور یہ کہ صادق کو اس کی صداقت پر عزت بخشے اور کاذب کو اس
کے کذب پر ذلت پہنچائے اور یہ کہ اللہ سبحانہ کے مختلف اسماء اور متعدد
اوصاف کے آثار وجودِ ذہنی اور خارجی میں ظاہر ہوں جس سے بندوں کو ایسا
علم حاصل ہو جو واقع کے مطابق ہو۔ یعنی جب بندوں کو اللہ کے اسماء و صفات
کا اعتقاد ہوا اور اس کے مطابق اسماء و صفات کے آثار ظاہر ہوں تو یہ علم
نفس الامر اور واقع کے مطابق ہو گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے پر یقین کیا
اور پھر قدرت کے آثار خارج میں پائے گئے۔ تو یہ اعتقاد نفس الامر اور
واقع کے مطابق ہوا۔ اور یہ کہ سب مخلوق اُس کی توحید ربوبیت۔ الوہیت۔
معبودیت اور خالقیت اور مالکیت پر شاہد ہو اور یہ کہ اُس کے کمال کے
آثار کا ظہور ہو۔ کیونکہ صنعت اور پیدا کرنا اُس کے کمال کے لوازم سے ہے اس
لئے کہ وہ حیّ قدیر ہے اور جو شخص حیّ اور صاحب قدرت ہو وہ اپنے افعال
میں فاعل مختار ہوتا ہے اور یہ کہ مخلوقات میں اُس کی حکمت کے آثار ظاہر

Marfat.com

ہوں. کہ اُس نے ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب موقع میں رکھا ہے. اور اس نے ہر ایک چیز کو ایسی وجہ پر بنایا ہے جیسا کہ عقل اور فطرت کا مقتضی ہے اور اس سے اُس کی حکمت کاملہ کا حُسن ظاہر ہوتا ہے. اور یہ کہ اللہ سُبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جود. انعام فرمائے اور اُن کے گناہوں سے درگذر کرے. اور اُن کی دعاؤں کو قبولیت بخشے جو خلق اور شرع کے لوازم سے ہیں. اور یہ کہ وہ اُس بات کو چاہتا ہے. کہ اُس کی ثناء. مدح. تمجید تسبیح اور تعظیم کی جائے. اور یہ کہ اُس کی وحدانیت. ربوبیت اور الوہیت کے شواہد کثرت سے موجود ہوں. مذکورہ بالا امور کے علاوہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں اور بہت سی حکمتیں موجود ہیں. پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ اور حق کے لیے پیدا کیا ہے. اور فی نفسہ حق ہے اور اس کا صدور حق سے ہے اور اس کی نہایت حق ہے اور وہ حق کو متضمن ہے اور اللہ سبحانہ نے اپنے اُن بندوں کی تعریف فرمائی ہے. جو اس کے خلق اور ایجاد کو عبث اور بدوں غایت ہونے سے منزہ قرار دیتے ہیں. چنانچہ فرمایا ہے وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ. (اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں اور بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ، ہمارے پروردگار تو نے اس (کارخانہ عالم) کو بیفائدہ تو نہیں بنایا تیری ذات (ایسے فعل عبث کے کرنے سے) پاک ہے)، اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے. کہ اُس کے خلق و ایجاد کو عبث اور بلا غایت سمجھنا کفار کا یہ خیال ہے اُس کے پیارے بندے اور مومن لوگ اس کو عبث نہیں سمجھتے. چنانچہ فرمایا ہے. وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں آسمان و

Marfat.com

زمین میں ہیں اُن کو بیکار نہیں پیدا کیا۔ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں، جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کو کسی حکمت اور غایت کے لیے پیدا نہیں کیا۔ اور اسی طرح اُس کے اوامر اور نواہی کے لیے کوئی حکمت اور غایت نہیں بلکہ سلسلہ خلق اور امر محض اُس کی مشیت اور قدرت سے بدوں کسی حکمت اور غایت مقصودہ کے صادر ہوئے ہیں۔ درحقیقت انہوں نے اللہ سبحانہ کی شان کو نہیں سمجھا۔ اور اُس کی صفت محمودیت کے وہ منکر ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ خلق اور امر دونوں کے لیے غایات مقصودہ اور دونو حکمت پر مبنی اور اُس کے محمود اور حکیم ہونے کے مظہر ہیں۔ پس خلق اور امر کو بدوں حکمت غایت سمجھنا گویا خلق اور امر کی حقیقت کا انکار کرنا ہے۔ منکرین حکمت جس بات کے قائل ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ذات اُس کی نسبت کرنے سے منزہ اور متعالی ہے۔ وہ ایسے خلق اور امر کے قائل ہیں، جس میں نہ کوئی حکمت ہے اور نہ رحمت اور مصلحت ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کام کے کرنے کا حکم کرے، جس میں مکلف کے لیے کوئی مصلحت نہ ہو اور ایسے کام سے جس میں اس کی بہتری اور مصلحت ہو منع کردے۔ اُن کے نزدیک یہ دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا ہے جائز ہے کہ اُن سے منع کر دیتا اور جن سے منع کیا ہے جائز ہے کہ اُن کے بجالانے کا حکم فرماتا امور بہ اور منہی عنہ امور میں کوئی فرق نہیں صرف اُس کے امر اور نہی سے بعض مامور بہ اور منہی عنہ ہوگئے ہیں ورنہ سب کام یکساں ہیں اور ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ جس شخص نے ایک لمحہ بھی خدا کی نافرمانی نہ کی ہو بلکہ اُس نے تمام عمر اللہ کی اطاعت، شکر اور ذکر میں صرف کردی اُس کو عذاب میں ڈالے۔ اور جس نے ایک لمحہ اس کی اطاعت نہ کی ہو بلکہ تمام عمر کفر، شرک، ظلم، فسق و فجور میں گذاردی ہو اُس کا انعام و اکرام کرے

اور اس کا خلاف معلوم ہونے کے لیے رسول صلعم کی خبر کے سوا اور کوئی طریق نہیں۔ اُن کا یہ خیال اللہ تعالےٰ کی نسبت نہایت بدظنی اور بے ادبی ہے اور اس خیال سے اُس کو منزہ سمجھنا ایسا ضروری ہے جیسا ظلم اور جور سے اُس کو منزہ ماننا ضروری ہے۔ ایسا خیال کرنا گویا خدا کو ظالم اور جائز سمجھنا ہے نہایت تعجب کی بات ہے کہ اس مذہب کے لوگ اللہ سبحانہ کو بہت سے ایسے صفات کمال اور نعوتِ جلال سے جن کے ساتھ اُس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اس خیال سے منزہ سمجھتے ہیں، کہ ایسے صفات کا ماننا خدا کو جسم اور مشابہ بالخلق جاننا ہے۔ اور اس ظلم اور جور سے اللہ تعالےٰ کو منزہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عدل اور حق سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ اس کے بدوں توحید کامل نہیں ہوتی جیسے کہ استوا علی العرش علو فوق سمٰوات، تکلم، تکلیم وغیرہ صفات کمال کے انکار کے سوا توحید کامل نہیں ہوتی۔ غرض اس گروہ کے نزدیک خدا کے صفاتِ کمال کے انکار اس ظلم اور جور کے اثبات کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی۔ واللہ ولی التوفیق ✧

**فصل** ۔ بارہویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے دو مختلف چیزوں کے برابر قرار دینے اور ایک جیسی چیزوں میں فرق نکالنے کو رد فرمایا اور یہ بتلایا ہے کہ یہ اُس کے عدل اور حکمت کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ (کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں گے، تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، کیسے (دیئے تکے) حکم لگایا کرتے ہو، اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ مطیع اور نافرمان کو یکساں قرار دینا ناجائز اور ظلم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اُس کو نسبت کرنا ایسا ناجائز ہے جیسا کہ فقر، حاجت اور ظلم کو اس کی طرف نسبت

Marfat.com

کرنا ناجائز اور باطل ہے۔ اور منکرین حکمت و تعلیل کے نزدیک اس کو سبحانہ اللہ
کی طرف منسوب کرنا جائز بلکہ ان کے خیال میں یہ مساوات واقع اور موجود
ہے۔ وقال تعالیٰ

کی طرف منسوب کرنا جائز بلکہ اُن کے خیال میں یہ مساوات واقع اور موجود ہے۔ وقال
تعالیٰ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ
نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (کیا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کیے
اُن کو ہم اُن ہی جیسا کر کے رکھیں گے جو ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں) وقال تعالیٰ
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

(جو لوگ بدکاریوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں کیا انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے
کہ ہم اُن کو اُن ہی لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور (ایمان کے علاوہ) اُنہوں
نے نیک عمل (بھی) کیے کہ ان (سب) کا مرنا اور ان (سب) کا جینا ایک ہی طرح کا ہو
یہ (لوگ کیا ہی) بُرے حکم لگاتے کرتے ہیں) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا
ہے کہ یہ اُس کی حکمت کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ
تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ
الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (مسلمانو!) کیا تم خیال کرتے ہو کہ (مزے سے)
بہشت میں جا داخل ہو گے حالانکہ (ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں
آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ ان کو سختیاں بھی پہنچیں اور تکلیفیں (بھی پہنچیں)
اور جھڑ جھڑائے (بھی) گئے! وقال تعالیٰ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ
(کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے
نہ تو اُن لوگوں کو جانچا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور نہ اُن لوگوں

Marfat.com

کو جانچا جو ثابت قدم ہیں) وقال تعالیٰ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً (مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ (سستے) چھوٹ جاؤ گے اور ابھی اللہ نے اُن لوگوں کو (اچھی طرح ٹھوک بجا کر) دیکھا تک نہیں جو تم میں سے جہاد کرتے اور اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے) اللہ سبحانہ نے ان کے اس خیال اور گمان کو رد فرمایا ہے کہ یہ اُس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک جیسی چیزوں میں فرق نہیں کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (اور جو اللہ اور رسول کا کہا مانے تو ایسے ہی (جنت میں) اُن (مقبول بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کیے یعنی نبی اور صدیق اور شہدا اور (دوسرے) نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک کے رفیق ایک) اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ (منافق مرد اور منافق عورتیں ایک کے ہم جنس ایک) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (تو اُن کے پروردگار نے ان کی دُعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ ہم تم میں سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کے عمل کو اکارت نہیں جانے دیتے مرد ہو یا عورت) وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور جب یوسفؑ اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے اُن کو دانائی عطا فرمائی اور نیز فضیلت) علم اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح (انکی نیکی کا) بدلہ دیا کرتے ہیں، اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ (اے اہل مکہ) کیا میں سے

Marfat.com

جو منکر ہیں وہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر ہیں) دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا (خدا نے اُن کو تہس نہس کر دیا اور ایسا ہی کچھ (ان) کافروں کو بھی پیش آنا ہے سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں ان کا یہی دستور رہا ہے اور (جو) دستور ہمارے ٹھہرائے ہوئے ہیں اُن میں (تم کبھی بھی) ردّ وبدل ہوتا ہوا نہ پاؤ گے) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (یہ) الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (یہ) اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور (اے پیغمبر) تم اللہ کے دستور میں کبھی تغیر وتبدل (ہوتا ہوا نہ پاؤ گے) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (یہ اللہ ہے) جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اللہ سبحانہ کی سنت اور عادت اس طرح جاری ہے کہ اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں کو نصرت اور عزت بخشتا اور نافرمانوں کو ذلت اور خواری پہنچاتا ہے إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے (حکم کے) برخلاف کرتے ہیں (وہ آخر کار ایسے ہی) ذلیل ہوں گے جیسے ان سے اگلے (نافرمان) ذلیل ہوئے) ان کے علاوہ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی حکمت اور عدل کا یہ تقاضا ہے کہ ہر ایک چیز کا حکم وہی ہے جو اس کی نظیر اور مماثل چیز کا ہے اور اس کی ضد اور مخالف چیز کے حکم کے برخلاف ہے۔ اگر ہم ان سب آیات کو بالاستیعاب ذکر کریں۔ تو اس مضمون پر ایک دوسری کتاب تیار ہو جائے۔

Marfat.com

**فصل** - تیرھویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں تدبر اور تفکر کرنے کا امر فرمایا اور اپنے اوامر - نواہی اور زواجر کے متعلق غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے - اگر ان چیزوں میں حکمتیں - مصالح - غایات مطلوبہ اور عواقب محمودہ نہ ہوں جو غور و فکر کا منقام اور تدبر و تفکر کا منشا اور سبب ہیں - تو ان میں تدبر و تفکر کرنے کا کچھ مطلب نہ ہوگا - بلکہ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں تدبر اور تفکر کا حکم اسلئے دیا ہے - کہ اپنے بندوں کو اپنی ہمت بالغہ اور ان غایات اور مصالح پر جو اس میں موجود ہیں مطلع فرمائے تاکہ ان کے معلوم کرنے سے وہ اس بات کا اقرار کریں کہ یہ قرآن اللہ حکیم حمید کا کلام ہے اور جیسا کہ منکرین حکمت و تعلیل کا خیال ہے اگر یہ صحیح ہو کہ اللہ تعالے کے اوامر اور نواہی کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی نہیں - بلکہ محض اس کی مشیت اور قدرت سے صادر ہیں تو اس لحاظ سے یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالے معجزات کے ساتھ کسی کاذب شخص کی تائید نصرت کرے اور اس کے باطل خیالات کو عروج اور ترقی دے اور اہل حق کو ذلیل اور خوار کرے - اور ان کے حق مذہب کو مغلوب رکھے اور اس بنا پر بندوں کے لیے کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہوگی جس سے وہ کسی رسول من اللہ کی رسالت کی تصدیق کر سکیں یا وہ اس کو ان کے سامنے بطور حجت پیش کر سکے - کیونکہ جو معجزات انبیاء علیہم السلام پیش کرینگے وہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس مذہب والوں کے نزدیک تو جھوٹے شخص سے بھی ایسے معجزات ظاہر ہو سکتے ہیں - تو اب صادق اور کاذب یا بَرّ اور فاجر کے درمیان تمیز کرنے کا کوئی طریقہ نہیں - ان لوگوں نے حکمت اور تعلیل کا انکار کرنے سے اپنے آپ پر ایمان و ہدایت کا دروازہ بند اور حق کے نہ ماننے اور بدیہات کے انکار کا دروازہ کھول دیا ہے - کیونکہ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں مصالح مقصودہ اور غایات محمودہ موجود ہیں جن پر فطرت اور عقل شاہد ہیں - اور کوئی سلیم

Marfat.com

الفطرۃ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ ان غایات کا ایک طرح اقرار بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے افعال پر مصالح اور غایات مترتب ہیں لیکن یہ ترتب محض اتفاقی ہے قصد اور ارادہ سے نہیں جیسے کہ کوئی بھاری چیز لکڑی یا پتھر اوپر سے گرے اور اتفاق سے اس کے محاذی نیچے کوئی موذی جانور گزر رہا ہو اور اس پر پڑے اور اس کو ہلاک کردے۔ انکے اس خیال سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ان مصالح منافع اور حکم کے اللہ سبحانہ کے افعال وامر پر مترتب ہونے سے اللہ سبحانہ قابل حمد وتعریف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ محض اتفاقی طور پر پائے جاتے ہیں اس کے ارادہ اور قصد سے موجود نہیں ہوتے اور جو چیز فاعل کے ارادہ اور قصد سے موجود نہ ہو اس پر وہ قابل حمد وثنا نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے نزدیک ان مصالح کا وجود اس طرح پر ہے کہ مثلاً کسی آدمی نے ایک روپیہ کسی غرض اور فائدہ کے بغیر محض اپنے ارادہ اور قدرت سے پھینک دیا اور اتفاقاً وہ کسی محتاج کے ہاتھ میں آگیا اور اس کو وہ اپنے کام میں لایا۔ منکرین حکمت اور تعلیل کے نزدیک ان مصالح اور منافع کا وجود بھی بالکل اسی طرح محض اتفاقی ہے:۔

**فصل**۔ چودھویں نوع وہ آیات ہیں۔ جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ سلسلۂ خلق اور امر کا صدور اسکی حکمت اور علم پر مبنی ہے۔ پس ہم ان دونوں یعنی حکمت وعلم کو جہاں صدور خلق اور امر کے ساتھ مذکور ہیں بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ خلق اور امر کا صدور اس کی حکمت کاملہ اور علم تام پر مبنی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ (اور (اے پیغمبر) تم کو تو قرآن (خدائے) دانا (اور) باخبر کی طرف سے القا کیا جاتا ہے) وقال تعالےٰ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (یہ فرمانِ تحریری بیشگاہِ خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے) اس آیت

Marfat.com

میں اللہ سبحانہ نے اپنی عزت اور حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو کمال قدرت و تصرف اور کمال حمد اور علم کو متضمن ہیں وقال تعالیٰ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور (مسلمانو!) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو ان کے (اس) کرتوت کے بدلے میں (بلا امتیاز) دونوں کے (دہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو) منقول ہے کہ کسی اعرابی نے ایک قاری کو وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کے بجائے وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ پڑھتے سنا تو اس نے کہا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں۔ قاری نے کہا کیا تو قرآن کو نہیں مانتا۔ اس نے جواب دیا کہ میں قرآن کو بیشک مانتا ہوں مگر جملہ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اس آیت حد سرقہ کے مناسب نہیں۔ قاری نے جب سوچا تو اس کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور کہا کہ بیشک میں نے غلط پڑھا ہے۔ یہاں اس کے بجائے وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ہے اس پر اعرابی نے کہا کہ اب صحیح اور درست ہے۔ اللہ سبحانہ نے جو آیات کے اخیر میں اپنے اسماء اور صفات کا ذکر فرمایا ہے اگر اس میں غور کیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مقام میں ایسی صفت کو ذکر فرمایا ہے۔ جو اس کے لیے مناسب اور موزوں ہے اور یہ صفات گویا پہلے حکم کے لیے دلیل کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔ وقال تعالیٰ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اگر تو ان کو عذاب دے تو تجھ کو اختیار ہے) یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو (کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کیونکہ) بیشک تو ہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے) یعنی تیرا اپنے بندوں کو بخشدینا تیرے کمال عزت اور قدرت سے ہے نہ کہ عجز اور جہل سے۔ وقال تعالیٰ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہے) یہ آیت قرآن کریم میں بہت سے

Marfat.com

مواقع میں مذکور ہے یعنی جہاں جہاں اللہ سبحانہ نے اجرام علویہ۔ ظہور صبح۔ رات کے وقت آرام بنانے۔ سورج اور چاند کی باقاعدہ حرکت آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے وغیرہ ایسے امور کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں اس آیت کے ذکر فرمانے سے یہ بتلایا ہے کہ یہ محکم ترتیب اور مضبوط انتظام اللہ سبحانہ کی عزت اور علم سے موجود اور قائم ہے نہ کہ اتفاقیہ امور کی طرح محض اتفاقی طور پر ہے کہ جس کا فاعل قابل مدح اور ثنا نہ ہو۔ اور سورہ شعراء میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات ذکر فرمانے کے بعد ہر ایک قصہ کے آخیر میں فرمایا ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۱۱ (اور اے پیغمبر کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار البتہ وہی زبردست اور رحم کرنے والا ہے) یعنی اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین یا مخالفین کے لیے جو کچھ حکم فرمایا ہے وہ اس کے کمال عزت اور رحمت سے صادر ہوا ہے۔ یعنی جو لوگ رحمت کے مستحق تھے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین ان پر رحمت فرمائی اور جو عذاب کے سزاوار تھے یعنی مخالفین انبیاء ان سے اپنی عزت اور قہاریت کے موافق انتقام لیا۔ اور یہ حکمت جو اس پر مترتب ہوئی ہے یہ ایک مقصودی چیز اور مطلوب امر ہے نہ کہ محض اتفاقی ؛؛

**فصل**۔ پندرہویں نوع وہ آیات ہیں۔ جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا حکم تمام احکام سے احسن اور اس کی تقدیر ایک نہایت عمدہ تقدیر ہے اور ظاہر ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کے احکام حکمت اور مصلحت کے مطابق نہ ہوں۔ تو پھر وہ احسن نہیں ہو سکتے۔ اور جیسا کہ منکرین حکمت اور تعلیل کا خیال ہے اگر ان کا حسن محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور اس کے معلومات سے ہیں تو اس طرح تو وہ امور اور احکام بھی جو احکام

Marfat.com

مشروعہ کے خلاف ہیں احسن ہونے چاہیئے۔ اس لیے کہ وہ بھی اللہ تعالےٰ کی قدرت میں داخل ہیں اور اللہ سبحانہ کا علم ان کو بھی محیط ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے اور جملہ اشیا کو ان کا علم حاوی ہے پس اس بنا پر تو تمام مقدورات اور معلومات احسن احکام و احسن تقادیر ہونے چاہیے۔ اور ایسا ہونا ناجائز اور باطل ہے۔ وقال تعالےٰ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا (اور) کون ہو سکتا ہے) وقال تعالےٰ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَهٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ (اور اس شخص سے کس کا دین بہتر ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے اپنا سر (تسلیم) خم کر دیا اور وہ نیکو کار بھی ہے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس عیوب اور ظلم سے منزہ اور پاک ہے اسی طرح یہ خیال کرنا بھی جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے بندوں کے لیے شریعت معلومہ کے سوا کوئی دوسرا دین مقرر اور پسند فرمائے۔ وقال تعالےٰ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور نیکو کار بھی ہو اور لوگوں سے کہے کہ میں بھی خدا کے فرمانبردار بندوں سے ہوں) وقال تعالےٰ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ (پھر ہم اس کا ایک اندازہ ٹھیرایا تو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھیرانے والے ہیں) وقال تعالےٰ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والوں میں بہتر (بنانے والا) ہے) غرض اللہ سبحانہ کی تقدیر اور خلق نہایت عمدہ اور احسن ہے کیونکہ وہ اس کی رحمت۔ حکمت اور علم کے مطابق واقع ہے وقال تعالےٰ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (اے دیکھنے والے) بھلا تجھ کو خدائے رحمٰن کی اس صنعت میں کوئی کور کسر دکھائی دیتی ہے) اگر یہ خلق اور تقدیر اکمل اور احسن وجود

Marfat.com

پر واقع اور غایات محمودہ اور حکم مطلوبہ کے مطابق نہ ہوتی۔ تو اس میں ضرور تفاوت موجود ہوتا۔ یا اگر عدم تفاوت محض اتفاقی ہوتا۔ فاعل کے ارادہ اور قصد سے نہ ہوتا تو اس پر قابل حمد و تعریف نہ ہوتا۔

**فصل** - سولھویں نوع وہ آیات ہیں جنہیں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر ہے یہ آیت قرآن کریم میں دو جگہ ہے ایک ہود علیہ السلام کے قصہ میں کہ انہوں نے یوں کہا اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (میں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں (کہ وہ میرا بھی پروردگار ہے) اور تمہارا بھی پروردگار ہے) جتنے جاندار ہیں سب ہی کی نوچوٹی اس کے ہاتھ میں ہے بیشک میرا پروردگار (عدل و انصاف کے) سیدھے راستے پر ہے) اور دوسری یہ آیت ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَا اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور خدا ایک دوسری مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں ان میں ایک گونگا (اور گونگا ہونے کے علاوہ) پرایا غلام کہ خود) کچھ نہیں کر سکتا (اور گونگے ہونے کی وجہ سے) وہ اپنے آقا کا بار خاطر بھی ہے۔ کہ جہاں کہیں اس کے بھیجے اس سے کچھ بھی نہیں بن آتا کہ کیا ایسا غلام اور وہ شخص دونو برابر ہو سکتے ہیں جو لوگوں کو حد اعتدال پر قائم رہنے کو کہتا ہے اور خود بھی (اعتدال یعنی) انصاف کے سیدھے رستے پر قائم ہے) ابو اسحاق کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ کو اگرچہ ان تمام چیزوں پہ قدرت ہے جن سے اسکی مشیت متعلق ہو۔ لیکن (چونکہ وہ عادل ہے لہذا) اسکی مشیت عدل ہی سے متعلق ہوتی ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ چونکہ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا کا یہ معنی ہے کہ اللہ سبحانہ وہ عظیم السلطان قاہر ہے۔ کہ کوئی جانور اس کے قبضہ سے باہر

Marfat.com

اس کے بعد اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
نہیں اس لئے اس کی مناسبت سے اس کے بعد اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
ذکر فرمایا تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ جب وہ ایسا قہار اور غالب ہے تو ممکن ہے کہ
وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر جبر اور ظلم روا رکھتا ہو۔ لہذا یہ جملہ ذکر فرما کر بتلا دیا
کہ وہ حق اور انصاف پر ہے۔ اور یہ جملہ عرب کے اس محاورہ کے مطابق ہے
کہ جب ان کو کسی آدمی کے حسن سیرت عدل وانصاف کی تعریف کرنی مقصود
ہو۔ تو یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کا طریق حسن ہے اس جملہ کا یہ مطلب نہیں
کہ اس کا راستہ اچھا ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ وہ نیک سیرت اور عادل و
منصف ہے۔ اس جملہ کے معنے کی متعلق اور بھی چند اقوال ہیں۔ جو اسی معنی
کے لوازم اور آثار سے ہیں چنانچہ بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی بیان کیے
ہیں کہ میرا رب سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سیدھے راستے
کی طرف راہنمائی کرنا اس بات کو متلزم ہے کہ وہ خود بھی سیدھے راستے
پر ہو اور نیز اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت رحیم۔ محسن۔ عادل اور حکیم
ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ اور کوئی شخص اسکی گرفت
سے بھاگ نہیں سکتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سب کا راستہ اسی کی طرف ہے
چنانچہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارا پروردگار (نافرمانوں کی) تاک میں
لگا رہتا ہے) اس کے لئے موید ہے۔ یہ اخیر معنی گو فی نفسہٖ صحیح ہو سکتے ہیں
لیکن اس جملہ کے یہ معنی قرار دینا کچھ بعید معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس قول کا
یہ مطلب ہو کہ اگر سب لوگ صراط مستقیم پر چلتے ہیں۔ تو چونکہ سب لوگ اس
پر نہیں چلتے پس یہ کہنا کہ سب لوگ اللہ کے راستے پر چلتے ہیں ہرگز صحیح نہیں ہو
سکتا اور اگر یہ مطلب ہے کہ سب لوگ مر کر اسی کی طرف جائینگے۔ تو اس مضمون
کو اللہ سبحانہ نے دوسرے عنوان سے صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے چنانچہ

Marfat.com

وہ یہ الفاظ ہے اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ (بے شک ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تیرا پروردگار (نافرمانوں کی) تاک میں (لگا رہتا) ہے) وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (اور بیشک (آخر کار سب کو) خدا تک پہنچنا ہے) اور اس جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ جو کچھ فرماتا ہے وہ سب حق اور جو کوئی کام کرتا ہے وہ تمام درست اور صواب ہیں۔ اسکے کلمات صدق اور عدل ہیں غرض اللہ سبحانہ کا ہر قول اور فعل صواب اور خیر ہے چنانچہ فرمایا ہے وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ۔ وہ اپنے تمام اقوال میں جو کہ حق۔ عدل۔ صدق اور حکمت ہیں قابل حمد اور تعریف ہے اور اس جملہ کے یہ معنی کلام عرب میں مشہور ہیں۔ چنانچہ جریر نے خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز کی مدح میں کہا ہے ؎

اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ ۔ اِذَا اعْوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِيْمِ

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز تو سیدھے راستے یعنی عدل و انصاف پر قائم ہے جب اور لوگوں کے راستے ٹیڑھے ہو گئے یعنی جب انہوں نے ظلم اور بے انصافی کو اختیار کیا تو عمر بن عبد العزیز انصاف پر قائم رہا۔ جب اللہ سبحانہ کے صراط مستقیم پر قائم ہونے کے معنی معلوم ہو چکے تو یہ بات روشن اور واضح ہو گئی کہ وہ جو کام کرتا ہے وہ کسی ایسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے جس پر وہ قابل حمد اور تعریف ہے اور اس کا کوئی کام غایت مطلوبہ کے بغیر نہیں غرض اس کے جملہ افعال۔ حکمت۔ مصلحت۔ احسان۔ رحمت۔ عدل و صواب پر مبنی ہیں اور اسکے تمام اقوال عدل اور صدق ہیں ؞

**فصل**۔ سترھویں نوع وہ آیات ہیں۔ جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے افعال پر خود اپنی حمد فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس کے افعال

Marfat.com

پر اس کی حمد اور تعریف کریں۔ اور اس کی یہی وجہ ہے کہ اس کے افعال کے لیے وہ غایات محمودہ اور عواقب حمیدہ ہیں۔ کہ جن کا فاعل مستحق حمد اور قابل تعریف ہے۔ اللہ سبحانہ خود نفس افعال پر۔ انکے غایات کے قصد و ارادہ پر اور ان کے حصول پر تین چیزوں پر محمود ہے۔ اور منکرین حکمت اور تعلیل کے نزدیک غایات کے قصد اور انکے حصول پر اللہ سبحانہ قابل حمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ کا غایات کا قصد و ارادہ کرنا محال ہے اور ان کا حصول محض اتفاقی ہے پس جس چیز کا اللہ سبحانہ ارادہ نہیں کر سکتا۔ اس کے ارادہ اور حصول پر حمد کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ رہا نفس فعل سو ظاہر ہے کہ اگر اس کے لئے کوئی ایسی غایات مقصودہ نہ ہو جس کا حصول بہ نسبت اسکے عدم حصول کے اولے اور بہتر ہو تو ایسے فعل کا فاعل مستحق حمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایسے فعل کا صدور اس فاعل مختار سے محال ہے جو صاحب قدرت اور حکمت ہے۔ ایسے افعال تو ان سے صادر ہوتے ہیں جن میں نقص اور عیب ہوں اور اللہ سبحانہ کی ذات مقدس تمام عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ تعالے کا اپنی ذات کی حمد فرمانا اسکی کمال حکمت۔ افعال کے غایات کے ارادہ کرنے اپنے بندوں کے ساتھ احسان اور رحمت فرمانے اور ان پر طرح طرح کی نعمتیں انعام کرنے کی بڑی مضبوط اور زبردست دلیل ہے۔ اور غرض کہ اللہ تعالے کے افعال کو غایات اور حکم سے خالی سمجھنا اس کی محمودیت کا انکار ہے۔

**فصل۔** اٹھارھویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق پر انعام اور ان کے ساتھ احسان کیا ہے اور جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہیں سب ان کے فائدے کے لئے بنائی ہیں اور ان کو کان۔ آنکھیں اور قلوب اس لئے عطا فرمائے ہیں۔ کہ

Marfat.com

ان پر تمام نعمت فرمائے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب تک کوئی شخص دوسرے کے ساتھ احسان اور اس پر انعام کرنے کا ارادہ نہ کرے تو وہ منعم اور محسن نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اس نام کا استحقاق رکھتا ہے پس اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں کے ساتھ جو برتاؤ ہے وہ اگر انعام اور احسان کے قصد سے نہیں تو اللہ تعالٰی کو درحقیقت منعم اور محسن کہنا غلط ہے کیونکہ جو شخص انعام واحسان کا قصد نہ کرے وہ کبھی منعم ومحسن نہیں ہو سکتا اور یہ امر محتاج دلیل نہیں۔ اس کی توضیح اس طرح پر ہے کہ اللہ سبحانہ نے جہاں کہیں انعام احسان کا ذکر فرمایا ہے تو اس کے ساتھ ہی ان حکم مصالح اور منافع کو بھی ذکر کیا ہے کہ جن کے لیے مخلوق کو پیدا کیا اور شریعت کو مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ نحل کے آخیر میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ۔ (اور اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں سے (از قسم غار وغیرہ) تمہارے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائی اور تمہارے لیے (کپڑے کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچائیں اور کچھ (لوہے کے) کرتے بنائے (یعنی زرہیں) جو تم کو تمہاری (ایک دوسرے کی) زد سے بچائیں (یوں) خدا اپنی نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کے آگے جھکو) یہ تو خلق کے بارے میں ہے اور شرع کے باب میں نماز کے وقت کعبہ کی طرف استقبال کرنے اور اس کے متوجہ ہونے کے متعلق فرمایا ہے۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (اور (اے پیغمبر)

Marfat.com

تم کہیں سے بھی نکلو (یہاں تک کہ مکے سے بھی تو جہاں ہو نماز میں) اپنا منہ مسجد محترم کی طرف کر لیا کرو اور (مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو (نماز میں) اسی کی طرف اپنا منہ کرو (بار بار حکم دینے سے ایک) غرض یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو تمہیں قائل کرنے کی سند ہاتھ آجائے مگر ان میں سے جو ناحق کی ہیکڑی کرتے ہیں (وہ تو تم کو الزام دئے بغیر رہنے کے نہیں) تو تم ان سے نہ ڈرو اور ہمارا ڈر رکھو اور (دوسری) غرض یہ ہے کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کریں اور (تیسری) غرض یہ ہے کہ تم (قبلے کے بارے میں) سیدھے رستے آلگو) اور وضو اور تیمم کے امر کی نسبت فرمایا ہے مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا۔ بلکہ تم کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے۔ اور نیز یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنا احسان پورا کرے۔ تاکہ تم اس کا شکر کرو) اللہ سبحانہ نے خلق اور امر دونوں میں اپنے بندوں پر احسان فرما کر ان پر اپنی نعمتوں کو کمال اور تمامیت تک پہنچایا ہے۔

**فصل** ۔ انیسویں نوع وہ آیات اور احادیث ہیں۔ جن سے اللہ تعالے کا صفت رحمت کے ساتھ موصوف ہونا معلوم ہوتا ہے آیات اور احادیث سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ صفت رحمت کے ساتھ موصوف ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔ اور اس کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ تمام چیزوں کو شامل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ کا رحمت کے موصوف ہونا تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ خلق اور امر میں اپنی مخلوق کے ساتھ رحم کرنے کا قصد اور ارادہ کرے اور اگر اس کے اوامر۔ حکمت۔ مصلحت۔ رحمت اور احسان کے ارادہ سے خالی ہوں گو ان میں اتفاقی طور پر کوئی مصلحت پائی جائے۔ مگر رحمت کا ارادہ قصد نہ ہو تو یہ رحمت نہ ہو گی اور نہ اللہ سبحانہ کو ارحم الراحمین کہنا صحیح ہو گا۔ غرض اس کی افعال کی حکمت

Marfat.com

اور غایت مقصودہ کا انکار کرنا در حقیقت اسکی رحمت کا انکار کرنا ہے۔ منکرین حکمت اور تعلیل کے مذہب کا بانی جہم بن صفوان کوڑھی آدمیوں کی تکالیف کو دیکھ کر انکار کے طور پر یوں کہا کرتا کیا ارحم الراحمین کے یہی کام ہیں کہ ان بیچاروں کو ایسی تکلیف میں ڈال رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ درحقیقت اللہ سبحانہ صفت رحمت کے ساتھ موصوف نہیں بلکہ یہ سب کام محض اس کی مشیت سے بغیر کسی حکمت اور رحمت کے صادر ہوتے ہیں۔ غرض ان کے نزدیک اللہ سبحانہ کے افعال حکمت اور رحمت سے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رحمت کا مطلب تو یہ ہے کہ دوسرے کے نفع اور احسان کے واسطے کوئی کام کرنا اور اللہ تعالیٰ کے افعال جب کسی غرض۔ غایت اور حکمت کے لیے نہیں تو پھر رحمت کا کیا معنی؟

**فصل**۔ بیسویں نوع وہ آیات ہیں جن میں سائلین کے سوال کرنے پر اللہ سبحانہ نے اپنے افعال کی تخصیص کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں وہ حکمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور سائلین اس کو نہیں جانتے۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کے ارادہ کو ملائکہ پر ظاہر کیا اور فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں) اور ملائکہ نے اس پر سوال کیا اور کہا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور (بناتا ہے تو ہم کو بنا) کہ ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ تو ان کو جواب دیا اور فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ مصلحتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اگر اللہ تعالیٰ کا فعل حکمت۔ غایت اور مصلحت سے خالی فرض کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو تو یہ معلوم

Marfat.com

ہو گیا کہ آدمؑ کی اولاد زمین میں طرح طرح کے فساد اور خرابیاں کریگی اور اللہ کو آدمؑ کے پیدا کرنے کی مصلحت سے خبر ہی نہیں۔ اور نیز جب اللہ سبحانہ کو آدم کے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت و حکمت مقصود نہیں تو اس کا یہ جواب دینا بھی صحیح نہ ہو گا۔ کہ اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں ان کو میں ہی جانتا ہوں۔ تم کو وہ معلوم نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ چونکہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ اس لیے ملائکہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آدمؑ کے پیدا کرنے میں بھی کوئی ضرور حکمت ہو گی لہذا انہوں نے اسی حکمت کے معلوم کرنے کے لیے سوال اور استفسار کیا۔ ملائکہ نے اعتراض کے طور پر سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ استفسار اور دریافت حال کی غرض سے عرض کیا تھا۔ اور اگر مان لیا جائے کہ ملائکہ نے اعتراض کے طور پر سوال کیا تھا۔ تب بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے افعال حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ کیونکہ جب انکو معلوم تھا کہ اللہ سبحانہ کوئی کام بغیر کسی حکمت و مصلحت کے نہیں کرتا اور ادھر دیکھا کہ آدمؑ کی اولاد کے پیدا کرتے میں فساد اور خرابی موجود ہے جو حکمت کے خلاف ہے تو سوال کیا کہ تیرے کام تو حکمت سے خالی نہیں ہوتے اور اسکے پیدا کرنے میں ایسی خرابیاں ہیں جو حکمت کے خلاف ہیں تو اس کے پیدا کرنے کی کیا وجہ ہے۔ وقال تعالےٰ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (جب ان کے پاس کوئی آیت (قرآنی) آتی ہے تو کہتے ہیں جیسی (نبوت) پیغمبران خدا کو دی گئی ہے جب تک (اسی طرح کی نبوت) ہم کو نہ دی جائے تو ہم ایمان لانے والے ہیں نہیں) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے منکرین رسالت کے اسی سوال کے جواب میں کہ ان کو بھی ایسا ہی منصب رسالت کیوں نہیں ملا یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ کے علم اور اسکی حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ منصب رسالت ایسے

Marfat.com

شخص کو عطا کیا جائے جو اسکے لیے لائق اور اس کا اہل ہو اور جو شخص اس کا اہل نہ ہو۔ اس کو یہ عظیم الشان منصب عطا کرنا اس کے علم اور حکمت کے خلاف ہے اور جیسا کہ منکرین حکمت کا خیال ہے اگر منصب رسالت کا عطا کرنا محض اس کی مشیت سے بغیر کسی حکمت و مصلحت کے صادر ہوتا تو انکے اس سوال کے جواب میں یوں کہنا اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ صحیح اور درست نہیں ہو سکتا بلکہ اس سوال کے جواب میں یوں کہا جاتا ہے کہ اس کے افعال کے لیے کوئی علت اور حکمت نہیں بلکہ وہ محض اپنی قدرت اور مشیت سے بغیر کسی مرجح کے ایک قسم کی دو چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دے دیتا ہے۔ وقال تعالےٰ وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (اور اسی طرح (اختلاف حالت سے) ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ (مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی ذلیل لوگ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے ہم میں سے (اسلام کی توفیق دیکر) اپنا فضل کیا ہے۔ (ان کو اتنا تو سمجھنا چاہیے تھا کہ) کیا اللہ شکرگزار بندوں (کے حال سے بخوبی واقف نہیں) جب کفار نے اللہ تعالےٰ کی مشیت کی تخصیص کی وجہ دریافت کی اور اس تخصیص پر معترض ہوئے۔ تو یہ جواب دیا گیا کہ جو لوگ اسکی مشیت کے لیے صالح اور اس کے اہل ہیں اللہ تعالےٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی اسکی مشیت کے لیے وہ لوگ صالح ہیں جو شکرگذار اور خدا تعالےٰ کی نعمتوں کے قدرشناس ہیں اور جیسا کہ منکرین حکمت اور تعلیل کا خیال ہے۔ اگر یہ کام محض اسکی مشیت پر مبنی ہوتا۔ تو اس طریق پر جواب بیان کرنا صحیح نہ ہوتا اور اللہ سبحانہ کا اپنی صفت علم کو ذکر کرنا اسی واسطے ہے کہ یہ تخصیص اور تمیز اس کے علم کے مقتضیٰ سے ہے وقال تعالےٰ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖٓ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا

Marfat.com

وَکُنَّا بِکُلِّ شَیْءٍ عَالِمِیْنَ (اور ہم نے روز کی ہوا کو (بھی) سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا کہ وہ
ان کے حکم سے ملک (شام) کیطرف کو چلتی جس میں ہم نے (طرح طرح کی) برکتیں
دے رکھی تھیں اور ہم سب چیزوں کے حال سے آگاہ تھے) اس آیت میں بھی
سلیمانؑ کے لئے ہوا کے مسخر کرنے اور اس زمین کے بابرکت ہونے کی تخصیص
کے بعد اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے وقال تعالٰی جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا
لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (خدا نے کعبے کو کہ وہ خدا کا
معزز گھر ہے۔ لوگوں کے (امن واطمینان کے) قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے۔
اور اسی طرح) حرمت والے مہینوں کو اور (حج کی) قربانی (کے جانوروں) کو اور
ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تم کو معلوم رہے
کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ جانتا ہے اور یہ کہ اللہ
ہر چیز سے واقف ہے) اس آیت میں اللہ تعالٰی نے کعبہ اور شہر حرام کی ان خصوصیات
کے ذکر فرمانے کے بعد جو اور مکانوں اور وقتوں میں نہیں پائی جاتی۔ اپنے صفت
علم کو اس لئے ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ تخصیصات اسکے کمال علم کا مقتضی
ہیں۔ وقال تعالٰی فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ
کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (تو اللہ
نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے تحمل واطمینان (قلب) عنایت کیا
اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی
تھے۔ اور اللہ تو ہر چیز سے واقف ہے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان
فرمایا ہے کہ جو لوگ کلمہ تقوی کے لائق واہل تھے ان کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا
اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس نعمت کا مستحق اور لائق ہے اور کون

Marfat.com

شخص اس کے قابل اور لائق نہیں۔ پس کیا اس قسم کی تخصیصات اس شخص کی جانب سے ہو سکتی ہیں جسکے افعال محض مشیت سے بغیر کسی غایت اور سبب کے صادر ہوں۔ ہرگز نہیں ❊

**فصل** - اکیسویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بعض مقدورات کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ ان کے پیدا کرنے میں خرابی اور فساد ہے اور مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ کہ ان کو پیدا نہ کیا جائے اور جیسا کہ منکرین حکمت اور تعلیل کا خیال ہے اگر ان کا ترک کرنا محض اس کی مشیت سے بغیر کسی مصلحت اور حکمت کے ہوتا تو اللہ تعالٰی کا یہ بیان فرمانا کہ ان کو مصلحت کی وجہ سے ترک کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات (یہ کافر ہیں) بہرے گونگے جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا لیکن یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوئی بات ہے۔ کہ یہ لوگ منہ پھیر پھیر کر الٹے بھاگتے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار کو حق اس لئے نہیں سنایا یعنی نہیں سمجھایا گیا کہ ان میں کوئی خیر نہیں کہ جس کے سبب وہ اس کے سنانے اور سمجھانے سے منتفع ہو سکیں۔ لہذا ان کو حق سنانا اور سمجھانا مناسب اور اچھا نہیں اور اگر ان کو حق سنایا اور سمجھایا بھی جاتا تو ان میں ایک ایسا امر موجود ہے جو ان کو اس سے منتفع ہونے سے مانع ہے یعنی چونکہ ان میں تکبر اور اعراض عن الحق کا مادہ موجود ہے۔ لہذا وہ اس سے منتفع نہیں ہو سکتے۔ غرض اس آیت میں عدم اسماع کی

Marfat.com

دو طرح پر علت بیان فرمائی ہے - اول یہ کہ ان میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اسماع حق کی موجب اور مقتضی ہو - دوم یہ کہ ان میں اسماع حق کے مانع موجود ہیں اور اس طرح پر علت کا بیان کرنا اسی شخص کی نسبت صحیح ہو سکتا ہے جس کے اوامر نواہی اور افعال حکمتوں اور مصالح پر مبنی ہوں - اور جس شخص کے افعال ان چیزوں سے خالی ہوں تو اسکی نسبت یہ کہنا چاہئے کہ کسی چیز کا عدم یا ترک محض اسکی مشیت سے ہے اور نیز اللہ سبحانہ کا اپنی ذات مقدس کو اپنے بہت سے مقدورات کے کرنے سے اس لئے منزہ قرار دینا کہ ان کا کرنا اس کی حکمت اور حمد کے خلاف ہے اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے افعال حکمت سے خالی نہیں چنانچہ فرمایا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (منافقو! اللہ ایسا نہیں ہے کہ جس حال میں تم ہو اچھے برے کی تمیز کے بدوں اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ ملا جلا) رہنے دے اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ تم کو غیب کی باتیں بتا دے) وقولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (اور اللہ ایسا بے رحم بھی نہیں کہ بعض لوگ گناہوں کی معافی خدا سے مانگتے رہیں اور وہ ان سب کو عذاب دے) وقولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دئے پیچھے گمراہ قرار دے تاوقتیکہ ان کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) وقولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار ایسا بے انصاف) نہیں ہے - کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کرتا ہے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں) وقولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ

Marfat.com

ایاتنا (اور (اے پیغمبر) جب تک تمہارا پروردگار کسی قصبے میں پیغمبر نہ بھیج لے اور وہ ان کو ہماری آتیں پڑھ کر نہ سنا دے اس (کی شان انصاف) سے بعید ہے کہ (بے اتمام حجت) بستیوں کو ہلاک کر دیا کرے) اللہ سبحانہ نے ان تمام افعال سے اپنی ذات مقدس کو اس لئے منزہ فرمایا ہے کہ یہ افعال اس کی حکمت اور حمد کے خلاف ہیں اور اس کے احسان وکمال کے لائق اور مناسب نہیں۔ اور منکرین حکمت اور تعلیل کے نزدیک اللہ سبحانہ کو ایسے کاموں سے منزہ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو اس کی قدرت میں داخل ہیں وہ ایسے امور سے منزہ ہے جو اس کی قدرت سے باہر ہیں اور ایسے کاموں کی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ ان کاموں میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں۔ اور ان کا صدور محض اس واسطے نہیں ہوا کہ ان سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوتی ۔

**فصل**۔ بائیسویں عقلی دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی فاعل کے افعال کا حکمت اور غایت مطلوبہ سے خالی ہونا چند امور کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی نسبت ناجائز اور محال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت اور غایت سے خالی ہونا بھی ناجائز اور محال ہے وہ امور جو کسی شخص کے افعال کے حکمت اور غایت مطلوبہ سے خالی ہونے کے لیے باعث ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں اول یہ کہ فاعل اس فعل یا اس کی تفاصیل سے جاہل ہو۔ اور اللہ سبحانہ جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے اس کا اپنے افعال سے جاہل ہونا محال اور ناجائز ہے۔ دوم یہ کہ فاعل اور اس کام کے کرنے سے عاجز ہو اور وہ اللہ جس کو ہر چیز پر قدرت ہے کسی کام کے کرنے سے کسی طرح عاجز نہیں ہو سکتا۔ سوم یہ کہ فاعل کا غیر کو نفع پہنچانے اور اس کے ساتھ احسان کرنے کا ارادہ نہ ہو اور اللہ سبحانہ کی نسبت جو ارحم الراحمین ہے۔ اور

Marfat.com

احسان اس کے لوازم ذات سے ہے۔ یہ خیال کرنا بالکل ناجائز اور محال ہے وہ ہمیشہ محسن۔ منعم اور اپنے ہر کام میں بندوں پر احسان فرماتا ہے۔ چہارم یہ کہ فاعل کے لیے کسی مصلحت یا غایت مطلوبہ کے ارادہ اور قصد کرنے سے کوئی چیز مانع ہو۔ اللہ سبحانہ کو جو فعال لما یرید ہے کوئی چیز اس کے ارادہ سے مانع نہیں ہو سکتی۔ پنجم یہ کہ غایت۔ حکمت اور مصلحت کا ہونا کسی نقص کو مستلزم یا فاعل کے کمال کے خلاف ہو۔ ظاہر ہے کہ حکمت کا اور غایت کا نہ جب باعث نقص اور فاعل کے کمال کے منافی ہے تو حکمت اور غایت کا وجود ہرگز موجب نقص اور خلاف کمال نہیں ہو سکتا۔ عقل و فطرت اس پر شاہد ہیں کہ جو شخص کسی حکمت اور غایت کے لیے کوئی کام کرتا ہے۔ تو وہ اس پر قابل حمد و تعریف ہو سکتا۔ اور اس کو صاحب کمال خیال کیا جاتا ہے اور جو شخص کسی کسی غایت کے لیے کام نہیں کرتا وہ فضول اور بیہودہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ جو شخص کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے وہ بہ نسبت اس شخص کے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اور عالم بہ نسبت جاہل کے۔ اور بولنے والا گونگے سے۔ اور صاحب قدرت و ارادہ اس شخص سے جس میں قدرت و ارادہ نہ ہو صاحب کمال سمجھے جاتے ہیں۔ ان باتوں پر عقل و فطرت قطعی شہادت دیتے ہیں۔ پس اللہ تعالے کے افعال کے لیے حکمت کا انکار کرنا گویا ان صفات مذکورہ کے ساتھ اس کے موصوف ہونیکا انکار کرنا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ موصوف ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا ان صفات کے اضداد سے موصوف ہونا اسکی نسبت نہایت نقص اور عیب ہے۔ اور اسی واسطے بہت سے منکرین حکمت اور تعلیل جیسے جوینی اور رازی نے یہ کہدیا ہے کہ نقلی دلیلوں اور اجماع کے سوا اللہ تعالے کے نقائص سے

Marfat.com

منزہ ہونے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالےٰ کے افعال کے لئے حکمت ثابت کرنے میں اس کے لیے کوئی نقص نہیں ۔ تو اس کی نفی درست نہیں ۔ اور اگر اس کے ثابت کرنے میں نقص ہے تو بتلاؤ کہ شرع میں اس نقص سے منزہ سمجھنے کی نقلی دلیل کہاں ہے ۔ بلکہ امت کا اجماع اس پر ہے کہ تمام اہل اسلام اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمتیں مصالح محمودہ اور غایات مطلوبہ کے ثبوت کے قائل ہیں ۔ غرض منکرین حکمت و تعلیل کے پاس نہ تو اجماع اور نہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود ہے ۔ بلکہ اجماع امت ۔ ادلہ عقلیہ اور حجج نقلیہ اور فطرت سب کے سب ان کے قول کے بطلان پر شاہد ہیں ۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کمال ۔ جلال ۔ حکمت ۔ عدل ۔ رحمت قدرت احسان ۔ محمودیت ۔ مجد وغیرہ صفات کمال اور اسمائے حسنہ کے حقائق اسی بات سے مانع ہیں کہ اس کے افعال بغیر کسی حکمت اور غایت مطلوبہ کے صادر ہوں اور اس کے تمام اسمائے حسنیٰ منکرین حکمت کے قول کے بطلان پر شاہد ہیں اور ہم نے اس مطلب کے اثبات کے لیے ناظرین کو متنبہ کرنے کے واسطے (اور نمونہ کے طور پر) قرآن کریم کے بعض انواع سے استدلال کیا ہے ورنہ اس مطلب کے اثبات کے لیے قرآن کریم میں اس قدر ادلہ موجود ہیں ۔ جو مذکورہ بالا سے کئی گنے زیادہ ہیں ؛؛

**فصل** ۔ جب مندرجہ بالا وجوہات اس امر پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں اور اسکو اپنے ہر ایک کام میں مخلوق کی مصلحت ملحوظ ہے تو کوئی شخص جسکی فطرت صحیحہ ہو کیونکر اس بات کا خیال کر سکتا ہے ۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت ۔ غایت اور مصلحت سے خالی ہیں ۔ اسکی مخلوق میں وہ حکمتیں مصالح ۔ منافع ۔ غایات مطلوبہ اور عواقب محمود موجود ہیں جو احاطہ

Marfat.com

بیان سے باہر اور جن کے سمجھنے سے عقلیں قاصر ہیں۔ اگر انسان اپنی تمام عمر صرف اپنی ذات۔ خلقت۔ اعضا اور ان کے منافع۔ قوی اور اپنے دیگر صفات اور ہیئت کی فکر میں صرف کر دے تو جو کچھ ان میں منافع اور حکمتیں رکھی گئی ہیں۔ تمام عمر بھی انکو سمجھ نہیں سکتا۔ عالم علوی اور سفلی کی تمام اشیاء کا یہی حال ہے کہ اگر تمام عمر ایک چیز کے منافع کے سمجھنے میں خرچ کر دی جائے۔ تو انسان تمام عمر انکو سمجھ نہ سکے۔ مگر چونکہ اللہ سبحانہ کے افعال میں حکمت کا موجود ہونا نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ اس لئے منکرین کو اسکے انکار کرنے کا راستہ ملا کیونکہ انکی عقلیں ناقص تھیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جس چیز میں خود نقصان ہوتا ہے وہ کامل چیز کو ادراک نہیں کر سکتی جیسے کہ چمگادڑ چونکہ اس کی بصارت میں نقصان ہے لہذا وہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔ اور جیسے کہ اللہ سبحانہ صانع عالم کی ہستی کے ادلہ اور علامات ظاہر باہر ہیں کہ ہر ایک مخلوق و موجود چیز میں اس کی ہستی کے ادلہ اور علامات پائے جاتے ہیں۔ مگر ظالم اور جاہل لوگ مکابرہ کے طور پر ان کا انکار کرتے ہیں اور اسی طرح اللہ سبحانہ کے علو علی الخلق کے ادلہ نہایت ظاہر ہیں مگر جہمیہ ان کے منکر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس انبیاء علیہم السلام خصوصاً خاتم النبیین صلعم کی صداقت کے ادلہ ان لوگوں پر جن کو صحیح اور سلیم عقلیں ظاہر ہوئی ہیں۔ ایسے ظاہر اور روشن ہیں جیسا کہ آفتاب کا وجود تمہارے موجود ہونے کی ظاہر دلیل ہے۔ مگر باوجود اسکے منکرین اور مکابر لوگ انکار سے باز نہ آئے اور اسی طرح اللہ سبحانہ کے صفات کمال کے ثبوت ادلہ بھی نہایت واضح ہیں۔ مگر بعض نے ان کا بھی انکار کر دیا اور موجود۔ مشاہد اور بدیہی چیز کا انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں دیکھو دنیا میں بعضے آدمی اس قسم کے موجود ہیں کہ وہ طرح طرح کی نعمتوں سے لدے ہوئے

Marfat.com

ہیں۔ کسی طرح کی ان کو کوئی تکلیف نہیں مگر باوجود اس کے اپنے حال کے شاکی اور اپنے گذر اوقات پر ناخوش ہیں۔ اور اکثر اوقات ان نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ نفوس کی گمراہی اور سرکشی کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ خاصکر جہال اور ظالم نفوس کا کیا ذکر ہے۔ اور نہایت تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص ان حکمتوں۔ علل غائیہ اور مصالح کا انکار کرے جو اس شریعت کاملہ محمدیہ کے اندر موجود ہیں صرف ان مصالح اور حکمتوں کا اس میں موجود ہونا اسکی اور اسکے لانے والے کی صداقت اور حقانیت رسالت کی کافی دلیل ہے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اور کوئی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔ تاہم وہ مصالح حکمتیں۔ غایات حمیدہ اور عواقب سدیدہ جو اس شریعت کے اندر موجود ہیں۔ اس بات کی کافی دلیل ہیں اور پوری شاہد ہیں کہ یہ شریعت خدائی شریعت ہے اور اس شریعت کو جاری کرنے والا وہ اللہ تعالے ہے۔ جو احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ہے۔ اور جو مصالح اور حکمتیں اس میں موجود ہیں وہ ایسی ظاہر ہیں کہ جیسے اور مخلوقات عالم علوی۔ سفلی۔ حیوانات۔ نباتات اور عناصر میں حکمتیں۔ مصالح۔ منافع اور وہ امور اور آثار جن سے صلاح معاش کا انتظام وابستہ ہے۔ ظاہر اور موجود ہیں۔ پس یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان مصالح کے انکار کو روا رکھے۔ یا اہل عقل کے سامنے انکار تو نہ کرے مگر یہ کہے کہ ان کا صدور محض اتفاقی ہے یہ غایات مقصود اور مطلوب نہیں۔ سبحان اللہ کسی صاحب عقل کے خیال میں یہ بات کس طرح آسکتی ہے کہ وہ رب العالمین احکم الحاکمین کی نسبت یوں گمان کرے کہ وہ اپنی بہت سی مخلوق کو بغیر کسی سبب۔ حکمت اور غایت کے محض اپنی مشیت سے ہمیشہ عذاب شدید میں مبتلا

Marfat.com

رکھیگا۔ ایسا خیال کرنا اللہ تبارک وتعالٰی کے ساتھ نہایت بدظنی ہے۔ اور نیز کسی صاحب بصیرت کے نزدیک یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کا امر۔ نہی۔ اباحت۔ تحریم۔ بعض کاموں کو پسند فرمانا۔ اور بعض کو ناپسند رکھنا۔ احکام شرع اور حدود کو مقرر کرنا یہ سب امور بغیر کسی حکمت اور مصلحت مقصودہ سے خالی ہیں۔ اور یہ سب امور محض اس کی مشیت سے ہیں۔ وہ صرف اپنی مشیت سے بغیر کسی مرجح کے ایک جیسی دو چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دیدیتا ہے۔ جیسا کہ منکرین مصالح وحکم کا خیال ہے ہرگز یہ صحیح مانا جائے تو پھر ایسی شریعت میں کون سی رحمت ہے اور اس شریعت کے لانے والے رسول کو رحمۃ للعالمین کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اور نیز اس بنا پر امر ونہی محض ایک تکلیف۔ عذاب اور عبث ہونگے۔ اور اللہ تعالٰی کی ذات مقدس ان سب امور سے جو منکرین حکمت خیال کرتے ہیں یا ان کے خیال کے مطابق لازم آتے ہیں۔ منزہ اور پاک ہے اور اگر ہم ان مصالح اور حکمتوں کو جو اللہ سبحانہ کے امر اور خلق میں موجود اور میرے جیسے لوگوں کو معلوم ہیں۔ بیان کریں تو دس ہزار سے زیادہ شمار کر سکتے ہیں۔ باوجودیکہ اللہ سبحانہ کے حکم ومصالح کے ادراک سے ہمارے ذہن قاصر اور ہمارے عقول اور علوم ناقص ہیں۔ بلکہ ہمارے اور تمام مخلوق کے علوم اللہ سبحانہ کے علم کے سامنے ایسے ہیں جیسا کہ آفتاب کے سامنے چراغ۔ بلکہ ہمارے علوم اور اللہ سبحانہ کے علم کے درمیان یہ نسبت بھی نہیں جو ایک ٹمٹماتے چراغ کو آفتاب سے ہے۔ محض سمجھانے کے لیے یہ ایک تشبیہ اور تمثیل بیان کی جاتی ہے۔ حکمتوں اور ان مصالح۔ اوصاف اور مناسبات کا انکار کرنا جن کے لیے احکام شرع مشروع کئے گئے ہیں۔ گویا شریعت کا انکار کرنا ہے۔

Marfat.com

کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ روئے زمین پر ایسا فقیہ موجود ہو جو مسائل فقہ کو بیان کرے۔ اور اس کا یہ اعتقاد ہو کہ شرع کے کسی امر میں کوئی حکمت۔ مناسبت اور علت موجود نہیں اور نہ شارع نے ان احکام میں بندوں کے مصالح کا ارادہ کیا ہے۔ احکام شرعیہ کی نسبت یوں کہنا ایک سخت گناہ اور بھاری جرم ہے کیونکہ اس کی خرابی کا برا اثر دوسرے اہل عقل پر یہ ہوتا ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اسباب علل حکم اور مصالح کا انکار عقل کے خلاف اور ناممکن ہے اور شریعت کے اس غلط مسئلہ کے ساتھ (جو منکرین حکمت وتعلیل کا قول ہے) اسباب مصالح اور حکم کا ماننا مطابق نہیں ہو سکتا۔ تو وہ شریعت کو خلاف عقل سمجھ کر چھوڑ دیتے اور اس کی نسبت بدظن ہو جاتے اور یوں کہنے لگتے ہیں۔ کہ ہم کوئی بات خلاف عقل نہیں کرنی چاہتے اور احکام شرع اور اصول فطرت وعقل آپس میں مخالف ہیں۔ اور مسائل شرع میں یوں بھی باہم اختلاف سمجھتے ہیں کہ شرع میں ہے کہ اللہ تعالے فاعل مختار ہے اور اس نے کسی چیز کے لیے کوئی سبب نہیں بنایا اور نہ اس کے کسی کام میں کوئی حکمت ہے اور جتنے طبائع اور قویٰ پیدا کئے ہیں یہ سب بغیر کسی مصلحت اور غایت کے پیدا کئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسباب کا انکار کرنا تو بالکل عقل فطرت حس اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لہذا فاعل مختار کے وجود کا انکار کر دیا۔ اور منکرین حکمت وتعلیل فاعل مختار کا انکار تو نہ کر سکے مگر یہ دیکھا کہ فاعل مختار کے ماننے کی صورت میں اسباب حکم۔ علل اور قویٰ کو ماننا گویا ضدین کو جمع کرنا ہے اور ہر امر باہم تخالف ہیں کہ اللہ تعالے فاعل مختار ہو۔ اور پھر اس کے افعال کے لیے علل اور حکمتیں اور وجود اشیاء کے لیے اسباب ہوں۔ لہذا یہ لوگ اسباب علل اور حکم کے منکر ہوئے۔ اور ان دونو فریق

Marfat.com

یعنی منکرین حکمت و تعلیل اور فاعل مختار کے نہ ماننے والوں میں باہم بڑا اختلاف اور تفاوت ہے۔ اور اس مسئلہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ یہ مسئلہ نہایت عظیم الشان اور ضروری مسئلہ ہے اور اس کے فروعات بہت سے ہیں۔ منجملہ اس کے فروعات سے یہ مسئلہ ہے کہ جو اہل عقل یعنی فلاسفہ فاعل مختار کا وجود نہیں مانتے وہ تمام حوادث کے لیے کسی فاعل مختار اور موجد صاحب ارادہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ تمام چیزوں کو ان کے اسباب و علل کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ یعنی جتنے حوادث موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً بارش کا برسنا۔ نباتات اور حیوانات کا پیدا ہونا۔ گرمی۔ سردی کا پڑنا۔ رات دن کا بدلنا۔ چاند کا بڑھنا۔ گھٹنا۔ چاند اور سورج کا گرہن میں آنا اور چاند کا بعض تاریخوں میں بالکل نظر نہ آنا۔ کائنات جو یعنی ابر۔ برف۔ ژالہ۔ بخارات۔ بجلی۔ گرج وغیرہ اشیاء کا پیدا ہونا۔ اور دوسرے کائنات ارضی سب کے سب حرکات فلکیہ۔ قوی طبعیہ نفوس اور عقول سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے برخلاف ایک فرقہ متکلمین یہ کہتے ہیں۔ کہ ان اشیاء کے حدوث کے لیے کوئی سبب یا غایت اور حکمت یا مصلحت نہیں۔ بلکہ یہ سب چیزیں محض اللہ تعالٰے کے مشیت اور قدرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور فاعل مختار بغیر کسی حکمت و مصلحت کے ایک چیز کو دوسری پر بلا مرجح ترجیح دیدیتا ہے۔ غرض یہ فرقہ تمام اسباب۔ قوی۔ طبائع۔ حکم۔ غایات اور مناسبات کا منکر ہے۔ یہاں تک کہ متکلمین میں سے جو لوگ جزو لا یتجزی کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ آسمان اور چکی وغیرہ وہ چیزیں جو حرکت مستدیرہ کرتی ہیں گردش اور دوران کے وقت ان کے اجزا ایک دوسرے سے منفک اور جدا ہو جاتے ہیں۔ اور قادر مختار ہمیشہ اس کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیتا ہے

Marfat.com

اور اسی طرح الوان یعنی رنگ - مقادیر - اشکال وغیرہ صفات ہر آن میں معدوم ہوتے رہتے ہیں - اور قادر مختار ہر آن میں ان کو دوبارہ موجود کرتا اور پہلی حالت کیطرف لوٹا دیتا ہے اور اسی طرح سمندر کے پانی میں نمکینی آناً فاناً معدوم ہوتی ہے اور پھر قادر مختار اس کو موجود کرتا اور پہلی حالت کی طرف لوٹا دیتا ہے اور یہ سب کام بغیر کسی سبب - حکمت - اور علت غائی کے صادر ہوتے ہیں - متکلمین کے اس فریق نے یہ سمجھا کہ سوائے ان باتوں کے ماننے کے فلاسفہ کے قول سے بچنا ناممکن ہے - اور فلاسفہ نے یہ سمجھا کہ ان کے اصول تسلیم کئے بغیر شریعت میں داخل ہونا محال ہے - دونو فریق راہ حق سے بھول گئے وہ حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے افعال کو اپنی مشیت اور قدرت و ارادہ سے صادر کرتا ہے - اور اس کے افعال کا صدور اسباب کے ذریعہ سے ہوتا ہے - اور اس کے جملہ افعال حکمتوں اور غایات محمودہ پر مبنی ہیں - اور اس نے کائنات عالم میں وہ قویٰ - طبائع - اسباب اور مسببات پیدا کیے ہیں - جن سے سلسلہ خلق اور امر قائم ہے - جمہور اہل اسلام - اکثر اہل نظر اور تمام فقہا کا یہی قول ہے - فقہا میں سے صرف وہ لوگ اس کے خلاف ہیں - جو فقہ کو چھوڑ کر منکرین حکمت و تعلیل کے اصول پر کاربند ہیں - اور اصول دین کی مخالفت کرتے ہیں ::

Marfat.com

# بائیسواں باب

## منکرین حکمت و تعلیل کے شبہات اور انکے جوابات کے بیان میں

منکرین حکمت اور تعلیل مثبتین حکمت و تعلیل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم نے اثبات حکمت و تعلیل میں بہت سے ادلہ پیش کیے ہیں۔ اب ہماری بات کو بھی ذرا کان لگا کر سنو کہ اس سے تمہارے تمام ادلہ باطل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اگر تم سے ہو سکے تو اس کا جواب بیان کرنا ان کے افضل متاخرین محمد بن عمر رازی کا یہ شبہ ہے کہ جو شخص کوئی کام کسی مصلحت کے حاصل کرنے یا کسی خرابی کے ہٹانے کے لیے کرے۔ تو اگر اس مصلحت کا حاصل کرنا اسکے حق میں اولی اور بہتر اور اس کے لیے باعث کمال ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا کمال اس مصلحت کے حاصل کرنے کے بعد ثابت ہوگا اور وہ اپنے ذات کے مرتبے میں ناقص اور مستکمل بالغیر ہوگا اور اللہ سبحانہ کے حق میں یہ کہنا کہ وہ بذات خود ناقص اور اس کا کمال ایک دوسری چیز یعنی مصلحت سے حاصل ہوتا ہے ناجائز اور محال ہے اور اگر اس کا حاصل کرنا اور نہ کرنا اس کے حق میں دونوں یکساں ہیں تو اب کسی جانب کو ترجیح نہیں لہذا اس مصلحت کا حاصل ہونا محال ہے اس کے بعد رازی نے اپنے شبہ پر ایک اعتراض کیا ہے کہ فاعل یعنی اللہ تعالے کے حق میں اگرچہ اس مصلحت کا حاصل ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔ مگر اس کا حاصل ہونا بندے کے حق میں مفید اور بہتر ہے اور بندے کی بہتری کے لیے اللہ

Marfat.com

سبحانہ اس کے وجود کو اس کے عدم پر ترجیح دیدیتا ہے اور پھر خود ہی اسکا جواب دیا ہے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس مصلحت کا حاصل کرنا اور نہ کرنا دو تو اللہ سبحانہ کی نسبت مساوی ہیں یا نہیں۔ اور جو پہلو اختیار کیا جائے اس پر محال لازم آتا ہے۔

مثبتین حکمت نے اس شبے کا جواب کئی طرح سے دیا ہے اول یہ کہ تم نے جو یوں کہا ہے کہ جو شخص کسی کام کو کسی غرض کے لیے کرے تو وہ فی ذاتہ ناقص اور مستکمل بالغیر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اس میں وہ صفت کمال مفقود ہو گی جس کا حصول اس مصلحت کے حاصل ہونے سے پہلے اس کے لیے ضروری ہے تو تمہارا یہ دعوے غلط اور باطل ہے کیونکہ کسی کام کو کسی ایسی غرض کے لئے کرنے سے جس کا حصول اس کے عدم سے اولی ہے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ فاعل میں وہ صفت کمال مفقود ہو جس کا حصول اس مصلحت کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ وہ مصلحت اپنے حصول سے پہلے کمال ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ فاعل میں ایک ایسی صفت مفقود ہو گی جو اس مصلحت کے حاصل ہونے سے پہلے صفت کمال نہیں ہو سکتی۔ تو اس صفت میں اس مصلحت کے حاصل نہ ہونے سے فاعل میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ غرض اور مصلحت اپنے وجود سے پہلے کمال نہیں۔ اور جو چیز جس وقت صفت کمال نہ ہو اس وقت اس کا نہ ہونا کوئی نقص نہیں۔ غرض جو چیز ایسی ہو کہ اس کے موجود ہونے سے پہلے اس کا عدم اولی ہو۔ اور موجود ہونے کے بعد اس کا وجود عدم سے بہتر تو ایسی چیز کا عدم قبل وجود اور وجود بعد عدم کوئی نقص نہیں بلکہ موجود ہونے سے پہلے اس کا عدم اور موجود ہونے کا بعد اس کا وجود صفت کمال ہے جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال میں جو حکمتیں اور غایات مطلوبہ ہیں۔ وہ اسی قسم میں سے

Marfat.com

ہیں۔ کہ موجود ہونے کے وقت ان کا وجود اور وجود سے پہلے ان کا عدم صفت کمال ہیں۔ البتہ وجود کے وقت عدم اور عدم کے وقت وجود یہ نقص اور عیب ہیں۔ پس جو لوگ منکر حکمت و تعلیل ہیں۔ وہی اللہ سبحانہ کی طرف نقص کو منسوب کرتے ہیں۔ نہ کہ مثبتین کے مذہب پر اللہ سبحانہ میں نقص لازم آتا ہے اور اگر اس جملہ کا کہ اگر کوئی شخص کسی غرض کے لیے کام کرے تو وہ بذاتہ ناقص اور مستکمل بالغیر ہوتا ہے۔ کا کچھ اور مطلب ہے تو اسکو بیان کرو تاکہ اس پر کلام کیا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ لازم آتا ہے کہ فاعل بذاتہ ناقص اور مستکمل بالغیر ہو لازم آتا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ حکمت جو مبنی افعال ہے اور جس کا حصول فاعل کے لیے ضروری تھا اس کا حصول ایک خارجی چیز سے ہوا یا اس کا یہ مطلب ہے کہ خود وہ مصلحت فاعل کا غیر ہے اور فاعل کا کمال اس سے حاصل ہوا۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی دوسرا شخص کسی چیز کا خالق نہیں اور نہ اللہ سبحانہ نے کسی دوسرے شخص سے اپنی صفت کمال کو حاصل کیا ہے بلکہ تمام عالم میں جتنے کمالات ہیں سب نے اسی سے حاصل کیے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے جس طرح کہ اپنا وجود کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا۔ اسی طرح اپنا کمال کسی غیر سے حاصل نہیں کیا۔ اور اگر دوسرا معنی مراد ہے تو وہ حکمت اللہ سبحانہ کی صفت ہے اور اس کے صفات اس کا غیر نہیں۔ کیونکہ اس کی حکمت اس کے ساتھ قائم اور وہ حکیم اور صاحب حکمت ہے جیسا کہ اس کے دوسرے صفات علم۔ سمع و بصر اس کے ساتھ قائم اور اس کے لئے ثابت ہیں اور وہ علیم۔ سمیع اور بصیر ہے پس اسکی حکمت کا ثبوت اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کا استکمال ایسی چیز سے ہو جو اس سے منفصل اور جدا ہے۔ بلکہ یہ استکمال ویسا ہی ہے جیسا کہ اور صفات کے سبب اس کا کمال حاصل ہے اور اس کو یہ

Marfat.com

نہیں کہہ سکتے کہ یہ استکمال بالغیر ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال جب ایسے امر کے لیے صادر ہوتے ہیں کہ جس کا وجود اللہ سبحانہ کو محبوب ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی وہ مراد جو اس کو محبوب ہے اور جس کے لیے اس نے کسی کام کو کیا ہے حاصل ہو اور یہ اللہ سبحانہ کے لیے اعلیٰ درجے کا کمال ہے اور اس کا موجود نہ ہونا نقص ہے کیونکہ جو شخص اپنی مطلوب و محبوب چیز حاصل کرنے پر قادر ہو اور پھر اس کو اسی وقت میں حاصل کر لے جس وقت میں اس کا حصول مطلوب ہو اور اسی طور پر حاصل کر لے جس طور پر اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو ایسا شخص اعلیٰ درجے کا کامل ہے نہ کہ وہ شخص کامل کہا جاتا ہے۔ جس کے لیے کوئی چیز محبوب و مطلوب ہی نہ ہو یا کوئی چیز محبوب و مطلوب ہو لیکن اس کے حاصل کرنے پر قادر نہ ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ کے نقائص سے منزہ ہونے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں اور اس مسئلہ میں تم نے جوینی وغیرہ کی تقلید اختیار کی ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ عزوجل کے نقص سے منزہ ہونے پر صرف نقلی دلیل یعنی اجماع شاہد ہے۔ تو اب بتلاؤ کہ جب تمہارے خیال میں اللہ عزوجل کے نقص سے منزہ ہونے پر نہ تو کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ خبر رسول صلعم سے ثابت ہے بلکہ صرف اجماع اس پر دلالت کرتا ہے تو خود تمہارے اپنے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمت و تعلیل کا ماننا اس کے حق میں نقص نہیں کیونکہ اس بات پر اجماع منعقد نہیں ہوا کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمت اور علت کا ہونا نقص ہے اور اس نقص سے اللہ سبحانہ کا منزہ ہونا ضروری ہے اور اگر تم اپنے زعم کے مطابق اس امر کو اللہ سبحانہ کے حق میں عیب سمجھتے اور اسکو نقص کہتے ہو تو

Marfat.com

تمہارے کہنے سے تو اسکی نفی پر اجماع منعقد نہیں ہو جائیگا۔ اگر تم یہ پیش کرو کہ امت محمدیہ نے یہ اللہ سبحانہ کے نقص سے منزہ ہونے پر اجماع کیا ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمت و تعلیل کا ہونا اس کے حق میں نقص ہے لہذا اس سے منزہ ہونے پر اجماع ثابت ہوا۔ تو ہم یہ کہینگے کہ بیشک امت محمدیہ نے اللہ سبحانہ کے نقص سے منزہ ہونے پر اجماع کیا ہے۔ لیکن اس بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمت و تعلیل کا ہونا نقص ہے تاکہ اس سے منزہ ہونے پر بھی اجماع ثابت ہو۔ یہی متنازع فیہ مسئلہ ہے جو اس کے اثبات کے قائل ہیں وہ اس کو نقص نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک یہ عین کمال اور اس کی نفی کرنا نقص ہے پس ہم پانچویں جواب میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالے کے افعال کے لیے حکمت کا ثابت ہونا اس کے حق میں ایک کمال ہے اور اس کی نفی کرنا اس کے لیے نقص ہے اور امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نقائص سے منزہ ہے۔ لہذا حکمت کی نفی سے بھی منزہ ہے۔ بلکہ اس عیب یعنی افعال کے خالی از حکمت ہونے سے اللہ سبحانہ کا منزہ ہونا ایک ایسا بدیہی اور یقینی مسئلہ ہے کہ خود مخلوق کی فطرت اس پر شاہد ہے پس اگر اللہ سبحانہ کے افعال غایات محمودہ اور حکمتوں سے خالی ہوں۔ تو اس کے حق میں نقص لازم آتا ہے اور یہ محال ہے حکمت و تعلیل کے نفی کرنے پر نقص کا لازم آنا علوم بدیہیہ میں سے ہے جس پر عقل و فطرت شاہد ہیں لہذا چھٹے جواب میں ہم یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کے حق میں نقص جائز ہے یا محال اگر جائز ہے تو تمہاری دلیل باطل ہو گئی اور اگر محال ہے تب بھی تمہاری دلیل باطل ہے کیونکہ حکمت و تعلیل کا نہ ہونا اللہ سبحانہ کے حق میں نقص ہے ۔۔

Marfat.com

ساتواں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے نقص سے منزہ ہونے پر عقل اور نقل دونوں شاہد ہیں۔ اور نیز جو دونوں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور نقص وہ چیز ہے جو صفات کمال اور منافی کے خلاف ہے۔ پس علم۔ قدرت۔ حیات۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام یہ سب صفات کمال ہیں۔ اور ان کے اضداد نقص ہیں۔ پس اللہ سبحانہ کا ان کے اضداد سے منزہ ہونا ضروری ہے ورنہ کمال میں نقص لازم آئیگا۔ اور وہ چیز جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہو اس کا اسی وقت میں اور اسی وجہ پر حاصل ہونا کہ جس وقت اور جس طور پر اس کا حاصل ہونا مطلوب ہو یہ بھی اس کے لیے کمال ہے۔ مگر اس کا عدم قبل وجود نقص نہیں کیونکہ اس وقت سے پہلے اس کا وجود مطلوب و محبوب نہ تھا۔

آٹھواں جواب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جس کمال کا اللہ سبحانہ مستحق ہے کیا وہ ممکن ہے یا محال ہے۔ اگر ممکن ہے تو یہ بیشک مسلّم ہے اور اگر محال ہے تو یہ قطعاً باطل ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ حادث کا اپنے وجود کے وقت سے پہلے موجود ہونا ممکن ہے یہ کس طرح صحیح ہے بلکہ حادث کا وجود ازل میں ممتنع ہے اور اس کا عدم نقص نہیں۔

نواں جواب یہ ہے کہ معدوم کا عدم نقص اور خلاف کمال نہیں کیونکہ ممتنع کوئی شے موجود فی الخارج نہیں اور جو چیز کے خارج میں نہ ہو اس کا عدم کوئی نقص نہیں۔ کیونکہ اس کا وجود اگر اس طرح مقدر ہے کہ وہ بتدریج شئیاً بعد شئے پیدا ہو تو ازل میں اس کا موجود ہونا محال ہے پس ازل میں اس کا موجود نہ ہونا کوئی نقص نہیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کے وقت موجود ہو۔

Marfat.com

دسواں جواب یہ ہے کہ اللہ تعالے نے کئی چیزوں کو بعد اسکے کہ وہ موجود نہ تھیں پیدا کیا ہے جیسے کہ دنیا میں شب و روز حادث ہونے والی چیزیں اس پر شاہد ہیں۔ یہ مقدمہ ایسا یقینی ہے کہ جو فلاسفر فلک کو قدیم مانتے ہیں۔ وہ بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالے ان حوادث عالم کو فلک کے ذریعہ اور واسطہ سے پیدا کرتا ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا اللہ سبحانہ کے لیے صفت کمال ہے یا نہیں۔ اگر ان کا پیدا کرنا صفت کمال ہے تو پہلے یہ صفت کمال اللہ تعالے میں موجود نہ تھی تو اس طرح اللہ تعالے کی ذات میں نقص لازم آیا۔ اور اگر یہ صفت کمال نہیں بلکہ موجب نقص ہے تو ان کے پیدا کرنے سے اللہ تعالے نقص کے ساتھ موصوف ہوا۔ اور اگر تم اس کا یہ جواب پیش کرو کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا نہ صفت کمال ہے اور نہ صفت نقصان تو ہم یہ کہینگے۔ کہ ہم بھی حکمت اور تعلیل کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں۔ اور تمہاری دلیل باطل ہو گئی۔ کہ اس سے اللہ تعالے کی ذات میں نقص لازم آتا ہے۔ یہ الزامی جواب ہے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی نسبت یوں کہنا کہ حوادث کا پیدا کرنا اس کے لئے نہ صفت کمال ہے نہ صفت نقصان یہ غلط اور ناجائز ہے کیونکہ اللہ سبحانہ جو کام کرتا ہے۔ وہ اس پر مستحق حمد اور تعریف ہے اور جو صفات اس کے ساتھ قائم ہیں وہ اس کے لیے صفت کمال ہیں اور ان کے اضداد اس کے لئے موجب نقص ہیں۔

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فاعل افعال ہونا اللہ سبحانہ کے لیے صفت کمال ہے یا نہیں۔ جمہور اہل اسلام کا یہ قول ہے کہ صفت کمال ہے اور ایک گروہ یعنی اکثر اشعریہ کا یہ قول ہے کہ فاعل افعال ہونا اللہ سبحانہ کے لئے نہ صفت کمال ہے اور نہ صفت نقصان ہے۔ اگر فریق مخالف اشعریہ کے اس

Marfat.com

قول، کو اختیار کرلے تو ہم اس کو دو طرح سے جواب دے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ جو شخص کسی چیز کو پیدا کر سکے اور بنا سکے۔ وہ اس شخص کی نسبت ضرور کامل سمجھا جاتا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اور نہ بنا سکتا ہے یہ بات بالکل ظاہر اور اس پر بداہت عقل شاہد ہے۔ اس کے علاوہ یہ مطلب نص قرآن سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (تو کیا جو (خدا اتنی مخلوق) پیدا کرے وہ ان (بتوں) کے برابر ہو گیا جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کر سکتے) اس آیت میں استفہام انکاری ہے اور اس میں ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو خالق اور غیر خالق میں مساوات سمجھتے تھے۔ اس آیت سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالق غیر خالق سے اکمل ہے۔ خالق کا غیر خالق سے اکمل و افضل ہونا ایسا امر ہے جو فطرت انسانی میں مرکوز ہے جیسا کہ عالم کا جاہل سے اور قادر کا عاجز سے اور سمیع و بصیر کا بہرے اور اندھے سے افضل و اکمل ہونا ظاہر و بداہت ایسا ہی خالق کا غیر خالق سے افضل و اکمل ہونا ظاہر اور روشن ہے اور چونکہ یہ امر بنی آدم کی فطرت میں داخل تھا اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اس کو اپنی توحید کا ذریعہ بنایا۔ اور اپنے بندوں کو عقل اور سمع و بصر عطا کرنے سے ان پر اپنی محبت کو پورا کیا۔

نیز اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (ایک مثال خدا بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملک جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور ایک

Marfat.com

دوسرا شخص ہے (خود مختار) جس کو ہم نے اپنی سرکار سے اچھی (معقول) روزی دے رکھی ہے وہ اس میں سے چھپ چھپاتے اور کھلے (عزض جسطرح چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے کیا ایسے دو شخص برابر ہو سکتے ہیں (یہ مثال سنکر مشرکین ضرور بول اٹھیں گے کہ نہیں برابر ہو سکتے تو اے پیغمبر تم ان سے کہو) الحمد للہ (کہ تم کو اتنی تو سمجھ ہے) مگر (ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) ان میں بہتیرے (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور خدا ایک دوسری مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں ان میں کا ایک گونگا اور گونگا ہونے کے علاوہ پرایا غلام کہ خود) کچھ نہیں کر سکتا۔ اور گونگے ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آقا کا بار خاطر ہے کہ جہاں کہیں اس کو بھیجے اس سے کچھ بھی ٹھیک نہیں بن آتا کیا ایسا غلام اور وہ شخص دونو برابر ہو سکتے ہیں جو لوگوں کو حد اعتدال پر قائم رہنے کو کہتا اور خود بھی (اعتدال یعنی انصاف کے سیدھے راستے پر قائم ہے) وقال تعالے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوتے ہیں) و قال تعالے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتا) اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے) وقال تعالے مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (کافروں اور مسلمانوں کے) دو فریقوں کی مثال اندھے اور بہرے اور آنکھوں والے اور سننے والے کی سی ہے کیا دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟) جب نصوص قرآنی سے ثابت ہوا کہ خالق اور غیر خالق یکساں اور مساوی نہیں تو اب جو شخص خالقیت اور عدم خالقیت کو مساوی ٹھیرائے اور اس کے وجود کو کمال اور عدم کو نقصان نہ سمجھے تو وہ اللہ تعالے کے حجج اور اس کی توحید کے ادلہ کو باطل اور بیکار سمجھتا ہے اور ایسی چیزوں کو جن کے

Marfat.com

درمیان اعلےٰ درجے کا تفاوت موجود ہے یکساں خیال کرتا ہے :

لہذا ہم گیارھویں جواب میں یوں کہتے ہیں کہ جب تمہارے نزدیک حوادث کا پیدا کرنا اور نہ پیدا کرنا اور خلق اور عدم خلق اللہ تعالےٰ کی نسبت دونو یکساں ہیں اور پھر حوادث کو ان کے عدم کے بعد پیدا کیا ہے تو اسی طرح ہم حکمت اور علت کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے افعال ایسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں کہ جس کا وجود اور عدم باری تعالےٰ کی نسبت دونوں یکساں ہیں باوجودیکہ اللہ تعالےٰ کے افعال کے لیے حکمت اور مصلحت کا ہونا تو عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور تم نے جو خالقیت اور عدم خالقیت میں مساوات سمجھ رکھی ہے اس کو عقل نہیں مانتی۔ تم جو احداث حوادث اور ان کے عدم کو اللہ تعالےٰ کی نسبت یکساں سمجھتے اور اس کے افعال کو اس سے منفصل اور جدا سمجھتے ہو تو اسکی وجہ تمہارے نزدیک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کو اس کے ساتھ قائم ماننے سے دو خرابی لازم آتی ہے۔ ایک اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قائم ہونا۔ دوسرا لزوم تسلسل تو ہم کہتے ہیں کہ حکمت اور مصلحت کو بھی اسی طرح اللہ کی ذات سے جدا اور منفصل مان لو۔ اور جو شبہ تم حکمت اور مصلحت کے متعلق پیش کرتے ہو وہی شبہ اللہ تعالےٰ کے افعال کی نسبت تم پر وارد ہو سکتا ہے :

بارھواں جواب یہ ہے کہ عقل صراحۃً اس بات کا حکم کرتی ہے۔ کہ جس شخص کے افعال کے لیے کوئی حکمت اور غایت مقصودہ نہ ہو وہ اس شخص کی نسبت ضرور ناقص ہے جس کے افعال کے لیے ایسی حکمتیں اور مصالح ہوں جو افعال کے وجود سے پہلے معدوم ہوں۔ اور اس وقت موجود ہو جائیں کہ جب وہ اپنے علم وحکمت کے مطابق ان افعال کو پیدا کرنا چاہیے۔ پس کوئی صاحب عقل یہ کس

Marfat.com

طرح کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمت اور مصلحت کا ہونا اس کے نقص کو مستلزم ہے اور اسکے افعال کے بدوں حکمت و مصلحت ہونے میں کوئی نقص نہیں :-

تیرھواں جواب یہ ہے کہ منکرین حکمت و تعلیل کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ بغیر کسی حکمت و مصلحت کے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ہر امر ممکن کو اللہ سبحانہ کر سکتا ہے یہاں تک کہ شرک۔ کذب۔ ظلم اور فواحش کا امر اور توحید۔ صدق۔ عدل اور عفت سے نہی کر سکتا ہے تو اب ہم کہہ سکتے کہ جب تمہارے نزدیک جائز ہے کہ اللہ سبحانہ ان کاموں کو کر سکتا ہے اور ان کے ارادہ کرنے میں کوئی نقص نہیں تو ان میں بھی کوئی نقص نہ ہوا۔ اس پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا یہ مقدمہ کلیہ کہ جو شخص کسی کام کو کسی غرض کے لئے کرے وہ بدوں اس غرض کے ناقص ہوتا ہے۔ کلی طور پر ہم تسلیم نہیں کرتے اور اس کو کلی طور پر نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اس کلیہ مقدمہ کو کہ جو شخص جاہلوں۔ ظالموں اور مفسدوں کا اکرام اور اہل علم منصفین اور نیکوکار لوگوں کی اہانت کرے۔ وہ سفیہ اور ظالم ہوتا ہے تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ تمہارا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ ایسا کر سکتا ہے اور وہ ایسا کرنے پر ظالم اور سفیہ نہیں ہو گا۔ تو جس طرح تم اس مقدمہ کلیہ کو نہیں مانتے اسی طرح ہم تمہارے اس مقدمہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا تسلیم نہ کرنا اس کے تسلیم کرنے سے اولیٰ ہے۔ اس کے علاوہ جسطرح تم اس مقدمہ کلیہ کو نہیں مانتے کہ جو شخص اپنے غلاموں اور کنیزوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری کریں اور ایک دوسرے کو قتل کر ڈالیں۔ اور وہ ان کو ایسے کاموں سے روک بھی سکتا ہو اور پھر ان کو منع نہ کرے تو وہ سفیہ اور نادان شمار ہو گا۔ مگر تمہارے نزدیک خدا تعالٰے نے ایسا کیا ہے اور وہ اس قضیہ کلیہ سے



Marfat.com

مستثنیٰ ہے اسی طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تمہارا مقدمہ بھی کلی طور پر مسلم نہیں اس کی کلیت باطل اور منقوض ہے ﴿

چودھواں جواب یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں۔ کہ اللہ تعالٰے کا استکمال بالغیر لازم آتا ہے تو اس پر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ امر جس سے اللہ تعالٰے کا استکمال لازم آتا ہے منجملہ ان حوادث کے ہوگا۔ جو اللہ تعالٰے کے ارادہ میں داخل ہیں اور جس حادث سے اللہ تعالٰے کا ارادہ متعلق ہو وہ منکرین حکمت و تعلیل کے نزدیک قبیح نہیں کیونکہ ان کے نزدیک قبیح وہی ہے جو امر یا نہی کے مخالف ہو۔ اور اللہ سبحانہ پر کسی کا حکم نہیں تاکہ کہا جائے کہ اللہ تعالٰے نے کسی امر یا نہی کا خلاف کیا۔ پس ان کے نزدیک اللہ سبحانہ ممکنات میں سے کسی چیز سے (سوائے ان چیزوں کے کہ جن کے نہ ہونے کی خبر دی ہے) منزہ نہیں اور وہ چیزیں جن کے نہ ہونے کی خبر دی ہے ان کے وجود سے اسکو اس لئے منزہ کہتے ہیں کہ ان کا ہونا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور ان کے نزدیک قبیح وہ محال چیز ہے جو اللہ تعالٰے کی قدرت میں داخل نہ ہو اور جو چیز اس کی قدرت میں داخل ہو وہ قبیح نہیں اور نہ ان کے نزدیک کسی نقص کو مستلزم ہو اور اس جواب کا خلاصہ پندرھواں جواب یہ ہے کہ جتنے محذور اور استحالے اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے حکمت اور مصلحت ماننے پر لازم آتے ہیں۔ ان سے زیادہ اسکے افعال کو خالی از حکمت کہنے پر لازم آتے ہیں۔ پس اگر یہ محذور تمہارے نزدیک جائز ہیں تو وہ محذور جو حکمت ماننے پر لازم آتے ہیں۔ بطریق اولیٰ جائز ہوں گے۔ اور اگر وہ استحالات جو حکمت کا وجود تسلیم کرنے پر لازم آتے ہیں ناجائز ہیں تو جو استحالات اس کی نفی کرنے پر لازم آتے ہیں وہ بھی ضرور ناجائز ہونگے ﴿

سولھواں جواب حی۔ عالم۔ صاحب اختیار کا کوئی فعل بغیر کسی غایت مطلوبہ

Marfat.com

اور غرض مقصود کے صادر ہونا خلاف عقل بلکہ محالات میں سے ہے اور اسی واسطے مجنون۔ نائم اور زائل العقل شخص کے افعال بغیر کسی غایت اور غرض مقصود کے صادر ہوا کرتے ہیں کیونکہ کوئی صاحب ارادہ بغیر کسی مصلحت اور غایت کے کسی کام کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور جب کسی کام کی مصلحت۔ نفع اور غایت کو معلوم کر لیتا ہے تب اس کے قلب میں اس کام کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور جب کسی کام کی مصلحت معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کرنے کے لئے کوئی غرض صحیح اور داعی موجود ہو تو ایسے فعل کا صدور عبث سمجھا جاتا ہے۔ تمام عقلا اس بات کے قائل ہیں۔ غرض احکم الحاکمین کے افعال سے حکمت اور غایت کی نفی کرنا اس کے افعال اختیاری کا انکار ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے بھاری نقص ہے۔ یہ مضمون پہلے بھی گذر چکا ہے۔ آئندہ توفیق اللہ تعالٰے کے اختیار میں ہے۔

**فصل**۔ منکرین حکمت و تعلیل نے ان جوابات کے سننے کے بعد یہ کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہم نے جو شبہے کے ضمن میں حکمت و تعلیل کی نفی پر دلیل قائم کی تھی وہ باطل ہو گئی۔ مگر ایک دلیل کے باطل ہونے سے دعوے کا بطلان لازم نہیں آتا۔ پس ہم مذکورہ بالا دلیل کے علاوہ ایک دوسری دلیل بیان کرتے اور یوں کہتے ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالٰے کے افعال معلل بالعلۃ ہوں تو وہ علت اگر قدیم ہو تو اس کے قدم سے افعال کا قدم لازم آئیگا۔ اور افعال کا قدم محال ہے۔ اور اگر حادث ہو تو اس کے ایجاد میں اللہ تعالٰے ایک دوسری علت کی طرف محتاج ہوگا کیونکہ یہ ایجاد بھی اللہ تعالٰے کا ایک فعل ہے اور اس کا ہر فعل معلل بالعلۃ فرض کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰے کا اپنے فعل میں کسی چیز کی طرف محتاج ہونا محال ہے۔ اور کسی اہل عرفان کے اس مقولہ کا کہ "ہر چیز کی علت اسکی صنعت ہے اور اسکی صنعت کے لیے کوئی علت نہیں" یہی مطلب ہے منکرین حکمت و تعلیل کہتے ہیں

Marfat.com

کہ ہم اسی دلیل کو ایک دوسری بسیط تقریر سے بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے لیے کوئی حکمت اور علت ہو تو وہ علت یا قدیم ہوگی یا حادث اگر قدیم ہو تو اس کے قدم سے یا تو فعل کا قدم لازم آئے گا یا نہیں۔ اگر فعل کا قدم لازم آئے تو یہ محال ہے اور اگر فعل کا قدم لازم نہ آئے اور فعل کے وجود سے اس کا وجود نہ ہو تو وہ حکمت اس فعل سے حاصل نہ ہوئی۔ کیونکہ حکمت تو پہلے سے موجود تھی۔ اور فعل کا وجود بعد میں ہوا۔ اور وہ فعل کہ حکمت کا وجود اس پر موقوف نہ ہو اس کا حصول ایسی حکمت پر موقوف نہیں ہو سکتا یعنی ایسی حکمت فعل کی علت اور غایت نہیں ہو سکتی جو فعل کے وجود سے پہلے موجود ہو۔ اور یہی ہمارا مطلوب ہے اور اگر وہ حکمت اور علت فعل کے حادث ہونے پر موجود اور پیدا ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی اول یہ کہ کسی فاعل کی طرف محتاج ہو۔ دوم یہ کہ کسی فاعل کی طرف محتاج نہ ہو۔ اگر محتاج نہ ہو تو حادث کا حدوث بغیر فاعل لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے اور اگر کسی فاعل کی طرف محتاج ہو تو وہ فاعل یا تو اللہ سبحانہ کی ذات ہے یا کوئی دوسرا شخص۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے شخص کا فاعل ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس وقت ہم کہیں گے کہ اس علت کے پیدا کرنے کے لیے بھی کوئی غایت علت اور غرض ہے یا نہیں۔ اگر اس کے لیے بھی کوئی علت ہے تو اس کی نسبت بھی اسی طرح کلام کیا جائے گا۔ اور اسی طرح اگر ہر علت کے پیدا کرنے کے لیے دوسری علت مانی جائے گی۔ تو تسلسل لازم آئیگا اور یہ محال ہے اور اگر اس علت کے پیدا کرنے کے لیے کوئی علت اور غایت نہیں تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یعنی علت کو پیدا کرنا بغیر کسی غایت کے صادر ہوا۔ اور یہی مطلوب تھا۔ اور اگر کوئی شخص یہ جواب پیش کرے کہ اس علت کے پیدا کرنے کے لیے غرض اور علت ہے۔ مگر وہ اس غرض کے علاوہ کوئی دوسری غا

Marfat.com

چیز نہیں بلکہ خود ہی علت اس کے پیدا کرنے کی غرض و غایت ہیں۔ اور اس صورت میں نہ تو تسلسل لازم آتا ہے اور نہ اللہ تعالےٰ کے فعل کا حکمت اور غایت سے خالی ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں۔ کہ اسی طرح تو کسی مخلوق کے پیدا کرنے کے لیے کسی دوسری غرض و غایت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے کی غرض و غایت اس چیز کی ذات ہے اور ہمارا یہی دعوےٰ ہے۔ ہماری یہ دلیل ظاہر۔ باہر اور ہماری غرض اور مطلوب کے ثبوت کے لیے کافی اور وافی ہے مثبتین حکمت اور تعلیل اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہاری یہ دلیل چند وجوہ سے باطل ہے۔ اور کئی طرح سے ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں:

جواب اول یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا فعل یا تو بشخصہ وہی فعل قدیم ہوگا یا اس کی نوع قدیم ہوگی۔ اگر وہ فعل بشخصہ قدیم یا اسکی نوع قدیم ہے تو وہ حکمت جسکے لئے اس فعل کا صدور ہوا ہے۔ وہ بھی بشخصہ قدیم یا اس کی قدیم نوع ہوگی۔ اور اگر وہ فعل بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم نہیں۔ بلکہ وہ فعل بشخصہ حادث یا اس کی نوع حادث ہے تو وہ حکمت اور غایت بھی بشخصہ حادث یا اس کی نوع حادث ہوگی۔ غرض حکمت فعل کے مطابق ہوگی۔ اگر فعل کا قدیم ہونا ممکن ہے تو حکمت بھی قدیم ہو سکتی ہے۔ اور اگر فعل قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حادث ہے۔ تو حکمت بھی حادث ہوگی:

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ ازل میں ان چیزوں کی خالقیت اور تکوین کے ساتھ موصوف ہے جو کہ ابھی تک موجود نہیں ہوئیں۔ ان کا قول ہمارے اس قول کے موافق ہے کہ اللہ تعالےٰ فاعل قدیم ہے گو وہ افعال ابھی تک موجود نہ ہوئے ہوں جس طرح کہ وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کو ازل میں ان چیزوں کی نسبت مرید کہتے ہیں جو ابھی تک موجود نہیں ہوئیں

Marfat.com

غرض ہمارا یہ قول کہ اللہ تعالےٰ فاعل قدیم ہے۔ ان لوگوں کے اس قول کے موافق ہے کہ اللہ تعالےٰ مرید قدیم ہے تو اس بنا پر ہم بھی یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ حکمت کہ جس کے لئے فعل کا ارادہ اور صدور ہوتا ہے۔ وہ بھی قدیم ہے اور اس معنی پر حکمت کے قدیم ہونے سے فعل کا قدم لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ارادہ اور صفت خالقیت و تکوین کے قدیم ہونے سے مراد مخلوق اور مکوّن کا قدم لازم نہیں آتا پس ہمارا حکمت کو قدیم اور فعل کو حادث ماننا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم ارادہ اور تکوین کو قدیم اور مراد اور مکوّن کو حادث مانتے ہو اور جو اعتراض ہم پر قائم کیا جاتا ہے وہی اعتراض تم پر قائم ہوتا ہے پس اس اعتراض کا جواب جو کچھ تم بیان کرو گے۔ وہی جواب بعینہ ہم پیش کر سکتے ہیں اور یہ جواب کسی فریق کے اصول کے خلاف نہیں۔ کیونکہ فلاسفہ میں سے جو لوگ اللہ تعالےٰ کے فعل یعنی اشخاص مفعول و مخلوق کو قدیم کہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کی حکمت کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ اور ان میں سے جو لوگ اشخاص افعال کو حادث اور ان کی نوع کو قدیم کہتے ہیں۔ وہ حکمت کو بھی اسی طرح مانتے ہیں اور جو لوگ افعال کی نوع کو حادث اور ان کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ قائم مانتے ہیں۔ وہ حکمت کو بھی حادث قرار دیتے ہیں۔ بہت سے اہل عقل اسی کے قائل ہیں۔ غرض اللہ تعالےٰ کے افعال کے لیے حکمت کو ثابت کرنا کسی فریق کے اصول کے خلاف نہیں:

تیسرا جواب:۔ تمہارا یہ قول کہ "اللہ تعالےٰ علت کے پیدا کرنے میں ایک دوسری علت کا محتاج ہو گا"۔ مسلّم نہیں یہ تب لازم آئے کہ جب ہر حادث کے لئے علت کا ہونا ضروری ہو۔ اور ہم اس بات کے قائل نہیں۔ بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اس کے افعال کے لئے علت ضروری ہے۔ دیکھو مفعول لہ بذات خود فاعل کا مطلوب اور مراد ہوتا ہے یہ نہیں کہ اس کے لئے کوئی دوسری علت اور غایت ہوتی ہے۔ بلکہ جو چیز مراد اور مطلوب ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں

Marfat.com

کبھی وہ چیز بذات خود مطلوب ہوتا ہے اور کبھی دوسری چیز کے حصول کے لیے اور جو چیز کسی دوسری چیز کے حصول کے لیے مطلوب ہو۔ آخر اس کا سلسلہ مطلوب بذاتہ پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور تسلسل جاری نہیں ہوتا۔ اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم اللہ تعالٰے کو خالق بالاسباب کہتے ہیں کہ ایک چیز کو ایک سبب کے ذریعے پیدا کرتا ہے اور اسکو ایک دوسرے سبب کے ذریعے اور آخر میں ایسی چیز پر سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے اس کی مشیت کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک چیز کو ایک حکمت کے لیے پیدا کرتا ہے اور اس حکمت کو ایک دوسرے حکمت کے لئے یہاں تک کہ اس حکمت پر سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے لیے کوئی حکمت نہیں ہوتی۔

چوتھا جواب منکرین حکمت و تعلیل کا قول ہے کہ ہر مخلوق لذاتہ مراد ہے تو اس پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جائز ہے کہ بعض مخلوق لغیرہ مراد ہوں اور یہ سلسلہ مراد لذاتہ پر ختم ہو جائے۔ بلکہ ہر مخلوق کو مراد لذاتہ کہنے سے یہ اولٰے اور بہتر ہے اور اسی طرح سلسلہ امر میں بعض احکام لغیرہ مطلوب اور مراد ہو سکتے ہیں اور یہ سلسلہ ایسے حکم پر ختم ہو جائے جو لذاتہ مراد و مطلوب ہو۔

پانچواں جواب ہم یوں کہتے ہیں کہ تمہاری تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے کے افعال کے لئے حکمت ثابت کرنے پر تسلسل لازم آتا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ تسلسل کی کونسی قسم لازم آتی ہے تسلسل محال یا تسلسل جائز اگر تمہارا یہ دعوٰے ہے کہ تسلسل محال لازم آتا ہے تو ہم تسلسل کے لزوم کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر تسلسل جائز لازم آتا ہے تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ افعال و آثار مستقبلہ میں تسلسل صرف ممکن نہیں بلکہ ضروری اور واجب ہے۔ البتہ افعال و آثار ماضیہ میں دو قول ہیں۔ سلسلہ علل اور فاعلین میں باتفاق اہل عقل تسلسل محال ہے یعنی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ

Marfat.com

ایک چیز کے لئے ایک دوسری چیز علت اور فاعل ہو اور پھر اس علت اور فاعل کے لئے ایک دوسری علت اور فاعل ہو اور اسی طرح ہر علت اور فاعل کے لئے ایک دوسری چیز علت اور فاعل ہو اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو اور یہ جائز ہے کہ ایک فاعل جو قدیم اور ابدی ہو اس سے ابد اور ازل میں غیر متناہی افعال صادر ہوں اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ وہ حکمت کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کا صدور ہو وہ اس فعل کے بعد موجود ہوگی۔ اور پھر اس حکمت کے پیدا کرنے کے لئے حکمت ہوگی اور اسی طرح ہر حکمت کے لئے دوسری حکمت ملنے پر غیر متناہی حوادث کا وجود لازم آئیگا۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ یہ صرف ممکن اور جائز نہیں بلکہ باتفاق اہل اسلام واجب اور ضروری ہے۔ اس میں صرف چند اہل بدعت جہمیہ اور معتزلہ مخالف ہیں۔ ورنہ سب اہل اسلام اس کو تسلیم کرتے اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اس بنا کر تو غایت مطلوبہ کبھی حاصل نہ ہوگی۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ غایت مطلوبہ ہمیشہ حاصل رہیگی۔ اور یہ بات عقلی دلیل سے ثابت ہے دیکھو کہ ایک آدمی کسی کام کو ایک غرض مطلوب کے لئے کرتا ہے۔ اور اس مطلب کے حاصل ہونے پر ایک دوسری غرض پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے لئے دوسرا کام کرتا ہے اور اس کے موجود ہونے پر ایک اور مطلب دل میں آجاتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اگر آدمی کا ہمیشہ زندہ اور باقی رہنا منصور ہوتا تو یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا اور اس کا مطالب یکے بعد دیگرے حاصل اور پیدا ہوتے رہتے۔ اور اللہ سبحانہ کا یہی کمال ہے کہ اس کی ذات ہمیشہ دائم و باقی ہے اور باوجودیکہ وہ تمام ماسوا سے پورا غنی اور بے نیاز ہے۔ اور سب مخلوق من کل الوجوہ اس کی محتاج ہے مگر ان کے ساتھ احسان کرنے اور ان پر رحمت فرمانے کے لئے ہمیشہ طرح طرح کی چیزیں پیدا کرتا اور مختلف افعال و احکام صادر فرماتا ہے۔ اور اس صفت کا نہ ہونا اللہ سبحانہ

Marfat.com

کی ذات مقدس کے لئے نقص ہے۔ مخلوق پر رحم کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا اس
کے لوازم ذات سے ہے اپنی مخلوق پر رحم اور ان کے ساتھ احسان کرنا
اس نے اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے وہ رحیم اور محسن ہے اور محض اپنی رحمت
اور احسان سے اپنے بندوں کو ان کاموں کی بجاآوری کا حکم دیا ہے جو اس کو محبوب
و پسند ہیں۔ لیکن ان اشیاء و افعال ہیں جن کو اللہ سبحانہ کسی حکمت اور غایت مطلوب
کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اور ان کاموں میں جن کی بجاآوری کا حکم اپنے بندوں کو دیتا
ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ پہلے قسم کو تو خود پیدا اور صادر کرتا ہے اور ان کا وجود ضروری
ہے۔ اور دوسرے قسم کا صدور اپنے بندوں سے کرانا چاہتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے
کہ خدا تعالیٰ جن چیزوں کے خلق اور پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے ان کو تو پیدا کر دیتا
ہے اور جن کاموں کے ساتھ اپنے بندوں کو امر فرماتے کا ارادہ ہو ان کی بجاآوری
کا ان کو امر فرماتا ہے اور ابھی ان کاموں کی خلق اور تکوین نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں
ہو سکتی ہے کہ کوئی ایک کام کرنے کا تو خود ارادہ کرے اور اسے کر لے اور ایک کام
ایک دوسرے شخص کو کرنے کا حکم دے۔ تو ان دونوں میں بالکل ظاہر فرق موجود ہے
غرض سلسلہ خلق اور امر دونو اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں ہیں۔ سلسلہ خلق اس کے
افعال ہیں اور سلسلہ امر اس کے وہ احکام و اقوال ہیں۔ جو بندوں کے افعال
سے متعلق ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کبھی اپنے بندے کو ایک کام کے بجالانے کا
امر فرماتا ہے اور پھر اس کی بجاآوری میں خود اپنے بندے کی اعانت فرماتا
ہے۔ تاکہ اس کام کی غایت اور حکمت حاصل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس
کام کی منظوری ظاہر ہو اور کبھی کسی بندے کو کسی کام کا امر فرماتا اور اس کی بجا
آوری اور اس کی اعانت نہیں کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے امر فرماتے اور بندے کے
بجا نہ لانے کی حکمت ظاہر ہو۔ امر تو اس لئے فرماتا۔ تاکہ قیامت کو اس کے لئے

Marfat.com

اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں حجت نہ رہے۔ اور وہ یوں نہ کہے۔ کہ میرے پاس تو کوئی حجت دینے والا اور تیرے حکم بتانے والا نہیں آیا۔ اور اگر مجھے تیرا حکم معلوم ہوتا۔ تو میں فی الفور اس کی اطاعت کرتا اور بجالاتا۔ اور اس کی اعانت اس لئے نہیں کرتا کہ وہ اس نعمت کے لائق اور قابل نہیں ہوتا۔ اور اس کی حکمت کاملہ کا یہی مقتضی ہے۔ کہ وہ اپنی نعمت کو بے موقع صرف نہ کرے۔ اور جو اس کے اہل ہوں۔ ان کو اس سے محروم نہ رکھے چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے) وقال تعالٰی اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (کیا اللہ شکرگزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں) وقال تعالٰی وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ (اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت ضرور عطا فرماتا) یہاں پر یہ شبہ کوئی شخص نہیں کر سکتا کہ اللہ سبحانہ جب سب مخلوق کو ایسا بنا سکتا ہے کہ سب اس کی نعمت کے اہل اور لائق ہوتے تو پھر سب کو یکساں کیوں نہیں بنایا اور نہ یہ شبہ کر سکتا ہے۔ کہ سب کی صورت شکل۔ عمر۔ رزق۔ معیشت وغیرہ جب یکساں بنا سکتا تھا۔ تو پھر ان میں متفاوت کیوں بنائے۔ اس قسم کے شبہے اس لئے فضول ہیں۔ کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں کو متفاوت بنانا۔ اس کی حکمت کاملہ کمال ملک اور ربوبیت کا مقتضی ہے۔ اس کی حکمت کا مقتضی یہی ہے۔ کہ سلسلہ امر اور احکام میں تو سب کو مساوی کر دیا۔ تاکہ کسی شخص کے لئے حجت باقی نہ رہے اور احکام کی بجاآوری میں اعانت کرنے میں متفاوت کر دیئے۔ جیسا کہ علوم مراتب۔ عزت۔ غنی۔ حسن۔ فصاحت۔ وغیرہ صفات میں اپنے بندوں کو مختلف مدارج اور متفاوت حالات میں پیدا کیا ہے اور اپنی مخلوق میں اس قسم کا تفاوت و اختلاف کرنا اس کی حکمت کے ہرگز خلاف نہیں بلکہ یہ

Marfat.com

اس کے کمال حکمت کی ایک نہایت زبردست دلیل ہے۔ اور اگر یہ تفاوت مراتب واختلاف احوال نہ ہوتا۔ تو اس کے فضل ومنت کا اظہار کس طرح ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً (مگر (بھلے کو) خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خودسری اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا کے فضل وکرم سے نیک چلن ہیں) اور جو لوگ اس نعمت کے لائق ہیں اللہ سبحانہ ان کو خوب جانتا ہے اور نیز نعمت کو مستحقین کے عطا فرمانے اور غیر مستحقین کو محروم رکھنے کی حکمت سے بھی پورا واقف ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور سچے دل سے اس کے پیغمبر (محمدؐ) پر ایمان لاؤ کہ خدا اپنی رحمت میں سے تم کو دوہرا حصہ دے اور تم کو ایسا نور عنایت کرے جس (کی روشنی) میں چلو اور تمہارے گناہ معاف فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (اور یہ تم سے اس لئے کہا جاتا ہے) کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو خدا کے فضل پر کچھ بھی دسترس نہیں اور نیز اس لئے کہا جاتا ہے کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے جس کو چاہے عنایت کرے۔ اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے) وقال تعالیٰ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ذٰلِکَ

Marfat.com

فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو کفر و شرک کی گندگی سے پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب الٰہی اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے اور نیز خدا نے ان پیغمبر کو اور لوگوں کی طرف بھی بھیجا ہے۔ جو ابھی تک ان عرب کے مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے۔ مگر آخر کار ان میں آملینگے اور خدا زبردست اور حکمت والا ہے یہ پیغمبری اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے۔ اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے) وقال تعالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِ اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو خدا کو اس کی ذرا بھی پروا نہیں وہ) ایسے لوگ (لا موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہونگے مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے ساتھ کڑے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کچھ باک نہیں رکھینگے یہ بھی خدا کا ایک فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور وہ سب کے حال سے واقف ہے) اور نیز اللہ سبحانہ نے انبیاء کی طرف سے فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے یوں کہا اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (کہ بیشک ہم تمہاری ہی طرح کے آدمی ہیں مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا اور اس کو خدمت پیغمبری سے سرفراز فرماتا ہے) وقال تعالٰی وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ ا

Marfat.com

لقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان دو بستیوں (یعنی مکے اور طائف) سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا (اے پیغمبر) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت (یعنی پیغمبری) کے تقسیم کرنے والے ہیں سو اس دنیا کی زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے) اور اس حدیث میں جسمیں مومنین اور یہود ونصاریٰ کی تمثیل بیان کی گئی ہے یوں مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ اہل کتاب سے فرمائیگا کہ میں نے تم پر کچھ ظلم کیا اور تمہارے عمل کا پورا بدلہ نہیں دیا وہ عرض کرینگے کہ اے رب العالمین تو نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا اور ہمارے کام کا پورا اجر عطا فرما دیا ہے۔ اس پر اللہ سبحانہٗ فرمائیگا کہ کسی کو اس کے عمل سے زیادہ اجر عطا کرنا یہ میرا فضل ہے۔ جسے میں چاہوں عطا کردوں۔ وقال تعالےٰ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (اور جو اللہ اور رسول کا کہا مانتے تو ایسے ہی لوگ جنت میں ان مقبول بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑے بڑے احسانات کئے ہیں۔ یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور دوسرے نیک بندے اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے) یعنی اللہ سبحانہٗ کو اس بات کا علم ہے کہ کون شخص اس کے فضل کے لائق اور صالح ہے اور کون شخص اس کے لئے لائق اور سزاوار نہیں اور وہ اپنا فضل اسی کو عطا فرماتا ہے جو اس کے لئے لائق اور صالح ہو اور جو اس کے لئے لائق اور سزاوار نہ ہو اس کو اپنے فضل سے محروم رکھتا ہے۔ اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں بکثرت

Marfat.com

موجود ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعض بندوں کو اپنی بعض نعمتوں کے ساتھ مخصوص کرنا یہ اس کا فضل اور رحمت ہے۔ پس اگر سب بندوں کو ہر ایک چیز میں مساوی پیدا کرتا تو اس کے فضل نعمت اور رحمت کی قدر کہاں معلوم ہوتی۔ اس کے علاوہ اس تخصیص میں اور بھی کئی حکمتیں موجود ہیں۔ اسی میں منحصر نہیں۔ امام احمد کی کتاب الزہد میں مذکور ہے کہ موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے سب بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ میں نے یہ چاہا کہ لوگ میری نعمتوں کا شکر کریں۔ غرض منکرین حکمت و تعلیل جن امور کی وجہ سے حکمت کا انکار کرتے ہیں۔ وہی امور اللہ سبحانہ کے کمال کی حکمت کی نہایت قوی اور مستحکم دلیل ہے۔ اور نیز یہ امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اپنا فضل انہی لوگوں کو عطا فرماتا ہے جو اسکے اہل و مستحق ہیں اور ان کو اہل و مستحق بنانا۔ اس کی حکمت۔ علم۔ عزت اور ملک کا مقتضی ہے۔ پس اللہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کی ذات بابرکت ہے۔ اور کوئی دوسرا شخص اسکی حکمت میں شریک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام مخلوق کا علم اس کے علم و حکمت کے سامنے ایسا ہے جیسا کہ ایک چڑیا اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے پانی اٹھائے تو اس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا نسبت ہے اسکی حکمت کے شیئاً بعد شیئٍ دائم رہتے ہیں جیسا کہ اس کا ارادہ۔ کلام۔ افعال۔ احسان جود و انعام دائم ہیں کونسا نقص اور خرابی ہے۔ بلکہ اسکی حکمت کے متسلسل اور دائم ہونے میں اس کا کمال ہے معلوم نہیں۔ کہ منکرین حکمت و تعلیل اس سے کیوں متنفر ہیں۔ کیا اس بات کے کہنے سے متنفر ہیں۔ خدا تعالیٰ حی۔ علیم۔ قدیر۔ حکیم متکلم۔ محسن۔ جواد۔ ملک جمیع کمالات کے ساتھ موصوف اور تمام ماسوا سے غنی ہے۔ اور اس کے کلمات کبھی ختم اور اس کی کبھی حکمت متناہی اور اس کی قدرت کبھی عاجز نہیں ہوتی۔ اس کے ملک کے لئے کبھی زوال نہیں۔ اور اس کے ارادہ و مشیت

Marfat.com

کبھی منقطع ہونے والے نہیں بلکہ ازل اور ہمیشہ سے اس کے لئے خلق۔ امر حکمت اور حکم ثابت ہے اور ہمیشہ ثابت رہیگا۔ اور اس کا انکار کرنا خدا تعالیٰ کی ذات کے لیے نقص کو قرار دینا ہے اور توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی اعانت سے ہے۔

چھٹا جواب۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرے تو ضروری ہے کہ اس کے لوازم موجود اور اس کے اضداد معدوم ہوں۔ کیونکہ ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا اور اسی طرح کسی چیز کا اپنی ضد کے ساتھ موجود ہونا محال اور ممتنع ہے اور جو چیز محال اور ممتنع ہو خارج میں اس کا موجود ہونا متصور اور ممکن نہیں بلکہ وہ لا شئے محض ہے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ تسلسل اللہ سبحانہ کے خلق اور اسکی حکمت کے لوازم سے ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اس کی نفی کرنے میں خرابی ہے اور اس کی توضیح ؂

ساتواں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال ماضی اور مستقبل میں دائم ومستمر ہونے کی نفی اور محالیت پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں۔ اور منکرین حکمت وتعلیل کے تمام ادلہ اول سے لیکر آخر تک سب باطل میں رازی اور آمدی وغیرہ نے اپنی اکثر تصانیف میں ان کے ادلہ کی قلعی کو خوب کھولا اور ان کی پوری تردید کی ہے اور اثبات حکمت وتعلیل کی صحت پر جب عقلی اور نقلی دلیلیں۔ فطرت اور وہ تمام انواع واقسام کے ادلہ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ دال اور شاہد ہیں۔ تو اب منکرین کے نفی کرنے سے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں اس یقینی امر میں کس طرح قدح ہو سکتا ہے ؂

آٹھواں جواب یہ ہے کہ تسلسل یا تو ممکن ہے یا محال اگر ممکن ہے تو تمہاری دلیل باطل ہوئی اور اگر محال ہے تو تسلسل کے منقطع ہونے کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ غایات اور حکمتوں کا سلسلہ ایسی غایت اور حکمت پر ختم ہو سکتا ہے

Marfat.com

جو فی نفسہ مطلوب اور مراد ہو۔

نواں جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی فاعلیت معلل بہ علت قدیمہ ہے۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں اور تمہارا یہ قول کہ علت کے قدم سے فعل معلل کا قدم لازم آئیگا خود تمہارے ہی قول سے منقوض ہے کہ تم ارادہ کو قدیم مانتے ہو اور ارادہ کے قدم سے مراد کا قدم تسلیم نہیں کرتے۔ اور اگر تم اس کا یہ جواب بیان کرو۔ کہ ارادہ قدیم فعل حادث سے اس کے حدوث کے وقت متعلق ہوتا ہے اور اسی وقت اس کے وجود کا مقتضی ہوتا ہے۔ تو اس کی نسبت ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حکمت قدیمہ کا تعلق بھی اسی طرح تسلیم کر لو کہ فعل حادث کے حدوث کے وقت اس سے متعلق ہوتی ہے۔ ارادہ اور حکمت کے تعلق میں کوئی فرق نہیں۔ اور اگر تم یہ فرق بیان کرو کہ ارادہ کا کام یہ ہے کہ وہ امر کو ایک خاص کے وقت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حکمت کی بھی یہی شان ہے کہ وہ ایک شے کو ایک خاص وقت۔ مکان اور صفت خاصہ کے ساتھ مخصوص کرتی ہے بلکہ حکمت۔ ارادہ۔ علم اور قدرت یہ سب تخصیص کا باعث ہیں۔ پس اگر حکمت کے قدیم ہونے سے فعل کا قدم لازم آتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ ارادہ کے قدم سے بھی اس کا قدم لازم آئیگا۔ اور اگر ارادہ کے قدم سے فعل کا قدم لازم نہیں آتا تو حکمت کے قدیم ہونے سے بھی فعل کا قدیم ہونا لازم نہیں آئیگا۔

دسواں جواب یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کے افعال کسی غایت مطلوبہ اور حکمت کے لئے نہ ہوں تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالےٰ کے افعال اس کے ارادہ سے صادر نہ ہوں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے ارادہ سے کوئی کام کرے اور اس کام میں کوئی غرض اور غایت مطلوب نہ ہو پس اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے اگر حکمت اور غایت نہ ہوگی تو ان کے لئے ارادہ بھی نہ ہوگا۔ اور ارادہ کے

Marfat.com

نہ ہونے سے یہ لازم آئیگا کہ اللہ تعالےٰ محض اپنی ذات سے بغیر کسی حکمت وارادہ کے موجب افعال اور ان کی علت تامہ ہو۔ اور چونکہ قاعدہ ہے کہ معلول اپنی علت تامہ سے مفارق اور جدا نہیں ہوتا لہذا لازم آئیگا کہ جمیع حوادث ازل میں اللہ کی ذات کے ساتھ مقارن ہوں۔ اور اس طرح تمام حوادث قدیم ہو جائینگے اور یہ خرابی حکمت کی نفی کرنے سے جو کہ ارادہ کی نفی کو مستلزم ہے لازم آئی ہے کیونکہ ارادہ کی نفی موجب بالذات ہونے کو مستلزم ہے اور ایجاب بالذات حوادث کے قدم کو مستلزم ہے۔ اس بحث کی تفصیل وبسط کے لئے اور مقام ہیں:

**فصل** ۔ منکرین حکمت کا بیان ہے کہ جمیع اغراض کا مآل دو چیزوں کی طرف ہے۔ لذات وخوشی کو حاصل کرنا۔ یا رنج وغم کو دفع کرنا۔ اور اللہ سبحانہ ان دونو چیزوں کو ابتداءً بغیر واسطہ کسی چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہے۔ اور جو شخص کسی چیز کو بغیر واسطہ دوسری چیز کے حاصل کر سکے تو ایسے شخص کا اس چیز کو وسائط کے ذریعہ حاصل کرنا عبث ہے۔ اور اللہ سبحانہ عبث سے منزہ اور پاک ہے مثبتین حکمت کہتے ہیں۔ کہ اس شبہے کے کئی جواب ہو سکتے ہیں:

Marfat.com

جواب اول۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیشک اللہ سبحانہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہ اگر کوئی چیز مقدر ممکن ہو تو وہ حکمت اور غایت جو اس چیز کے حصول سے مطلوب ہو اس چیز کے عدم حصول کے وقت حاصل ہو سکے کیونکہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو تو اس کا حصول اس کے بغیر ناممکن اور محال ہے جیسا کہ بیٹے کا وجود (بیٹا ہونے کی حیثیت سے) بغیر باپ کے ناممکن ہے۔ کیونکہ ملزوم کا بدون لازم موجود ہونا ناجائز اور ممتنع ہے۔ اور کوئی شخص اس پر یہ شبہ نہیں کر سکتا۔ کہ جب اللہ سبحانہ ایک چیز کو بغیر توسط دوسری چیز کے پیدا نہیں کر سکتا۔ تو اللہ سبحانہ کا عجز لازم آیا۔ کیونکہ ایسی چیز کا سوائے توسط موجود ہونا محال ہے اور محال قدرت کے تحت میں داخل نہیں۔ اور اللہ سبحانہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کوئی ممکن اس کی قدرت سے خارج نہیں۔

دوسرا جواب۔ یہ دعوٰے کہ جب ایک چیز بغیر وسائط حاصل ہو سکے تو اس کو وسائط کے ذریعہ حاصل کرنا عبث ہے"۔ باطل اور جھوٹا دعوٰے ہے۔ کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز کے حصول کے لیے شرط یا سبب ہو تو اس کا توسط عبث نہیں۔ عبث وہ امر ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور شرط۔ سبب یا مادہ کا توسط عبث اور بیفائدہ نہیں۔ اس کی تفصیل

تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ اعراض اور صفات جو مادوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کے مادے ان کے حصول کے لئے شروط ہیں۔ مواد کے وجود ان کے بغیر ممکن نہیں۔ پس ایسے اشیاء کا توسط ضروری اور لابدی ہے۔ پس تمہاری دلیل تمہارے دعوٰے کے لئے کافی نہیں۔ ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ ان حوادث کو بغیر توسط ان کے مادوں کے جن میں یہ موجود ہیں۔ پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ اگر قادر ہے تو پھر مواد کا توسط عبث ہو گا۔ اور اگر بغیر توسط

Marfat.com

پیدا نہیں کرسکتا۔ تو عاجز ہوا۔ اگر تم یہ جواب دو کہ یہ تو ایک محال امر کو فرض کرنا ہے اور محال کوئی چیز نہیں۔ تو ہم یہ جواب دینگے کہ تم نے بالکل سچ کہا ہے اور ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے جو تم نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ فرض محال ہے

چوتھا جواب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ان وسائط کے پیدا کرنے میں خالق نے کئی حکمتیں رکھی ہیں جو ان کے پیدا کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور نیز وسائط کے لیے بھی منافع و مصالح ہیں۔ تو ان کا توسط عبث نہیں ہوسکتا۔ اور نہ وہ حکمت ان کے سوا حاصل ہوسکتی ہے۔ مثلاً جب اللہ سبحانہ نے کسی شخص کی روزی کے لیے تجارت کو وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا۔ اور مقدر کیا ہو۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال تجارت کو ایسے اشخاص کے پاس لائیگا۔ جو اُس کے خواہشمند اور طلبگار ہوں گے۔ اور اس طرح سے سوداگر روپیہ کما کر اپنی ضروریات کو پورا کریگا۔ اور خریدار تجارتی اشیا کے خریدنے سے اپنے کام چلائینگے۔ اور اگر سلسلہ ہستی میں غور کرلیا جائے۔ تو اس کی ہر ایک چیز بتلا دیتی ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ اور ان وسائط میں بندوں کے لیے وہ مصالح و منافع موجود ہیں کہ اگر یہ وسائط نہ ہوں تو وہ مصالح و منافع کبھی حاصل نہ ہوں ::

پانچواں جواب: تمہارا یہ قول کہ اگر عبث لازم آئیگا اور عبث اللہ تعالیٰ کی نسبت محال ہے اور وہ اس سے پاک اور منزہ ہے ہمارے ہی دعوے کی تائید کرتا ہے کیونکہ اگر اللہ سبحانہ کی نسبت عبث محال اور وہ اس سے منزہ ہے تو اس کے تمام افعال و احکام و اوامر حکمت و مصلحت پر مبنی ہوں گے۔ ورنہ عبث لازم آئے گا اور اگر اس کی نسبت عبث محال نہیں تو تمہاری دلیل باطل ہوئی ::

Marfat.com

چھٹا جواب۔ جائز اور ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ بعض چیزیں ایسی پیدا کرے جن کے لئے غایات و اغراض ہوں۔ اور بعض چیزیں ایسی ہوں جو بذاتہ خود مقصود ہوں۔ اور جب یہ ہو سکتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وسائط کے لئے کوئی چیز علت نہیں اور تم جب تک اس بات کے قائل نہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالے کا کوئی فعل بدوں علت نہیں ہوتا۔ اس قسم کے اشیاء کو جن کے لیے کوئی دوسری چیز علت نہ ہو نفی نہیں کر سکتے۔ اور تم اللہ تعالے کے جمیع افعال کے معلل ہونے کے قائل نہیں بلکہ تم تو اس وجہ سے انکار کرتے ہو کہ ان امور کے توسط سے عبث لازم آتا ہے اور بعض افعال میں علت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کام کے لئے بھی علت نہ ہو اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے تمام کاموں کے لئے حکمت اور علت ہے اور نہ ہر چیز کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے اور تم تو سرے سے جواز تعلیل کے منکر ہو اگر تمہاری یہ دلیل بالفرض صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر چیز کے لئے علت کا ہونا ضروری نہیں۔ اور یہ بات ہمارے خلاف نہیں۔ پس تمہارا دعوے غلط اور دلیل لاحاصل ہے۔ اس صورت میں ہمارا قول فقہا کے اس قول کے موافق ہے کہ شرع کے بعض احکام معلل نہیں ہوتے اور بعض کے لئے علت ہوتی ہے پس جیسا کہ فقہا سلسلہ امر میں میں تعلیل کے قائل ہیں اسی طرح سلسلہ خلق میں ہم کس لئے قائل نہیں ہوتے اور یہ الزامی جواب ہے اور حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے تمام افعال و احکام کے لیے وہ حکمتیں اور غایات ہیں کہ جن کے لئے وہ موجود اور صادر ہوتے ہیں گو مخلوق کو ان کی تفصیل کا علم نہ ہو اور مخلوق کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں ان کا وجود نہ ہو۔

Marfat.com

ساتواں جواب۔ اس شے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ ان حکمتوں اور غایات کو بدوں توسط دوسرے چیزوں کے حاصل کر سکتا ہے تو پھر بذریعہ توسط حاصل کرنا عبث ہے۔ پس اس کی نسبت ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہ بذریعہ توسط اور بغیر توسط دونوں طریق سے حاصل کر سکتا ہے اور جب دونوں باتوں پر اس کو قدرت حاصل ہے تو ایک بات کو اختیار کرنا عبث نہیں ہو سکتا۔ عبث تب ہو کہ جب دونوامر من کل الوجوہ مساوی ہوں اور کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان وسائط کا وجود اور عدم دونوں یکساں ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان کے وجود اور عدم کو مساوی سمجھے تو اس کی کمال حماقت اور نادانی ہے۔ کیونکہ یہ خیال حس عقل اور شرع کے خلاف ہے ظاہر بات ہے کہ جو شخص انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے اور نہ ہونے کو برابر اور آفتاب۔ چاند ستاروں۔ بارش۔ نباتات حیوانات کے وجود اور عدم کو مساوی سمجھے اور ان سب وسائط کا ہونا نہ ہونا اس کے نزدیک یکساں ہو۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ ہٹ دھرم اور مکابر نہیں ہو سکتا:

آٹھواں جواب۔ تمہارا یہ قول کہ "تمام اغراض کا مآل دو چیزوں کی طرف ہے لذت کا حاصل کرنا یا غم کو دور کرنا اس کا کیا مطلب ہے آیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حیوانات کے افعال کے اغراض دو قسم میں منحصر ہیں یا اللہ سبحانہ کے افعال کے حکم و غایات ان دو قسم سے خارج نہیں یا عام مراد ہیں۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو تمہیں کچھ مفید نہیں اور اگر دوسرا یا تیسرا معنی مراد ہے تو یہ دعوے بلا دلیل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کے افعال کی حکمتیں تحصیل لذات اور دفع آلام و غموم نہیں بلکہ وہ ان امور کے علاوہ ہیں اس لئے کہ اللہ سبحانہ تحصیل لذات و دفع آلام سے منزہ اور پاک ہے۔ بلکہ مخلوق میں اس کی

Marfat.com

حکمت کی کوئی چیز نظیر نہیں ہو سکتی جس طرح کہ وہ صفت ارادہ کے ساتھ موصوف ہے۔ مگر اس کا ارادہ حیوانات کے ارادہ کی طرح نہیں کہ جب منفعت یا دفع مضرت کے لیے کسی چیز کا ارادہ کرے اور اسی طرح صفت غضب کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس کا غضب حیوانات کے غضب کے مشابہ نہیں حیوانات کے غضب کا یہ معنی ہے کہ انتقام کے خیال سے قلب میں خون جوش زن ہونے لگے۔ اور اللہ سبحانہ ان باتوں سے منزہ اور پاک ہے علیٰ ہذا القیاس اس کی تمام صفات کا حال ہے غرض جس طرح کہ اس کے ارادہ۔ رضا غضب۔ رحمت وغیرہ صفات میں کوئی اس کی مثل ونظیر نہیں۔ اسی طرح اس کی حکمت بھی مخلوق کی حکمت کے مشابہ ومماثل نہیں بلکہ اس کو تحصیل لذت یا دفع حزن کہنا اللہ سبحانہ کی ذات کے لیے نقص ثابت کرنا ہے جو اس سے اعلیٰ وبلند اور منزہ ومقدس ہے۔ مخلوق اپنے احتیاج اور نقص کی وجہ سے تحصیل لذات یا دفع آلام کے لیے افعال کرتی ہے۔ کیونکہ ان کے معیشت کے مصالح وسامان ان سے وابستہ ہیں اور اللہ سبحانہ کی ذات تمام ماسوا سے مستغنی ہے۔ اس نے اپنے کمالات کو کسی مخلوق سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ سب مخلوق نے اپنے کمالات اس سے حاصل کیے ہیں

نواں جواب۔ وحی اور عقل اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ بعض امور کو پسند اور بعض کو ناپسند رکھتا ہے۔ وحی کی شہادت کے لئے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس قسم کی آیات سے کہ قرآن کریم اول سے آخر تک اسی قسم کی آیات سے بھرا ہوا ہے۔ اور عقل کی شہادت اس طرح پر ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے پیاروں اور اہل طاعات کی عزت فرماتا اور اپنے دشمن اور نافرمانوں کو ذلت پہنچاتا ہے پس اس سے معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے کہ اس کو طاعت پسند اور نافرمانی ناپسند ہے اور مطیعین سے راضی اور خوش اور نافرمانوں سے ناخوش ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کو کسی چیز سے اعلیٰ درجہ کی محبت یا کسی چیز سے غایت درجہ سے نفرت و عداوت ہو اور وہ اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز کے حاصل کرنے پر قادر بھی ہو تو وہ اس کے حصول کے لیے کامل طور پر حکمت کو کام میں لائیگا۔ غرض اللہ سبحانہ کے افعال کی ایک یہ حکمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی مرضیات کی طرف پہنچاتا ہے کہ وہ ان کو بجالائیں۔ اور منہیات سے باز رہیں۔ اور اگر کوئی ایسا فعل صادر ہو جو بذاتہ مکروہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ وہ ایک اور دوسری محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لیے ذریعہ ہوتا ہے لہذا وہ اس وجہ سے مکروہ نہیں شمار ہوتا۔ پس لذت و سرور اور غم اور حزن سے اگر حب اور بغض مراد ہے تو اللہ سبحانہ حب اور بغض کے ساتھ موصوف ہے اور اس کے افعال کے لئے حکمت اور غایت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ لذات اور غم کے ساتھ موصوف ہو۔

دسواں جواب۔ جب اللہ سبحانہ ان حکم و غایات کو بدون وسائط اور وسائط کے ذریعہ دونو طرح حاصل کرنے پر قادر ہے۔ تو دونو طرح پر حاصل کرنا اس کے کمال۔ قدرت۔ عظمت ملک اور ربوبیت پر دال ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کے اختلاف اور تنوع کا یہ سبب ہے کہ اس کی حکمت کمال قدرت اور ربوبیت کا مقتضی ہی ہے۔ غرض اللہ سبحانہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس حکمت کو بواسطہ ایک دوسری چیز کے جو مخلوق اور اس سے منفصل ہو پیدا کرے اور ایسی چیز کے واسطہ کے سوا بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی یہ حکمت خود اس کے افعال لازمہ۔ کلمات اور اپنی حمد و

Marfat.com

ثنا کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ غرض اس کا مطلوب دو نوع طرح حاصل ہے اور اس میں اللہ سبحانہ کا زیادہ کمال ہے کہ وہ مطلوب کے حاصل کرنے پر مختلف طریق سے قادر ہے ؛

گیارھواں جواب۔ اللہ سبحانہ اپنے اوصاف۔ اسماء اور افعال میں کامل ہے اور عالم میں ان کے آثار کا ظاہر ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر ان کے آثار ظاہر نہ ہوں تو ان کا کمال بجائے خود وجود ہی غیر متصور ہے۔ مثلاً اللہ سبحانہ محسن ہے اور بدون محسن الیہ کے احسان کا وجود محال ہے۔ اور وہ رزاق ہے جس کے لئے مرزوق کا ہونا ضروری ہے علیٰ ہٰذا القیاس اس کے دوسرے اسماء کا حال ہے کہ وہ غفار۔ حلیم۔ جواد۔ لطیف۔ منان و وہاب قابض۔ باسط۔ خافض۔ رافع۔ معز اور مذال ہے اور ان اسماء کے لیے ان کے متعلقات کا موجود ہونا اور ان کے آثار کا ہونا ضروری ہے ورنہ یہ اسماء اور صفات معطل اور بیکار ہونگے۔ غرض ان اسماء و صفات کے معنی کے موجود ہونے کے لئے ان کے آثار کا توسط ضروری ہے اور ان کے توسط کو عبث اور بیفائدہ کہنا صحیح نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے ؛

**فصل**۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ شبہ ہے کہ اگر سلسلہ خلق و امر کا معلل بحکمت و غرض ہونا ضروری ہو تو سلسلہ عالم کو ایک مخصوص وقت میں پیدا کرنے کے لئے بھی کوئی غرض اور غایت ہو گی۔ اور اس غرض و مصلحت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک کہ وہ اس مخصوص وقت سے پہلے موجود ہو یا اس خاص وقت سے پہلے موجود نہ ہو۔ اگر اس وقت سے پہلے موجود ہو تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالےٰ نے عالم کو اس کے موجود ہونے کے وقت

Marfat.com

سے پہلے موجود کر دیا ہو۔ کیونکہ عالم کا موجود کرنا تو اس غرض و مصلحت کے لئے تھا اور وہ عالم کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے حاصل تھی۔ لہذا عالم اپنے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود ہو گا۔ اور یہ محال ہے۔ اور اگر وہ مصلحت عالم کے موجود ہونے سے پہلے حاصل و موجود نہ ہو بلکہ وجود عالم کے وقت وہ حادث ہو تو اس کی نسبت یہ پوچھتے ہیں کہ اس غرض کا حصول کسی محدث کا محتاج ہے یا نہیں اگر محتاج نہیں تو لازم آیا کہ ایک حادث بدوں کسی محدث و موجد کے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر کسی محدث کی طرف محتاج ہے۔ تو اگر اس کے خاص وقت میں موجود ہونے کے لیے کوئی دوسری غرض ہو گی۔ تو تقسیم اوّل پھر جاری ہو گی۔ اور ہر غرض کے لئے دوسری غرض ماننے پر تسلسل لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے اور اگر اس کے حصول کے لئے دوسری غرض کی ضرورت نہیں تو اس کا حصول بدوں غرض ہوا۔ اور ہمارا یہی دعوٰے ہے کہ اللہ سبحانہ کے ایجاد و خالقیت کے لئے اغراض و مصالح کی ضرورت نہیں۔ اور یہ دلیل جسطرح کہ عالم کے ایک خاص وقت میں موجود ہونے کے متعلق جاری ہو سکتی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حادث کو ایک خاص وقت میں پیدا کرنے کے لیے اگر کوئی غرض ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو حادث کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے وہ غرض موجود ہو گی یا نہیں۔ اگر اس کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود ہو تو لازم آئیگا کہ حادث اپنے حدوث کے وقت سے پہلے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر پہلے موجود نہ ہو تو اب اس غرض کے پیدا کرنے کے لئے اگر دوسری غرض کی ضرورت ہو اور اسی طرح ہر غرض کے پیدا کرنے کے لئے دوسری غرض کی ضرورت نہیں تو ہمارا دعوٰے ثابت ہوا کہ

Marfat.com

اللہ تعالٰی کے چیزوں کے پیدا کرنے کے لیے کوئی غرض اور غایت نہیں۔
مثبتین حکمت و تعلیل جواب میں کہتے ہیں۔ کہ یہ دلیل بعینہٖ دوسری دلیل کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے مگر تم کو فضول اور باطل دلیلوں کا طومار باندھنے پر کچھ فخر اور ناز ہے۔ سنو اس دلیل کے جواب وہی ہیں جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آثار اور حوادث مستقبلہ میں تسلسل لازم آئیگا۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ جہم اور علاف کے سوا تمام اہل اسلام کے نزدیک حوادث مستقبلہ اور آثار میں تسلسل نہ صرف جائز بلکہ واجب اور ضروری ہے اور نیز ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حوادث دو قسم ہیں ایک وہ جو بذات خود مراد اور مطلوب ہیں۔ دوسرے وہ جو کسی دوسری چیز کے لیے مطلوب اور مراد ہیں۔ تو اس بنا پر جائز ہے کہ وہ حکمت جو بذات خود مطلوب ہو۔ اپنے پیدا ہونے میں کسی دوسری حکمت کی محتاج نہ ہو۔ اور نیز اول تو اس دلیل کے مقدمات صحیح اور مسلم نہیں۔ اور بالفرض اگر صحیح ہوں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کا معلل بالاغراض ہونا ضروری نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ان کے لئے علت اور غرض کا ہونا جائز نہ ہو۔ وجوب کی نفی اور چیز ہے۔ اور جواز کی نفی دوسری چیز۔ ہم نے تسلیم کیا کہ حکمت کا وجود ضروری اور واجب نہیں۔ مگر اس سے جواز کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اور نیز زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعض افعال معلل بالاغراض نہیں۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے جمیع افعال معلل بالاغراض نہیں خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پہلے سب جواب جاری ہو سکتے ہیں زیادہ طول کی ضرورت نہیں اور اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ مستقبل میں اللہ تعالٰی کے افعال کا دوام باتفاق اہل اسلام جائز بلکہ

Marfat.com

واجب ہے۔ اور ماضی میں صرف چند اہل کلام کا خلاف ہے ؛

**فصل** - منکرین حکمت کا یہ شبہ ہے کہ ادلہ سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ تمام چیزوں کا خالق ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کفر، فسق اور عصیان کے پیدا کرنے میں کون سی حکمت اور مصلحت ہے۔ اور نیز ایسے شخص کے پیدا کرنے میں جسکی نسبت اللہ تعالےٰ کو معلوم ہو کہ وہ پیدا ہو کر کفر و فسق کریگا۔ اور دنیا اور دین میں فساد ڈالیگا۔ کونسی حکمت ہے اور بہت سے جمادات پیدا کرنے میں جن کا وجود اور عدم دونو برابر ہیں۔ کونسی حکمت ہے اور نیز بہت سے بیکار درختوں و نباتات اور حیوانات خاصکر حملہ کرنے والے اور موذی جانوروں کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ اور زہر اور دوسری مضر اشیا کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اور ابلیس اور دیگر شیاطین کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے۔ اور اگر اس کے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت اور حکمت ہے تو اس کے ہمیشہ قیامت تک باقی رکھنے اور انبیاء علیہم السلام کو دنیا سے فوت کر دینے میں کونسی حکمت ہے اور آدمؑ اور حواؑ کے جنت سے نکالنے اور ان کی اولاد کو اس بلائے عظیم میں ڈالنے کے اندر جبکہ وہ بہشت کے اندر نہایت آرام سے رہ سکتے تھے۔ کیا مصلحت اور کونسی حکمت ہے۔ اور حیوانات کو دکھ اور تکلیف پہنچانے میں کونسی مصلحت ہے۔ فرض کیا کہ مکلفین کو تکلیف پیش آنے میں ان کے لیے کوئی مصلحت ہو لیکن غیر مکلفین مثلاً بہائم اطفال اور مجانین کو دکھ و تکلیف ہونے میں کونسی مصلحت اور حکمت ہے اور اس مخلوق کے پیدا کرنے میں جن کو ہمیشہ کے لئے طرح طرح کے دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھیگا۔ کونسی حکمت ہے۔ اور اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کو اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں پر مسلط کرنے میں کیا حکمت ہے کہ وہ

Marfat.com

ان کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے. بعض کو قتل کرتے اور بعض کو قید کر
لیتے اور بعض کو غلام بناتے اور بعض کو اور قسم کی تکلیف پہنچاتے۔ اور جن و
انس کے مکلف بالاحکام بنانے اور طرح طرح کی مشقتوں اور عذاب میں
مبتلا کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ منکرین حکمت کا یہ بھی شبہ ہے کہ ہم کو قطعی
طور پر معلوم ہے کہ اہل دوزخ کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اللہ تعالےٰ کا فعل
ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنے میں نہ تو اللہ تعالےٰ کا کوئی
نفع اور فائدہ ہے اور نہ ان کے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے اس میں کوئی
فائدہ ہے اور ہمارے لیے ابوالحسن اشعری اور ابوہاشم جبّائی کا مناظرہ کافی دلیل
ہے۔ ابوالحسن اشعری نے ابوہاشم سے ان تین بھائیوں کی نسبت سوال کیا۔ جن
میں سے ایک تو بلوغ سے پہلے حالت اسلام میں مر گیا۔ اور دو حد بلوغ کو پہنچ
کر جوان ہوئے پھر ان میں سے ایک تو بحالت اسلام فوت ہوا اور دوسرا کفر کی
حالت میں مرا۔ اور یہ تینوں اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں جمع اور اکھٹے ہوئے ان میں
سے وہ شخص جو بلوغ کے بعد حالت اسلام میں فوت ہوا تھا۔ اس کو تو اپنے اسلام
اور اعمال حسنہ کی بدولت مراتب عالیہ حاصل ہوئے اس کے دوسرے بھائی نے
جو صغر کی حالت میں مر گیا تھا۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر یہ سوال کیا کہ اے
رب تو نے مجھے وہ مرتبہ کیوں نہیں عطا فرمایا۔ جو میرے بڑے مسلمان بھائی
کو عطا فرمایا ہے اللہ سبحانہ نے جواب دیا کہ اس نے وہ اعمال حسنہ کیے تھے
جو تو نے نہیں کیے تھے اس پر اس نے پھر سوال کیا کہ اے میرے رب تو نے
مجھے اتنی عمر کیوں نہ بخشی کہ میں بھی اپنے بھائی مسلمان کیطرح اعمال صالحہ کرتا
اور تیرے احکام بجالاتا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا۔
کہ تیرے حق میں بچپن ہی میں مر جانا اچھا ہے۔ کیونکہ اگر تو بڑا ہوتا۔ تو کفر اختیار

Marfat.com

کرتا۔ اس پر تیسرا بھائی دوزخ کے نیچے میں سے چلا اٹھا کہ اے میرے رب تو نے مجھ کو بلوغ سے پہلے بچپن میں کیوں نہ فوت کر دیا۔ جیسا کہ میرے چھوٹے بھائی کو بچپن میں فوت کر دیا۔ اور وہ عذاب سے بچ گیا۔ پس اس شخص کے سوال کا کیا جواب ہے۔ شیخ ابوہاشم خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ علت اور غایت کو کوئی دخل نہیں۔ اور یہ امر قطعی اور یقینی امر ہے اس میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنی رحمت سے سرفراز کرے) وقال تعالیٰ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور لوگو! جو تمہارے دل میں ہے اگر اس کو ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پھر (دل کے کھوٹ پر) جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب کرے وقال تعالیٰ وَلَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (اور جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا) ان آیات میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ سب کچھ اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ اور تمام چیزیں محض اس کی مشیت سے صادر ہوتی ہیں۔ اور منکرین حکمت کا یہ بھی قول ہے کہ مخلوق کے گمراہ ہونے کی اصل وجہ یہی ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کی حکمتیں اور علل کی جستجو کرنے لگے۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اپنے قصیدۂ تائیہ میں کہا ہے ؎

وَاَصْلُ ضَلَالِ الْخَلْقِ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ ... هُوَ الْخَوْضُ فِیْ فِعْلِ الْاِلٰهِ لِعِلَّةٍ

مخلوق کے ہر ایک گمراہ فرقے کی گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ

Marfat.com

کے افعال کی علت میں خوض کرنے لگے۔ کیونکہ جب وہ علت معلوم ک
کے خیال میں ہوئے اور علت کو معلوم نہ کرسکے تو مختلف فرقے پیدا ہو
پس ایک فریق تو اللہ سبحانہ کے خالق۔ موجد اور فاعل افعال ہو
سے منکر ہوکر یہ کہنے لگا کہ یہ افعال اجسام کے طبائع سے اور یہ حوادث
کی حرکات اور کواکب کی تاثیرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسر
فریق نے حس اور عقل کا خلاف اختیار کیا اور یہ کہدیا کہ اہل دوزخ
ہمیشہ دوزخ میں رہنا جنت میں رہنے سے ان کے حق میں زیادہ نافع
اور مفید ہے۔ اور شیطان کو قیامت تک زندہ رکھنا کہ وہ مخلوق کو گمرا
کرتا رہے مخلوق کے حق میں اسکے مار دینے سے زیادہ مفید ہے اور اس
طرح انبیاء علیہم السلام کو فوت کردینا امتوں کے حق میں ان کے درمیا
ان کے زندہ رکھنے سے زیادہ نافع اور اچھا ہے۔ اور بچوں کو عذاب میں
گرفتار رکھنا ان کے حق میں ان پر رحمت کرنے سے زیادہ اچھا اور بہتر
اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے علم تر ہونے کی وجہ سے ان کے سوا اسی
قسم کی بہت سی محال باتوں کے قائل ہوگئے۔ حالانکہ اللہ سبحانہ کے افع
کے لیے کوئی علت نہیں اور وہ جو چاہے کرے اس سے کوئی پوچھ اور
بازپرس نہیں کرسکتا۔ اسی واسطے ہمارا یہ قول ہے کہ حق یہ ہے کہ اللہ سبحا
کے افعال کے لیے کوئی علت نہیں۔ اور اس قول کی وجہ سے ہم کو ان تما
خرابیوں سے جن میں قائلین حکمت و تعلیل پڑے ہیں نجات حاصل ہے:
مثبتین حکمت و تعلیل ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہارے یہ شبہات اور
اعتراض جو تم نے احکم الحاکمین کی حکمت کے متعلق پیش کیے ہیں۔ ان شبہ
اور اعتراضوں سے کچھ زیادہ قوی اور مضبوط نہیں جو ملحدین نے اللہ سبحا

Marfat.com

کے وجود اور ہستی کے بارے میں پیش کیے ہیں انہوں نے اپنے خیال میں
صانع کے وجود کی نفی پر چالیس شبہات قائم کیے ہیں۔ اور اسی طرح نہ
ان لوگوں کے اعتراضوں سے قوی ہیں جو رسالت کے منکر ہیں اور تم نے
خود ان کے اسی اعتراض نقل کیے ہیں۔ اور نیز اللہ سبحانہ کے صفات کمال
کے منکرین یعنی فرقہ معطلہ کے شبہات سے جن کے طوفان و طومار کو تم
معلوم کر چکے ہو۔ اور جہمیہ کے ان اعتراضات سے جو انہوں نے اللہ سبحانہ
کے عُلوّ علی الخلق۔ استوا علی العرش۔ تکلم اور اپنے بندوں سے ہم کلام ہونے
پر وارد کیے ہیں اور فلاسفہ کے ان اعتراضات سے جو انہوں نے اللہ سبحانہ
کے چھ روز میں عالم کو پیدا کرنے بندوں کو قبروں سے اٹھانے بہشت و
دوزخ میں داخل کرنے اور اس عالم کے بجائے ایک دوسرا عالم قائم کرنے
پر پیش کیے ہیں۔ تمہارے اعتراضات کچھ زیادہ مضبوط نہیں بلکہ ان کے
اعتراضات تو تمہارے اعتراضوں سے کئی گنے زیادہ ہیں۔ اور اسی طرح
منکرین تقدیر بھی اپنے اعتراضات و شبہات کو نہایت شد و مد کے ساتھ
پیش کرتے ہیں۔ احکم الحاکمین کی حکمت کا یہ مقتضی ہے۔ کہ وہ اس عالم میں
جو کہ دار تکلیف ہے اور ہر حق بات کے لیے کوئی نہ کوئی منکر اور ہر ایک
صواب کے لیے کوئی نہ کوئی مخالف بنا دیتا ہے جیسا کہ ہر نعمت کے لیے
کوئی نہ کوئی حاسد اور ہر شر کے لیے کوئی نہ کوئی بانی پیدا کر دیتا ہے اور
یہ اس کی حکمت کاملہ اور قدرت باہرہ کا مقتضی ہے تاکہ اس کی حجت اپنے
بندوں پر پوری اور اس کی مشیت ان میں نافذ اور اس کی حکمت ان میں
ظاہر اور اس کا حکم ان کے درمیان جاری ہو اور اپنے علم کے مطابق بعض
کو بعض پر فضیلت عطا فرمائے۔ اور اس کے صفات علیا اور اسماء حسنیٰ

Marfat.com

کے آثار ان میں ظاہر ہوں - اور قیامت میں سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہ تھا اور اس نے اپنی مخلوق عبث نہیں بنایا ان کو بیکار نہیں چھوڑا تھا - اور نیز یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو فضول نہیں بنایا تھا - اور وہ مخلوق کے پیدا کرنے - قضا و قدر، امر و نہی اور ثواب و عقاب غرض ہر ایک بات پر کمال حمد و ثنا کا مستحق ہے اور اس نے کسی چیز کو بے موقع اور بے محل نہیں رکھا - چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ (اور یہ منکر خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اس کو خدا دوبارہ نہیں اٹھا کھڑا کریگا (اے پیغمبر ان سے کہو کہ) ضرور اٹھا کھڑا کریگا یہ اس کا وعدہ برحق ہے اور اس کا ایفا اس پر لازم ہے مگر اکثر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے (مردوں کو جلا اٹھانا اس لیے ضرور ہے) کہ جن چیزوں میں یہ لوگ دنیا میں اختلاف کرتے رہے ہیں - قیامت کے دن خدا اصل حقیقت کو ان پر ظاہر کر دے اور تاکہ کافر جان لیں کہ وہی غلطی پر تھے) اور جب اہل موقف پر سب حقیقت ظاہر ہو جائے گی - اور اس کی قضائے فیصل اور حکم عادل ان میں جاری ہو جائے گا - تو سب مخلوق اس کی حمد کریگی - چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے - وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اور لوگوں کے درمیان اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائیگا اور سب کچھ ہو ہوا کر آخر کار ہر طرف سے یہی صدا بلند ہو گی کہ سب تعریفیں خدا کو سزاوار ہیں جو تمام جہان کا پروردگار ہے) اور منکرین حکمت و تعلیل کے ان شبہات اور

Marfat.com

اعتراضات کا جواب کئی طرح سے ہوسکتا ہے ؎

اول یہ کہ اللہ سبحانہ کی حکمت اشیاء کے وجود اور حدوث سے متعلق اور کفر. شرک. شرور اور معاصی اللہ سبحانہ اور رسول کے احکام کی مخالفت کی طرف راجع ہیں. سلسلہ ایجاد سے ان کو کوئی تعلق نہیں اور ہمارا دعوٰے صرف اتنا ہے کہ جو کچھ اللہ سبحانہ نے ایجاد اور پیدا کیا ہے تو اسمیں ضرور کوئی حکمت اور غایت مطلوبہ ملحوظ ہے اور جس چیز کو پیدا نہیں کیا اگرچہ اس کے پیدا کرنے میں بھی کوئی حکمت ہے مگر اس کو ہمارے دعوے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس سے ہم پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہے اور اس کا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شر کسی طرح اللہ سبحانہ کی طرف منسوب نہیں۔ کیونکہ شر کہتے ہیں۔ خیر اور اس کے اسباب کے عدم اور نہ ہونے کو اور عدم کوئی چیز نہیں تاکہ اللہ تعالٰے کے خلق اور ایجاد میں داخل ہو۔ پس جب ہمارا دعوٰے صرف اتنا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال مثلاً خلق ایجاد وغیرہ حکمت اور غایت محمودہ پر مبنی ہیں تو اب ترک خلق اور عدم ایجاد سے ہم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ؎

چنانچہ دوسرا جواب اس کی توضیح کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کبھی ایک ایسی چیز کو کہ جس کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہو۔ اس لئے پیدا نہیں کرتا۔ کہ اس کا وجود ہونا اللہ سبحانہ کو پسند نہیں ہوتا۔ یا اس لیے پیدا نہیں کرتا۔ کہ اس کا وجود کسی ایسی چیز کے مخالف ہوتا ہے۔ جو اللہ سبحانہ کو زیادہ محبوب ہے یا اس لئے پیدا نہیں کرتا۔ کہ اسکے پیدا کرنے سے کوئی دوسری محبوب اور پسندیدہ چیز فوت ہو جاتی ہے۔ غرض اس کے نہ پیدا کرنے کی حکمت اس کے پیدا کرنے کی حکمت سے راجح اور غالب ہوتی ہے اور چونکہ ضدین کو جمع کرنا محال ہے اس واسطے اللہ

Marfat.com

سبحانہ اعلیٰ حکمت کو ترجیح دیتا اور ادنےٰ کو ترک کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ کمال حکمت ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ سبحانہ کے سلسلہ خلق اور امر میں مختلف اور کئی طرح کی حکمتیں اور مصالح پائے جاتے ہیں کبھی تو خالص اور محض مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور کبھی مصالح راجحہ کے پہلو پر شامل ہوتے ہیں گو ان مصالح راجحہ کی وجہ سے وہ مصالح مرجوحہ جو ان کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتے فوت ہو جائیں۔ اور کبھی خالص مضار کے دفع کو متضمن ہوتے ہیں اور کبھی ایسے مضار کا دفع کرنا متحقق ہوتا ہے جو دوسرے مفاسد اور مضار سے زیادہ مضر ہوں۔ گو ان میں ایسے مفاسد پائے جائیں جو ان سے کم درجہ ہوں اور ان دونوں کا اکٹھا منعدم ہونا ممکن نہ ہو اور یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا کمال ہے اور اس کا خلاف ہونا حکمت کے مخالف ہے ؞

تیسرا جواب۔ فرض کیا کہ جو چیزیں تم نے بیان کی ہیں ان کے پیدا کرنے یا معدوم کرنے میں اللہ سبحانہ کی کوئی حکمت نہ ہو تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ خلق اور حکم کے تمام سلسلہ میں کوئی حکمت نہیں۔ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں اور غایات محمودہ موجود ہیں جن سے اس کے وہ خاص بندے کسی قدر واقف ہیں۔ جنہیں علم راسخ عطا ہوا ہے اور اس مضمون کو انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کرینگے ؞

چوتھا جواب۔ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ سبحانہ کی ہر ایک پر بالتفصیل مخلوق کا مطلع ہونا ضروری یا ممکن ہے۔ جائز ہے کہ اللہ سبحانہ کی بعض حکمتیں ایسی ہوں جن سے اس کے سوا کوئی دوسرا مطلع نہ ہو۔ پس جو صورتیں تم نے بیان کی ہیں ممکن ہے کہ ان میں ایسی حکمتیں موجود ہوں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہ جانتا ہو۔ لہذا ہم سے یہ سوال کرنا کہ بتاؤ ان صورتوں

Marfat.com

میں کونسی حکمت ہے۔ یہ سوال تب صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم دعوٰے کرتے ہیں کہ ہر ایک حکمت سے ہمارا واقف ہونا ضروری یا جائز ہے اللہ سبحانہ کی بعض حکمتیں ایسی ہیں جن کو وہ آپ ہی جانتا ہے دیکھو جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کی نسبت استفسار کیا۔ تو ان کو یہ جواب ملا۔ اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) غرض جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس کے تمام افعال اور احکام کے لیے حکمت کا ہونا ضروری ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ ان حکمتوں کے جاننے میں مخلوق اس کے ساتھ شریک ہے ؞

پانچواں جواب۔ اللہ سبحانہ اپنی ذات۔ صفات اور افعال میں بے مثل ہے پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں جن کو تم نے ذکر کیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کی وہ حکمت ہے جو مخلوق کی حکمت کے مشابہ اور اس کی جنس سے نہیں جیسا کہ اس کا فعل۔ ارادہ۔ قدرت۔ مشیت۔ محبت۔ رضا اور غضب مخلوق کی صفات کے مشابہ اور مماثل نہیں ؞

چھٹا جواب۔ کسی فعل کی حکمت فاعل کے علم اور قدرت کے موافق اور اسکی تابع ہوتی ہے پس جس شخص کا علم اور قدرت کامل درجے کے ہوں گے اس کے افعال بھی زیادہ کامل اور غایت درجہ کی حکمت پر مشتمل ہوں گے اور اللہ تعالٰے کمال علم اور قدرت میں منفرد اور یکتا ہے پس اس کی حکمت بھی ان کے علم اور قدرت کے مطابق کامل اور اعلٰے درجے کی ہے۔ مطلب یہ کہ جن چیزوں سے اس کا علم اور قدرت متعلق ہیں ان چیزوں سے اس کی حکمت بھی متعلق ہے۔

ساتواں جواب۔ ادلہ قطعیہ اس بات پر دال ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے ا...

Marfat.com

اور احکام میں حکیم ہے۔ پس ان ادلہ کے لحاظ سے اس کے تمام افعال اور احکام میں حکمت کا ماننا ضروری ہے اور جو صورتیں تم نے پیش کی ہیں ان میں حکمت کے معلوم نہ ہونے سے ان ادلہ قطعیہ کی مخالفت جائز نہیں خاصکر جب کہ کسی چیز کے نہ جاننے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا۔

آٹھواں جواب۔ جو صورتیں تم نے بیان کی ہیں ان کا حکمت سے خالی ہونا اللہ سبحانہ کے کمال کے خلاف ہے۔ اور نیز یہ بات بھی اس کے کمال کے خلاف ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر اس کی مخلوق کو اطلاع حاصل ہو بلکہ یہ بھی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر مخلوق مطلع نہ ہو۔ دیکھو اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو اپنے تمام امور اور اسرار پر مطلع کرے تو اسکو سفیہ اور داران سمجھا جاتا ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی شان اس سے اعلیٰ اور بلند ہے کہ وہ اپنی تمام حکمتوں اور اسرار پر ہر ایک کو مطلع کر دے۔

نواں جواب۔ یا تم اس بات کا اعتراف کرو کہ اللہ سبحانہ کے بعض اوامر اور بعض اشیاء کے پیدا کرنے میں حکمتیں موجود ہیں۔ سلسلہ خلق اور امر میں کسی حکمت کے موجود ہونے کا کرو۔ اگر تم اس بات کا انکار کرو اور تمہارے جیسے ظالم لوگوں کی شان سے یہ کچھ بعید نہیں تو یہ انکار صریح کذب اور جھوٹ ہے اور اس سے اللہ سبحانہ تمام آسمانی کتابوں۔ جمیع انبیاء علیہم السلام عقل۔ فطرت اور حس کی تکذیب لازم آتی ہے اور خود تمہاری عقلیں تمہاری تکذیب کرتی ہیں کیونکہ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں جو ظاہر و باہر حکمتیں موجود ہیں۔ ان کا انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ سورج۔ چاند۔ رات اور دن کا انکار کرنا ہے اور بہت سے اہل کلام کی شان سے یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ وہ بہت سے بدیہات کے منکر ہیں۔ پس اگر تم بھی سورج چاند وغیرہ کا انکار کر جاؤ تو کچھ تعجب نہیں۔ اور اگر

Marfat.com

اللہ سبحانہ کے بعض خلق اور امر میں حکمت کا وجود تسلیم کرتے اور مانتے ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ کونسی بات بہتر اور اولیٰ ہے۔ حکمت کا وجود یا اس کا عدم اگر تم یہ کہدو۔ کہ حکمت کا عدم اس کے وجود سے اولیٰ ہے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور اگر اس کے وجود کا اولیٰ مانتے ہو تو ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے تمام خلق اور امر میں حکمت حاصل کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ اگر یہ کہدو کہ اللہ سبحانہ کو اس پر قدرت نہیں تو یہ بات دین اور عقل کے خلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بالکل اپنی عقل سے باہر ہو گئے ہو اور اگر یہ مانتے ہو کہ اللہ سبحانہ تمام خلق اور امر میں حکمت کے موجود کرنے پر قادر ہے تو ہم کہینگے کہ جب اللہ سبحانہ ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہے جو فی نفسہ کمال اور اس کا وجود اس کے عدم سے اولیٰ ہے تو پھر اس کی نفی کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اگر نفی کرنے کے متعلق یہ عذر پیش کرو کہ ہم اس لئے نفی کرتے ہیں کہ ہم کو اس کی حقیقت پر اطلاع حاصل نہیں تو یہ عذر مسموع نہیں کیونکہ جب انبیاء علیہم السلام نے بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے افعال حکمت سے خالی نہیں تو اب تمہارا اس کی حقیقت پر مطلع نہ ہونا اس کے انکار اور نفی کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کی حقیقت پر مطلع نہ ہونا اسکی نفی کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا اللہ تعالےٰ تم سے اس کی باز پرس کریگا ؎

دسواں جواب۔ تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں کہ جب کوئی شخص ایسے کام کرے کہ جن میں اس کی حکمت ظاہر ہو اور وہ ایسے طور پر واقع ہوں کہ مصالح مقصودہ کے لیے وہ نہایت مناسب اور موافق ہوں اور مکرر سہ کرر کئی بار اس کے افعال اسی طور پر مشاہدہ کیے جائیں اور اس کے بعد کچھ افعال اس کے ایسے نظر آئیں جن کی حکمت و مصلحت بظاہر دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہو تو

Marfat.com

دیکھنے والوں کو سوائے تسلیم کے اور کوئی چارا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ اس شخص کے افعال ہمیشہ کسی مصلحت اور حکمت کے لیے ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان کاموں کی نسبت جن کی حکمت معلوم نہ ہو یہی رائے قائم کرتے ہیں کہ ان کاموں میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور مخفی ہو گی۔ تمام اہل حرفہ کا اپنے استادوں کے کاموں کی نسبت یہی خیال ہوتا ہے کہ استاد نے جو کام کیا ہے اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ گو ہم کو معلوم نہ ہو۔ منکرین حکمت و تعلیل کا اپنے ائمہ اور شیوخ کی نسبت بھی یہی اعتقاد ہے کہ جب ان کو اپنے ائمہ کے اصول اور مذہب کے قواعد پر کوئی اشکال پیش آتا ہے تو یہی کہتے ہیں کہ ائمہ ہم سے زیادہ علم رکھتے اور وہ ہم سے علم۔ معرفت اور حکمت میں فائق تھے۔ ہم ان کے سامنے طفل مکتب ہیں تو کیا اپنے رب اور خالق کی نسبت جسکی حکمت کاملہ کے ادراک سے عقلیں ایسی حیران اور عاجز ہیں۔ جیسے چمگادڑ آفتاب کے دیکھنے سے عاجز ہے اس اعتقاد کو روا نہیں رکھتے اور اگر کوئی شخص عالم۔ فاضل اور بہت سے علوم میں ماہر ہو۔ اور اس پر ایسا شخص اعتراض کرے جو اس کے علوم سے جاہل اور بے خبر ہو۔ اور ایک نا اہل اس کے قواعد پر نکتہ چینی شروع کرے تو کیا ایسے معترض کو نادان اور سفیہ نہیں شمار کیا جائیگا۔ ضرور ایسے شخص کو نادان اور پرلے درجے کا بیوقوف سمجھا جائیگا۔ پس جو شخص احکم الحاکمین۔ اعلم العالمین اور قدر القادرین کی کی حکمت پر اعتراض کرے تو اس کو بیوقوف اور نادان کیوں نہ سمجھا جائے بلکہ یہ اس شخص سے زیادہ نادان ہے۔

گیارھواں جواب۔ خالق حکیم کی کمال حکمت کا یہی مقتضی ہے کہ وہ باہم متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کرے جیسے رات اور دن۔ بلندی اور پستی

Marfat.com

طیب اور خبیث۔ خفیف اور ثقیل۔ میٹھا اور کڑوا۔ گرمی اور سردی۔ تکلیف اور لذت۔ موت اور حیات۔ مرض اور سوا وغیرہ وغیرہ۔ پس ایسی متقابل چیزوں کو پیدا کرنا اس کی حکمت کاملہ۔ قدرت قاہرہ۔ مشیت نافذہ اور ملک کامل کا مظہر ہے پس ان متضاد اشیاء کے پیدا کرنے کو بے سود اور خالی از حکمت قرار دینا گویا اللہ سبحانہ کے ان صفات کے مقتضی۔ احکام اور آثار کا انکار کرنا ہے اور یہ ناجائز اور باطل ہے کیونکہ اس کی ہر ایک صفت عالی کے لیے ایک مقتضی۔ حکیم اور اثر ہے جو اس کے کمال کا مظہر ہے اگرچہ اللہ تعالے کے جمیع صفات بذات خود کامل ہیں۔ لیکن ان کے آثار و احکام کا ظاہر ہونا بہ بھی ان کے کمال میں داخل ہے۔ پس ان کے آثار کی نفی کرنا جائز نہیں۔ مثلاً صفت قدرت مقدور کو اور صفت خالقیت مخلوق کی مقتضی ہے اور اسی طرح دوسرے اسماء و صفات جیسے وہاب۔ رزاق معطی۔ مانع۔ ضار۔ نافع۔ مُقَدِّمُ۔ مُؤَخِّرُ۔ مُعِزّ۔ مُذِلّ۔ عَفُوّ۔ رؤف وغیرہ ہر ایک اپنے آثار اور احکام کا مستدعی اور مقتضی ہے۔ پس اگر ان صفات کو مخلوق مرزوق وغیرہ سے معطل قرار دیا جائے تو ان کا کمال ظاہر نہ ہوگا۔ اور یہ اپنے آثار اور مقتضی سے معطل اور بیکار رہیں گے۔ پس اگر سب مخلوق مطیع۔ عابد اور خدا کی شکر گزار ہوتی تو بہت سے صفات عُلیا اور اسمائے حسنیٰ معطل اور بیکار ہوتے۔ صفت عفو۔ مغفرت۔ صفح و تجاوز (درگزر کرنا) انتقام۔ عزّ۔ قہر اور عدل کے آثار کا ظہور کیونکر ہوتا۔ یہ اس کی حکمت ہی کا تقاضا ہے۔ کہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب موقع میں رکھا ہے۔ پس اگر سب مخلوق یکساں ہوتی تو وہ حکمتیں۔ آثار۔ عبرتیں اور غایات جو ان کے موجودہ صورت پر پیدا کرتے میں متصور ہیں فوت ہو جاتیں۔ اور اللہ سبحانہ کے کمال ملکا

Marfat.com

اور تصرف کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ اگر کوئی مالک ایسا ہو کہ اپنے مقدورات میں سے صرف ایک مقدور میں اس کا تصرف منحصر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دوسرے مقدورات میں تصرف کرنے سے عاجز ہو اور اپنی عاجزی کی وجہ سے انکو چھوڑ دے دوسری یہ کہ باقی مقدورات میں تصرف کرنے میں جو مصالح ہیں ان سے جاہل ہو۔ اور اللہ سبحانہ ان دو نوعیبوں سے پاک ہے کیونکہ وہ اقدار القادرین۔ اعلم العالمین اور احکم الحاکمین ہے لہذا اس کا تصرف اپنے ملک میں ایک مقدور میں منحصر نہیں اس لیے کہ یہ اس کے کمال ملک کے لیے نقص اور عیب ہے۔ اللہ سبحانہ کا اعلیٰ کمال یہی ہے کہ اس کے جمیع صفات عطا۔ منع۔ خفض (پست کرنا) رفع (بلند کرنا) ثواب عقاب۔ اکرم۔ اہانت۔ اعزاز۔ اذلال (ذلت دینا) تقدیم۔ تاخیر۔ ضر۔ نفع وغیرہ کے آثار واحکام ظاہر ہوں اور نیز یہ بات پائی جائے کہ بعض مخلوق کو اپنی نعمتوں کے ساتھ مخصوص فرمائے اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشے اور اگر ان متضاد صفات کے آثار ایک ہی ایسے نوع میں پائے جاتے کہ جس کے سب افراد یکساں ہوں۔ تو یہ اسکی حکمت کے خلاف تھا۔ کیونکہ وہ متماثل چیزوں میں فرق کرنے اور مختلف اشیاء میں مساوات کو پسند نہیں رکھتا بلکہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی مذمت اور جو ایسا کرنے کو اس کی نسبت کرتے ہیں ان کی تردید بیان کی ہے قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بکثرت موجود ہیں جو مختلف اشیاء میں مساوات اور متماثل چیزوں میں فرق کرنے والوں کی مذمت پر دلالت کرتی ہے تعجب کی بات ہے کہ جس صفت کو بندے اپنے لیے برا سمجھتے اور جسکی برائی ضرب المثل کے طور پر بیان کرتے ہیں اور ان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ جو شخص اس صفت کے ساتھ موصوف ہو اس

Marfat.com

پرطعن وتشنیع کرتے ہیں تو وہ بات اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کی طرف کرنی کیونکر روا رکھتے ہیں اور نیز یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ بندوں کے اس صفت پر موصوف ہونے پر تو ان کی مذمت کرے اور خود اس صفت کے ساتھ موصوف ہے اور مذمت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفت ایک نقص اور عیب ہے جب بندوں کے لیے عیب ہے تو اللہ سبحانہ اس عیب سے بطریق اولی منزہ ہوگا۔ غرض جبکہ اللہ سبحانہ کے اسماء وصفات کے آثار کا ظہور ضروری ہے اور باہم متقابل اور متضاد چیزوں کے بغیر ان آثار کا ظہور ممکن نہیں اس لیے حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسی متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا جائے ورنہ ان صفات کے ساتھ اللہ سبحانہ کے اتصاف کا حکم کرنا بے معنی ہوگا۔ اور یہ جائز نہیں۔ چنانچہ

بارھواں جواب۔ اسکی توضیح کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء حسنی میں سے وہ اسماء بھی ہیں جو مزدوجہ کہلاتے ہیں۔ جیسے معز۔ مذل۔ خافض۔ رافع۔ قابض۔ باسط معطی۔ مانع اور منجملہ ان کے صفات علیا کے صفات متقابلہ ہیں۔ جیسے رضا۔ سخط۔ حب۔ بغض۔ عفو۔ انتقام اور یہ تمام صفات کمال ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ موصوف اور ان اسماء کے ساتھ موسوم نہ ہوتا اور جب صفات کمال ہیں تو ان کے آثار کے متعلق چند احتمال ہو سکتے ہیں یا تو ان کے آثار مقتضی معطل اور منتفی ہوں۔ اور یہ جائز نہیں کیونکہ اس سے خود ان صفات کا معطل اور بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ یا یہ صورت ہو کہ ان کا تعلق ایسے محل سے ہو۔ اور ان کے آثار وہاں پائے جائیں۔ جو ان کے لیے مناسب نہ ہو اور یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کی حکمت کے خلاف اور اسکی ذات کے لیے نقص اور عیب ہے یا یہ صورت ہو کہ ان کا تعلق ان مواضع اور ایسے اشخاص کے ساتھ

Marfat.com

جو ان کے لیے لائق اور مستحق ہو) اور جبکہ پہلی دونوں صورتیں باطل ہیں۔ تو ضرور تیسری صورت متعین ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے معانی اور حقیقت معلوم ہے اس کے لیے یہی ایک جواب کافی ہے ٭

تیرھواں جواب۔ منجملہ اسماء حسنیٰ کے ایک اسم ملک ہے جس کے معنی ہیں۔ صاحب ملک اور اللہ سبحانہ کے لیے من کل الوجوہ مملکت حقیقی ثابت ہے اور یہ صفت تمام صفات کمال کو مستلزم ہے کیونکہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ ملک حقیقی کا مالک وہ شخص ہے جس میں حیات۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام وغیرہ صفات کمال موجود نہ ہوں اور نہ افعال اختیاریہ اسکی ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ وہ شخص جو امر و نہی۔ ثواب و عقاب۔ عطاء و منع۔ اعزاز و اذلال۔ اہانت و اکرام۔ انعام و انتقام۔ خفض و رفع وغیرہ کچھ نہیں کرسکتا اور نہ اپنے وسیع ملک کے اطراف و نواحی میں اپنے پیام رسان بھیج سکتا اور نہ اپنے رعایا کو اپنے اوامر و نواہی سے مطلع کرسکتا ہے۔ مملکت کے سزاوار کب ہوسکتا ہے اور جس شخص میں یہ باتیں موجود نہ ہوں۔ اس کے صاحب ملک ہونے کا کیا معنی ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کے اسماء وصفات کو معطل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا کے بادشاہ خداوند برتر سے اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ امور مملکت کے متعلق وہ تو سب کچھ کرسکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کچھ نہیں کرسکتا۔ اور اگر دنیا کے کسی ادنیٰ حاکم کی نسبت ایسی باتیں کہی جائیں جو منکرین حکمت خدا تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں تو وہ کس قدر ناخوش ہو غرض اللہ سبحانہ کی صفت مملکت ان تمام اشیاء کے وجود کو مستلزم ہے کہ جن پر تصرف کا دارومدار ہے اور چونکہ سب کا خالق وہی ہے لہٰذا اس کے ملک کا کمال کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اس کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب اسی کی طرف منسوب اور اپنے وجود میں اسکی مشیت اور خلق کی طرف محتاج ہیں۔

Marfat.com

اس کی توضیح چودھواں جواب ہے کہ اللہ سبحانہ کے ملک کا کمال یہ ہے
کہ مالک ہونے کے ساتھ ہی محمود بھی ہو۔ پس اس کے لیے ملک اور حمد دونوں
ثابت ہیں۔ اور اس مسئلہ کے متعلق لوگوں کے تین فریق ہیں۔ انبیاء علیہم السلام
اور ان کے متبعین اللہ سبحانہ کے ملک اور حمد دونوں کے قائل ہیں۔ اور ان لوگوں
کا یہی مذہب ہے۔ جو اللہ سبحانہ کی تقدیر۔ حکمت اور اس کے اسماء و صفات
کے حقائق کو مانتے اور نقائص اور مخلوقات کی مشابہت سے اس کو منزہ سمجھتے
ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت کے سوا تمام فریق کے اقوال مضطرب اور
حیرت انگیز ہیں۔ دوسرے فریق نے اللہ سبحانہ کے ملک کا تو اقرار کیا۔ مگر حمد کا
انکار کیا ہے۔ اور یہ فرقہ جبریہ ہے جو حکمت و تعلیل کے منکر اور اس بات
کے قائل ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ ہر ایک ممکن چیز کے ایجاد پر قادر ہے اور کسی
قبیح فعل سے اس کو منزہ نہیں سمجھتے بلکہ ممکن چیز ان کے نزدیک قبیح نہیں۔ یہ
لوگ صرف محال بالذات جیسے اجتماع النقیضین وغیرہ کو قبیح خیال کرتے ہیں
پس ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اللہ سبحانہ ملائکہ۔ انبیاء۔ رسل اور اپنے
مطیع اور فرمانبرداروں کو تو عذاب میں ڈالے اور ابلیس اور اس کی جماعت کی
عزت و اکرام فرمائے اور ابلیس اور نافرمانوں کو جنت میں وہ مدارج عطا کرے
جن سے انبیاء اور اولیا کو محروم رکھے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ ہم ان امور کو
محال صرف اس لیے کہتے ہیں۔ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ
انبیاء اور مؤمنین کو جنت میں اور شیطان اور مشرکین کو دوزخ میں داخل کرے
گا۔ پس اگر اس کا خلاف ہو تو یہ خبر کاذب اور غلط ثابت ہوتی ہے ورنہ
فی نفسہٖ یہ امور جائز ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اپنی اور انبیاء
کی نافرمانی۔ بت پرستی۔ جھوٹ۔ بدکاری۔ خونریزی۔ چوری۔ رہزنی

Marfat.com

وغیرہ برے کاموں کے بجا لانے کا حکم کرے اور نیکی۔ راست بازی سچائی احسان اور پاک دامنی سے منع کرے۔ اور ان سب کاموں میں فی نفسہ کوئی فرق نہیں سب یکساں ہیں۔ مامور بہ یا منہی عنہ ہونے کے لیے صرف اس کی مشیت باعث ہے ورنہ مامور بہ کاموں میں کوئی حسن وخوبی نہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ سبحانہ کو محبوب و مامور بہ ہوں۔ اور منہی عنہ کاموں میں کوئی قباحت اور برائی نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ سبحانہ کے نزدیک ناپسند اور ممنوع ہوں غرض اس فریق نے خدا تعالیٰ کی صفت حمد کا انکار اور صفت ملک کا (اپنے خیال میں) اثبات کیا ہے۔ مگر حقیقۃ الامر یہ ہے کہ یہ فریق خدا کی صفت مملکت کا بھی قائل نہیں کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کو ازل و ابد میں معطل ٹھہراتے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی فعل قائم نہیں اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ سبحانہ کو ان صفات کمال سے بھی معطل قرار دیتے ہیں۔ کہ جن کے بغیر صفت مالکیت ربوبیت الاہیت کا وجود ممکن نہیں خلاصہ مطلب کہ یہ فریق نہ صفت حمد کا قائل اور نہ صفت مملکت کا معترف ہے تیسرا فریق وہ ہے جو اللہ سبحانہ کے لیے ایک نوع حمد کے تو قائل ہیں مگر کمال ملک کا انکار کرتے ہیں اور یہ فرقہ قدریہ ہے جو ایک نوع حکمت کے قائل مگر اس پر اللہ سبحانہ کے کمال قدرت کے منکر ہیں۔ اس طور پر وہ ایک نوع حمد کے قائل اور کمال ملک کے منکر ہیں۔ مگر درحقیقت یہ حمد اور ملک دونوں کے قائل نہیں کیونکہ جس حکمت کو ثابت کرتے ہیں اس کو مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی طرف اس کا حکم عائد نہیں ہوتا اور جس معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ملک تسلیم کرتے ہیں وہ حقیقت میں صفت ملک کی نفی ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ان صفات کمال کے قیام کے منکر ہیں۔ کہ جن کے بدوں صفت مملکت

Marfat.com

کا تحقق ناممکن اور محال ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کے افعال اختیاریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ غرض ان کے نزدیک اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی صفت یا فعل قائم نہیں۔ ارادہ۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ حب اور بغض وغیرہ کسی صفت اور فعل کے قیام کے قائل نہیں پس ان کے نزدیک اللہ سبحانہ حقیقت حمد اور ملک دونو سے معطل ہے۔ چونکہ ملک کا کمال اور عموم تقدیر اس امر کے اثبات کو مستلزم ہے کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں کوئی چیز اس کی مشیت بغیر موجود نہ ہو۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ لہٰذا وہ کمال ملک کے منکر ہیں۔ اور چونکہ کمال حکمت اور عموم حمد اس بات کو مستلزم ہے کہ سلسلہ خلق اور امر میں کوئی چیز ایسی نہ ہو جس کے لیے حکمت اور غایت محمودہ نہ ہو اور یہ امر بھی ان کے نزدیک جائز نہیں اس لیے عموم حمد کو تسلیم نہیں کرتے۔

اس کی توضیح پندرھواں جواب ہے۔ کہ کوئی کام جو بغیر قصد اور سوائے کسی حکمت اور مصلحت کے صادر ہو وہ قابل حمد نہیں ہو سکتا۔ گو اس پر کوئی مصلحت مترتب ہو جائے۔ مگر چونکہ اس مصلحت کا حصول مقصود نہیں ہوتا لہٰذا اس کام کی وجہ سے اس کا فاعل مستحق حمد نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ وہ شخص جو کسی مصلحت۔ حکمت اور غایت محمودہ کے لیے کسی کام کا ارادہ کرے۔ اور اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو۔ بلکہ اس کے پورا کرنے سے عاجز ہو۔ تو وہ اس شخص کی نسبت قابل حمد اور تعریف ہے۔ جو اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ مگر کسی مصلحت یا حکمت یا کسی کے ساتھ احسان کرنے کے ارادہ سے کام نہیں کرتا۔ یہ بات ایسی ظاہر اور بدیہہ ہے۔ کہ مخلوق کی فطرت میں داخل ہے اور یہ بات اظہر ہے کہ اللہ سبحانہ کی حمد آسمانوں۔ زمین اور ان کے مابین کو پر کیے ہوئے ہے۔ عالم

Marfat.com

علوی ۔ سفلی دنیا و آخرت سب میں اس کی حمد ثابت ہے ۔ اس کی حمد اسی
ہی وسیع جیسا کہ اس کا علم وسیع ہے ۔ وہ تمام مخلوق سے پیدا کرنے پر
کمال حمد کا مستحق ہے اور ہر ایک حکم پر وہ قابل ثنا و تعریف ہے ۔ آسمان
اور زمین اسی کی حمد کے ساتھ قائم ہیں ۔ عالم علوی اور سفلی میں کوئی چیز ایک
حال سے دوسرے حال کی طرف اس کی حمد کے بدوں متحول و متبدل نہیں ہوتی
اہل جنت جنت میں اور دوزخی دوزخ میں اس کی حمد کے ساتھ داخل
ہوں گے ۔ چنانچہ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل
ہوں گے تو اس وقت اللہ سبحانہ کی حمد ان کے قلوب میں متمکن ہوگی ۔ اللہ سبحانہ
کی نسبت ذرہ بھر ظلم کا خیال نہیں کریں گے ۔ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ
نازل فرمایا ہے ۔ اور انبیاء علیہم السلام کو حمد کے ساتھ بھیجا ہے ۔ اور اپنی مخلوق
کو حمد کے ساتھ زندہ رکھتا اور حمد ہی کے ساتھ ان کو مارے گا ۔ اسی واسطے اللہ
سبحانہ نے اپنی ربوبیت کاملہ پر خود اپنی ذات کی حمد فرمائی ہے ۔ چنانچہ فرمایا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہان
کا پروردگار ہے ، اور کتاب کے نازل فرمانے پر بھی اپنی حمد بیان فرمائی ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ( ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار
ہے جس نے اپنے بندے ( محمدؐ ) پر قرآن اتارا ) اور آسمانوں اور زمین کے
پیدا کرنے پر اپنی حمد کا ذکر فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے
جس نے آسمان کو پیدا کیا اور نیز زمین کو اور اندھیرے بنائے اور نیز چاندنا
اور اپنے کمال ملک پر اپنی حمد و ثناء بیان فرمائی ہے ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ

Marfat.com

دنیا میں بھی تمام تعریف اسی اللہ ہی کو (سزاوار) ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے اور وہی حکمت والا (اور) باخبر ہے) اور تمام زمانوں سب مکانوں اور ہر چیز اور ہر بات میں اس کی حمد موجود ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۔ (پس جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو اور آسمان و زمین میں وہی اللہ تعریف کے لائق ہے اور (نیز) تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو (اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو) وہ تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر جبکہ ہر ایک کی خلقت کو اسی نے عمدگی کے ساتھ بنایا ہے کیونکر محمود نہ ہو اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (اس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی) اور اس کے کمال صنعت پر کیسے تعریف نہ ہو جبکہ سب اشیاء اسی کی صنعت سے محکمہ کے آثار ہیں صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (یہ بھی اللہ کی کاری گری ہے۔ جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے) اور اس کے اوامر پر اس کی ثنا کیوں نہ ہو جبکہ وہ سب کے سب حکمت و رحمت عدل اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ اور اس کے نواہی پر اس کی حمد کس طرح نہ ہو جبکہ اس نے تمام برائیوں اور خرابیوں سے منع فرمایا ہے اور اسی طرح اس کے ثواب عطا فرمانے پر جو کہ محض رحمت اور احسان ہے اور اس کے عذاب کرنے پر جو سراسر عدل اور انصاف ہے اس کی حمد و تعریف ضروری ہے غرض تمام محامد اللہ ہی کے لیے ہیں اور ملک اسی کے ہاتھ میں ہے اور جملہ خیرات اسی کے اختیار میں ہیں اور جملہ امور کا مال اور رجوع اسی کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام کرنیوالے کے کام میں اعلیٰ درجے کی حکمت ہو گی تو اسی کے مطابق وہ اعلیٰ درجے کی

Marfat.com

تعریف اور حمد کا مستحق ہوگا اور جب اس کے کام میں کوئی حکمت نہ ہوگی اور اس نے کسی حکمت و مصلحت کا ارادہ کیا ہوگا۔ تو اس کام پر وہ ہرگز وہ قابل تعریف نہیں ہو سکتا۔

سولہواں جواب۔ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے۔ اور اس کا شکر بجالانا عقلاً۔ شرعاً اور فطرتاً ضروری اور واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا وجوب تمام واجبات کے وجوب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہو۔ اللہ سبحانہ کا شکر اس کے بندوں پر کیونکر ضروری نہ ہو جبکہ اس کی حمد۔ توحید۔ محبت۔ اس کی نعمتوں اور احسانات کا یاد کرنا۔ اس کی تعظیم بجالانا۔ اس کے سامنے عاجزی ظاہر کرنا۔ اور اس کی نعمتوں کا اظہار اور ان کا اقرار کرنا یہ سب امور بندوں پر ضروری اور واجب ہیں اور شکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہے اور اس کا بدلہ اور ثواب بھی اعلیٰ اور اعظم ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور ان کی ہدایت کے لیے اپنے پیغمبر بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں شریعتیں مقرر کی ہیں۔ اور یہ امور ان اسباب کے پیدا کرنے کو متلزم ہیں۔ جن کے ذریعہ سے شکر کا کمال حاصل ہو۔ منجملہ ان اسباب کے ایک یہ بات ہے کہ خالق نے اپنے بندوں کو ظاہری اور باطنی صفات کے لحاظ سے متفاوت اور مختلف بنایا یعنی خلقت۔ اخلاق۔ دین۔ رزق معیشت اور عمر وغیرہ میں باہم متفاوت و مختلف پیدا کیے ہیں تا کہ صاحب عافیت جب مصیبت والے کو اور غنی فقیر کو اور مومن کافر کو دیکھے تو اللہ سبحانہ کا شکر بجالائے اور اس کی نعمت اور فضل کی قدر کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی اور اس کی اس نعمت کا جو خاص اس کو عطا ہوئی ہے اقرار کرے ایک اثر میں دجسے

Marfat.com

امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے ، مذکور ہے کہ موسیٰؑ نے عرض کیا اے میرے رب تو نے سب بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ۔ اس لیے کہ میں نے یہ چاہا کہ بندے میری نعمتوں کا شکر بجالائیں ۔ اگر کوئی شخص یہاں پر یہ شبہ پیش کرے ۔ کہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سب بندوں کو برابر مساوی نعمتیں عطا فرماتا اور سب کو یکساں شکر کی توفیق عطا فرما دیتا چنانچہ ملائکہ کی یہی حالت ہے ۔ کہ وہ سب اللہ کی عبادت اور اطاعت میں مصروف ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ سب کو یکساں کر دیتا تو اس صورت میں ایک دوسری قسم کا شکر حاصل ہوتا اور جو شکر موجودہ صورت میں حاصل ہے یہ اعلیٰ اور افضل ہے ۔ کیونکہ یہ وہ شکر ہے جو بعض کو بعض پر فضیلت دینے اور خاص نعمتوں کے ساتھ مخصوص کرنے پر مبنی ہے اسی واسطے ملائکہ کا وہ شکر اور اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کے سامنے عاجزی اور اپنی ذلت ظاہر کرنا جو ابلیس اور ہاروت و ماروت کے ماجری کے دیکھنے کے بعد وقوع میں آئے پہلے شکر خضوع اور ذلت سے کئی درجے اعلیٰ و اکمل تھے ۔ اور اللہ سبحانہ کی ایک حکمت ہے ۔ اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا وہ شکر جو اپنے دشمنوں کے ہلاک ہونے ۔ اللہ عزوجل کے ان سے انتقام لینے اور ان پر عذاب نازل کرنے کو مشاہدہ اور معائنہ کرنے کے بعد بجالائے اعلیٰ و اکمل تھا ۔ اور اسی طرح اہل جنت کا وہ شکر جو اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں ۔ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں اور مشرکین کے عذاب کو دیکھنے کے بعد وہ جنت میں بجالائیں گے نہایت کامل اور اعظم ہوگا ۔ اور اس وقت ان کی رضا اور محبت اپنے مالک سے زیادہ ہو جائے گی ۔ اور بخلاف اس کے اگر مخلوق نعمتوں میں یکساں ہوتے تو اس قسم کا شکر متصور نہ ہوتا ۔ غرض اللہ

Marfat.com

سبحانہ کے پیارے بندوں کی محبت ۔ رضا اور شکر اس صورت میں زیادہ ، اتم اور کامل ہے جب کہ وہ اپنے بنی نوع کو اپنی حالت کے مخالف پائیں ۔ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا حسن اور خوبی اس کی ضد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے ۔ اسی لیے یہ فقرہ مشہور اور زبان زد ہے وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ یعنی اشیاء اپنے اضداد سے ساتھ قیاس اور موازنہ کرنے ) سے معلوم اور ظاہر ہوتی ہیں ۔ اگر بدصورتی پیدا نہ ہوتی تو جمال اور حسن کی فضیلت کیونکر معلوم ہوتی ۔ اور اگر تاریکی اور اندھیرے کو پیدا نہ کرتا تو نور اور روشنی کی خوبی کیسے ظاہر ہوتی اور اگر طرح طرح کی مصیبتیں اور تکالیف پیدا نہ کرتا تو عافیت اور آرام کی قدر کس طرح معلوم ہوتی ۔ اور اگر دوزخ کو پیدا نہ کرتا تو جنت کی قدر کون کرتا ۔ اور اگر اللہ سبحانہ ہمیشہ دن کو نہ پیدا نہ کرتا بلکہ ہمیشہ رات ہی ہوتی یا رات کو پیدا نہ کرتا تو ہمیشہ دن ہی دن رہتا تو نہ رات کی قدر معلوم ہوتی اور نہ دن کی خوبیاں ظاہر ہوتیں ۔ نعمت کی قدر وہی شخص جانتا ہے جس نے تکلیف کا مزہ چکھا ہو ۔ اور مال کی قدر وہی شخص سمجھتا ہے جس نے فاقہ کشی اور فقر کی تکلیفیں دیکھی ہوں ۔ اگر سب آدمی حسن و جمال میں ایک صورت پر ہوتے تو حسن و جمال کی قدر کس کو معلوم ہوتی ۔ اور سب کے سب مومن و موحد ہوتے تو نعمت ایمان کی قدر کیونکر معلوم ہوتی ۔ غرض اللہ تبارک و تعالیٰ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں کاملہ اور نعمتیں وافرہ موجود ہیں جن کے ادراک سے مخلوق کی عقلیں قاصر ہیں ۔ اور اس کی توضیح و تفصیل سترھواں جواب ہے کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کی مخلوق عبادات کے مختلف طریق سے اس کی عبادت و اطاعت بجالائے ۔ اور کسی سے اللہ کے لیے دوستی اور اسی کے واسطے دشمنی کرنا ۔ حب فی اللہ بغض فی اللہ ۔ جہاد فی سبیل اللہ ۔ اس کی رضامندی کے لیے جان کو

Marfat.com

خروج دینا ۔ اور اس کے دشمنوں کفار و مشرکین سے محاربہ و مقابلہ کرنا عبادات سے اعلیٰ اور افضل انواع میں سے ہے اور اللہ سبحانہ کو یہ نہایت محبوب اور پسند ہے اور عبادت سے اس نوع کا حصول دو قسم کے لوگوں کے پیدا کرنے پر موقوف ہے ایک مومن اور خدا تعالیٰ کے شکر گزار اور اس کے فرماں بردار بندے ۔ دوسرے کفار اور نافرمان لوگ ۔ اور پھر بعض کو بعض پر مسلط کرنے میں یہ حکمت ہے کہ جو کام اللہ سبحانہ کو محبوب ہیں وہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر موجود اور واقع ہوں اور اس کے پیارے بندے اس کی راہ میں جانبازی اور اس کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرنے سے اس کے قرب کے مدارج حاصل کریں اور دعوت الٰہی اور کلمۂ حق کلمۂ باطل پر غالب آئے ۔ اور اس کے عُلُوّ و افضلیت و شرف کا ظہور پایا جائے پس اگر کلمۂ باطل ۔ کفر اور شرک کا وجود نہ ہوتا تو کلمۂ حق اور دعوت خدائی کس چیز پر غالب اور فائق ہوتے ۔ کیونکہ غلبہ اور فوقیت مغلوب کے وجود کو مستلزم ہے ۔ کوئی چیز اپنی ذات پر غالب و فائق نہیں ہو سکتی ۔ اور کسی دوسری چیز پر غالب اور فائق ہونا اس چیز کے وجود کے بدوں ناممکن اور محال ہے ۔

اور اس کی توضیح تفصیل اٹھارھواں جواب ہے کہ عتق (غلام آزاد کرنا)، صدقہ ۔ ایثار ۔ مواسات ۔ (غمخواری کرنا) عفو ۔ صفح (درگزر کرنا) صبر ۔ غصہ کو مٹانا ۔ اور تکالیف کو برداشت کرنا وغیرہ عبادت کے انواع میں سے ہیں اور یہ انواع اپنے متعلقات اور اسباب کے بدوں موجود نہیں ہو سکتے مثلاً اگر کفر و شرک نہ ہوتا تو رقیت اور غلامی جو کفر کے آثار میں سے ہے متحقق اور موجود نہ ہوتی اور جب غلامی موجود نہ ہوتی تو غلام کو آزاد کرنا جو عبادت کا ایک قسم ہے حاصل اور موجود نہ ہوتا اور

Marfat.com

اگر ظلم۔ تعدی۔ اور برائی موجود نہ ہوتی تو صبر منافی اور غصہ مٹانے کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر فقر اور حاجت موجود نہ ہوتے تو صدقہ۔ ایثار اور مواساۃ پائے جاتے۔ پس اگر اللہ سبحانہ تمام مخلوق کو یکساں پیدا کرتا۔ تو عبادت کے یہ انواع جو اس کو نہایت محبوب ہیں۔ اور انہی کے واسطے آدمیوں اور جنات کو پیدا کیا ہے اور ان ہی کی بجاآوری کے لیے شریعتیں مقرر فرمائیں۔ کتابیں نازل کی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور دنیا اور آخرت کو پیدا کیا ہے۔ اور نیز یہ عبادات اس کے صفات کمال میں سے ہیں اور اگر ان اسباب کو کہ جن پر ان کا حصول موقوف ہے۔ پیدا نہ کرتا تو یہ کمال ثابت نہ ہوتا۔ اور ان صفات کے احکام معطل ہو جاتے۔ اور اس کی توضیح پہلے بیان ہو چکی ہے۔

انیسواں جواب اللہ سبحانہ کو اپنے کسی بندے کے توبہ کرنے پر وہ اعلیٰ درجے کی خوشی حاصل ہوتی ہے جو کسی کے خیال و وہم میں نہیں آسکتی۔ اور اس خوشی کا حصول توبہ پر موقوف ہے۔ اور توبہ کا وجود گناہ پر متفرع اور متوقف ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو وہ اس کے بدوں موجود نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا محال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرحت اور خوشی کا وجود اس کے عدم سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ پس اس کے کمال حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس خوشی کے اسباب اور لوازم بھی پیدا کیے جائیں۔ اور اعلم الخلق سرور کائنات صلعم نے صحیح حدیث میں اس مضمون پر متنبہ فرمایا ہے کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرتا جو نیک کاموں کے ساتھ) گناہ بھی کرتے اور گناہ کرنے پر اپنے اللہ سے معافی مانگتے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دیتا" پس اگر گناہوں اور معاصی کا وجود نہ ہوتا۔ تو اللہ غفور کس کے گناہ معاف کرتا اور تواب رحیم کس کی توبہ قبول فرماتا اور عفو رحیم کس سے درگزر کرتے

Marfat.com

اپنا حق معاف کرتا۔ اور اس کے فضل۔ جود۔ حلم۔ کرم اور مغفرت کا ظہور کیونکہ ہوتا۔ حالانکہ وہ واسع المغفرہ ہے۔ منکرین حکمت و تعلیل سے ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم صفت مغفرت سے موصوف ہے یا نہیں اگر اس صفت کا انکار کریں تو یہ نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ اور اگر اس صفت کو مانتے ہیں تو کیا اس صفت کا وجود ذنوب و معاصی اور مذنبین و گناہگار اشخاص کے بدون متصور ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ ذنوب و معاصی اور مخالف اشیاء کے مقدر کرنے کے لیے اگر اس کے سوا اور کوئی حکمت نہ ہوتی۔ تو صرف یہی ایک حکمت اور غایت ان کے مقدر اور موجود کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور جب ان کا مقدر کرنا ان حکمتوں۔ مصالح اور غایاتِ محمودہ کو متضمن ہے جو انسان کے خیال و وہم میں نہیں آسکتیں۔ تو پھر ان حکمتوں میں ان کا مقدر و موجود کرنا کیونکر عبث اور بے سود ہو سکتا ہے منقول ہے کہ کوئی عابد۔ طواف کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الْمَعَاصِیْ اے اللہ مجھے گناہوں سے محفوظ رکھیو) اور اس دعا کو بار بار پڑھتے۔ خواب میں ان سے کہا گیا کہ تم مجھ سے گناہوں سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہو۔ اور دوسرے بندے بھی مجھ سے گناہوں سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہیں۔ پس اگر سب کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے تو پھر مغفرت عفو اور قبولیت توبہ کے لیے کون لوگ مستحق و سزاوار ہوں گے۔ اللہ سبحانہ کے نزدیک توبہ محبوب و پسند نہ ہوتی۔ تو اپنے پیارے بندوں کو گناہوں میں مبتلا نہ کرتا۔

اور اس کی توضیح و تفصیل بیسواں جواب ہے کہ کفار مشرکین اور نافرمان لوگوں سے پیدا کرنے میں کیسی وہ کھلی حکمتیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آیات ظاہرہ موجود ہوتے ہیں جو ان کے پیدا کیے بغیر حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ مثلاً

Marfat.com

اگر نوح علیہ السلام کی قوم کفر اختیار نہ کرتی۔ تو طوفان جیسا عظیم الشان واقعہ ظاہر نہ ہوتا۔ جس کو لوگ ہمیشہ بیان کرتے چلے آتے ہیں۔ اور اگر قوم عاد کافر نہ ہوتی تو ریح عقیم کا وہ واقعہ کہ جس میں وہ سب ہلاک ہو گئے۔ کبھی ظاہر نہ ہوتا۔ اور اگر صالح علیہ السلام کی قوم کافر نہ ہوتی۔ تو صیحہ (آواز سخت) کے ساتھ ان کے ہلاک ہونے کا سماں کب نظر آتا۔ اور ایسے ہی اگر فرعون کافر نہ ہوتا تو یہ آیات اور عجائب واقعات جن کو لوگ ہمیشہ بیان کرتے چلے آتے ہیں کب ظہور پذیر ہوتے۔ اور نیز جن کی ہدایت ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے سے وابستہ تھی۔ ان کو ہدایت کس طرح نصیب ہوتی۔ پس ان واقعات سے دو امر متعلق ہیں کہ بعض کو تو ان کے ذریعے ہدایت اور حیات جاودانی حاصل ہوئی۔ اور بعض ان کے دیکھنے پر بھی ایمان نہ لائے اور وہ ہلاک اور تباہ ہوئے اور چونکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نشانات سب کو دکھلا دیے لہٰذا ان واقعات کے ذریعہ سے اس کا عدل حکمت۔ فضل اور انبیا کی صداقت کے علامات ظاہر ہوئے۔ منکرین انبیاء علیہ السلام کا ان سے مقابلہ کرنا۔ ان کے ادلہ و حجج پر معترض ہونا۔ انبیاء علیہ السلام کا ان کے شبہات کا جواب بیان کرنا ان کا عناد سے باز نہ آنا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کر دینا انبیاء علیہ السلام کی صداقت کی نہایت قوی اور قطعی دلیل ہے۔ اگر غزوہ بدر میں مشرکین کی تعداد کثیر جمع نہ ہوتی اور پھر سامان وافر ان کے پاس موجود نہ ہوتا۔ تو یہ عظیم الشان معرکہ جس کی بدولت ہزاروں آدمی ایمان و ہدایت کی دولت سے مالا مال ہوئے کبھی ظاہر نہ ہوتا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو۔ وہ اس کے بدوں موجود نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لازم کے بدوں ملزوم کا موجود ہونا محال ہے۔ واقعہ بدر نے ہزاروں گھروں کو ایمان سے آباد کر دیا اور بہت سے اہل عقل کے لیے

Marfat.com

ہدایت وایقان کے دروازے کھول دیے۔ اور اس کے ذریعہ سے بہت سی وہ چیزیں جو اللہ سبحانہ کو محبوب و پسندیدہ تھیں حاصل و موجود ہوگئیں۔ اور یہ واقعہ ابلیس کے لیے سخت ناخوشی اور نہایت رنج کا باعث ہوا۔ اور ان مصالح اور غایات محمودہ کے لحاظ سے جو اس واقعہ پر مترتب ہوئے کفار کے صدمہ اور تکلیف یعنی مقتول اور قید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ان کی تکلیف ان مصالح کے لحاظ سے ایسی ہی جیسا کہ بارش کے منافع میں یہ ضرر اور تکلیف پائی جاتی ہے کہ سفر کرنے والوں کا راستہ بند ہوجاتا اور ان کے کپڑے بھیگ جاتے اور بعضے غریب لوگوں کے مکان گر جاتے ہیں۔ مگر اس کے عام منافع کے سامنے ان مفاسد اور نقصانوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ طوفان نوحؑ اور قوم فرعون کے غرق کے واقعہ سے اس کثرت کے ساتھ لوگوں نے عبرت حاصل کرکے ایمان وہدایت کو اختیار کیا کہ جس کے لحاظ سے ان لوگوں کی ہلاکت اور تباہی کا کچھ اعتبار نہیں جو اس سے ہلاک اور تباہ ہوئے وہ واقعات جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کیا اور اپنے دوستوں کو اعزاز و اکرام بخشا ہے ان میں اللہ سبحانہ کی بہت سی حکمتیں، مصالح۔ آیات قدرت اور انبیاء کی صداقت کی دلیلیں۔ معجزے اور عبرت و نصیحت کی باتیں موجود ہیں۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے رسول موسیٰؑ کو حکم دیا کہ ان واقعات کو سنا کر اپنی قوم کو عبرت دلائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ۔

Marfat.com

اور ہم ہی نے موسیٰ کو بھی اپنی نشانیاں دیکر بھیجا (اور ان کو حکم دیا) کہ اپنی قوم کو (کفر کے) اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاؤ اور ان کے خدا کے معرکے یاد دلاؤ۔ کیونکہ ان واقعات میں ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے (قدرت خدا اور عبرت کی نشانیاں ہیں) اور ان ہی وقتوں کا مذکور یہ بھی ہے کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ (بھائیو) اللہ نے جو تم پر احسانات کیے ہیں۔ ان کو یاد کرو جبکہ اس نے تم کو فرعون کے لوگوں (کے ظلم) سے نجات دی۔ کہ وہ تم کو بری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حلال کرتے (تاکہ تمہارا زور ٹوٹے) اور تمہاری عورت ذات (یعنی بیٹیوں کو) کار و خدمت کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ ان مصیبتوں میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (تمہارے صبر کی) بڑی آزمائش تھی) پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کے انعام اور اس کی نعمتیں یاد دلا کر اپنی قوم کو نصیحت فرمائی۔ کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے دشمن کے ہاتھ سے نجات بخشی اور اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے سے ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت۔ عظمت و جلال اور اس کی نعمتوں کی شکر گزاری پیدا ہوئی۔ اور ان کے سامنے وہ تکلیفیں جو فرعون سے پہنچی تھیں لاشے اور کالعدم ہو گئیں۔ کیونکہ اب آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اور فرعون کی غلامی اور ایذا رسانی سے نجات ملی۔ اور وہ تکلیف جو والدین کو لڑکوں کے ذبح کے وقت پہنچتی تھی۔ ان تکالیف سے بہت ہی کم تھی۔ جن کو بڑے ہو کر وہ جھیلتے تھے کہ ہمیشہ فرعون اور اس کی غلامی میں رہتے۔ پس اللہ سبحانہ کے کرم سے باپ اور بیٹے سب تکلیف سے چھوٹ گئے اور اللہ سبحانہ نے چاہا کہ اپنے بندوں کو اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان دکھلائے کہ وہ بچہ جس کی تلاش میں فرعون نے سینکڑوں بچے ہلاک کر دیے

Marfat.com

تھے۔ خود فرعون کے گود۔ اس کے گھر اور اس کے بستر پر پرورش پائے۔ اور فرعون اس کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکا۔ یہ محض اللہ سبحانہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ آیت بہت سی ایسی حکمتیں۔ مصالح۔ رحمتیں۔ ہدایات اور نصیحت کی باتوں پر مشتمل ہے کہ جن کا وجود ان کے لوازم اور اسباب پر موقوف ہے اور ان کے بدون ان کا موجود ہونا محال اور ناممکن ہے غرض اس آیت میں جن مصالح اور حکمتوں کا ذکر ہے ان کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کا ذبح ہونا جو ایک مفسدہ۔ فتنہ اور تکلیف معلوم ہوتا ہے کالعدم اور لاشے ہے۔ اور اس طرح وہ واقعات جو حضرت یوسفؑ کو پیش آئے۔ وہ حکمتیں۔ مصالح فوائد اور امور عجیبہ جو ان واقعات پر مترتب ہوئے اور ان کے قصہ میں مذکور ہیں۔ ان واقعات کے بدون حاصل نہیں ہو سکتے تھے گو ان میں اتنا مفسدہ بھی پایا گیا کہ ایک عرصہ تک یعقوبؑ اور یوسفؑ علیہما السلام دونوں فراق کے غم میں مبتلا رہے مگر انجام کار جب اسی مفسدہ کے بجائے مصالح و فوائد پیدا ہو گئے۔ تو ان کے سامنے اس کا نام و نشان نہ رہا بلکہ یہی مفسدہ یعقوب علیہ السلام۔ یوسف علیہ السلام۔ ان کے بھائیوں۔ عزیز مصر کی بیوی۔ اہل مصر اور قیامت تک تمام مومنین کے حق میں بہت بڑی مصلحت کے حصول کا ذریعہ اور سبب ہو گیا۔ جو لوگ اللہ سبحانہ۔ اس کے اسماء و صفات اور اس کے انبیاء کی شان کو سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ان کے قصہ سے بہت سے ثمرات اور علم و حکمت کے نکات حاصل کیے ہیں۔ اور اسی طرح وہ خرابی جو ایوب علیہ السلام کو شیطان کی طرف سے پیش آئی اور کچھ عرصہ تک وہ تکلیف اور عذاب میں مبتلا رہے اس مصلحت و منفعت کے لحاظ سے لاشے اور کالعدم ہے جو کہ تکلیف دور ہونے پر خود ان کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے حاصل ہوئی۔ بلکہ یہ خرابی اس کے حصول کا سبب اور ذریعہ ہوئی۔ اور وہ منافع۔ مصالح اور نعمتیں

Marfat.com

اسی درخت کے پھل اور ثمرات ہیں۔ اور اسی طرح ان اسباب کا حال ہے جنہوں نے ابراہیم خلیل اللہ کو اس مرتبہ تک پہنچایا۔ کہ آگ ان کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ ہو گئی۔ اگر ان کی قوم کفر و شرک اور بت پرستی اختیار نہ کرتی اور یہ ان کے بتوں کو نہ توڑتے اور ان کے غضب و غصہ کی آگ نہ بھڑکتی تو منجنیق کے ذریعہ سے ابراہیمؑ کو آگ میں نہ ڈالتے۔ جب یہ اسباب پیدا ہوئے اور خلیل اللہ کو بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا۔ تو اللہ سبحانہ کے لطف نے ان کی دستگیری اس طرح فرمائی۔ کہ اس آگ کو ایک لہلہاتا باغ بنا دیا۔ اور اپنی قدرت کا نشان دکھلا دیا جو ابراہیمؑ کی صداقت کی حجت اور ہمیشہ لوگوں کے لیے باعث عبرت ہوا۔ اس واقعہ میں اللہ سبحانہ کی کئی حکمتیں کاملہ۔ نعمتیں شاملہ۔ رحمتیں اور اس کی قدرت کے نشانات اور پیغمبر کی صداقت کے شواہد موجود ہیں۔ اگر یہ اسباب (یعنی ان کی قوم کا کفر و شرک اختیار کرنا) پیدا نہ ہوتے تو یہ سب حکمتیں۔ مصالح اور آیات کس طرح موجود ہوتے۔ اس کی حکمت اور کمال کے مقتضے کے یہ خلاف ہے کہ یہ حکمتیں اور مصالح موجود نہ ہوتے۔ اور چونکہ کسی چیز کا اپنے لازم کے بدون موجود ہونا محال ہے اس لیے ان اسباب کا وجود ضروری ہوا۔ اور وہ مفاسد جزئیہ جو ابراہیمؑ کے قصہ میں پائے جاتے ہیں ان مصالح کے لحاظ سے جو ان پر مترتب ہوئے لاشے اور کالعدم ہیں کتنی بڑی مصلحت ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو قیامت تک حنفا کی امامت حاصل ہوئی۔ اور انہوں نے سچی اور خالص توحید کی بنیاد ڈالی۔ یہ مفاسد ان مفاسد اور خرابیوں سے بھی بہت کم اور ادنیٰ درجے کے ہیں۔ جو گرمی۔ سردی۔ بارش اور برف وغیرہ اشیاء کے عام منافع کے ساتھ پائے جاتے ہیں سلسلہ ہستی میں خداوند تعالیٰ کی اس قدر حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جو حدِ بیان سے باہر ہیں۔ مگر انسان حسب فرمان الٰہی ظلوم اور جہول ہے

Marfat.com

اپنے آپ پر توظلم کرے اور اپنے مالک کی شان اس کی عظمت و جلال۔ حکمت اتقان و احکام صنعت سے بے خبر ہے۔ اور اسی طرح سرور کائنات صلعم کے مکہ معظمہ سے نکالنے میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں مخفی اور پوشیدہ تھیں۔ گو آپ مکہ سے بظاہر ایک ایسی مغلوبانہ ہیئت اور عاجزانہ حالت سے نکلے تھے۔ جس سے انسان کو اندوہ اور ملال پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ حالت خدائے ذوالجلال کو کچھ کیسی محبوب تھی کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر کسی شان و عزت کے ساتھ مکہ اور اپنے حرم میں داخل فرمایا کہ ہر طرح اور تمام اطراف سے اپنی حفاظت و حمایت میں لے لیا۔ مہاجرین کو آپ کا دلدادہ اور انصار کو آپ کا جانباز غلام بنا دیا۔ اور یہ سب لوگ ایسے مقبول و منظور نظر ہوئے کہ ملائکہ ان کی اعانت اور ہمراہی کے لیے موجود تھے۔ اور وحی کے متواتر برکات نازل ہوتے تھے۔ ان مصالح و برکات کے لحاظ سے وہ کلفت جو آپ کو مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آئی۔ اور وہ ان خیرات کے حصول کا پیش خیمہ تھی۔ کالعدم اور لاشے ہے۔ اسی طرح اگر جادوگر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر لوگوں کی نظر بندی کر کے انکو ہیبت و رعب میں نہ ڈالتے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کرتے تو موسیٰ علیہ السلام سے عصا کا یہ معجزہ کہ وہ اژدہا بن کر سب رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر گیا کس طرح ظاہر ہوتا اور اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد کیا کہ پہلے تم اپنے جادو دکھلاؤ۔ اس کے بعد جو مجھ سے ہو سکا میں بھی پیش کروں گا۔ اور اللہ سبحانہ کے کمال قدرت اور حکمت کے نشانات اور دلائل میں سے یہ امر بھی ہے کہ ایک طرف تو جبرئیل جیسے اشخاص پیدا کیے ہیں جو نہایت پاکیزہ۔ اطیب اور اعلیٰ درجہ کے طاہر اور اشراف ارواح میں سے ہیں اور اس کو ہر ایک خیر۔ ہدایت۔ ایمان اور صلاح کا سفیر بنایا ہے۔ اور دوسری طرف ابلیس لعین پیدا کیا ہے جو تمام

Marfat.com

ارواح میں زیادہ خبیث۔ نجس اور شریر ہے۔ اور وہ ہر ایک برائی کی جڑ۔ مادہ اور اس کی طرف بلانے والا ہے۔ اور منجملہ اس کے کمال قدرت اور حکمت کے یہ امر بھی ہے کہ اس نے روشنی و تاریکی زمین و آسمان بہشت و دوزخ۔ سدرۃ المنتہیٰ و شجرۂ زقوم۔ لیلۃ القدر و لیلۃ الابا۔ ملائکہ و شیاطین۔ مومنین و کفار۔ ابرار و فجار۔ گرمی و سردی۔ بیماری اور دوا۔ تکالیف و لذات۔ غم اور خوشی وغیرہ باہم متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے عبادات کے وہ انواع جو اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب اور پسندیدہ ہیں ظہور پذیر اور موجود ہوئے۔ اگر اللہ سبحانہ مثلاً شیطان۔ نفس امارہ اور اس کی خواہشوں کو پیدا نہ کرتا۔ تو صبر۔ مجاہدۂ نفس و شیطان اور ان کی مخالفت اور بندے کا اپنی خواہشوں اور محبوب چیزوں کو ترک کرنے کے درجات کس طرح حاصل ہوتے۔ اور یہی وہ عبادت ہے جو بندے کو اعلیٰ مراتب تک پہنچاتی ہے اور تمام عبادات سے اعلیٰ اور افضل ہے اور اگر کفار موجود نہ ہوتے تو صورت جہاد پیدا نہ ہوتی اور نہ مجاہدین درجہ شہادت حاصل کرتے۔ اور نیز یہ امتیاز حاصل نہ ہوتا کہ کون شخص ایسا ہے جو اپنی جان اہل اور اولاد پر اپنے پیدا کرنے والے اور خالق کی اطاعت اور محبت کو مقدم سمجھتا ہے اور کون لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے ادنیٰ حظ کو خدا تعالیٰ کی اطاعت و محبت سے بہتر اور اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر کفار موجود نہ ہوتے۔ تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا صبر۔ جہاد اور اللہ کی راہ میں طرح طرح کے تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا اور تبلیغ و اظہار دعوت سے متعلق انواع عبادات کا حاصل کرنا یہ سب کس طرح حاصل ہوتے اور اس کے علم۔ فضل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ عبادات کے یہ انواع متحقق و موجود ہوں۔ اور اسی سے اللہ سبحانہ کی حمد۔ شکر اور ان عبادات کا محبوب و پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ اکیسواں جواب اس کی توضیح کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کا یہ اصول ہے کہ انسان سعادت، نعمت اور راحت سے پر لطف گھر میں تکلیف و مشقت سے پل پر سے گزرنے کے بغیر کبھی پہنچ نہیں سکتا اور اس مکان میں داخل ہونے کے لیے یہی دروازہ ہے کہ مکارہ پر صبر اور تکالیف اور مشقتوں کا تحمل اور برداشت کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے ارد گرد تکالیف اور دوزخ کے آس پاس شہوات رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکالیف کو جھیلنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور شہوات پرستی دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔ اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا۔ حالانکہ جنت کو ان کی اور ان کی اولاد کی خاطر ہی پیدا کیا ہے مگر اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ دائمی طور پر اس میں رہنا تکلیف مشقت کے برداشت کرنے کے بعد ہونا چاہیے اس لیے وہاں سے نکال دیا کہ دنیا میں تکلیف و مشقت برداشت کریں اور اس کے بعد پھر علی الدوام عیش و آرام کے ساتھ جنت میں سکونت پذیر ہوں۔ پس جنت میں پہلے داخل ہونے اور اس میں دوبارہ داخل ہونے میں کتنا تفاوت ہے اور اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکے میں مطعم بن عدی کے پناہ سے داخل ہونے اور پھر فتح مکہ کے دن اس میں داخل ہونے کے درمیان کس قدر تفاوت موجود ہے اور اسی طرح مومنین کے اس لذت و آرام کے درمیان جو تکالیف دنیاوی برداشت کرنے کے بعد جنت میں حاصل ہوں گے اور اس لذت و آرام کے درمیان جو اسی میں پیدا ہونے سے حاصل ہوتا بہت بڑا تفاوت ہے۔ مصیبت کے بعد جسے آرام حاصل ہو۔ یا تنگدستی کے بعد مال ملے۔ یا گمراہی کے بعد ہدایت نصیب ہو یا پریشانی کے بعد جمعیت پیدا ہو تو ان لوگوں کی خوشی ان کی خوشی سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے جنہوں نے ان تکالیف کی تلخی نہ چکھی ہو۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ حکمت الہٰی کا یہ مقتضی ہے کہ تکالیف و

Marfat.com

مصائب لذات اور خیرات کے حصول کے ذرائع ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

مسلمانوں تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گزرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

ایک اور شاعر نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ ؎

وَرُبَّمَا کَانَ مَکْرُوْهُ النَّفْسِ اِلٰی + مَحْبُوْبِهَا سَبَبًا مَّا مِثْلُهٗ سَبَبٌ

بسا اوقات وہ چیز جو نفس کو ناپسند ہو اس کی محبوب اور پسندیدہ چیز کی طرف ایسا ذریعہ ہوتی ہے کہ اس جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

بائیسواں جواب۔ تمام اہل عقل اس بات پر متفق ہیں کہ نفوس کو اپنے کمالات مثلاً علم نافع۔ عمل صالح اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے اور نیز ایسے اشخاص کی طرف سے تعریف و تحسین کا خلعت پانے میں جن کی تحسین و تعریف نافع و مفید ہو کوشش و سعی کرنا مستحسن ہے۔ اور جو شخص ان امور کے حاصل کرنے کے لیے زیادہ جد و جہد کرے وہ رفیع القدر اور احسن الحال ہوتا ہے۔ اور اسی طرح۔ غنیٰ عزت اور شرف حاصل کرنے کے لیے کوشش اور سعی کرنا تمام عقلا کے نزدیک مستحسن ہے اور جو شخص ان کے حاصل کرنے کے لیے کوشش نہیں کرتا اس کی مذمت کرتے اور اس کو پست ہمت۔ خسیس النفس اور بے قدر سمجھتے ہیں چنانچہ ایک شاعر نے کسی کی مذمت میں کہا ہے۔ ؎

دَعِ الْمَکَارِمَ لَا تَنْهَضْ لِبُغْیَتِهَا + وَاقْعُدْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الطَّاعِمُ الْکَاسِیْ

اے مخاطب تو مکارم اخلاق کے حاصل کرنے کا خیال چھوڑ دے اور ان کی طلب

Marfat.com

سے لیے تو کوشش مت کر اور آرام سے بیٹھ رہو کیونکہ ان کو حاصل کرنا تیرے جیسے لوگوں کا کام نہیں۔ تیرا کام تو بس کھانا پینا اور کپڑے پہننا ہے) اور ظاہر ہے کہ ان امور کے حاصل کرنے کے لیے کوشش۔ سعی اور جدوجہد کرنا تکالیف بیکار اور مشقتوں کو مستلزم ہے اور ان کے حصول کے لیے ذریعہ اور وسیلہ ہی تکالیف اور مکارہ ہیں۔ اور جو شخص ان کو برداشت اور تحمل کرے حکمت اور عقل کے رو سے اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اور نہ اس پر کوئی طعن کرتا ہے۔ بلکہ جو شخص ایسا کرے اس کو نہایت عقل مند خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ جو شخص کسی دوسرے کو یہ سمجھائے کہ کمالات کے حاصل کرنے کے لیے تکالیف اور دشواریوں کو برداشت کرنا چاہیے اس کو بھی حکیم اور مدبر سمجھتے ہیں اور جو شخص کسی کو منع کرے کہ تکلیف اور مشقت میں کیوں پڑتے ہو۔ اس کو بے وقوف اور کم عقل شمار کرتے ہیں۔ جب معاش کے مصالح سے متعلق یہ دستور ہے تو حیاتِ جاودانی اور نعیم مقیم کے مصالح کی نسبت کیونکر یہ دستور جاری نہ ہو۔ پس اللہ سبحانہ جو ایک محدود وقت کے لیے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنے کا اس لیے امر فرمائے کہ جاودانی لذت اور دائمی فرحت حاصل ہو تو کیا وہ اس امر میں حکیم۔ رحیم۔ محسن اور ناصح ہوگا۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ اس عارضی راحت اور لذت کے حاصل کرنے سے منع فرمائے جو بہت جلد زائل ہونے والی اور اس لذت و راحت سے باز رکھنے والی ہے جو کہ دائم اور لازوال ہے تو اللہ تعالیٰ اس امر اور نہی میں ضرور اعلیٰ درجے کا حکیم ہے اللہ سبحانہ نے جن کاموں کا امر فرمایا ہے ان میں وہ مصالح موجود ہیں۔ جن سے انسان کی سعادت صلاح و فلاح وابستہ ہیں۔ اور جن امور سے منع کیا ہے وہ اس کی مضرت ہلاکت اور شقاوت کا باعث ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ کے اوامر رحمت۔ احسان۔ شفاء دوا۔ قلوب کے لیے غذا۔ ظاہر اور باطن کے لیے زینت اور قلب اور بدن کے لیے حیات

Marfat.com

اور زندگی ہیں۔ اور ان کے ضمن میں بہت سی مسرتیں۔ فرحتیں۔ لذتیں۔ بہجتیں۔ نعمتیں اور ایسی خوشیاں موجود ہیں۔ جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس جن چیزوں کو منکرین حکمت و تعلیل تکالیف کہتے ہیں۔ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ نفوس کی خوشی۔ قلوب کی حیاتی۔ عقول کا نور اور فطرت کا کمال ہیں۔ اور نوع انسانی کے ساتھ یہ وہ احسان ہے جو صحت۔ عافیت۔ خوراک۔ پوشاک اور پینے کی چیزیں عطا فرمانے کے احسان سے زیادہ اور بڑھ کر ہے۔ غرض اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں پر یہ انعام فرمانا کہ ان کی ہدایت و اصلاح کے لیے رسول بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ ان کو اپنے امر و نہی سے آگاہ فرمایا اور پسندیدہ اور ناپسند کاموں سے مطلع کیا ایک عظیم الشان جلیل القدر۔ اعلیٰ اور افضل نعمت ہے اور ان منافع کو جو سورج۔ چاند۔ مینہ اور نباتات وغیرہ دنیاوی اشیاء سے انسان کو حاصل ہیں ان برکات اور منافع سے کوئی نسبت نہیں جو علم۔ ایمان۔ شریعت۔ اور حلال و حرام کے امتیاز پر متفرع اور مبنی ہیں۔ پس کوئی صاحب عقل کس طرح کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر محض ایک مشقت اور بے فائدہ تکلیف ہیں۔ بیشک جس شخص کا ایسا خیال احکم الحاکمین کی نسبت اس قسم کا گمان ہے وہ چوپائے جانوروں سے زیادہ بے سمجھ اور گدھے سے زیادہ بیوقوف ہے ہم اس خیال اور خدا تعالیٰ کی ذات۔ اسماء و صفات کی قدر نہ سمجھنے سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ سلسلہ ہستی کے تمام مصالح اور سبحانہ کے امر و نہی۔ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث اور آسمانی کتابوں کے نازل ہونے سے مربوط اور وابستہ ہیں۔ اگر یہ امور نہ ہوتے تو نوع انسانی بھی دوسرے حیوانات کی طرح ہوتا کہ راستے میں ایک دوسرے کو دیکھ کر آپس میں لڑ پڑتے اور جانوروں کی طرح کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے عورتوں سے جفتی کرتے۔ کسی اچھے کام کو اچھا اور برے کو برا نہ سمجھتے۔ اور کسی زشت کرداری سے باز

Marfat.com

نہ آتے اور نہ کسی بھلے کام کی ان کو راہ معلوم ہوتی۔ ذرہ ان مقامات اور ملکوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو جہاں انبیاء کی تبلیغ اور دعوت کا پورا ظہور نہیں ہوا کہ وہاں کے باشندوں کی کیا حالت رہی۔ کس قسم کی جہالت ظلم۔ کفر۔ شرک۔ برے کاموں کو اچھا سمجھنے عقائد اعمال اور اخلاق کی خرابی اور فساد میں کس درجے ڈوبے ہوئے ہیں۔ اللہ حکیم و علیم کے شرائع مقرر کرنے میں بندوں کے معاش و معاد کے وہ مصالح اور ان کی سعادت دنیاوی اور اخروی کے وہ اسباب موجود ہیں جن کا پورا علم اللہ سبحانہ کو ہے۔ ان شرائع احکام کو اگر یوں کہا جائے کہ یہ غذا۔ دوا۔ نور۔ عصمت قلعہ۔ جائے پناہ۔ ڈھال اور بچاؤ ہیں تو بالکل صحیح اور بجا ہے اور بدنی مصالح کے لحاظ سے ان کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک حاذق طبیب ایک ایسا مرکب نسخہ تیار کرے جو تمام امراض اور جملہ بیماریوں کی دوا ہو اور اس کے ساتھ ہی تندرستوں کے لیے غذا کا کام دے۔ پس جو تندرست آدمی اس کو غذا کے طور پر کھائے وہ اس کی غذا ہو جائے اور جو بیمار دوا کے طور پر استعمال کرے اس کو بیماری سے شفا اور نجات حاصل ہو۔ یہ تمثیل محض سمجھانے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ کے احکام و شرائع فوائد اور برکات کے لحاظ سے ایسے نسخوں سے کہیں فائق اور بڑھے ہوئے ہیں ان کو ان سے کیا نسبت ہے غرض اللہ سبحانہ کے امر و نہی تحلیل و تحریم سے بڑھ کر انسان کے حق میں کوئی چیز زیادہ بہتر اور اچھی نہیں۔ اس کا امر قوت اور غذا ہے۔ اس کی نہی پرہیز اور بچاؤ ہے۔ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کی بجا آوری کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ کو ان کی کوئی حاجت یا ضرورت نہیں اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ کام فضول اور عبث ہیں بلکہ وہ سراسر رحمت۔ احسان اور مصلحت ہیں اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے منع کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات میں کچھ بخل ہے بلکہ اپنے بندوں کو موذی اور مضر چیزوں

Marfat.com

سے بچاؤ اور محفوظ رکھنے کے لیے ان سے منع فرمایا ہے اگر بندے ان چیزوں کا استعمال کریں تو ضرور نقصان اور ضرر پیدا ہو۔ پس جس شخص کو ذراسی بھی عقل وہ یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اللہ سبحانہ کے اوامر و نواہی حکمتوں غایات محمودہ اور مصالح مطلوبہ سے خالی ہیں صداقت کی دلیل سمجھا ہے کسی دوسرے معجزہ کے وہ طالب نہیں ہوئے انہوں نے اسی کو اعلیٰ درجے کا معجزہ سمجھا ہے اور ان کا یہ استدلال نہایت صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ انبیاء کی تعلیم ان کی صداقت کی کافی دلیل ہے جن لوگوں کو کسی قسم کے علم و فن میں دخل ہے ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جو اس فن میں ماہر ہو کوئی عمدہ کتاب تصنیف کرے۔ تو اس فن کے جاننے والے اس کی کتاب کے مطالعہ سے صحیح طور پر اس کی نسبت یہ رائے قائم کر سکتے ہیں۔ کہ یہ شخص اس فن کا ماہر ہے اسی طرح جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے عقل اور فطرت سلیم بخشی ہے اور ان کو انبیاء کے اقوال کی سمجھ عطا فرمائی ہے تو ان کو محض شریعت کے احکام میں نظر اور غور کرنے سے قطعی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ اس شریعت کا لانے والا اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہے۔ اور یہ شریعت خدائے احکم الحاکمین کی شریعت ہے۔ شریعت محمدیہ کے کمال اور خوبیوں کے فلاسفر بھی معترف ہیں کہ عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی زیادہ کامل پر حکمت اور محکم شریعت نہیں۔ شریعت کے دشمن (فلاسفر) تو اس کے اکمل اور پر حکمت ہونے کے قائل ہیں۔ مگر افسوس کہ جو لوگ اس کے حامی اور مددگار بنے ہوئے ہیں وہ یوں نہ کہتے ہیں کہ یہ کسی حکمت اور مصلحت کے لیے مقرر مشروع نہیں ہوئی۔ اور کہتے کہ ان سخت اور تکلیف دہ احکام میں کونسی حکمت ہے۔ اور مکلف یعنی انسان کے لیے ان میں کیا مصلحت اور مکلف یعنی خدا تعالیٰ کی ان میں کون سی غرض ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک شریعت کے جملہ امور کا دارومدار محض اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

شیت پر ہے ان میں کوئی حکمت ملحوظ یا مصلحت مقصود نہیں ۔ اگر ان کو ذرہ بھی
یا ہوتی تو ایسی بیہودہ باتیں کتابوں میں نہ لکھتے جو دل کو سیاہ کرنے والی ہیں شریعت
نے ہر ایک خیر و مصلحت کو بیان کر دیا ہے اور ہر ایک مفید کام کرنے کا حکم دیا ہے
ور کوئی شر اور مفسدہ ایسا نہیں ہے ۔ جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو ۔ شریعت
نے کسی حاجتمند کی کوئی کسی سائل کے سوال کا جواب اور کسی بے جا الزام قائم کرنے
والے کے الزام کو باقی نہیں چھوڑا ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ
جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے بہتر حکم دینے والا (اور کون ہو سکتا ہے)
اور منکرین حکمت و تعلیل کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ان احکام کے خلاف حکم کرے
اور ان احکام اور ان کے اضداد میں فی الواقع کوئی فرق نہیں صرف اس کی مشیت
سے بعض واجب اور بعض ممنوع یا جائز قرار پائے ہیں ۔ اور حقیقت الامر یہ ہے
کہ اگر اول سے آخر تک دنیا کے تمام حکما کی حکمت کو جمع کیا جائے تو اس پر حکمت افضل و
اکمل شریعت کی حکمتوں کے سامنے ایسی ہے جیسے سمندر کی نسبت سے پانی کا ایک قطرہ
پر حکمت شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس کو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا
اور آنحضرت صلعم نے امت کے لیے اس کو جاری کیا اور امت کو اس کی تعلیم فرمائی
وہ شریعت مراد نہیں جس کو لوگوں نے اپنے آرام اور نفسانی خواہش سے بدل دیا
ہے یا دیدہ دانستہ یا غلطی سے اس میں ٹیڑھی اور کج تاویلیں نکال کر اس کی
صورت کو بگاڑ دیا ہے جن لوگوں نے شریعت میں تبدیل یا تاویل کر کے اس کو بگاڑ
دیا ہے اس سے امت کے درمیان بڑے شر اور فساد پیدا ہوئے ہیں اور اس مبدلہ
یا ماؤلہ شریعت کو شر اور فساد سے خالی نہیں کہہ سکتے ۔ بلکہ سب خرابیاں اسی تبدیل و
تاویل سے پیدا ہوئی ہیں ۔ اور وہ شریعت جس کی تعلیم رسول خدا صلعم نے فرمائی ہے
وہ خیر محض۔ من کل الوجوہ مصلحت ۔ رحمت ۔ حکمت ۔ اور مکلفین کے حال پر

Marfat.com

لطف اور اس کے تمام مصالح کا انتظام ہے اور انسانی زندگی کے لیے یہ ایسی مفید اور ضروری ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ایسی مفید اور ضروری نہیں یہ شریعت فطرت اور عقول کی تکمیل خدا تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کی طرف راہ نما ہے۔ اس کے محارم و منہیات سے روکتی ہے۔ ہر ایک قوت اور عضو کو ان کے اس کمال میں جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں استعمال کرنے کے طریقے بتلاتی ہے مکارم اخلاق سکھلاتی اور برے اور خسیس عادات و خصائل سے باز رکھتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ فطرۃً ہر ایک قوت و عضو اور حرکت کا استعمال اس کے کمال کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کمال کو معلوم کرنا وحی پر موقوف ہے لہٰذا مخلوق کے مصالح کے لیے شرائع کا ہونا ضروری ہے بلکہ ان کی ضرورت تمام ضرورتوں سے زیادہ قوی اور شدید ہے۔ احکام شرعیہ دارین کی سعادت کے حصول کے ذریعے اور اسباب ہیں۔ بدن کی صحت اور قوت کی حفاظت اور اس کے مواد فاسدہ اور اخلاط ردیہ کے دور کرنے کے لیے بہترین وسائل ہیں۔ جو شخص شریعت کو اس طور پر مفید اور ضروری نہ سمجھے تو گویا اس نے شریعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اللہ حکیم علیم نے ہر ایک قوت حس اور عضو کے لیے ایک حسی اور ایک معنوی کمال مقرر فرمایا ہے۔ اور معنوی کمال کا نہ ہونا حسی کمال کے نہ ہونے سے زیادہ برا ہے کیونکہ معنوی کمال بمنزلہ روح اور حسی بمنزلہ جسم کے ہے۔ حسی کمال تو خلقت و فطرت کے لحاظ سے ہے اور معنوی کمال شرع کے رو سے۔ اور ان دونو کمال کے حاصل کرنے سے انسان سعادت کے اعلیٰ مراتب کو پہنچتا اور اپنے حواس قوی اعضا و حرکات سے پورا منتفع ہوتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ نے بندوں پر احسان کرنے۔ ان کے مصالح کے اہتمام ان کی طرف ان کو راہ نمائی کرنے اور ان کے حاصل کرنے ان کی اعانت فرمانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور یہ سب کچھ

Marfat.com

شریعت کے طفیل ہے کیونکہ کوئی ایسا مرض نہیں جس کا علاج شریعت نے نہ بتلایا ہو اور کوئی ایسی ضرورت نہیں۔ جس کے متعلق شریعت کا دستور موجود نہ ہو بلکہ شریعت نے وہ حقائق معارف اور علوم سکھلائے ہیں۔ جن کو انسانی عقل شریعت سے ہدایت بغیر کبھی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ عقلمند صاحب بصیرت۔ روشن دل کے لیے شریعت کے اوامر و نواہی میں سے صرف ایک فرعی حکم میں غور کرنا کافی ہے مثلاً نماز پر نظر ڈالو کہ اس میں کیا کیا حکمتیں ظاہری اور باطنی مصلحتیں اور قلب سے روح بدن اور قوٰی کے متعلق وہ منافع موجود ہیں کہ اگر دنیا بھر کے تمام طبیب اور حکیم جمع ہو کر اپنی دماغی قوتیں ان کے معلوم کرنے میں صرف کر دیں تو نماز کے اسرار۔ حکمتوں اور غایات محمودہ کی تفصیل کو نہ پا سکیں۔ بلکہ سورہ فاتحہ کے اسرار اور اس میں جو معارف الٰہیہ۔ حکم ربانیہ۔ علوم نافعہ۔ توحید تام اور اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے ساتھ اس کی ثناء تعریف اور غایات و وسائل کے لحاظ سے مخلوقات کے اقسام کا بیان ہے۔ ان کے معلوم کرنے سے پہلے ہی سب سے قوی اور اذہان عاجز ہو جائیں پھر دیکھو کہ نماز کے مقدمات اور شروط میں کیا کیا حکمتیں رکھی گئی ہیں۔ کہ بدن کپڑے اور مکان سب چیزیں پاک صاف ہوں۔ لباس ظاہری زیب تن ہو۔ بیت اللہ جو مخلوق کے قیام کا سبب ہے اس کی طرف توجہ اور استقبال ہو۔ قلب کو تمام خیالات سے فارغ کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کی جائے اور نماز کو ایسے کلمہ کے ساتھ شروع کیا جائے۔ جو عبودیت کے معانی پر پورا حاوی۔ خدا تعالیٰ کی ثناء و تعریف کے اصول و فروع پر دال اور قلب سے ماسوا اللہ کی طرف سے التفات کو دور کرنے والا اور اس کی طرف التفات اور توجہ کو پیدا کرنے والا ہے۔ غرض نمازی جب اللہ اکبر کہتا ہے تو اس وقت اس کے دل میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ اس خالق کے دربار میں حاضر ہوا اور

Marfat.com

کھڑا ہے جو صاحب عظمت وجلال ہے اور تمام چیزوں سے وہ اجل اکبر اعظم یعنی بزرگ اور بڑا ہے۔ آسمان اور جو کچھ ان کے نیچے ہے اور زمین اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس کی عظمت وکبریائی کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ تمام عالم چھوٹے بڑے اس کے نزدیک عاجز اور سب کی گردنیں اس کے آگے پست ہیں۔ بڑے بڑے گردن کش اور متکبر اس کے سامنے ذلیل وخوار ہیں۔ سب بندوں پر وہ غالب ہے اپنے بندوں کے حالات کو دیکھتا۔ ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا۔ ان کا کلام سنتا اور ان کے مکان کو دیکھتا ہے۔ بندوں کی کوئی بات اس پر مخفی نہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ کی تسبیح۔ حمد۔ ذکر اور اس کی توحید کو شروع کرتا ہے۔ اور اس کے بعد نہایت اعلیٰ اور افضل طریق سے ساتھ اللہ سبحانہ کی ثنا کو بیان کرنے لگتا ہے کہ اس کے حمد۔ ربوبیت عالم۔ ان کے ساتھ احسان اور رحمت فرماتے اور قیامت کے دن میں اس کی اس مملکت اعظم کو بیان کرتا ہے کہ جس میں کوئی دوسرا ملک کا دعویدار نہ ہوگا اور سبحانہ تمام مخلوق اوّل آخر کو ایک میدان میں جمع کرے گا۔ اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ بعد اس کے اللہ سبحانہ کی دو قسم کی توحید یعنی توحید ربوبیت کو استعانت کے طور پر اور توحید الاہیت کو عبودیت کے طور پر ذکر کرتا ہے اس کے بعد اس مطلوب کا سوال کرتا ہے جو تمام مطالب سے افضل اور جملہ مقاصد سے بہتر ہے یعنی اس صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کا سوال کرتا ہے جو اللہ سبحانہ نے اپنے انبیاء۔ رسل اور ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے مقرر کیا ہے اور جو لوگ اس پر چلتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزت اور جنت میں پہنچا دیتا ہے اور یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنی نعمت کے ساتھ مخصوص فرمایا یعنی ان کو حق جتلا کر ان کو اس کا پیرو بنا دیا ہے اور ان لوگوں کے راستہ سے دوری چاہتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ کہ انہوں نے حق پہنچا کر

Marfat.com

اس کی پیروی نہ کی۔ اور نیز ان گمراہوں کے راستے سے دور رہنے کا سوال کرتا ہے جو حق کے معلوم کرنے سے اور اس کے اتباع سے بھولے رہے۔ سورہ فاتحہ اللہ سبحانہ کی حمد و تعریف اس کے طریقہ۔ غایت۔ ثنا۔ دعا۔ اشرف غایات یعنی عبودیت اور عبودیت کے نہایت قریب وسیلے یعنی استعانت من اللہ پر مشتمل ہے اور جملہ ایاک نعبد و ایاک نستعین میں معبود و مستعان کو فعل پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ عبادت اور استعانت اور سبحانہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کے سبحانہ تو کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگنی چاہیے۔ اور نیز یہ صورت صفت الٰہیت۔ ربوبیت اور رحمت پر مشتمل ہے۔ جس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ سبحانہ ثناء اور عبادت کا اس لیے مستحق ہے کہ وہ سب کا الٰہ۔ خالق۔ رازق ہے اور وہی مارتا جلاتا ملک کی تدبیر کرتا اور جو لوگ گمراہی کے لائق ہیں۔ ان کو گمراہ کرتا۔ اور جو غضب کے سزاوار ہیں ان پر اپنا غضب نازل کرتا ہے۔ یہ سب کام اپنی صفت ربوبیت اور حکمت سے کرتا ہے۔ اور وہی انعام۔ رحمت۔ جود۔ عفو۔ مغفرت۔ ہدایت فرماتا اور توبہ قبول کرتا ہے غرض اس صورت میں بہت سے معارف اور علوم کے انواع۔ توحید اور ایمان کے حقائق مذکور ہیں۔ نماز پڑھنے والا سورت فاتحہ کے ختم کرنے کے بعد قرآن کریم کی کسی دوسری سورت کو پڑھتا ہے جو کہ رب العالمین کا کلام۔ شفاء الصدور۔ نور البصائر۔ حیات الارواح ہے جس سے انوار و برکات کے ایسے سرسبز باغوں کی سیر کرتا ہے جن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے اور میوے تیار ہیں اور ان میووں میں سے اوامر و نواہی معلوم کرنے سے خیر و برکت سے اپنے دامن کو مالامال کر لیتا ہے۔ اور ان سے حکمت۔ وعظ۔ نصیحت۔ اور عبرت کا سبق حاصل کرتا ہے یعنی تقریر و اثبات حق۔ تردید باطل اور شبہات کے ازالہ سوالات کے جواب مشکلات کی توضیح۔ فلاح و سعادت کے اسباب کی ترغیب۔ خسران و شقاوت

Marfat.com

کے اسباب سے اجتناب۔ ہدایت کی طرف دعوت اور ہلاکت سے باز رکھنا ان سب امور کا اس کلام معجز نظام سے استفادہ کرتا ہے۔ پس اس قلب پر وہ انوار نازل ہوتے ہیں جن سے مردہ دل اس طرح زندہ ہو جاتے ہیں جیسے بارش برسنے سے خشک زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ اور یہ انوار۔ قلوب کے لیے ایسے ہیں جیسے ارواح اجسام کے حق میں ہیں غرض کوئی نعمت۔ خوشی۔ فرحت۔ سرور اور آنکھ کی ٹھنڈک ہے جو اس مناجات میں حاصل نہ ہو اور اللہ سبحانہ اپنے بندے کا کلام جو اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور سنتا اور اس کے جواب میں یوں ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی میرے بندے نے میری ثنا کی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اس کے بعد نماز پڑھنے والا اللہ اکبر کہہ کر اللہ سبحانہ کی بزرگی بیان کرتا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے برتر اور بزرگ ہے پھر اس کی عظمت و جلال کے سامنے اپنی عاجزی اور اس کی عزت کے سامنے اپنی ذلت اور اس کے جبروت کے سامنے اپنی مسکینی ظاہر کرتا ہوا اس کے آگے اپنی پشت کو خم کرتا ہے اور اس حالت میں اس کے اسم عظیم کے ساتھ اسکی تسبیح بیان کرتا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی عظمت عبودیت کے حالات ذلت۔ عاجزی اور محتاجی وغیرہ سے منزہ ہے اور سر جھکا کر پشت "تا کیے ہوئے اپنے خضوع۔ ذلت کو خدا کی عظمت کے پیش کرتا ہے کہ تیری عظمت کے سامنے ہمیں یہ حالت شایاں ہے اور اللہ سبحانہ اس کے خضوع و ذلت کو دیکھتا اور اس کے کلام کو سنتا ہے۔ اور یہ حالت تعظیم اور اظہار جلال کا رکن ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکوع میں خدا تعالیٰ کی عظمت بیان کیا کرو۔ رکوع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے پھر قیام کی طرف لوٹتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ان محامد سے کرتا ہے جو نہایت کامل۔ جامع اور شامل ہیں یوں کہتا ہے کہ ثنا اور بزرگی کے شایان اسی کی ذات ہے۔ اور نیز اپنی عبودیت کا اقرار کرتا اور خدا تعالیٰ کی توحید کی شہادت دیتا اور یوں کہتا ہے کہ جو چیز وہ عطا کرے اسے کوئی رد کرنے والا نہیں اور جس چیز سے وہ محروم رکھے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ اور مالداروں کے پاس کتنے ہی مال اور صاحبان حشمت و جاہ کو کتنی ہی حشمت حاصل ہو خدا تعالیٰ کی اطاعت بغیر یہ کچھ کام نہیں آ سکتے۔

Marfat.com

پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں گرتا ہے۔ اور اپنے اشرف اعضا یعنی چہرہ کو اپنے مالک کے سامنے اپنی ذات۔ عاجزی اور مسکینی ظاہر کرنے کے لئے مٹی پر رگڑتا اور اسے خاک آلودہ کرتا ہے۔ اور بدن کے تمام اعضا یہانتک کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں اس عاجزی ظاہر کرنے اور اس تعظیم میں حصہ لیتی ہیں۔ اور یہ بات اس کے آداب میں سے ہے۔ کہ مصلّی کے بال اور اس کے کپڑے بھی سجدہ کریں اسی واسطے بالوں کو باندھنا یا کپڑوں کو سمیٹ رکھنا درست نہیں۔ بلکہ ان کو اپنی حالت و وضع پر چھوڑ دے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ پیشانی پر کچھ مٹی کا اثر و نشان ہو جائے اور مصلّی کی نظر سجدہ کرنے کی جگہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس ذات کے سامنے جس کے لئے تمام عزت اور عظمت ہے۔ پورے طور پر عاجزی اور ذلت ظاہر کرنے کے لئے اپنے تمام اعضاء میں سے اپنے سر کو نیچے کرتا ہے۔ اور جو حقوق اللہ سبحانہ کے بندے پر ہیں۔ ان میں یہ ایک ادنےٰ حق ہے۔ اگر پیدائش کے وقت سے لیکر آخری دم تک ہمیشہ اسی حالت اور سجدہ میں پڑا رہے۔ تو بھی اپنے مالک کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ پھر سجدے میں اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح کہتا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنی پستی کی حالت میں اللہ سبحانہ کے علو کو ذکر کرکے یہ تبلاتا ہے۔ کہ وہ اس حالت سے منزہ ہر چیز سے فائق اور اعلےٰ اور وہ ہر قسم کی پستی اور عیب سے پاک ہے۔ بلکہ وہ ہر طرح کے علو کے ساتھ موصوف ہے۔ اور چونکہ سجدہ میں بندے کی کمال درجہ کی عاجزی۔ ذلت اور انکساری پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں اپنے رب سے نہایت قریب اور نزدیک ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر کہ چونکہ اس حالت میں قرب مجیب سے نہایت قرب حاصل ہوتا ہے۔ سجدہ میں دعا کے اندر کوشش کرنیکا حکم ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (اور سجدے کرو یعنی نماز پڑھو اور قرب خدا حاصل کرو) اور سجدے سے پہلے رکوع کو سجدے کی تمہید کے لئے ادا کیا جاتا ہے

Marfat.com

کہ انسان ایک قسم کے خضوع سے اعلیٰ۔ اکمل اور رفیع الشان خضوع کی طرف بتدریج انتقال کرے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک رکن مقصودی مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس میں اللہ سبحانہ کی حمد وثناء اور بزرگی بیان کرے۔ اور اس رکن کے قبل اور بعد بھی خضوع ہے۔ اور جیسا کہ رکوع جو ایک خضوع اور عاجزی کی حالت ہے۔ حمد وثنا اور مجد کے بعد ہے اسی طرح سجدہ بھی جو خضوع اور پستی کی حالت ہے حمد وثنا کے بعد مقرر کیا گیا ہے۔ اس عجیب ترتیب اور عبودیت کے مراتب میں انتقال کرنے میں غور کرنا چاہیے کہ مصلی اللہ سبحانہ کے احسن اوصاف واسماء اور اکمل محامد کے ساتھ ثنا کرنے کے مقام سے اس ذات کے سامنے جس کے لئے یہ ثنا ہے اپنی عبودیت و تذلل کے مراتب کی طرف کس طرح بتدریج انتقال کرتا۔ اور ہر ایک مرتبہ کے مناسب اپنی عاجزی کا اظہار کرتا اور اس کی تعظیم بجالاتا۔ اور اپنے خضوع اور پستی کی حالت میں اللہ سبحانہ کی عظمت وعلو کو کس طور ظاہر اور بیان کرتا ہے اور چونکہ نماز کے تمام اذکار میں سے قرآن کا پڑھنا زیادہ افضل ہے اس واسطے اس کو مصلی کے اشرف حالات یعنی قیام میں مقرر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ ارکان فعلیہ میں سے سجدہ افضل ہے اس واسطے اس کو مکرر کرنا مشروع ہوا۔ اور اس کو رکعت کا خاتمہ اور غایت قرار دیا گیا۔ رکعت کے ارکان کا قرأت سے شروع اور سجود پر ختم ہونا قرآن کی سب سے پہلی صورت کے افتتاح اور اختتام کے مطابق ہے۔ کیونکہ جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس کے شروع میں قرآن پڑھنے کا حکم اور آخر میں سجدہ بجالانے کا امر ہے اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک جلسہ مقرر ہے کہ اس میں مصلی غلاموں کی طرح بیٹھ کر اپنے مالک سے مغفرت رحمت۔ رزق۔ ہدایت اور عافیت کا سوال کرے۔ اور یہ دعا دنیا اور آخرت

Marfat.com

کی تمام خیرات پر شامل اور حاوی ہے۔ ایک رکعت ختم ہونے پر پھر اسی طرح اسی
کو مکرر ادا کرنا اس لئے مقرر ہوا ہے کہ مصلی پہلی رکعت کے ادا کرنے سے دوسری
رکعت کی تکمیل کے لئے مستعد ہو جائے اور ہر پچھلی رکعت سے پہلی کے نقصان
کا تدارک کرے اور تاکہ قلب اس غذا سے خوب سیر ہو۔ اور اپنی دعا سے پوری
طرح حظ بردار ہو جائے۔ کیونکہ نماز قلب کے لئے غذا اور دوا دونوں کے قائم
مقام ہے۔ اور قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی آدمی نہایت بھوکا ہو اور وہ ایک
دو لقمے کھالے تو وہ اس کی بھوک کو کچھ روک نہیں سکتے۔ اور اسی طرح وہ بیمار کہ
جس کے دور کرنے کے لئے ایک کافی مقدار دوا کھانے کی ضرورت ہو اور مریض
کچھ تھوڑی سی دوا کھالے تو اس سے اس کا مرض بالکلیہ زائل نہیں ہو سکتا۔
گو مفید دوا کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ مگر مرض بالکل دور نہیں ہوگا۔ قلب کی
غذا اور شفا کے لئے نماز جیسی اور کوئی چیز مفید نہیں۔ نماز قلب کی صحت اور
قوت کے لئے ایسی ہے جیسے بدن کی صحت اور قوت کے لئے دوا اور غذا ہیں
پھر دو رکعتوں کو پورا کرنے کے بعد یہ حکم ہے کہ بندہ ذلیل و مسکین کی طرح اپنے
خالق کے حضور میں بیٹھ کر افضل تحیات کے ساتھ اس کی ثنا کرے پھر اس شخص
پر سلام کہے جو اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی ثناء کرنے والا اور جس نے امت کو
خدا تعالیٰ کی ثناء کرنے کی تعلیم دی۔ اس کے بعد اپنے آپ پر اور اللہ کے ان
تمام بندوں پر جو اس عبادت میں اس کے ساتھ شریک ہیں سلام کہے۔ اس
کے بعد اللہ سبحانہ کی توحید اور رسول صلعم کی رسالت کی شہادت بیان کرے
اس کے بعد دوبارہ اس شخص کے لئے دعائے رحمت کرے اور درود پڑھے جس
نے امت کو اس کار خیر کی تعلیم فرمائی اور اس کی طرف انکو راہنمائی کی ہے اس کے
بعد جب تک اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا ہے۔ اس سے اپنے

Marfat.com

ضروریات و حوائج کی دعا اور سوال کرے ۔ اور جب مصلی ان تمام کاموں سے فارغ ہو جائے ۔ تو اس کو اجازت ہے کہ ان لوگوں پر جو نماز میں اس کے ساتھ شریک تھے بسلام کہہ کر نماز سے باہر آجائے ۔ ان حالات کے علاوہ نماز کے اندر سلوک کے تمام اسرار و مقامات اول سے آخر تک موجود ہیں۔ سیر الی اللہ اور سلوک کے مراتب میں سے کوئی مرتبہ یا عارفین کے مقامات میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جو نماز کے ضمن میں موجود نہ ہو ۔ اور یہ جتنے اسرار و مصالح ہم نے بیان کئے ہیں مشتے نمونہ از خروارے یا قطرۂ از بحار کے طور پر ذکر کئے ہیں پس کوئی صاحب عقل یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ نماز ایک تکلیف محض ہے کسی حکمت یا غایت مقصودہ کے لئے مقرر نہیں ہوئی ۔ بلکہ صرف ایک کلفت اور مشقت ہے جو محض اللہ تعالےٰ کی مشیت سے بغیر کسی غرض اور فائدہ کے جبراً لازم کی گئی ہے ۔ دنیا یا آخرت کی کسی مصلحت کے حصول کے لئے ذریعہ اور سبب نہیں ۔ اس کے بعد شریعت کے بعض دیگر امور ان کے وسائل اور غایات میں غور کرنا چاہیے ۔ کہ ان میں کس قدر حکمتیں مقصودہ اور غایات محمودہ جن کے لئے وہ مشروع کئے گئے ہیں ۔ موجود ہیں ۔ اگر یہ امور نہ ہوتے تو آدمی چوپائے جانوروں طرح بلکہ ان سے بھی بری حالت میں ہوتے ۔ طہارت پر ہی نظر کرو کہ اس میں کتنی حکمتیں اور قلب اور بدن کے لئے بیشمار منافع موجود ہیں ۔ اس سے قلب میں فرحت ۔ اعضاؤں میں چستی پیدا ہوتی ہے بدن ہلکا اور گناہوں کے میل کچیل سے صاف ستھرا ہوتا ہے ۔ غرض طہارت قلب بدن اور روح کو صاف ستھرا کرنیوالی ہے اور غسل جنابت میں اور بہت سے منافع کے علاوہ یہ منفعت موجود ہے کہ بدن میں ہوشیاری اور تازگی پیدا ہوتی ہے ۔ اور جو کچھ بدن سے تحلیل ہوتا ہے اس کا بدل پیدا ہو جاتا ہے ۔ جو

Marfat.com

اور اعضائے وضو میں غور کرو کہ اس کے لئے وہ اعضاء مقرر کئے گئے ہیں جو عمل اور کسب کا ذریعہ ہیں مثلاً پہلے چہرہ کو دیکھو کہ نہایت نافع اور مفید ہے جس میں حواس اربعہ یعنی قوت سامعہ باصرہ۔ شامہ اور ذائقہ اور نیز قوت نطق موجود ہیں۔ اسکو محل وضو مقرر کیا ہے کیونکہ یہ قوی معاصی اور ذنوب کے صدور کا ذریعہ ہیں۔ پھر ہاتھوں کو وضو کے لئے اس واسطے مخصوص کیا ہے کہ یہ انسان کے دو بازو ہیں۔ جن سے چیزوں کو پکڑتا۔ لیتا اور دیتا ہے۔ اس کے بعد پاؤں کو وضو کے لئے اس واسطے خاص کیا ہے کہ آدمی ان کے ذریعہ چلتا پھرتا ہے۔ اور سر کے دھونے میں چونکہ بڑی مشقت اور تکلیف تھی۔ لہٰذا اس کے دھونے کے بجائے اس کا مسح مقرر ہوا۔ اور وضو میں یہ برکت رکھی ہے۔ کہ اعضائے وضو کے تمام گناہوں کو پانی کے قطرات کے ساتھ نکال دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بالوں اور چمڑے سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بروایت ابوہریرہؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جب بندہ مسلم یا مومن وضو کرنے لگتا اور چہرے کو دھوتا ہے۔ تو اس کے چہرے کے تمام گناہ جن کی طرف آنکھ سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں پھر جب ہاتھ کو دھوتا ہے تو ہاتھوں کے تمام گناہ جن کو ہاتھوں سے کیا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔ پھر جب پاؤں کو دھوتا ہے تو پاؤں کے تمام گناہ جن کی طرف پاؤں سے چلکر گیا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وضو کرنے والا گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور نیز صحیح مسلم میں عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے۔ کہ کہا رسول

Marfat.com

خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے تو اس کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گر جاتے ہیں۔ گناہوں سے پاک ہونا۔ وضو کے اعلےٰ فوائد اور حکمتوں میں سے ہے۔ اور منکرین حکمت و تعلیل کہتے ہیں۔ کہ وضو محض تکلیف، مشقت اور رنج کا باعث ہے۔ اس میں کوئی حکمت یا مصلحت نہیں جس کے لئے مقرر کیا گیا ہے حقیقۃ الامر یہ ہے کہ اگر وضو میں سوائے اس کے اور کوئی مصلحت و منفعت نہ ہوتی کہ وہ قیامت کے دن اس امت کی پہچان کی علامت ہوگا۔ یعنی اس امت میں سے وضو کرنے والے لوگوں کے ہاتھ۔ پاؤں اور چہرے روشن اور نورانی ہونگے۔ جس کے سبب وہ اور امتوں سے ممتاز ہو جائینگے۔ تو یہ مصلحت اس کے مشروع و مقرر ہونے کے لئے کچھ کم نہ تھی۔ اور نیز اگر طہارت میں صرف یہی حکمت و مصلحت ہوتی۔ کہ وضو کرنے والا اپنے ہاتھ پانی سے اور دل توبہ سے پاک کرکے اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہوتے۔ اس سے اپنا راز و نیاز رکھتے۔ اور بدن۔ کپڑا۔ اور دل سب چیزوں کو پاک صاف کرکے اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونے کے لئے مستعد اور تیار ہو جاتا ہے تو یہی مصلحت طہارت کی مشروعیت کے لئے کافی اور وافی تھی۔ اور چونکہ شہوت تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ ہر بال کے نیچے شہوت موجود ہے۔ لہذا غسل جنابت کے لئے یہ تاکید ہوئی۔ کہ جس طرح شہوت تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح تمام بدن کو دھونا ضروری ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے اسی واسطے یہ حکم ہوا کہ بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچانا چاہیے تاکہ شہوت کی حرارت کم ہو جائے۔ اور نفس سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ سبحانہ کے ذکر تلاوت قرآن۔ نماز پڑھنے

Marfat.com

اوراس کے دربار میں حاضر ہونے کی طرف۔ متوجہ ہوجائے۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اگر طہارت کے متعلق اس قسم کے فوائد و منافع کو کوئی بقراط جیسا شخص بیان کرتا تو اس کے پیرو ان کو بلا چون وچرا تسلیم کرتے اور ان کو بڑی وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان پر اپنی طرف سے اور حکمتیں اور فوائد اضافہ کرتے۔ اور چونکہ خارج از نماز بندے کے اعضاء اطاعت الٰہی سے خالی اور شہوات اور حظوظ نفسانی کی تحصیل میں پڑے ہوتے ہیں۔ لہذا حکم ہوا کہ تمام اعضاء کے ساتھ اپنے رب کی بندگی بجالائے اور ہر ایک عضو اپنے رب کی بندگی سے حصہ حاصل کرے۔ یعنی قلب بدن۔ جوارح حواس اور قوی سب کو اللہ سبحانہ کے سپرد کرے۔ اور ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ اور ماسوائے غافل ہو کر اس کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ اور اللہ سبحانہ کے حقوق میں کوتاہی اور اس کی جانب سے اعراض نہ کرے۔ اور چونکہ حقوق الٰہی میں کوتاہی اور اس کی طرف سے اعراض کرنا۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ لہذا حکم ہوا کہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس کی تعظیم بجالاتا رہے کہ مدت کے دراز ہونے سے اپنے مالک کو بھول اور اس کی طرف سے بالکل منقطع نہ ہوجائے اور چونکہ نماز تمام عبادات اور نعمتوں سے افضل اور انسان کے حسنہ ان ہدایا سے جن کو وہ اپنے مالک کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ اولیٰ اور بہتر تھی۔ لہذا نماز کے بار بار بجالانے کا حکم ہوا۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ خیال ہے کہ نماز محض ایک مشقت اور تکلیف ہے۔ اس میں کوئی حکمت یا مصلحت ملحوظ نہیں۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بغیر کسی مصلحت کے جبراً لازم کی گئی ہے۔ اور شریعت کے تمام امور کو اسی طرح خالی از حکمت و مصلحت شمار کرتے ہیں اور ان کے ادلہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔ کہ وہ سراسر غلط اور باطل ہیں۔ حالانکہ امور شرعیہ میں وہ حکمتیں اور مصالح ہیں۔ کہ جن حکمتوں اور مصالح کو تم معلوم کر چکے ہو۔ ان سے کئی درجہ زیادہ ہیں۔ کیونکہ

Marfat.com

جو حکمتیں اور مصالح تم کو معلوم ہوئے ہیں۔ وہ تم نے اپنی عقل اور سمجھ سے معلوم کئے ہیں۔ اور جو حکمتیں اور مصالح ایسے ہیں۔ جن کے ادراک سے تمہاری عقل اور فہم قاصر ہیں اور ان کے علاوہ ہیں۔ اور اگر ہم سب حکم و مصالح کو تفصیلاً بیان کریں تو اس مضمون پر کئی مستقل کتابیں تالیف کرنے کی ضرورت ہے۔ اس واسطے نمونہ کے طور پر ہم نے چند حکمتیں اور مصلحے کے بیان پر اکتفا کیا ہے ؛

تیئسواں جواب۔ جمادات۔ مختلف اجناس کے حیوانات جن کی شکلیں قد۔ صفات۔ منافع۔ قوی اور غذائیں جدا جدا ہیں۔ اور اسی طرح مختلف انواع کے نباتات ہیں وہ حکمتیں اور منافع موجود ہیں۔ جن کو علم طب۔ علم کیمیا۔ علم حیوانات اور علم نباتات کے ماہرین نے بیان اور سر در زمانے پر ان کا تجربہ کیا ہے۔ اور باوجود اس قدر جد و جہد کے ان کو پوری طرح معلوم نہیں کر سکے۔ جن منافع فوائد اور مصالح کو انہوں نے معلوم کیا ہے وہ ان منافع و فوائد کے لحاظ سے جو ان کو معلوم نہیں ہوئے۔ بہت ہی قلیل اور تھوڑے ہیں۔ اگر ان منافع و فوائد کے معلوم کرنے کے لئے تمام لوگ ملکر متفقہ کوشش کریں۔ تو بھی ہر فرد ایک نوع کے ان فوائد و منافع کو جو خالق نے اس میں ودیعت رکھے ہیں۔ پوری طرح معلوم نہیں کر سکتے۔ اور ان فوائد و منافع کے علاوہ جو ان میں موجود ہیں ان میں یہ حکمت و مصلحت موجود ہے۔ کہ یہ اپنے خالق کے وجود۔ اختیار مشیئت علم۔ قدرت۔ اور اس کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان میں غور کرنے سے انسان خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے صفات کا اس طرح علم حاصل کر سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کی اصل اور مادہ ایک ہے۔ اور ان مختلف شکلوں۔ گوناگون شکلوں اور طرح طرح کے منافع اور صفات کا موجب اور صفت مادہ واحد نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ مادہ کسی اور چیز کے ساتھ مرکب ہونے

Marfat.com

کے بعد ترکیب کے سبب ان مختلف انواع اور صورتوں کا سبب اور موجد
ہو۔ پس حیوانات اور نباتات کے انواع اور ان کی صورتوں اور شکلوں میں
اختلاف اور تفاوت کا موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی اس کی ربوبیت۔ قدرت
حکمت۔ علم اور اس کے فاعل مختار ہونے کی روشن اور ظاہر دلیل ہے۔ اور نیز مخلوقات
کے انواع کا دفعتاً فدفعتاً حادث اور موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے صفات
کی کامل دلیل ہے۔ اور ان ادلہ پر قرآن مجید نے بہت سے مواقع میں متنبہ کیا
ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ
مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ
بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (اور زمین میں
پاس پاس (کئی) قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت
جن میں بعض دو شاخے ہوتے ہیں۔ اور بعض دو شاخے نہیں ہوتے حالانکہ سب
کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھر بھی ہم بعض کو بعض پر پھلوں میں برتری
دیدیتے ہیں۔ بیشک جو لوگ عقل کو کام میں لاتے ہیں۔ ان کے لئے ان باتوں میں
(قدرت خدا کی بہتری ہی) نشانیاں موجود ہیں) و قال تعالیٰ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا
مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بیشک آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں
اور رات دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں
(یعنی مال تجارت) سمندر میں لیکر چلتے ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا
پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مرے (یعنی افتادہ ہوئے) پیچھے پھر زندہ

Marfat.com

(یعنی شاداب) کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہواؤں کے (ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر) پھرنے میں اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمانوں وزمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے (قدرت کی بہتیری) نشانیاں موجود ہیں) وقال تعالے وَمِنْ اٰیَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (اور آسمانوں وزمین کا پیدا کرنا۔ اور تمہاری بولیوں اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے) وقال تعالے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (کچھ شک نہیں کہ جو لوگ (بات کو) سنتے سمجھتے ہیں ان کے لئے ان واقعات میں قدرت خدا کی ایک بہت بڑی نشانی ہے) وقال تعالے هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (وہی قادر مطلق ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے کچھ تمہارے پینے کا ہے اور کچھ ایسا ہے کہ) اس سے درخت پرورش پاتے ہیں جنہیں تم (اپنے مویشیوں کو) چراتے ہو اسی پانی سے خدا تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے جو شخص سوچ سمجھ کر کام میں لاتے ہیں۔ ان کے لئے اس میں قدرت خدا کی ایک بڑی نشانی ہے وقال تعالے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ ہی نے تمام (چلنے پھرنے والے) جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے پھر ان میں (بعض) وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو دو پانوں پر چلتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے وہ

Marfat.com

ہیں جو چار یا زیادہ پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ ہر
چیز پر قادر ہے۔ اس آیت میں غور کرو کہ اللہ سبحانہ نے حیوانات کی چال کے
اختلاف سے گو ان کا اصل اور مادہ میں اشتراک ہے۔ ان کے اعضاء۔ اشکال
قویٰ۔ افعال۔ غذائیں اور رہنے کی جگہوں میں تفاوت اور اختلاف پر کس طرح
متنبہ فرمایا ہے۔ کہ دیکھو یہ سب اصل اور مادہ میں یکساں اور متفق ہیں اور پھر ان
میں کس قدر تفاوت اور اختلاف ہے ہم اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بیان
کرتے ہیں۔ مثلاً پرندوں کو دیکھو کہ وہ سب پرواز ہونے میں مساوی اور یکساں
ہیں۔ اور سب کو اڑنے والے جانور کہتے ہیں۔ اور باوجود اس کے فوائد۔ منافع
وغیرہ امور میں ان کے درمیان کس قدر تفاوت اور اختلاف ہے اور اسی طرح
سم دار جانور جیسا گھوڑا۔ گدھا۔ خچر وغیرہ سم دار ہونے میں سب شریک ہیں۔
اور اس کے سوا بہت سے امور میں باہم متفاوت اور مختلف ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس
کھردار جانور جیسے گائے۔ بکری۔ اونٹ وغیرہ سب کے سب کھردار جانور کہلاتے
ہیں۔ اور اس کے سوا کئی چیزوں میں ان کے درمیان اختلاف و تفاوت موجود
ہے۔ اسی طرح جتنے سینگ دار جانور ہیں۔ اس صفت میں یکساں ہیں۔
اور باوجود اس کے ان کی خلقت۔ منافع اور اشکال میں بہت بڑا تفاوت اور
اختلاف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس پانی میں رہنے والے جانور تیرنے۔ پانی میں رہنے
اور پانی کے اندر پیدا ہونے میں سب شریک ہیں اور ان کے سوا ان کے درمیان
اس قدر تفاوت اور اختلاف کثیر موجود ہے کہ انسان اس کے ادراک کرنے سے
عاجز ہے اور ان سب کا شمار ابھی تک نہیں ہو سکا۔ اور اسی طرح جنگلی جانور
آدمیوں سے دور رہنے اور ان سے متنفر رہنے میں سب یکساں اور شریک
ہیں مگر باوجود اس اشتراک کے ان کے صفات۔ اشکال۔ طبائع اور افعال میں اس

Marfat.com

قدر تفاوت عظیم ہے کہ آدمی اس کے معلوم کرنے سے عاجز اور قاصر ہے۔ اور اسی طرح پیٹ کے بل چلنے والے جانور اگرچہ اس امر میں شریک ہیں۔ مگر ان کے انواع کثیرہ بہت سے امور میں آپس میں مختلف اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اور اسی طرح دو پاؤں والے جانور اس صفت میں متحد اور موافق ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے انواع کے درمیان آپس میں بہت بڑا اختلاف موجود ہے۔ اور حیوانات کے ہر ایک نوع کے لئے اپنے مصالح کے حاصل کرنے اور مضر چیزوں سے بچنے کا وہ علم اور ادراک حاصل ہے جنہیں بہت سے امور انسان کو بھی معلوم نہیں۔ پس ان حیوانات کے پیدا کرنے میں بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ اس خالق واحد کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں۔ جو اپنی قوت قدرت اور حکمت کے ساتھ ان سب پر ایسا غالب ہے کہ سب کے سب اس کے مطیع۔ منقاد اور اس فطرت اور خلقت کے تابع ہیں جس پر خالق نے اپنی مشیت اور حکمت سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ بات اللہ سبحانہ کی قوت قاہرہ۔ حکمت بالغہ۔ علم تام کی ایک نہایت زبردست اور مضبوط دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قدرت۔ علم اور حکمت حیوانات کے ایک نوع پر مستولی ہے۔ وہی قدرت علم اور حکمت ان کے تمام انواع کو محیط ہے چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (اور وہ چیزیں پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے) اور نیز فرمایا ہے فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ (تو لوگو! جو چیز تم کو دکھائی دیتی ہے اور جو چیز نہیں دکھائی دیتی (جیسے جنات فرشتے وغیرہ) ہم تو سب ہی کی قسم کھاتے ہیں) غرض اللہ سبحانہ کے افعال کی تمام غایات اور سلسلہ خلق اور امر کی جمیع حکمتوں کا خلاصہ اور مجموع ایک غایت اور حکمت ہے جس کو سب غایات کا منتہی کہنا چاہیے۔ وہ غایت یہ ہے کہ حق تعالٰے کو اپنی الوہیت کے ثبوت کا

Marfat.com

اظہار مقصود ہے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اس کے سوا جتنے معبود ہیں سب
جھوٹے اور باطل ہیں۔ پس تمام غایات کی غایت یہی ایک امر ہے۔ اس کے بعد
دوسرے غایات جو اس غایت کے لئے رسیلہ اور اس غایت کے سوا کسی دوسری
چیز کے لئے غایت میں تبعاً ملحوظ ہیں۔ آیہ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (اور بیشک آخر
کار رب کو خدا تک پہنچنا ہے) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حقیقت میں اللہ
سبحانہ کی ذات کے سوا کوئی چیز مطلوب معلوم و مذکور نہیں۔ اس کے ماسوا سب
چیزیں معدوم محض ہیں۔ سلسلہ ہستی میں اللہ کی ذات اور اس کے مفعولات و موجودات
کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اور یہ تمام چیزیں اس کے افعال کے آثار میں اور اس کے
افعال اس کی صفات کے ثمرات ہیں اور اس کے صفات اس کی ذات کے ساتھ
قائم ہیں مطلب یہ ہے کہ ان حیوانات کے غایات مطلوبہ یہ ہیں کہ ان میں غور کرنے
سے عالم۔ فاعل۔ قادر اور حلیم واحد یعنی اللہ سبحانہ کے علم۔ فعل۔ قدرت اور
حکمت پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ ان تمام انواع کو اس کا علم۔ قدرت اور
حکمت حاوی اور محیط ہیں۔ اور سلسلہ خلق اور امر کی یہی ایک غایت ہے اور اللہ
سبحانہ کی توحید الوہیت کی یہ نہایت ظاہر دلیل ہے جس طرح کہ یہ سب خالق واحد
قادر واحد اور رب واحد نے پیدا کیے ہیں۔ اسی طرح اسکا علم اور حکمت ان کو محیط
ہے نیز توحید ربوبیت اور الوہیت پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ حیوانات کے مختلف
انواع ایک انتظام اور حکمت سے باہم جمع کئے گئے ہیں۔ اگر یہ کارخانہ اللہ سبحانہ
کے اختیار میں نہ ہوتا تو ان مختلف انواع کا اپنے اضداد کے ساتھ مجتمع ہونا دشوار
تھا۔ اور ان مختلف انواع کا باہم مختلط۔ ایک دوسرے کا محتاج اور معاون ہونا
اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ فاعل واحد اور رب واحد کے مصنوعات ہیں۔
اگر اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود اور رب اس کام میں شریک ہوتا یعنی

Marfat.com

بعض انواع کا خالق اللہ سبحانہ ہوتا۔ اور بعض کا کوئی دوسرا شخص خالق ہوتا تو یہ انتظام اس طور پر ہونا ناممکن تھا۔ دنیا کے بادشاہوں کو دیکھتے ہو۔ کہ ایک بادشاہ اپنے ماتحتوں کے لئے دوسرے بادشاہ کے نوکروں و ماتحتوں کا محتاج ہونا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اس کے شوکت وحشمت اور کمال اقتدار کے مخالف اور اس کے لئے نقص اور عیب ہے۔ تو وہ خدا یہ کس طرح پسند کرتے کہ ایک کی مخلوق دوسرے کی مخلوق کی محتاج ہو۔ جب وہ اس امر کو روا نہ رکھتے۔ تو انتظام عالم کی موجودہ صورت نظر نہ آتی اور ان کا ایک انتظام خاص پر موجود اور ترتیب مناسب پر واقع ہوتا۔ بعض امور میں باہم متفق اور شریک اور بعض میں ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہونا خدائے واحد کی الوہیت اور ربوبیت کی توحید۔ اس کے صفات کمال اور لغوت جلال پر دلالت کرتا ہے۔ تمام موجودات ایک ایسے لشکر کے مشابہ ہیں۔ کہ جس کا بادشاہ اور حاکم ایک ہو جو کہ بعض کی بعض سے حفاظت کرتا۔ اور بعض کے مصالح کا انتظام دوسرے بعض کے ذریعہ فرمانا اور ایک کی کمی دوسرے کے ذریعے پوری کرتا ہے۔ غرض ایک کو دوسرے سے امداد پہنچاتا اور دوسرے کو اس سے تقویت دیتا اور ایک حصہ کو کم کر کے دوسرے میں بڑھا دیتا ہے۔ رات کو گھٹا کر دن زیادہ کرتا اور دن کو کم کر کے رات بڑھا دیتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ ایک کو ہلاک کر کے اسی کی جنس میں سے دوسرا شخص اس کے قائم مقام کرتا ہے۔ پس دوسرے کا حادث اور نو پیدا ہونا اس بات کا شاہد ہے۔ کہ جس خالق اور موجد نے اس کو پیدا اور ایجاد کیا ہے وہی پہلے کا خالق اور موجد ہے۔ اس کی حکمت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اس کے علم میں کسی طرح کی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اور اس کی قدرت کچھ ضعیف اور کمزور نہیں ہو گئی۔ حوادث کی تبدیلی اور تغیرات سے اس کی ذات میں کسی قسم کا تغیر

Marfat.com

واقع نہیں ہوتا۔ اور ان کے فنا اور نیستی سے اس کی ذات فنا اور معدوم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ ہمیشہ زندہ۔ قائم۔ غالب اور صاحب حکمت ہے۔ یہ وہ حکمتیں اور مصالح ہیں۔ جو ان کے اجتماع کے لوازم اور بعض کے بعض سے مخلوط اور مرتبط ہونے کے انتظام کے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ ان افعال و آثار میں جو ان سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ حکمتیں اور مصالح اور غایات ہیں۔ جو ان انواع کی طرح حد و شمار سے باہر ہیں۔ مثلاً ایک جانور کی خلقت ہی کو دیکھو کہ اس میں کس قدر افعال و خواص ہیں۔ کہ اس کا معدہ غذا کی طرف مشتاق ہوتا۔ اور اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد جو اس کے لئے لوازم اور ضروریات ہیں۔ اور پھر ان ضروریات پر جو مصالح مرتب ہیں۔ یہ سب غور کے قابل ہیں۔ کہ دنیا کی آبادی کا دار و مدار ان ہی امور پر ہے۔ جب معدہ غذا کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تو اس کے بعد اس کو اس طرح پکاتا اور نضج دیتا ہے جس طرح ہنڈیا میں سالن پکتا اور تیار ہوتا ہے اس کے بعد غذا کو کئی دوسرے نضج لاحق ہوتے ہیں جن سے وہ بدن کے جمیع اجزا۔ قوی اور ارواح کے غذا بننے کے قابل ہو جاتی ہے۔ جب معدہ پہلا نضج دیتا ہے۔ جس سے وہ غذا سے اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ تو اس نضج میں جسقدر وہ اپنا حصہ لیتا ہے حصہ بدن کے دوسرے اجزا کے انتفاع کے لحاظ سے بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی اس نضج میں بدن کے باقی اجزا کے لئے زیادہ نفع پایا جاتا ہے۔ اور جب معدہ اپنا حصہ حاصل کر چکتا ہے تو بقیہ غذا کو اس عضو یعنی جگر کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ جو اس کا نہایت محتاج ہے اور وہ بغیر قصد اور ارادہ کے اپنی حاجت کے موافق لے لیتا ہے اور ان اعضا سے جو یہ کام صادر ہوتے ہیں یہ ان کے ارادہ اور قصد سے صادر نہیں ہوتے بلکہ اس اللہ سبحانہ کے قصد و ارادہ اور

Marfat.com

حکمت سے صادر ہوتے ہیں جو ہر چیز کو جاننے والا اور ہر ایک چیز پر قادر ہے یہ سب انتظام اور تدبیر اللہ سبحانہ کی حکمت اور لطف پر مبنی ہے۔ اس کے بعد جگر کا یہ کام ہے کہ وہ اس غذا کو بدن کے ایسے تنگ مقامات میں پہنچاتا ہے کہ جن میں اتنا راستہ اور منفذ نہیں ہوتا۔ کہ اس میں سوئی سما سکے۔ مگر وہ سب اجزائے بدن کی طرف انکی حاجت کے موافق پہنچا دیتا ہے۔ اور بدن کے ہر ایک جزو کا بقا اور درستی غذا کے پہنچنے پر موقوف ہے۔ اگر کسی جزو کو غذا نہ پہنچے تو وہ فاسد اور خراب ہو جائے۔ اور جگر کی طبیعت اور مزاج معدہ کی طبیعت اور مزاج کے موافق اور اس کا فعل اس کے فعل کے مشابہ ہے اور اسی طرح انتڑیاں اور باقی اعضا غذا کے تیار کرنے میں ایسے ہیں۔ جیسا جگر قلب کے لئے غذا تیار کرتا ہے اور قلب پھیپھڑے کے لئے اور پھیپھڑے کا یہ کام ہے کہ وہ قلب کی طرف ہوا پہنچاتا ہے اور اسکی اصلاح کرتا ہے۔ غرض ایک شخص میں جس قدر اعضا موجود ہیں۔ اگر ان میں اور ان کے منافع۔ افعال اور ان حکمتوں میں غور کیا جائے۔ جو ایک شخص کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے اسکی شکل۔ مزاج۔ وضع اور ترتیب اعضا وغیرہ دیگر صفات تو اس سے قطعی اور کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ چیز خالق واحد۔ مدبر واحد اور حکیم واحد کی پیدا کی ہوئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں نوع انسانی کے جس قدر اشخاص و افراد موجود ہیں۔ ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اس حکیم واحد کی صنعت ہے۔ جس نے اپنی حکمت سے بعض کو بعض کا معاون اور مددگار بنا دیا ہے۔ اور ایک دوسرے سے منتفع ہوتا ہے۔ کہ ہل چلانے والے کھیت والوں کا کام کرتے اور کھیت والے ان کی مدد کرتے ہیں۔ جولاہے درزی کے مددگار ہیں۔ اور وہ ان کا معاون ہے۔ بڑھئی معمار کے کام آتا ہے اور معمار اس

Marfat.com

کا کام دیتا ہے۔ بڑھئی درزی کا محتاج ہے تو وہ اس کا حاجتمند ہے مکان بنانے والے کو معمار کی ضرورت ہے تو معمار کو تعمیر کرانے والے کی حاجت ہے۔ کوئی اپنے ہاتھ سے دوسرے کی مدد کرتا اور کوئی پاؤں سے کوئی آنکھ سے۔ کوئی کان سے۔ کوئی زبان سے اور کوئی مال سے۔ اور چونکہ ایک آدمی اپنے تمام مصالح کے حاصل کرنے اور جمیع ضروریات کے بذات خود بہم پہنچانے پر قادر نہیں۔ اور نہ ایک شخص میں نوع انسانی کے تمام خواص پائے جا سکتے ہیں۔ لہذا نوع انسانی کے تمام اشخاص گویا ایک شخص ہیں۔ جن میں سے ایک دوسرے کے مصالح کا معاون ہے۔ اور مجموع افراد میں نوع انسانی کے تمام خواص۔ صفات۔ افعال۔ صنائع اور جو کچھ ان سے مطلوب ہے۔ موجود ہیں۔ اور ایک شخص میں تمام خواص کا پایا جانا دشوار ہے۔ کیونکہ ایک شخص تمام فضائل علمی۔ عملی۔ قوت اور بقاء کا جامع اور حاوی نہیں ہو سکتا۔ لہذا مجموع خواص نوع انسانی کے مجموع افراد میں خالق نے ودیعت رکھدئیے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے کمالات انسانی کو اس کے افراد میں ان کی قابلیت اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم فرمایا ہے۔ جو شخص جس کمال کے قابل تھا وہی اسے عطا فرمایا۔ اگر وہ اس سے اچھی اور عمدہ چیز کے قابل یا اس سے زیادتی اور ترقی کا مستحق ہوتا تو چونکہ اللہ سبحانہ جو اولذاتہ ہے تو اس کو وہی چیز عطا فرماتا اور زیادتی اور ترقی بخشتا۔ اللہ سبحانہ کا وجود اور خیر تمام عالم میں جاری ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے جس قدر جود اور خیر کا فیضان فرمایا ہے اللہ کا وجود و کرم کئی گنے اس سے زیادہ ہے اور وہ ہمیشہ آناً فاناً فیضان فرماتا رہتا ہے اور اسی طرح قیامت میں جب جنت میں اہل جنت کے داخل ہونے کے بعد جگہ فاضل رہجائیگی۔ تو جنت کے اس فاضل اور بچے ہوئے حصہ کے لئے ایک اور مخلوق پیدا کرے گا جن کو اس میں بسلائے گا

Marfat.com

اس کا فضل محل اور اس کی استعداد کی حیثیت سے فیضان ہوتا ہے۔ محل کا وجود اور اس میں استعداد پیدا کرنا اور پھر اس پر اپنے فضل کا فیضان کرنا یہ سب کچھ اسکی مشیت اور حکمت سے ہے اور چونکہ اس کا وجود اور فضل مخلوق کی حاجت اور ضرورت سے زیادہ ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کا وجود اور فضل فاضل اور بچا رہے۔ اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کی روشنی کہ حیوانات کے مصالح اور ضروریات اسکے بدوں سر انجام نہیں پاتے۔ مگر وہ بہت سی ایسی جگہوں میں بھی پائی جاتی جہاں حیوانات اور بنی آدم کو اسکی ضرورت نہیں۔ بارش۔ نباتات۔ ہوا اور کئی دوسری نعمتیں بھی اسی طرح ہیں کہ وہ ضروریات اور حوائج سے زائد ہیں اور یہ چیزیں یعنی روشنی وغیرہ اگرچہ حاجت سے زائد موجود ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں۔ بلکہ اگرچہ یہ حیوانات کی حاجت سے زائد ہیں۔ مگر ان میں بھی بہت سی حکمتیں۔ مصالح۔ عبرتیں اور اللہ سبحانہ کی عطا کے عام ہونے پر دلائلیں موجود ہیں۔ اور چونکہ جواد کریم کی نعمتیں مخلوق کی حوائج سے بڑھی ہوئی اور زائد ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ بہت سی نعمتیں مثلاً پانی کھانے کی چیزیں نباتات وغیرہ حیوانات کی حاجت کے لحاظ سے بیکار پڑی رہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب ان کی کوئی ضرورت نہیں تو پھر ان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ تو وہ شخص ایسا سوال کرتے میں جاہل اور ظالم ہے کیونکہ زمین اور اس پر جتنی چیزیں ہیں۔ ان کے پیدا کرنے کی حکمت ہر صاحب عقل پر ظاہر ہے۔ اور زمین کو دیکھو کہ وہ سب آباد نہیں بلکہ اس کا ایک تھوڑا سا حصہ آباد ہے۔ تو کیا وہ شخص یوں سوال کر سکتا ہے کہ زمین اتنی پیدا ہونی جتنی آباد ہے باقی زمین کا پیدا کرنا فضول اور بے سود ہے چونکہ اللہ سبحانہ کا وجود وسیع اور دائم ہے پس اس کا مقتضی یہی ہے کہ اس کی نعمتیں مخلوق کی حوائج سی زائد اور بچی رہیں۔ اور نیز یہ اسکے علم۔ قدرت اور

Marfat.com

حکمت کے لوازم سے ہے۔ غرض اشیا عالم اور ان کے احوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں ایک خدا کی مصنوعات و مخلوقات ہیں جو عالم۔ قادر اور حکیم ہے اور جس نے اپنی حکمت سے نظام عالم کو ایک نہایت اچھی صورت پر قائم اور اسکو ایک عمدہ حالت پر موجود کیا ہے۔ اور باوجودیکہ اس کی مخلوقات کی کوئی حد و شمار نہیں۔ مگر سب کے افعال کو وہ ایک ایسے سلسلے میں لایا ہے کہ ایک کو دوسرے سے مرتبط اور بعض کو بعض کا معاون و مددگار بنا دیا۔ اور بعض چیزوں کو دوسری چیزوں کے لئے غایات اور اسباب قرار دیا ہے۔ یہ سب باتیں اس امر پر شاہد ہیں کہ سب کا خالق اور رب ایک ہے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب داخل ہیں۔ خداتعالیٰ کے افعال کی کثرت ایک وقت میں مختلف افعال کا صادر ہونا۔ آناً فاناً ان کا صادر ہوتے رہنا۔ اور باوجود مخلوقات کے اسقدر کثیر ہونے کے ہر ایک کے ساتھ اس کے تصرفات کا خاص طور پر متعلق ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کافی دلیل ہیں۔ اور اس کے علم اور حکمت پر یہ امر دال ہے۔ کہ عالم کی یہ تمام چھوٹی بڑی چیزیں اس پر حکمت نظام میں داخل ہیں کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں یہاں تک کہ بدن کے چمڑے میں بالوں کے مسام منہ میں لعاب کے مترشح ہونے کی جگہیں اور ایسے چھوٹے حیوانات میں باریک رگوں کے راستے جو اپنے صغر کی وجہ سے اچھی طرح نظر نہیں آتے۔ اور بڑی سے بڑی چیزیں جیسی وہ ہوائیں جو بادلوں کو اٹھا کر اس خشک زمین کی طرف لے جاتی ہیں جسمیں گھاس پات کا نشان نہ ہو۔ پھر وہ بادل وہاں برستے اور اس میں طرح طرح کے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو کھا کر حیوانات زندہ اور تروتازہ رہتے ہیں۔ اور ان کے بعض اقسام کھانے اور بعض پینے اور دواؤں کے کام آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں انتظام عالم میں داخل ہیں۔ اسکو چھوڑ کر آفتاب

Marfat.com

ماہتاب اور ستاروں کے مسخر ہونے اور ان کے طلوع وغروب کے اختلاف پر نظر کرو جس سے رات دن اور سال کی دو مختلف فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ جن سے روئے زمین کی تمام اشیاء کے مصالح کا انتظام وابستہ ہے غرض جب تم سلسلہ عالم میں غور کروگے۔ تو ایسا معلوم ہوگا۔ کہ یہ عالم دنیا ایک آراستہ گھر کی مانند ہے۔ جس میں اللہ کے تمام بندے سکونت پذیر ہیں۔ آسمان اس کی چھت اور زمین بستر اور ستارے زینت اور آفتاب اس کا چراغ ہے رات آرام کرنے کا وقت ہے اور دن روزی کمانے کا۔ بارش ان کے پینے کے لئے اور زمین کی پیداوار ان کے لئے کھانا۔ دوائیں اور میوے ہیں۔ اور حیوانات ان کے خادم ہیں۔ جن میں سے بعض کھانے اور بعض سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کے چمڑوں سے لباس بنائے جاتے ہیں۔ جواہرات ان کے خزانے اور ذخیرے ہیں۔ غرض ہر ایک ضرورت کی چیزیں موجود اور مہیا ہیں نباتات کے مختلف اقسام سینکڑوں کام دیتے اور حیوانات کے مختلف انواع سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ امور اللہ خالق کی واحدانیت اور قدرت پر کافی دلیل ہے۔ آسمان کا نیلگوں رنگ ہونا محض اتفاقی امر نہیں بلکہ یہ اس کی کمال حکمت پر مبنی ہے کیونکہ تمام رنگوں سے یہ رنگ آنکھ کے لئے زیادہ موافق اور مفید ہے۔ اطبا نے لکھا ہے کہ جس شخص کی آنکھ کو کوئی عارضہ یا تکلیف پیش آئے تو وہ سبز یا سیاہ رنگ چیز کو ہمیشہ دیکھا کرے۔ اس لئے خدائے احکم الحاکمین نے آسمان کو نیلگوں بنا دیا تاکہ نظریں اس پر ٹھہر سکیں اور اس کی طرف دیکھنا نظر کو مضر نہ ہو۔ اس بات کو کہ اس قسم کا رنگ نظر کے لئے مفید ہوتا ہے۔ لوگوں نے فکر اور تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے۔ خالق حکیم نے ابتدائے خلقت ہی میں اس بات کو ملحوظ رکھ کر آسمان کو نیلگوں بنادیا آفتا

Marfat.com

گا اس انتظام سے طلوع اور غروب ہونا بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصالح موجود ہیں مثلاً رات اور دن کا پیدا ہونا کہ رات آرام کا وقت اور دن روزی کمانے کا وقت ہے اگر ہمیشہ رات ہی رات ہوتی۔ تو بنی آدم کے بہت سے ضروریات اور معیشت کے سامان معطل ہو جاتے آفتاب کے طلوع کرنے اور دن کے پیدا ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں وہ تو ظاہر و باہر ہیں۔ لیکن آفتاب کے غروب ہونے اور رات کے آنے کی حکمتیں بھی قابل غور ہیں۔ اگر آفتاب غروب نہ ہوتا تو آدمی کو کسی وقت راحت، آرام اور سکون میسر نہ ہوتا۔ اور ہر وقت کام میں مشغول رہنے سے بدن بہت جلد کمزور ہو کر مٹ مٹا جاتے۔ اس کے علاوہ آفتاب کی دائمی حرارت کی وجہ سے روئے زمین کی تمام چیزیں کیا حیوانات اور کیا نباتات سب جل کر نیست و نابود ہو جاتیں۔

خالق عالم کی حکمت دیکھو کہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو باوجودیکہ وہ دونو ایک دوسرے کی ضد ہیں عالم کے نظام، درستی اور اس کے قیام کے لیے ایک کو دوسرے کا معاون اور مددگار بنا دیا ہے اور اسی طرح آفتاب کے ارتفاع اور انحطاط میں بھی خالق نے کئی حکمتیں اور مصلحتیں ودیعت رکھی ہیں۔ مثلاً سال کی چار فصلیں ربیع، صیف، خریف اور شتا اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ان میں طرح طرح کے منافع و مصالح پائے جاتے ہیں کہ جاڑے اور دوسری کے موسم میں زمین کی حرارت اس کے اندر گھس جاتی ہے اور نباتات اور درختوں میں پھلوں اور میووں کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بخر ہوا کو سردی پہنچنے کی وجہ سے اس سے بادل پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان سے بارش برستی ہے جس سے حیوانات کے قویٰ اور افعال حیوانات اور زمین سے اگنے والے تمام چیزیں زندہ اور تازہ ہو جاتی ہیں اور حیوانات کے قویٰ اور افعال طبیعیہ میں ایک قسم کی قوت اور شدت پیدا ہو جاتی ہے اور موسم ربیع میں درختوں اور نباتات کے طبائع میں ایک طرح کا جوش اور حرکت

Marfat.com

پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب سے وہ مواد جو جاڑے میں اندر چھپے ہوئے تھے باہر نکل آتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں ہوا گرم ہو جاتی ہے جس کے باعث پھل اور میوے پختہ ہو کر تیار ہو جاتے ہیں اور حیوانات کے بدنوں کے فضلے تحلیل پاتے ہیں اور زمین کی سطح خشک ہو جاتی ہے۔ اور مکان وغیرہ بنانے کا موقع ملتا ہے اور موسم خریف میں ہوا معتدل اور صاف ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے گرمی کی شدت اور لُو سے امان نصیب ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کا بیان کرنا دشوار ہے اور اسی طرح آفتاب کا متحرک اور منتقل ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں اگر آفتاب ایک جگہ پر ٹھیرا رہتا تو عالم کے بہت سے مصالح بگڑ جاتے اور عالم کے کئی اطراف اور جہات میں اسکی شعاع اور روشنی نہ پہنچتی۔ اور بہت سی چیزیں ہمیشہ سایہ میں رہنے کی وجہ سے خراب ہو جاتی۔ مثلاً جن چیزوں کے آگے پہاڑ اور مکانات وغیرہ ایسی چیزیں حاجب ہو جاتی۔ وہ ہمیشہ سایہ میں رہتیں۔ لہٰذا خالق حکیم کی حکمت نے یوں چاہا کہ شروع دن میں آفتاب مشرق سے طلوع کرے تاکہ وہ چیزیں جو اس کے بالمقابل مغرب کی جانب واقع ہیں۔ اُن پر اُس کی روشنی پڑے پھر بتدریج حرکت کرتا ہوا مغرب میں جا کر غروب کرے تاکہ وہ چیزیں جو طلوع کے وقت سایہ میں تھیں اُن پر بھی اس کی روشنی اور شعاع کا اثر پڑے۔ اور اس طرح تمام جہات اور سب چیزیں اس کی روشنی سے نفع حاصل کریں۔ علیٰ ہذا القیاس رات اور دن کا ایک محدود مقدار پر ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی رات یا دن نہایت طویل و دراز ہوتا تو بہت سے مصالح اور منافع معطل ہو جاتے۔ اور نظام عالم بگڑ جاتا۔ اسی طرح ماہتاب کا پہلے پہل تاگے کی طرح باریک نظر آنا۔ اس کے بعد تدریجاً زیادہ ہوتے ہوتے ماہ کامل ہو جانا

Marfat.com

پھر گھٹنے لگنا۔ اور کم ہوتے ہوتے پہلی حالت پر آجانا۔ اس میں بھی بہت سی حکمتیں اور مخلوق کی مصلحتیں و منافع موجود ہیں کیونکہ لوگ اس کے ذریعہ سے مہینے، سال، میعادیں، حج کے مہینے، تاریخیں، عمروں کی مقدار اور اجارہ، قرض وغیرہ معاملات کی مدتیں معلوم کرتے ہیں۔ اور اگرچہ یہ چیزیں آفتاب کی حرکت کے حساب سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر اس سے وہی لوگ معلوم کر سکتے ہیں جو حساب دان ہوں۔ اور چاند کا حساب ایسا آسان ہے کہ اس کو ہر جاہل اور عامی بھی سمجھ سکتا ہے علی ہذا القیاس، چاند اور ستاروں کا رات کی تاریکی میں منور اور روشن ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اگرچہ حیوانات کے آرام ہوا کے ٹھنڈا کرنے کے لیے رات اور اس کی تاریکی کی ضرورت تھی۔ مگر تاہم اس کو محض تاریک اس لیے نہیں بنایا کہ اگر رات بالکل اندھیری ہوتی۔ تو پھر اس میں سفر اور کام کاج کرنا دشوار ہو جاتا۔ اور اکثر اوقات دن کے چھوٹا ہونے، وقت کی تنگی یا گرمی کی شدت کی وجہ سے آدمیوں کو رات کے وقت کام کرنا پڑتا ہے۔ اور چاند کی روشنی میں بہت سے کام کر لیتے ہیں۔ اور چاند کی روشنی اس لیے ٹھنڈی بنائی ہے تاکہ آفتاب کی روشنی کی حرارت کا مقابلہ کرے اور دن کی گرم ہوا کو ٹھنڈا بنائے اور ہر ایک دوسرے کی اپنی ذاتی حرکت کی کیفیت کی تیزی کو کم کرکے اس کے ضرر کو دور کر دے جس سے ایک حالت معتدل پیدا ہو جائے۔ اور اسی طرح ستاروں کے پیدا کرنے میں بھی کئی حکمتیں اور مصالح ہیں۔ دریا اور خشکی میں ان کے ذریعہ سے لوگ راستہ معلوم کرتے اور اوقات پہچانتے ہیں۔ اس کے علاوہ آسمان کے لیے باعث زینت ہیں۔ ان میں اور بھی کئی مصالح ہیں جو محض اتفاق سے جیسا کہ منکرین حکمت کا خیال ہے حاصل نہیں۔ اور خالق حکیم نے اپنی حکمت سے کواکب کو دو قسم بنایا ہے۔ ایک وہ جو کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں، اور وہ جو ہمیشہ ظاہر رہتے ہیں۔ اور ان کو

Marfat.com

اس لیے ظاہر بنایا ہے کہ گویا وہ نشان ہیں جن کو دیکھ کر راستوں کے ناواقف لوگ سفر طے کرتے اور منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔ اور قسم اول میں یہ مصلحت موجود ہے کہ ان کے ظاہر ہونے سے آدمی ان امور کا پتہ لگاتے ہیں، جو عادۃً ان کے ظاہر ہونے کے وقت پائے جاتے ہیں۔ غرض دونوں قسم میں مصلحت وحکمت موجود ہے۔ ان کے علاوہ ان میں وہ حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جن کے معلوم کرنے سے انسان کی عقل قاصر ہے۔ غرض اللہ سبحانہ نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا۔ حوادث ارضیہ کے نظام کو اجرام علویہ سے اسی طرح وابستہ کیا ہے کہ عقول بشریہ اس کا ایک شمہ کما حقہ معلوم کرنے سے عاجز ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اپنے دماغی اور ذہنی قویٰ کو اس کے معلوم کرنے کی دھن میں صرف کر دیا مگر بہت تھوڑا سا پتہ چلا۔ بلکہ جو کچھ معلوم کیا۔ اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں جو ان پر مخفی رہا۔ خالق حکیم نے ایک اور لحاظ سے ستاروں کے دو نوع بنائے ہیں ایک وہ جو ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ یعنی فلک کے جس جزو میں گڑے ہوئے ہیں اسی میں ثابت رہتے ہیں۔ وہ صرف فلک کی حرکت سے متحرک ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی اپنی ذاتی حرکت نہیں۔ (اور ان کو ثوابت کہتے ہیں) دوسری نوع وہ ہے جو کسی خاص جگہ پر قائم نہیں رہتے بلکہ تمام بروج میں منتقل ہوتے اور فلک کی حرکت کے سوا وہ اپنی ذاتی حرکت بھی کرتے ہیں۔ ان کو سیارہ کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے دو مختلف حرکتیں ہیں۔ ایک سب کے لیے عام ہے کہ فلک کی حرکت سے مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہیں ان کی حرکت اور دوسری ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ مغرب سے مشرق کی طرف ہے ان کی حرکت اس چیونٹی کی حرکت کے مشابہ ہے۔ جو چکی کے پاٹ پر گھوم رہی ہو۔ اور چکی داہنے طرف پھرتی اور چیونٹی بائیں جانب جاتی ہو۔ اس حالت میں چیونٹی کے لیے دو مختلف حرکتیں ثابت ہیں۔ ایک اپنی ذاتی حرکت جس سے آگے جا رہی ہے

Marfat.com

اور دوسری چکی کی وجہ سے قسری حرکت ہے جس سے پیچھے کو ہٹتی ہے ان ستاروں کے لیے دو مختلف حرکتیں ثابت ہیں وہ ایک خاص انداز اور معین مقدار پر واقع ہیں جس میں یہ فوراً آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ تعجب ہے کہ منکرین حکمت کا یہ خیال ہے کہ یہ تمام نظام اور سلسلہ محض اتفاقی طور پر واقع ہے۔ اس میں کوئی حکمت یا مصلحت مقصود نہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اس میں کون سی حکمت اور مصلحت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مصنوعات الٰہی کے بہت سے مصالح اور حکم بیان ہو چکے ہیں۔ پس جس قدر مصالح اور حکم معلوم ہیں ان کو اُن حکم و مصالح کی دلیل بناؤ جو معلوم نہیں ہوئے اور ایسا نہ کرو کہ جن مصالح و حکم تک عقل انسانی نہیں پہنچ سکتی اور وہ مخفی اور نامعلوم ہیں۔ ان کے نہ جاننے کو مصالح و حکم کے بطلان کی دلیل ٹھہراؤ۔ منجملہ ان حکمتوں کے جو اُن کی حرکت میں موجود ہیں۔ ایک یہ حکمت ہے کہ اگر کواکب سب کے سب ثابت ہوتے تو وہ باتیں معلوم نہ ہوتیں جو حرکت کرنے والی حرکت اور برج میں منتقل ہونے سے معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ بہت سے امور حوادث کے وجود پر سورج، چاند اور ستاروں کی حرکت سے پتہ لگایا جاتا ہے اور اگر سب کے سب متحرک ہوتے تو پھر ان کی حرکت کے لیے کوئی مقام اور منزل متعین نہ ہوتی اور نہ کوئی ایسا نشان ہوتا جس سے حرکت کا اندازہ کیا جاتا۔ کیونکہ سیارات کی حرکت ثوابت کے لحاظ سے اندازہ کی جاتی ہے جیسا زمین پر چلنے والے کی حرکت اُس کے مکان کے لحاظ سے معلوم کی جاتی ہے۔ غرض اگر سب ایک حالت پر رہتے تو نظام عالم کی موجودہ صورت جو حکمت الٰہی کا مقتضی ہے بگڑ جاتی۔ پس یہ عزیز علیم کی تقدیر اور رب حکیم کی صفت ہے۔ کسی صاحب بصیرت کو اس امر میں کس طرح شک ہو سکتا ہے کہ یہ تمام سلسلہ اُس مقدر حکیم کی تقدیر ہے جس نے اپنے مصنوعات کو نہایت خوبی کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنایا۔ اور اس کے

Marfat.com

جملہ امور پُرازحکمت ہیں وہ حکمتیں مصالح اور مخلوقات کے منافع جو مصنوعات میں
ہیں موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت کی ایک نہایت قوی دلیل ہیں۔ خلاصہ کلام یہ
ہے کہ عقل و فطرت اِس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کی حکمت کی باہو قدرت
قاہرہ اور اس کا علم تام اور محیط ہیں۔ اُس نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا۔ اور کسی
شئے کو حکمت سے خالی نہیں پیدا کیا۔ اور اسی طرح گرمی اور سردی کے بالتدریج
آنے میں حکمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں حیوانات اور نباتات کا قیام ولبقا اسی
صورت میں متصور ہے کہ گرمی کے بعد سردی بالتدریج ہو اور سردی کے بعد دفعۃً
گرمی پیدا نہ ہو۔ بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً پیدا ہو۔ اگر ایک دوسرے کے بعد دفعتہً
پیدا ہو جاتی تو حیوانات اور نباتات اس کے متحمل نہ ہوسکتے۔ اور تدریجاً پیدا
ہونے میں بغیر کسی ضرر اور نقصان کے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب
اشیاء یعنی گرمی، سردی وغیرہ بذریعہ ایسے اسباب کے پیدا ہوتی ہیں۔ جو حکم اور
مصالح کا منشا ہیں۔ حکمت کے اثبات سے سبب کا بطلان اور سبب کے
اثبات سے حکمت کا عدم اور نہ حکمت اور سبب دونو کے ثابت کرنے سے
مشیت الٰہی کا انکار لازم آتا ہے۔ پس جو لوگ حکمت، سبب اور مشیت الٰہی
میں سے کسی ایک کے اثبات سے دوسرے کا انکار کرتے ہیں۔ وہ عقل اور
علم شریعت سے بے بہرہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس آگ کے پیدا کرنے اور اس آگ
کو اُن چیزوں کے اندر جن میں پیدا کی گئی ہے پوشیدہ رکھنے میں کئی حکمتیں اور
مصالح موجود ہیں۔ اگر آگ مٹی ہوا اور پانی کی طرح ظاہر ہوتی۔ تو عالم کی تمام
چیزوں کو جلا کر راکھ کر دیتی۔ اور چونکہ ضرورت کے وقت اُس کا ظاہر ہونا بھی
ضروری تھا۔ لہٰذا خالق حکیم نے اس کو اجسام کے اندر اس طور پر پوشیدہ رکھا
ہے کہ ضرورت کے وقت جلانے سے ظاہر ہو جاتی اور حاجت کے موافق ایندھن
اور لکڑیاں میں باقی رہتی۔ اور پھر جب ضرورت نہ رہے تو بجھ جاتی ہے۔ خالق

Marfat.com

نے اس کو ایسی خلقت اور انداز پر بنایا ہے کہ اس سے نفع حاصل ہوجاتا اور اس کے ضرر سے بچا ؤ رہتا ہے۔ آگ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کو صرف آدمی استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے حیوانات آگ استعمال نہیں کرتے اور نہ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ اور چونکہ حکمت الٰہی کا یہی مقتضی تھا اس لیے حیوانات کو کھانے اور پہننے کے وہ سامان دیدیئے ہیں کہ ان کو آگ کی ضرورت ہی نہیں۔ لباس کے بجائے ان کے بدن پر بال اور پشم پیدا کئے گئے اور اُن کی غذائیں ایسی چیزیں بنائی گئیں جن کو پکانے اور طبخ دینے کی حاجت نہیں اور چونکہ انسان اپنے بہت سے کاموں میں آگ کا سخت محتاج تھا اس لیے خالق نے وہ سامان پیدا کردیئے کہ جن کے ذریعہ جب چاہے اس کو روشن کرے اور جب چاہے بجھا دے۔ آگ کا ایک یہ فائدہ ہے کہ اس سے چراغ روشن کرکے آدمی رات کو اپنے بہت سے کاموں کو سرانجام دیتے اور اپنی کئی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اگر آگ نہ ہوتی اور چراغ روشن نہ کئے جاتے، تو آدمیوں کی آدھی عمر بالکل مُردے کی طرح ہوتی۔ غذائیں پکانے۔ دوائیں تیار کرنے۔ گرمی پہنچانے وغیرہ کاموں میں جو آگ کے فوائد ہیں کسی پر مخفی نہیں اور اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں ان فوائد پر متنبہ فرمایا ہے۔ قال تعالٰے أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ (بھلا دیکھو تو سہی یہ) آگ جو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو جس کی لکڑیاں اس میں جلائی جاتی ہیں، تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں، ہم نے آگ کو دوزخ کی آگ یاد دلانے اور مسافروں کے فائدے کے لیے بنایا ہے) تذکرہ سے یہ مطلب ہے کہ یہ آگ دوزخ کی آگ کو یاد دلاتی ہے پس اس سے بچنے کی فکر کرلی

Marfat.com

چاہیئے۔ اور آگ کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے وہ مسافر اچٹیل میدان اور خالی جنگل میں اترے ہیں، نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور ان مسافروں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا ہے، کہ یہ لوگ اپنے کھانے پکانے میں آگ کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں کیونکہ جنگل میں دکانیں اور بازار نہیں ہوتے کہ کھانے کی چیزیں مول لیکر اپنا گذارہ کرلیں اور خود پکانے کی حاجت اور آگ کی ضرورت نہ ہو۔ ایسی جگہ پر آگ کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہوا کے پیدا کرنے میں خالق حکیم نے کئی حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں، حیوانات کی زندگی اور بقا کا دار و مدار اسی پر ہے۔ آواز کو کان تک یہی پہنچاتی ہے۔ اچھی یا بُری بُو قوت شامہ تک اسی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے کہ یہ اُس کو بتدریج ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کرکے قوتِ شامہ تک پہنچاتی ہے اور جس طرح کہ اونٹ اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں اٹھاتے ہیں اسی طرح یہ بھی بادلوں کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے۔ ہوا جب پہلے پہل بادل کو چلاتی ہے تو اُس کے متفرق ٹکڑے ہوتے ہیں، پھر دوبارہ اُن کو جمع کرتی ہے کہ وہ سب مل کر ایک تہ بن جاتے ہیں۔ اِس کے بعد اُس کو پانی سے اِس طرح بوجھل کرتی ہے۔ جس طرح کہ حیوانات میں نر مادہ کو بوجھل کرتا ہے اور یہ اس سے اور وہ اس سے حملدار ہو جاتی ہے پھر اس کو ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں نباتات اور حیوانات کو پانی کی سخت ضرورت ہے۔ اور وہاں لیجا کر اُس کے پانی کو نچوڑتی ہے جس سے اُس کا تمام پانی خارج ہو جاتا ہے اور پھر اس پانی کو متفرق طور پر قطرہ قطرہ کرکے پھیلاتی ہے تاکہ وہ دفعتہً نہ گرے۔ اور یکبارگی گرنے سے وہ چیزیں جن پر گرے، ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد نباتات کو بڑھاتی ان کی تربیت کرتی اور اُن کے حق میں پانی اور غذا کا کام دیتی ہے۔ پھر انکو اپنی حرارت سے خشک کرتی ہے، تاکہ متعفن نہ ہو جائیں اور کچھ عرصہ تک ان کا بقا ہو سکے۔

Marfat.com

اور اسی واسطے اللہ سبحانہ کی حکمت کاملہ کا یہ مقتضی ہے کہ ہواؤں کے طبائع، صفات اور جہات مختلف ہوں جن سے یہ مختلف کام سرانجام پذیر ہو سکیں، مگر منکرین حکمت کا خیال ہے کہ یہ سب محض اتفاقی امور ہیں۔ انکے لیے کوئی سبب اور غایت نہیں، اور اگر ہم تمام مصنوعات کے مصالح و منافع بیان کرنے لگیں۔ تو اسکے لیے ہی دفتر چاہیے۔ بلکہ اگر صرف ایک انسان کی خلقت اور اسکی حکمتیں و مصالح کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کریں تو میری کیا ہستی ہے۔ تمام اہل زمین ان کو بالتفصیل معلوم کرنے سے عاجز آجائیں۔

اس واسطے ہم اسی قدر پر اکتفا کر کے چوبیسواں جواب بیان کرتے ہیں۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ ابلیس اور اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس میں وہ حکمتیں ہیں کہ اللہ سبحانہ کے سوا انکی تفصیل سے کوئی واقف نہیں۔ اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے انبیاء اور اولیاء کو مراتب عبودیت کے کمال کو اس طرح پہنچائے کہ وہ اس اللہ کے دشمن اور اس کی جماعت کے ساتھ جہاد ان کی مخالفت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ذلیل کریں۔ اور اسکے دوستوں کو غیظ و غضب میں لائیں۔ اس سے خدا کی پناہ مانگیں اور اپنے اللہ سے سوال کریں۔ کہ وہ اپنے فضل سے اس کے شر اور فریب سے بچائے۔ اور اس کے وجود پر انبیاء اور اولیاء کے حق میں وہ دینوی اور اخروی مصالح مترتب ہوں۔ جو اس کے وجود کے بدوں متصور نہ تھے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو۔ وہ اس کے بدوں موجود نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ ابلیس کے حال کے مشاہدہ اور مرتبہ ملکی سے مرتبہ ابلیسی میں گرنے کو دیکھ کر ملائکہ اور مومنین اپنے گناہوں سے ڈرتے ہیں۔ اور ان کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا کمال درجہ خوف پیدا ہو۔ اور اس میں کچھ شک نہیں، کہ جب ملائکہ نے ابلیس کے حال کو دیکھا تو ان کے نفوس میں پہلے سے زیادہ خوف پیدا ہوا۔ اور خدا کے سامنے

Marfat.com

اپنی عاجزی۔ عبودیت اور خضوع زیادہ کرنے لگے۔ اس کی مثال اس طرح ہوسکتی ہے کہ جیب دنیا کا کوئی بادشاہ یا حاکم اپنے خواص میں سے کسی کو سخت ذلیل اور خوار کرے تو اس کو دیکھ کر سب کے دلوں میں بہ نسبت سابق خوف اور ہیبت زیادہ ہوجاتا ہے۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے اس کو ان لوگوں کے لیے باعثِ عبرت بنایا ہے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے۔ اُس کی طاعت سے ناک چڑھاتے۔ اور اُس کی نافرمانی پر جمے رہتے ہیں جیساکہ آدم علیہ السلام کے گناہ کو اُن لوگوں کے لیے باعث عبرت بنایا جو اس کام کے مرتکب ہوں جس سے اس نے منع کیا یا اس کے حکم کی نافرمانی کریں۔ اور پھر تائب اور نادم ہوں۔ اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کریں۔ خالق حکیم نے جنات کے باپ شیطان اور انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کو گناہ میں مبتلا کرکے دونوں کو دوسرے لوگوں کے لیے باعث عبرت بنایا۔ شیطان کو تو لوگوں کے لیے عبرت ٹھیرایا جو ہمیشہ خدا کی نافرمانی پر اصرار کرتے ہیں اور آدم علیہ السلام کو ایسے لوگوں کے واسطے عبرت بنایا۔ جو گناہ کرنے کے بعد توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھو اس میں اللہ سبحانہ کی کتنی حکمتیں کاملہ اور آیاتِ ظاہرہ موجود ہیں۔ اور ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس کو اپنے بندوں کے پرکھنے اور امتحان کے لیے کسوٹی بنایا ہے۔ تاکہ اچھے اور بُرے ممتاز ہوجائیں چونکہ اللہ سبحانہ نے نوع انسانی کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور مٹی کے مختلف اقسام ہیں۔ کوئی سخت اور کوئی نرم۔ کوئی عمدہ اور کوئی خراب۔ اور یہ ضرور ہے کہ انسان میں اس کے مادے کا اثر ظاہر ہو جیساکہ حدیث مرفوع میں ہے جس کو ترمذی نے روایت

Marfat.com

کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا کیا۔ جس کو تمام زمین سے لیا گیا۔ اسی واسطے بنی آدم مختلف طرح پر ہوتے ہیں کوئی اچھا، کوئی بُرا۔ کوئی نرم مزاج اور کوئی تند خو وغیرہ۔ غرض جو کچھ مادہ اصلی میں ہو اُس کا اثر مخلوق کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہوا کہ اس کے آثار کا ظہور ہو۔ اور اس کے لیے کوئی سبب ہونا چاہیئے۔ جو ان کو ظاہر کرے۔ اس لیے ابلیس کو کسوٹی بنایا۔ جس سے کھرا کھوٹا اور بھلا۔ بُرا اُنتر جائیں جس طرح کہ انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کو بھلا۔ بُرا ممتاز کرنے کے لئے کسوٹی بنایا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (منافقون) اللہ ایسا نہیں کہ جس حال میں تم ہو اچھے بُرے کی تمیز کے بدوں اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ ملا جلا رہنے دے) اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور ان میں دونو قسم کے لوگ اچھے اور بُرے موجود تھے۔ پس اللہ کے نیک اور صالح بندے تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہو گئے۔ اور بُرے لوگ شیطان کے ساتھ مل گئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے یوں چاہا کہ دنیا جو کہ امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اس میں سب نیک اور بد مخلوط اور ملے جلے رہیں اور پھر جب دار قرار میں جائینگے تو دونو فریق کے لیے علیحدہ علیحدہ مکان ہوں گے۔ صلحا اور نیکو کاروں کے لئے جنت اور نجار بدکاروں کے واسطے جائز نہیں۔ واسطے دوزخ تیار ہوگا۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کی قدرت کا کمال ظاہر ہو کہ وہ جبرائیل ملائکہ جیسی اشرف مخلوق اور ابلیس اور شیاطین جیسی شر مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے اور یہ اس کی قدرت مشیت

Marfat.com

اور مملکت و غلبہ کی ایک نہایت زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اضداد کو پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے آسمان اور زمین۔ اُجالا اور اندھیرا۔ بہشت اور دوزخ۔ آگ اور پانی گرمی اور سردی۔ پاک اور پلید۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ ایک ضد کے پیدا کرنے سے دوسری ضد کا کمال اور حسن معلوم ہو۔ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کی خوبی اُس کی ضد کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر بدشکل لوگ نہ ہوتے تو خوبصورتوں کی قدر کون کرتا۔ اگر فقر اور تنگدستی نہ ہوتی۔ تو غنا اور تونگری کی نعمت کی قدر کیسے معلوم ہوتی ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے۔ اللہ سبحانہ کو محبوب ہے کہ اس کے بندے اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ سبحانہ کے پیارے بندوں کو شکر کا مرتبہ ابلیس اور اُس کی جماعت کے موجود ہونے اور ان کے سبب امتحان اور آزمائش میں پڑنے سے حاصل ہوا ہے۔ شکر کے وہ انواع جو ان کے موجود ہونے سے حاصل ہوئے ہیں۔ ان کے بدوں ہرگز حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ آدم علیہ السلام جنت سے نکالا جانے سے پہلے اگرچہ اللہ سبحانہ کا شکر بجا لاتے تھے۔ مگر وہ شکر جو اللہ کے دشمن ابلیس کا واسطہ پڑنے اور توبہ منظور ہونے کے بعد بجا لائے اس کی نوع دوسری اور کیفیت دیگر تھی۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کی محبت۔ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع۔ توکل۔ صبر۔ رضا وغیرہ اس قسم کی عبادات اور اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسند ہیں۔ اور یہ عبادات جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے اور اس کی محبت کو تمام چیزوں کی محبت پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا جہاد فی سبیل اللہ اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ عبادات کی اصل ہوا۔ پس ابلیس اور اُس کی جماعت

Marfat.com

کے پیدا کرنے میں جہاد جیسی افضل عبادات اور اس کے توابع کا موجود ہونا منصور ہے جس کی حکمتیں، فوائد اور مصالح کو پورے طور پر اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ ابلیس اور اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے۔ کہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور تکذیب کریں گے اور ان کے ساتھ عداوت رکھیں گے۔ اور اس پر اللہ سبحانہ کی قدرت کے وہ عجائبات اور لطائف ظاہر ہوں گے۔ جن کے وجود اللہ سبحانہ کو محبوب اور اس کے پیارے بندوں کے حق میں نہایت نافع ہو گا۔ جیسا کہ نوحؑ کے طوفان اور موسیٰؑ کے عصاء، ید بیضا، فلق بحر اور ابراہیمؑ کے آگ میں ڈال جانے۔ اور اس کے باغ ہو جانے کے آیات و معجزات ظاہر ہوئیں ہیں۔ جو اس کی قدرت۔ حکمت اور علم کی قطعی دلیلیں اور شاہد ہیں۔ جب ان چیزوں کا وجود ابلیس اور اس کے گروہ کے پیدا کرنے پر مترتب ہے اور یہ ان اشیاء کے موجود ہونے کا سبب ہیں۔ تو ابلیس اور اس کی جماعت کا پیدا کرنا ضروری ہوا۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ آگ کے مادہ میں کئی مختلف امور موجود ہیں۔ احراق (چیزوں کو جلانا)، علو (بلندی)، فساد۔ اشراق۔ اضاءت اور روشنی پس اللہ سبحانہ نے ان سب امور کو ظاہر فرمایا۔ پہلے تین امور شیطان اور جنات کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوئے اور پچھلے تین امور آگ کے جلانے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح کے مٹی کے مادے میں مختلف اقسام تھے۔ اچھے بُرے۔ سخت نرم۔ سُرخ۔ سیاہ اور سفید وغیرہ اور اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت قاہرہ اور حکمت کاملہ سے تمام اقسام کے آثار کو ظاہر فرمایا ہے۔ یہ امر اس بات پر شاہد ہے کہ وہ بیچون اور ہمیشہ سمیع اور بصیر ہے۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ منجملہ اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنے کے خافض۔ رافع۔ معز۔ مذل

Marfat.com

حُکم، عَدل، مُنتَقِم وغیرہ اسماء ہیں۔ اور یہ اسماء ایسے متعلقات کو چاہتے ہیں، جن میں ان کے احکام و آثار ظاہر ہوں۔ جس طرح کے احسان، رزق رحمت وغیرہ صفات اپنے آثار کے ظاہر ہونے کے لیے متعلقات کا اقتضا کرتے ہیں، اور ہر ایک کے ظہور کے لیے ان کے متعلقات کی ضرورت ہے۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے، کہ اللہ سبحانہ مملکت تامہ کا مالک ہے۔ اور مملکت کے کمال لوازم سے یہ بات ہے کہ اس کا تصرف عام ہو اور وہ ہر ایک قسم کا تصرف کرنے پر قادر ہو۔ مثلاً ثواب اور عقاب، اکرام اور اہانت، عدل اور فضل اعزاز اور اذلال یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہو اور اس طرح پر جب اپنے تصرف کے ایک نوع کے لیے متعلقات کو پیدا کیا ہے، تو دوسرے نوع کے متعلقات کو پیدا کرنا بھی ضروری ہوا۔ یعنی جب ایسی مخلوق کو پیدا کیا ہے، جو اکرام و اعزاز کا مظہر ہیں تو ایسی مخلوق کے پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہوئی، جن میں اذلال اور اہانت کے آثار ظاہر ہوں۔ اور نیز اس کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ایک اسم حکیم اور اس کے صفات میں سے ایک صفت حکمت ہے۔ اور حکمت اس بات کو متلزم ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب موقع پر رکھا جائے پس اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا کہ متخالف اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسے احکام، صفات اور خواص کے ساتھ مخصوص کیا جائے جن کے وہ قابل اور لائق ہو۔ حکمت کا کمال اسی میں متصور ہے۔ اور ابلیس اور اس کی جماعت کو پیدا کرنا جس طرح اللہ سبحانہ کی کمال قدرت پر دال ہے۔ اسی طرح اس کے کمال حکمت پر شاہد ہے۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ من کل الوجوہ کمال حمد کے ساتھ موصوف ہے۔ پس

Marfat.com

وہ اپنے اُن صفات وافعال۔ عدل۔ منع۔ خفض۔ انتقام۔ اہانت پر ایسا ہی محمود ہے۔ جیسا ان کے مقابل صفات وافعال۔ فضل۔ عطا۔ رفع۔ اکرام پر محمود ہے۔ غرض ہر ایک صفت پر اللہ سبحانہ کمال حمد کے ساتھ موصوف ہے اور وہ اپنے تمام صفات وافعال پر خود اپنی حمد فرماتا ہے۔ ملائکہ انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام۔ اللہ سبحانہ کے تمام صفات وافعال پر اُس کے حامد ہیں اور جمیع اہل موقف بھی جملہ صفات پر حمد کریں گے اور اللہ سبحانہ کا ہر ایک صفت یہ کمال حمد کے ساتھ موصوف ہونا اس کے کمال حمد کے لوازم سے ہے اور جو چیز کمال حمد کے لوازم سے ہو اس کے پیدا کرنے میں کمال حکمت ہے پس ایک چیز کے پیدا کرنے میں جب کمال حمد اور کمال حکمت منصور ہے۔ تو اس کو معطل کرنا جائز نہیں جیسا کہ اس کی حکمت کو معطل ٹھیرانا درست نہیں۔ نیز ابلیس اور اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اپنا حلم۔ صبر۔ وقار اور اپنی رحمت اور جود کی وسعت کو ظاہر فرمائے۔ اس لیے اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ کچھ ایسی مخلوق بھی پیدا کرے جو اُس کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھیرائیں اور اس کے حکم کی مخالفت کریں۔ صرف مخالفت نہیں بلکہ مخالفت کرنے میں کوشش اور اُس کے ناخوش کرنے میں پوری سعی کریں۔ مگر باوجود ان باتوں کے وہ ان کو رنگ برنگ کھانے کی عمدہ چیزیں عطا فرمائے۔ آرام وعافیت بخشے اور لذت کے طرح طرح کے سامان اور قسم قسم کی نعمتیں ارزانی کرے۔ ان کی دعاؤں کو قبول اور اُن کی تکلیفوں کو دُور فرمائے۔ اور اپنے احسان اور لطف سے اُن کے برتاؤ کفر وشر اور نافرمانی کے برخلاف ان کے ساتھ معاملہ کرے اللہ سبحانہ کی اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور وہ کیسا کریم۔ محمود اور اپنے پیارے

Marfat.com

بندوں کا محبوب ہے جو اپنے طرح طرح کے کمالات سے پہچانا جاتا ہے
صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی
شخص تکالیف سننے پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں. لوگ اللہ تعا
کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں. اور وہ ان کو روزی بخشتا اور عافیت دیتا ہے
اور نیز صحیح حدیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے. آپ اللہ سبحانہ
سے روایت کرتے ہیں. کہ آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے اور یہ اس کی لائق
نہ تھا. اور وہ میری تکذیب کرتا ہے. اور یہ اُس کو سزاوار نہ تھا. ابن آدم
کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ میں
احد، صمد ہوں. نہ میں نے کسی کو اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور نہ میرا کوئی ہم
اور جوڑ ہے اور اُس کا میری تکذیب کرنا اس طرح پہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ
نے جس طرح مجھے پہلے پیدا کیا ہے پھر دوبارہ زندہ نہیں کرے گا. حالانکہ پہلی دفعہ
پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت کچھ زیادہ آسان نہیں. اور وہ اللہ سبحانہ
باوجود اس گالیاں دینے اور تکذیب کرنے کے گالیاں دینے
والے اور تکذیب کرنے والے کو روزی دیتا. آرام بخشتا اس
کی مصیبتوں کو دور کرتا اور اس کو جنت کی طرف بلاتا ہے. اور جب توبہ کرنے
تو اس کی توبہ قبول فرما کر اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور تمام
حالات میں اس پہ اپنا لطف فرماتا ہے کہ ایسے گمراہوں کی ہدایت کے لئے
بھی ان کے پاس اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ سخت
کلامی نہ کریں. اور ان سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں. فضیلؒ بن عیاض کا قول
ہے کہ اللہ سبحانہ کا دستور ہے کہ ہر رات کو جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو پکار
کر فرماتا ہے. مجھ سے زیادہ صاحب جود اور بخشش کون ہے کہ مخلوق میری
نافرمانی کرتی ہے اور میں ان کی خوابگاہوں میں اس طرح حفاظت کرتا ہوں

Marfat.com

کہ گویا انہوں نے میری نافرمانی نہیں کی۔ اور ان حفاظت کی ایسی ذمہ داری کرتا ہوں۔ کہ گویا انہوں نے میرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ نافرمان پر اپنا فضل اور بدکار پہ اپنا لطف کرتا ہوں۔ کون ایسا ہے کہ جس نے مجھے پکارا ہو اور میں نے اس کی پکار کو نہ سنا ہو۔ اور کون ایسا ہے جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے اس پر عطا نہ کی ہو۔ میں صاحب جود ہوں اور میرا کام جود ہے اور میں صاحب کرم ہوں اور میرا کام کرم ہے۔ اور یہ بھی میرا کرم ہے کہ میں بندے کو وہ چیزیں عطا کرتا ہوں جو مجھ سے وہ مانگتا ہے اور وہ چیزیں بھی عطا کرتا ہوں جس کا اس نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ اور یہ بھی میرا کرم ہے کہ میں توبہ کرنیوالے پر اپنی ایسی عطا کرتا ہوں۔ کہ گویا اس نے کبھی میری نافرمانی نہ تھی۔ پس مخلوق مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتی ہے اور نافرمان میرے دروازے کو چھوڑ کر کدھر جاتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میری اور آدمیوں اور جنوں کی عجیب حالت ہے کہ پیدا تو میں کرتا ہوں اور پرستش غیر کی ہوتی ہے اور روزی میں پہنچاتا ہوں اور شکریہ اوروں کا بجالایا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث حسن میں آیا ہے کہ اے ابن آدم تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میری طرف سے تو خیرات تجھ پر نازل ہوتی ہیں اور تیری طرف سے شر اور برائی میرے پاس پہنچتی ہے میں تو اپنی نعمتیں دیکر تجھ سے کتنا پیار کروں حالانکہ مجھے تیری کوئی حاجت نہیں۔ اور تو گناہوں اور نافرمانیوں سے کس قدر مجھے بغض پیدا کرے اور تجھے ہر بات میں میری حاجت ہے اور بزرگ فرشتے ہمیشہ تیرے برے عمل لیکر میرے پاس پہنچتے ہیں۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالےٰ تم کو فنا کر کے ایسی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتے اور گناہ کرنے پر اس سے

Marfat.com

مغفرت مانگتے اور وہ اُن کے گناہوں کو معاف فرما دیتا۔ غرض چونکہ اللہ سبحانہ کو اپنے اسماء و صفات کے آثار و احکام کا ظہور محبوب ہے لہٰذا اس کی محمودیت اور حکمت کا یہ اقتضا ہوا کہ ایسی مخلوق کو پیدا کرے جس میں اسماء و صفات کے آثار و احکام ظاہر ہوں۔ پس صفت عفو کے محبوب ہونے کی وجہ سے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جن سے عفو کرنا مستحسن ہو۔ اور مغفرت کی محبت کے باعث وہ لوگ پیدا کئے جو لائق مغفرت ہوں۔ اور ان کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ حلم اور صبر فرمائے اور جلدی سے ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے بلکہ انکے امان کو محبوب و پسند رکھے۔ اور عدل اور حکمت کی محبت کے سبب اُن لوگوں کو پیدا کیا جن میں عدل و حکمت ظاہر ہو اور جود۔ احسان اور بِر کی محبت کے باعث ان لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانی اور بدکرداری کریں۔ اور اللہ سبحانہ ان کے ساتھ مغفرت اور احسان کا برتاؤ کرے پس اگر ایسی مخلوق پیدا نہ ہوتی جن سے طرح طرح کے گناہ اور احکام الٰہی کی مخالفت صادر ہو تو یہ تمام حکمتیں اور مصالح بلکہ ان سے بھی کئی درجے زیادہ حکمتیں اور مصالح فوت ہو جائے پس اللہ سبحانہ کی ذات ایسی بابرکت اور وہ ایسا احکم الحاکمین ہے کہ جس کی حکمت کاملہ اور نعمتیں شاملہ اُس کی قدرت کی طرح بے انتہا اور بے پایاں ہیں۔ اور جس طرح کہ ہر چیز میں اس کی قدرت قاہرہ کا اثر موجود ہے اسی طرح ہر ایک شئے میں اُس کی حکمت کاملہ کا ظہور ہے اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اُس کی حکمت کاملہ کے لحاظ سے ایسا ہے جیسا کہ بحر محیط سے ایک قطرہ۔ عقول بشریہ کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کے کمال حکمت کا احاطہ کر سکیں سب کی سب اُس کے ادارک سے عاجز۔ ضعیف اور قاصر ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اس مبغوض مخلوق یعنی ابلیس اور اس کی جماعت کے واسطہ سے اللہ سبحانہ

Marfat.com

کی کتنی محبوب اور پسندیدہ چیزیں حاصل ہوئیں۔ اور کامل حکیم کا یہی کام ہے کہ وہ محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لیے مکروہ اور مبغوض چیز کے تحمل کو روا رکھتا ہے جبکہ وہ اس کے حصول کیلئے وسیلہ اور سبب ہو۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ کی کئی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کے حصول کے لیے ابلیس اور اس کی جماعت کا وجود ضروری اور لازم ہے اور ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا محال ہے لہٰذا ابلیس اور اس کی جماعت کا وجود ضروری ہوا۔ اور اگرچہ ابلیس اور اس کی جماعت کے موجود ہونے سے بہت سے شر اور معاصی کا ظہور ہوا۔ لیکن اس کے اور اس کی جماعت کے موجود ہونے سے وہ طاعات بھی موجود ہوئی ہیں جو اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ نفس کی شہوات اور خواہشوں کی مخالفت کرنا اور اللہ سبحانہ کی محبت اور رضامندی میں مشقتیں اور تکالیف برداشت کرنا۔ کیونکہ حبیب اور معشوق اس بات پر نہایت خوش ہوتا ہے کہ وہ اپنے محب اور عاشق کو اپنی محبت میں تکالیف اور مصائب جھیلتا ہوا دیکھے۔ جس سے اُسکی سچی محبت کا اندازہ ہو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مِنْ اَجْلِكَ قَدْ جَعَلْتُ خَدِّيْ اَرْضًا
لِلشَّامِتِ وَالْحَسُوْدِ حَتّٰى تَرْضٰى

میں نے تیری خاطر اپنے رخسارے کو زمین بنا رکھا یعنی حاسدوں اور دشمنوں کے سامنے ذلیل کر رکھا ہے تاکہ تو راضی رہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ میرے بندے میری رضامندی کیلئے تکالیف برداشت کریں۔ اللہ کے پیارے بندوں کا اس کی رضامندی کے لیے اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں تکالیف اٹھانا اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب ہے یہ تکالیف اُن کے حق میں ازحد مفید۔ نافع اور اُنکا انجام بہت ہی اچھا ہے۔ اور ان تکالیف جھیلنے کے سبب اپنے حبیب حقیقی کی بارگاہ میں وہ عزت اور قرب حاصل کرتے ہیں۔ جو اُن کی دائمی خوشی کا موجب ہے۔ مگر

Marfat.com

اللہ سبحانہ کی محبت کے منکرین پر اس خوشبو کا سونگھنا یا اس دروازہ سے داخل ہونا یا اس شراب کا چکھنا حرام ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

فَقُلْ لِلعُیُونِ العُمْیِ لِلشَّمْسِ اَعْیُنٌ
سِوَاکَ یَرَاھَا فِی مُغِیبٍ وَمَطْلَعِ

وَسَامِحْ نُفُوسًا لَمْ یُؤَھَّلْ لِحُبِّھِمْ
فَمَا یَحْسُنُ التَّخْصِیصُ فِی کُلِّ مَوْضِعِ

اے مخاطب اندھی آنکھوں سے کہدو۔ کہ تمہارے سوا اور آنکھیں ایسی موجود ہیں جو آفتاب کو غروب اور طلوع کرتے دیکھتی ہیں (تم نے نہ دیکھا تو کیا ہوا تمہارے نہ دیکھنے سے کچھ آفتاب کی نفی نہیں ہو سکتی) اور اس ناامید کو جو محبوب کی محبت کے لائق نہیں جانتے دو کیونکہ ہر ایک جگہ تخصیص کرنی مستحسن نہیں۔ اگر ابلیس اور اس کی جماعت نے اللہ سبحانہ کی نافرمانی کر کے اس کو ناخوش کیا ہے تو انبیاء مرسلین اور اس کے پیارے بندوں نے انکی مخالفت کر کے اس سے زیادہ اس کو راضی اور خوش کیا ہے۔ اور یہ رضامندی اس ناخوشی سے بہت ہی زیادہ ہے اور اگر گنہگار کے گناہوں اور اس کی نافرمانیوں سے اللہ سبحانہ ناخوش ہوتا ہے تو اپنے بندے کے توبہ کرتے پر از حد خوشی فرماتا ہے یہاں تک کہ اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جس کی وہ سواری کہ جس پر اس کے کھانے پینے کا بھی سامان تھا ایک مہلک بیابان میں گم ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کے ملنے پر اس قدر خوش ہوا تھا کہ اپنے آپ سے باہر ہو گیا ابلیس اور اس کی جماعت کی طرف سے جو تکالیف انبیاء علیہم السلام کو پیش آئی ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ سبحانہ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ لیکن ان کے مقابل میں جو کچھ انبیاءؑ سے صادر ہوا وہ اللہ سبحانہ کی نہایت خوشی اور رضامندی کا موجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان سے لڑائی اور جنگ کیا۔ ان کی نافرمانی اور سخت مخالفت اختیار کی۔ انکو ذلیل

Marfat.com

وخوار کیا۔ اور غیظ و غضب میں ڈالا۔ اور یہ رضامندی بہت زیادہ اور اللہ سبحانہ کے نزدیک ان ناپسند اور مکروہ امور کے عدم سے جو ان مرضیات کے عدم کو مستلزم ہے زیادہ اچھی ہے۔ آدم علیہ السلام کے دانہ کھانے سے اگرچہ اللہ سبحانہ ناخوش ہوا۔ مگر پھر اُن کی توبہ۔ انابت تذلیل۔ انکسار اور خضوع سے راضی اور خوش ہوگیا۔ کفار کا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکالنا بیشک اللہ سبحانہ کی ناخوشی کا باعث تھا۔ مگر پھر آپ کا فتح کرتے ہوئے اس میں داخل ہونا جس سے ہزاروں بندگان خدا دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ اللہ سبحانہ کی نہایت خوشی کا سبب ہوا۔ کفار کا اللہ کے پیارے بندوں کو شہید کرنا اور اُن کے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا بلاشبہ اللہ سبحانہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ مگر ان کا وہ حیات جاودانی حاصل کرنا جس سے کوئی زندگی زیادہ لذیذ۔ عمدہ۔ باآرام اور پاکیزہ نہیں۔ اللہ سبحانہ کی کمال خوشی کا سبب ہے۔ اور اگرچہ بندوں کے معاصی اور گناہ اللہ سبحانہ کی ناخوشی کا موجب ہیں مگر ملائکہ۔ انبیاء۔ مرسلین علیہم السلام اور اس کے پیارے بندوں کے طفیل گنہگاروں پر اس کی مغفرت۔ عفو۔ بِر۔ کرم اور جود کا وسیع ہونا اور ان کا ان اوصاف کے ساتھ اللہ سبحانہ کی ثنا۔ حمد اور بزرگی بیان کرنا اس کے نزدیک ان معاصی اور ان محبوب چیزوں کے عدم اور فوت ہونے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محمودیت ان تمام صفات کی اصل اور ان سب کو جامع ہے اور سلسلہ خلق اور امر کی دار و مدار اسی پر ہے۔ جمیع اعتبارات اور تمام تصرفات کے لحاظ سے من کل الوجوہ اللہ سبحانہ کمال حمد کا مستحق ہے پس اللہ سبحانہ نے ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اور ایسا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا جس میں وہ مستحق حمد و تعریف نہ ہو اور جہاں تک خلق اور امر کا سلسلہ پہنچتا ہے

Marfat.com

ہے۔ اسی کے موافق اس کی حمد کو سمجھنا چاہیئے۔ اور اللہ سبحانہ کو اپنی حمد و ثنا محبوب و پسند ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے بندے خلق اور امر کے سلسلہ کی ہر ایک چیز میں اس کی حکمت بالغہ کا اقرار کریں پس اس کی حکمت کا انکار کرنا گویا اس کی حمد کا انکار ہے۔ غرض جس طرح کہ وہ محمودیت کے ساتھ موصوف ہے اسی طرح حکمت کے ساتھ موصوف ہے اور اس کی حمد و حکمت اس کے علم۔ قدرت اور حیات کی طرح اس کی ذات کے لوازم سے ہے۔ اور اس کی کسی صفت اور اسم کو اس کے آثار و احکام سے معطل قرار دینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نقص اور عیب کے مستلزم ہے جو اس کی ذات کے کمال۔ کبریا اور عظمت کے خلاف ہے۔

اور اس کی توضیح پچیسواں جواب ہے۔ جس طرح کہ اللہ سبحانہ کے صفات کمال اور حمد و ثنا کے افعال میں سے یہ امور ہیں کہ وہ جود و عطا اور بخشش فرماتا ہے اسی طرح اس کے افعال میں سے یہ بھی ہے کہ وہ پناہ دیتا ہے نصرت کرتا اور فریاد رسی فرماتا ہے۔ پس وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے جس طرح کہ اس کی خیرات کے امیدوار ہیں اسی طرح ان چیزوں سے جو اس کی راہ سے دور کرنے والی اور اس کی اطاعت میں خارج ہوں۔ اس کی پناہ طلب کریں۔ اور بادشاہ کا کمال یہی ہے کہ اس کی مطیع رعایا اور فرمانبردار لوگ اس کے خیرات کی امید رکھیں۔ اور مخالفین اور دشمنوں سے پناہ طلب کریں چنانچہ اس مضمون کو مشہور شاعر احمد بن حسین کندی المعروف متنبی نے ان اشعار میں جو کسی بادشاہ یا حاکم کی مدح میں کہتے ہیں۔ بیان کیا ہے ؎

یَا مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ فِیْمَا اُؤَمِّلُہٗ ۔۔۔ وَمَنْ اَعُوْذُ بِہٖ مِمَّا اُحَاذِرُہٗ

لَا یَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا اَنْتَ کَاسِرُہٗ ۔۔۔ وَلَا یَھِیْضُوْنَ عَظْمًا اَنْتَ جَابِرُہٗ

Marfat.com

راے ممدوح تو وہ شخص ہے کہ جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور خطرے اور خوف کی تمام چیزوں سے میں اُس کی پناہ چاہتا ہوں اور جس ہڈی کو تو توڑ ڈالے لوگ اُس کو درست نہیں کر سکتے اور جس ہڈی کو تو درست کرے لوگوں کی کیا مجال ہے کہ اُس کو توڑ سکیں۔ اگر متنبی ان اشعار کو اپنی پروردگار اور خالق کی تعریف میں کہتا تو سعادت سے بہرہ مند ہوتا اپنے جیسے بندے اور مخلوق کے حق میں کہتے ہے بجز شقاوت اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ملک الموت ہے یہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے حصول خیرات کی اُس سے التجا اور شرور سے بچنے کے لیے اس کی پناہ طلب کریں۔ چنانچہ اپنے پیارے رسول کو قرآن کریم میں متعدد جگہ حکم فرمایا ہے کہ شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کریں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے کو اس کے دشمن سے پناہ دیتا اور اس کے شر سے اُس کو بچا لیتا ہے۔ تو اس سے اللہ کے بندے پر اس کی کمال نعمت کا اظہار ہوتا ہے۔ دشمن سے پناہ دینا اور اس کے شر سے بچانا کچھ کم نعمت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کو کامل فرمائیے اور اپنی نصرت۔ حمایت اور دشمنوں پر غالب کرنا یہ سب نعمتیں ان پر ظاہر کرے۔ اور یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ جس سے اللہ کے بندوں کے قلوب خوشی سے باغ باغ ہو جاتے ہیں اور اسی سے اللہ سبحانہ کا عدل اور انصاف ظاہر ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

وَمَا مِنْهُمَا اِلَّا لَهٗ فِيْهِ حِكْمَةٌ
يَقْصُرُ عَنْ اِدْرَاكِهَا كُلُّ بَاحِثٍ

کوئی امر ایسا نہیں جس میں اللہ حکیم کی وہ حکمت نہ ہو کہ جس کے ادراک سے جستجو

کرنیوالے قاصر ہیں +

چھبیسواں جواب ۔ منکرین حکمت کا یہ کہنا کہ قیامت تک ابلیس کے باقی رکھنے اور انبیاء کے دنیا سے پوشیدہ کرنے میں کون سی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی وہ بیشمار حکمتیں ہیں جن کے ادراک سے وہم قاصر اور عاجز ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ حکمت ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ابلیس کو بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے کسوٹی بنایا۔ جس سے بھلا، بُرا۔ دشمن اور دوست ممتاز ہو جائیں۔ تو اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ اُس کو قیامت تک باقی رکھے تاکہ جو غرض اس سے مطلوب ہے وہ حاصل ہو۔ اور اگر ابلیس کو قیامت کے پہلے فنا کر دیتا۔ تو یہ غرض پوری نہ ہوتی۔ اور اسی طرح کفار کو قیامت تک دنیا میں باقی رکھے گا۔ کیونکہ اگر انکو ہلاک کر کے تمام دنیا مومنین سے آباد کرتا تو بہت سی حکمتیں جو ان کے باقی رکھنے میں معطل اور بیکار ہو جاتیں۔

پس جس طرح کہ اللہ سبحانہ نے اپنی حکمت کے مقتضی سے آدم علیہ السلام کا امتحان کیا۔ اسی طرح اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ اُن کی اولاد کا بھی امتحان اور آزمائش ہو تاکہ جو لوگ ابلیس سے دشمنی اور مخالفت کریں۔ اُن کیلیے سعادت اور جو اُس سے دوستی اور موافقت کریں۔ ان کے لیے شقاوت حاصل ہو۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ جب اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں ثابت ہو چکا ہے کہ ابلیس آخرت کی نعمتوں سے محروم ہے اس کے لیے اُن میں سے کوئی حصہ نہیں۔ اور حکم الہی کی نافرمانی کرنے سے پہلے وہ کچھ عبادت اور طاعت کر چکا تھا۔ تو اس طاعت اور عبادت کا عوض اور بدلہ اسے یہ دیدیا کہ اس کو آخر زمانے تک باقی رکھا کیونکہ اللہ سبحانہ کسی پر ظلم کر کے اس کے نیک عمل کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ مومن کو دنیا اور آخرت دونو میں اس کی نیک اعمال کا بدلہ ملتا ہے اور کافر جو نیک کام

Marfat.com

کرتا ہے تو اس کا عوض اس کو دنیا ہی میں دیدیتا ہے اور جب آخرت میں جائے گا تو نیک اعمال سے خالی ہوگا۔ چنانچہ یہ مضمون صحیح حدیث میں نبی صلعم سے ثابت ہے۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ ابلیس کو آخیر زمانے تک باقی رکھنے میں اس کی کچھ عزت و کرامت نہیں بلکہ اس میں اس کی زیادہ ذلت رسوائی ہے کیونکہ اگر پہلے ہلاک کیا جاتا تو یہ اس کے لیے بہتر اس سے عذاب کی تخفیف کا موجب اور اس کے شر کی کمی کا باعث ہوتا۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کرنے اس احکم الحاکمین کے ساتھ کہ جس کے حکم کی تسلیم ضروری ہے مخاصمت کرنے۔ اس کی حکمت پر اعتراض کرنے بندوں کی رہزنی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنے پر قسم کرنے سے ابلیس کا گناہ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ اس لیے اس کو گناہ کی سزا بھی گناہ کے موافق حد سے زیادہ قرار پائی۔ پس دنیا میں زندہ رہ کر اسکو مہلت دیگئی تاکہ گناہ پر گناہ کرتا رہے۔ اور پھر ایسی سزا کا مستحق ہو کہ اس کے سوا اور کسی کو وہ سزا نہیں ہوگی۔ اور جس طرح کہ دنیا کے اندر اہل شر کا کفر و شرک میں سردار تھا اسی طرح آخرت کے اندر سزا میں بھی سب کا سردار ہوگا۔ یعنی اس کو سب سے زیادہ سزا ملیگی اور چونکہ یہ سب برائیوں کی جڑ اور مادہ ہے۔ اور تمام شر اسی سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا دوزخ میں اپنے افعال بد کے موافق سزا دیا جائیگا۔ اور اہل دوزخ پر جس قسم کا عذاب ہوگا۔ عذاب کے ہر ایک قسم کے ساتھ سب سے پہلے ابلیس معذب ہوگا۔ اور اس کے بعد ابلیس کے تابعداروں کو عذاب ملیگا۔ اور یہ اللہ سبحانہ کا کمال انصاف اور حکمت ہے۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ جب ابلیس نے اپنے رب سے مخاصمت کرتے ہوئے یہ کہا اَرَأَيْتَكَ هٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ اِلَّا قَلِيْلًا (بھلا دیکھ تو یہی وہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو روز قیامت تک کی مہلت دے

Marfat.com

تو قدرِ قلیل کی تو کہتا ہے نہیں باقی اس کی تمام نسل کی جڑ کاٹ کے رہوں تو سہی اور اللہ سبحانہ کو معلوم تھا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو جنت میں رہنے کے قابل نہیں اور وہ کانٹوں اور گوبر کی طرح آگ میں جھونکے جانے کے قابل ہیں تو ابلیس کو آخیر زمانے تک باقی رکھا اور زبانِ قدرت سے اُسے فرمایا کہ یہ لوگ تیرے ہمراہی اور دوست ہیں پس تو ان کے انتظار میں رہ۔ اور جب ان میں سے کوئی تیرے پاس سے گذرے تو اپنا منتر اس پر چلا۔ اگر وہ میرے دربار کے لائق ہوتا تو میں اس کے تیرے قابو میں نہ چھوڑتا۔ کیونکہ جو میرے نیک بندے ہیں ان کا تو میں خود خبر گیر اور کارساز ہوں اور وہ میری درگاہ میں حاضر ہونے کے لیے شایاں ہیں۔ اور تو ان مجرموں کا دوست اور رفیق ہے جنہوں نے میری دوستی اور میری مرضیات کے حاصل کرنے کی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ (جو لوگ ایمان رکھتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اُن پر شیطان کا کچھ قابو نہیں چلتا، اُس کا قابو تو ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ ارتباط رکھتے اور جو شریک خدا ٹھیراتے ہیں)، اور انبیاء علیہم السلام کو دنیا سے روپوش کرنے سے ان کی کوئی اہانت اور ذلت نہیں بلکہ اس لیے ان کو روپوش کیا کہ وہ اپنے عزت کے مقام کو پہنچیں اور دنیا کے رنج اور تکلیف اور دشمنوں اور دوستوں کی کلفتوں سے نجات پائیں۔ اور نیز پہلے رسولوں کے گذرنے پر ان کے بعد دوسرے رسول مبعوث ہوں۔ اور منصب رسالت حاصل کریں۔ غرض انبیاء علیہم السلام کا دنیا سے روپوش کرنا ان کے اور امت دونوں کے حق میں مفید اور نافع ہے انبیاء علیہم السلام کے حق میں تو اس لیے نافع ہے کہ وہ دنیا سے روپوش ہو کر دنیا

Marfat.com

کی تکالیف سے راحت اور آرام پاتے اور رفیق اعلیٰ سے ملاقی ہوئے جہاں کامل درجہ کی لذت اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ ان کو دنیا سے روپوش ہونے میں اس قدر لذت اور خوشی ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اللہ سبحانہ ان کو اختیار دیتا ہے کہ مرضی ہو تو دنیا میں رہو اور چاہو تو میرے پاس چلے آؤ، مگر وہ دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتے اور نہایت خوشی کے ساتھ تمنا کرتے ہیں کہ ہم کو جلد اپنے پاس بلائیے اور اُمت کے حق میں اس واسطے مفید اور نافع ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اُمت نبیؐ کی پیروی اور تابعداری میں اس کی زندگی تک رہی یا کہ اس کے بعد بھی اس کی اطاعت اور تابعداری برابر کرتے رہے اور نیز یہ بات معلوم ہو کہ اُمت اور نبیؐ کے تابعدار نبیؐ کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ نبیؐ کی ہدایت اور امر و نہی کے مطابق وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ایک اللہ سبحانہ کی ذات ہی ایسی ہے جو ہمیشہ زندہ اور دائم رہے گی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے روپوش کرنے میں اللہ سبحانہ کی کئی حکمتیں اور انبیاءؑ اور امتوں کے حق میں بہت سی مصلحتیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام بشر اور بنی آدم تھے۔ اور اللہ خالق نے دنیا میں ان کو ایسی خلقت پر پیدا نہیں کیا جو دوام کے قابل ہو بلکہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا جو ایک دوسرے کے بعد آتے رہے۔ پس اگر ان کو اخیر زمانے تک زندہ اور باقی رکھتا تو یہ مصلحت اور ان کے خلیفہ بنانے کی حکمت فوت ہو جاتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موت ہر مومن کے لیے کمال ہے اور اگر موت نہ ہوتی۔ تو دنیا کی زندگی بے لطف اور بے مزہ ہو جاتی ہے پس جس طرح انبیاء کے پیدا کرنے اور ان کی زندگی میں حکمت ہے۔ اسی طرح ان کی موت بھی حکمت سے خالی نہیں۔

Marfat.com

ستائیسواں جواب. منکرین حکمت کا یہ کہنا کہ "آدم علیہ السلام کو جنت سے دُنیا کی طرف نکالنے میں جو کہ امتحان اور آزمائش کا مقام ہے کونسی حکمت اور مصالحت ہے"؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی وہ بے شمار حکمتیں اور اس میں آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کے لیے وہ بے انتہا نعمتیں اور مصالحتیں موجود ہیں. جن کی تفصیل معلوم کرنے سے عقلیں عاجز اور قاصر ہیں. اگر تمام اہل عقل اپنی ساری دماغی قوتیں اس کے معلوم کرنے میں صرف کر دیں. تو بھی اس کو معلوم نہیں کر سکتے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں اِس واسطے اُتارا گیا کہ وہاں رہ کر آدم علیہ السلام کا اپنے کمالات کو حاصل کرنا دشوار اور ناممکن تھا. دنیا میں اِس واسطے بھیجے گئے. کہ اپنے اعلےٰ درجے کے کمالات کو حاصل کریں اور عمدہ اور اچھی حالت میں ہو کر پھر دوبارہ جنت میں داخل ہوں. اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کو اس لیے پیدا کیا تھا. کہ اُن سے اور اُن کی اولاد سے زمین کو آباد کرے. اور اُن کو زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا کہ نسلاً بعد نسل یکے بعد دیگرے اُس کو آباد کریں. اور اللہ سبحانہ اپنے امر و نہی تمام احکام سے ان کو مطلع کر کے اُن کی آزمائش اور امتحان کرے. اور جنت امتحان. آزمائش اور تکلیف کا مقام نہیں. غرض آدم اور حوا علیہما السلام کو دنیا میں اس واسطے بھیجا کہ دنیا سے اپنی آخرت کے واسطے جس کے واسطے وہ پیدا کئے گئے ہیں. اعمال صالحہ کا توشہ تیار کریں. اور جب دنیا کی رنج اور تکلیف دیکھنے کے بعد اس سے رخصت ہوں گے تو پھر جنت کی نعمتوں کی پوری قدر کریں گے. اور اُس کی خوبی اور فضیلت کا انداز کما حقہ معلوم ہوگا اگر بنی آدم کے توالد و تناسل کا سلسلہ جنت میں ہوتا تو پھر وہ اس کی قدر نہ سمجھتے. اس لیے پہلے ان کو امتحان کے گھر یعنی دنیا میں بسایا اور ان کو اپنے امر و نہی سے آگاہ فرمایا تاکہ اپنے خالق کی

Marfat.com

اطاعت کر کے اُس کی عزت. ثواب اور جنت کے مستحق ہوں ۔اور اگرچہ یہ بھی ممکن تھا کہ جنت سے نکالنے کے بغیر اُن کے واسطے دائمی نعمتیں حاصل ہوتیں. لیکن وہ نعمت جو امتحان. آزمائش اور موت کے تکالیف. برزخ کے شدائد قیامت کے اہوال جھیلنے اور صراط پر عبور کرنے کے بعد حاصل ہوگی اُس کا اور ہی لطف ہوگا. اور وہ ایسی نعمت ہوگی. کہ کوئی نعمت اُس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اور اب اُس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے. جنت کے غلمان اور حوریں ایسے خوبصورت ہوں گے کہ دنیا کی اعلٰے درجے کی حسین عورتیں اُن کے سامنے ہیچ ہیں ۔اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ چاہا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے رسول نبی اور شہید پیدا کرے جو اُس کے پیارے اور محبوب ہوں اور اُن کے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ انبیاء و مرسلین پر اپنی کتابیں نازل فرمائے اور ان کو اپنے حکم پہنچائے اور وہ خوشی اور تکلیف میں اُس کی عبادت کے اندر مصروف رہیں. اور اس کے محبوب و پسندیدہ کاموں کو اپنی خواہشات اور محبوب چیزوں سے مقدم رکھیں. لہذا اُس کی حکمت کا یہ اقتضا ہوا کہ اُن کو دار امتحان یعنی دنیا میں بھیج کر اپنی امر و نہی کے ساتھ اُن کا امتحان کرے تاکہ وہ اس امتحان اور آزمائش کے سبب مراتب عبودیت کے کمال کو پہنچیں اور ان کاموں کے بجا لانے میں جو طبیعت کے خلاف اور نفس کو بُرے معلوم ہوں خدا کی اطاعت کریں اور خالص عبودیت کے کمال کو پہنچیں اور ان کاموں کے بجا لانے میں جو طبیعت کے خلاف اور نفس کو بُرے معلوم ہوں خدا کی اطاعت کریں. اور خالص عبودیت کا یہی مقام ہے. اور جو لوگ ایسے امور کی بجا آوری میں خدا تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں. جو اُن کی طبیعت کو مرغوب اور نفس کو محبوب ہوں وہ درحقیقت اپنے نفس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ اپنے

Marfat.com

پیارے بندوں سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ کسی سے دوستی کریں۔ تو اللہ کے واسطے اور کسی سے دشمنی کریں تو وہ بھی اُسی کی خاطر اور اُس کی رضامندی اور اُس کے پسندیدہ اور محبوب کاموں کے اندر اپنی جانیں خرچ کر دیں اور ان سب باتوں کا بہشت میں حاصل ہونا جو کہ ابدی نعمت کا گھر ہے ناممکن ہے۔ اور نیز اس میں ایک اور حکمت ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کے آثار و احکام ظاہر اور اُن کے متعلقات پیدا ہوں مثلاً غفور۔ رحیم۔ تواب۔ منتقم۔ خافض۔ رافع۔ معز۔ مذل۔ محی۔ ممیت۔ اور وارث اُس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ پس چونکہ ان کے آثار کا ظاہر اور اُن کے متعلقات کا موجود ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اُس کی حکمت نے یہ چاہا کہ آدم اور حوا علیہما السّلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجا جائے تا کہ دنیا کے اندر ان میں اور ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آثار اور احکام ظاہر ہوں۔ اور اگر بنی آدم جنت میں پرورش پاتے تو ان اسماء کے آثار اور متعلقات موجود نہ ہوتے اور یہ اللہ سبحانہ کے کمال کے خلاف ہے کیونکہ وہ مملکت اصلی کا مالک اور شہنشاہ حقیقی ہے اور بادشاہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ امر اور نہی۔ اکرام اور اہانت ثواب اور عقاب۔ عطا اور منع۔ اعزاز اور اذلال کا اختیار رکھتا ہو۔ پس اس لیے اللہ سبحانہ نے حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام اور اُن کی اولاد کو ایسے عالم میں بھیجا کہ ان پر یہ احکام جاری ہوں اور ان افعال کے آثار پائے جائیں اور نیز دنیا میں اس لیے بھیجے گئے کہ درجۂ کمال کو پہنچیں کیونکہ ایمان کے بہت سے اجزا ہیں۔ قول۔ عمل۔ جہاد اور صبر وغیرہ اور یہ اجزا دار امتحان کے بدوں پیدا نہیں ہو سکتے اور جنت دار امتحان نہیں۔ اور کئی اہل علم نے جن میں سے ابوالوفا بن عقیل وغیرہ ہیں یہ لکھا ہے کہ

Marfat.com

دُنیا میں مرسلیں۔ انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے اعمال جنّت کی نعمتوں سے افضل ہیں کیونکہ جنت کی نعمتیں تو ان کے حظ اور تمتع کے سامان ہیں۔ پس ایمان اور اُس کے اعمال مثلاً نماز۔ قرأتِ قرآن۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں جان کو خرچ کرنے اور اُس کی رضاجوئی کو اپنے شہوات اور خواہشوں سے مقدم رکھنے کے برابر کہاں ہو سکتی ہیں۔ ایمان اللہ سبحانہ سے تعلق رکھتا اور یہ بندوں پر اس کا حق ہے اور جنت کی نعمتیں ان سے متعلق اور وہ اُن کا حصّہ ہے اور بندے اللہ کی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور جنت تو نعمت اور آرام کا گھر ہے نہ عبادت اور تکلیف کا مقام اور نیز اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ وہ زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرے گا اور اس امر سے اپنے ملائکہ کو بھی آگاہ فرما دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ سبحانہ کا ارادہ اس امر سے متعلق ہو چکا تھا کہ وہ اس خلیفہ اور اس کی اولاد کو دُنیا میں لبائے گا کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور اس لیے غایات محمودہ ہیں۔ پس جب اللہ سبحانہ کے علم، حکمت اور ارادہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ وہ دُنیا میں سکونت پذیر ہوں گے۔ تو پھر جنت سے اُن کا نکالا جانا اور دُنیا میں آنا ضروری تھا۔ اور یہ امر اگرچہ پہلے سے مقدر ہو چکا تھا۔ مگر اُس کی تقدیر کو بھی اللہ حکیم نے کئی اسباب اور حکمتوں سے والبتہ فرمایا ہے۔ منجملہ اُن اسباب کے یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا اور ان کے دشمن ابلیس کے اور ان کے درمیان تخلیہ کر دیا۔ کہ اس کو یہ موقع ملا کہ آدم کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا کھانا تمہارے حق میں بڑا مفید ہے اور نیز آدم اور اُن کے نفس کے درمیان اپنی عصمت

Marfat.com

کے پردہ کا اٹھا دینا جس سے وہ معصیت میں مبتلا ہوئے اور یہ اسباب ایسے غایات محمودہ کی طرف موصل ہوئے جو آدم علیہ السّلام کے جنت سے نکلنے پر موقوف اور مترتب ہیں۔ پھر آدم علیہ السلام کے جنّت سے نکلنے پر اور اسباب مترتب ہوئے جو دوسرے امور کے لیے غایات قرار پائے۔ منجملہ اُن غایات کے یہ ہے کہ جنت میں دوبارہ کامل طور پر داخل ہوں گے۔ غرض یہ تقدیر اسباب اور غایات اللہ سبحانہ کی اُس حکمت کاملہ سے صادر ہوئے ہیں جس پر تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اور دُنیا اور آخرت کے سب لوگ اُس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ کی یہ تقدیر بیکار اور یہ تدبیر عبث نہیں اور نہ یہ حکمت کاملہ اور حمد کامل سے خالی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے پہلے ملائکہ سے یوں فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں تو فرشتے بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو (نائب) بناتا ہے جو اُس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور (بنانا ہے تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (وثنا) کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ خدا نے فرمایا میں (وہ مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)، اس کے بعد اللہ سبحانہ نے اس خلیفہ کے متعلق ملائکہ پر اپنی وہ حکمت ظاہر فرمائی جو ملائکہ کو معلوم نہ تھی کہ وہ اُس کی نسل سے ایسے اپنے پیارے بندے۔ مرسلین اور انبیاء علیہم السلام پیدا کرے گا۔ جو ہمہ تن خدا کی عبادت میں مصروف ہوں گے۔ اُس کی محبت اور رضامندی کے لیے اپنی جان تک ہار دیں گے رات دن حمد کے ساتھ اُس کی تقدیس و تسبیح

Marfat.com

بیان کریں گے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ جاگتے سوتے اُس کے ذکر میں مشغول رہیں گے اور خوشی اور غم۔ عافیت اور مصیبت۔ سختی اور نرمی ہر حال میں اُس کی عبادت ذکر اور شکر اُن کا شغل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر، شکر اور اُس کی عبادت سے سختی۔ مصیبت۔ فقر اور مرض کوئی شے اُن کو مانع نہ ہوگی۔ اور اپنے شہوات اور خواہشوں کو باوجودیکہ اُن کا غلبہ ہو اور طبیعت اُن کی معاون و مددگار ہو پس پشت ڈال کر اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لائیں گے۔ اپنے بنی نوع کی عداوت و دشمنی وغیرہ کوئی چیز اُن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے ذکر و شکر سے ہرگز روک سکے گی۔ اور اللہ سبحانہ نے ملائکہ کو یہ جتلایا کہ تم اگرچہ میری عبادت میں مصروف رہتے ہو تمہارے لیے کوئی چیز فطرۃً مانع اور حارج نہیں۔ مگر کمال اُن کا ہے کہ جن کو ہزاروں مانع۔ معارض اور روکنے والے امور درپیش ہوں گے اور سب سے منہ موڑ کر میری عبادت میں مشغول رہیں گے۔ یعنی یہ تبلایا کہ تمہارا تسبیح و تقدیس کرنا اگرچہ عبادت ہے۔ مگر تمہاری فطرت میں کبر۔ حسد۔ اور بشر مخلوط نہیں۔ اور بنی آدم کی خلقت۔ اور سرشت میں یہ چیزیں داخل ہیں۔ اور خیر اور شر دونوں اُن کے نفوس کے اندر موجود ہیں۔ لہذا اُس کا ظاہر کرنا اور نکالنا ضروری ہوا۔ تاکہ احکم الحاکمین کی وہ حکمت جو ہر ایک کے اپنے مناسب چیزوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں رکھی ہے معلوم ہو۔ اور نیز اس میں ایک یہ حکمت ہے۔ کہ جب اللہ خالق نے مخلوق کو کئی اقسام بنایا اور اُس کو مختلف حالات پر پیدا کیا۔ اور اُس کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ ثابت تھا کہ آدم اور اس کی اولاد کو سب پر فضیلت ہوگی۔ لہذا ان کی عبودیت کو اور مخلوق کی عبودیت سے کامل بنایا اور مرتبہ عبودیت اُن کے لیے افضل احوال اور اعلیٰ اور درجات قرار پایا یعنی وہ عبودیت جو ارادہ اور اختیار سے صادر ہو نہ وہ جو ہر مخلوق

Marfat.com

میں جبراً اور اضطراراً پائی جاتی ہے۔ اسی واسطے جب اللہ سبحانہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو اختیار دیا۔ کہ آپ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول یا فرشتہ اور نبی ہونا جو امر پسند کریں۔ آپ مختار ہیں۔ تو آپ نے اپنے پروردگار کی توفیق سے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہونا پسند کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے آپ کے اشرف مقامات اور افضل احوال میں جیسے دعوت تحدی۔ معراج اور قرآن مجید کے نازل کرنے کے مقامات میں آپ کو عبودیت کے خطاب سے ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ (اور جب بندہ خدا یعنی محمدؐ) خدا کی عبادت کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو لوگ اُن کے گرد گرد گھر آتے ہیں) وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن اُتارا ہے۔ اگر تم کو اس میں شک ہو) سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى (وہ (خدا عجز اور ماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا) تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (خدا کی ذات بڑی) بابرکت (ذات) ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن اُتارا) اور اللہ سبحانہ نے آپ کی عبودیت نامہ پر آپ کی ثنا اور تعریف فرمائی۔ اور آپ کے شان کی عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ اسی واسطے اہل موقف جب شفاعت کے خواستگار ہونگے تو یوں کہیں گے کہ محمدؐ کے پاس چلو جو کہ اللہ کا ایسا بندہ ہے کہ جس کے پہلے اور پچھلے تمام گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دئیے ہیں۔ غرض جبکہ عبودیت نبی آدم کے اشرف احوال میں سے ہے اور یہ حالت اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے لیے کچھ ایسے لوازم اور اسباب ہیں کہ جن کے بدوں اس کا حصول ناممکن ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی برکت

Marfat.com

کاملہ نے یہ چاہا کہ وہ ایسے مقام یعنی دنیا میں بھیجے جائیں کہ جہاں اُن پر عبودیت کے احکام جاری اور اس کے اسباب شروط اور لوازم موجود ہوں۔ پس بدیں وجہ جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے۔ تاکہ اپنے مراتب کی تکمیل کریں اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہو۔ اس کے علاوہ اس میں اللہ سبحانہ کی بہت سی محبوب اور پسندیدہ چیزیں موجود و متحقق ہیں مثلاً وہ چاہتا ہے۔ کہ اپنے بندوں کی دعائیں قبول فرمائے اُن کی تکلیفوں کو دور کرے۔ مصائب میں فریادرسی کرے۔ گناہوں اور لغزشوں کو معاف کر دے۔ برائیوں کو مٹا دے بلاؤں کو دفع کرے۔ جو لوگ عزت کے مستحق ہوں اُن کو عزت بخشے اور جو ذلت کے سزاوار ہوں ان کو ذلیل کرے مظلوموں کی اعانت اور شکستہ حالوں کی حالت کو درست فرمائے۔ بعض مخلوق کو بعض پہ فوقیت دے اور اُن کو مختلف مراتب و مدارج پر رکھے تاکہ اُس کی نعمت اور فضل کی قدر معلوم ہو۔ اور یہ سب باتیں جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجنے کی صورت میں متحقق ہو سکتی ہیں لہذا اس کے کمال ملک اور حمد کا یہ اقتضا ہے کہ ان کو ایسے عالم میں بھیجے جس میں اُس کی محبوب و پسندیدہ چیزیں موجود و متحقق ہو سکیں اگرچہ ان میں سے بہت سی چیزوں کے حاصل ہونے کے لیے ایسے اسباب اور شروط ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ اور ناپسند ہیں۔ مگر چونکہ جو چیز دوسری چیز پر موقوف ہو وہ اُس کے بدوں حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا ان کا موجود کرنا بھی ضروری ہوا۔ اور حکمت کے لوازم کو موجود کرنا بھی حکمت ہے جس طرح کہ عدل کے لوازم کو پیدا کرنا عین عدل اور انصاف ہے چنانچہ یہ مسئلہ عنقریب بچوں کے تکلیف پہنچانے کی فصل میں معلوم ہوگا۔

اٹھائیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو عدم سے وجود میں

Marfat.com

اس لیے نکالا ہے کہ اُن پر اپنے اسماء وصفات کے احکام جاری فرمائے تاکہ اس سے اس کا کمالِ مقدس ظاہر ہو گو وہ ہمیشہ کامل اکمل ہے مگر اس کو اپنے کمال کا ظہور محبوب و پسند ہے۔ اور خلق ۔ امر۔ قضا۔ قدر۔ وعد۔ وعید۔ منع۔ اعطاء۔ اکرام۔ اہانت۔ عدل۔ فضل۔ عفو۔ انعام۔ وسعت علم۔ اور بخت گیری میں اُس کے کمال کے آثار کا ظاہر ہونا منجملہ اُس کے کمال سے ہے اور نیز اُس کے کمالِ مقدس کا یہ اقتضاء ہے کہ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے اور منجملہ اس کے حالات اور شان سے یہ بات ہے کہ وہ گناہوں کو بخشتا۔ تکلیفوں کو دُور کرتا۔ بیماروں کو صحت عطا فرماتا۔ قیدیوں کو قید سے رہائی دیتا۔ مظلوموں کی مدد فرماتا عاجزوں کی اعانت کرتا شکستہ حالوں کے حال کو درست کرتا ہے۔ فقیروں کو غنی بناتا دُعا کرنے والوں کی دعائیں منظور فرماتا اور گناہگاروں کی لغزشیں معاف کرتا۔ ذلیل کو عزت اور متکبروں کو ذلت دیتا ہے۔ گردن کشوں کی گردنیں توڑتا۔ کسی کو مارتا اور کسی کو جلاتا ہے کسی کو ہنساتا اور کسی کو رُلاتا ہے۔ کسی کو پست اور کسی کو بلند کرتا ہے کسی کو اپنی نعمتیں عطا فرماتا اور کسی کو اُن سے محروم رکھتا ہے اور اپنے احکام کے اجرا اور مقدرات کو اپنے مقررہ اوقات میں پورا کرنے کے لیے اپنے رسول ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا ہے۔ اور یہ سب باتیں دار البقا یعنی جنت میں حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ لہذا اُس کی حکمت کاملہ نے یہ چاہا کہ آدم اور اُس کی اولاد کو دار الامتحان میں بھیجا جائے۔

اُنتیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ کے کمالِ ملک کا یہ اقتضاء ہے کہ جمیع اقسام کے تصرفات میں اُس کو ایسا کمال حاصل ہو کہ ہر ایک قسم کے تصرف کرنے پر وہ قادر ہو اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے تین مقام قرار دیئے ہیں۔ ایک وہ مقام ہے

Marfat.com

کہ جس میں اس کے فرماں بردار بندوں کے لیے طرح طرح کی نعمتیں۔ لذتیں خوشیاں حاصل ہوں گی اور اُن کے ساتھ کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور دوسرا وہ مقام ہے جس میں نافرمانوں کے لیے گوناگون عذاب رنج اور طرح طرح کی مصیبتیں اور برائیاں موجود ہوں گی۔ اور تیسرا وہ مقام ہے جس میں خیر و شر آرام اور تکلیف۔ لذت اور رنج دونو مخلوط اور ملے جلے ہیں۔ اور پہلے دونو مقاموں کی آبادی کو اس تیسرے مقام کی آبادی سے وابستہ کیا ہے۔ اور تینوں مقامات میں اپنی مخلوق پر اپنی ربوبیت۔ الہیت عزت۔ حکمت۔ عدل اور رحمت کے مقتضے کی مطابق احکام جاری فرمائے ہیں۔ پس اگر بنی آدم جنت میں پیدا ہوتے اور موجود ہونے کے وقت سے سب کو وہیں بسانا تو ان صفات کے احکام معطل ہو جاتے۔ اور ان کے آثار ان پر مترتب نہ ہوتے۔

تیسواں جواب۔ قیامت کا دن اللہ سبحانہ کے اسماء صفات اور ان کے احکام و آثار کا مظہر ہے۔ اور اسی واسطے حق تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کی حکومت ہے۔ اکیلے اللہ ہی کی ہے جو بڑا ، زبردست ہے) اور نیز اس دن کی نسبت فرمایا ہے۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ الرَّحْمٰنِ (اس دن حقیقی سلطنت (خدائے) رحمٰن وہی کی ہوگی) وقال تعالیٰ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ (یہ وہ دن ہوگا ، جب کہ کوئی شخص کسی شخص کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور حکومت اُس دن اللہ ہی کی ہوگی یہاں تک کہ اس دن اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اپنے وہ اسماء و صفات معلوم کرائے گا۔ جو دنیا میں ان کو معلوم نہ تھے غرض کہ قیامت کا دن مملکت عظمیٰ اسماء حسنیٰ اور صفات عُلیا کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔ اس دن کے وہ احوال اور احکام جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے

Marfat.com

ہیں ان میں غور کرو اور سوچو کہ اُس دن اللہ سبحانہ کی عزت، عظمت فضل اور رحمت کس قدر ظاہر ہو گی۔ اور اس کے صفاتِ مقدسہ کے وہ آثار نمودار ہوں گے۔ کہ اگر بنی آدم جنت میں پیدا ہوتے تو یہ سب صفات معطل اور یہ تمام آثار معدوم ہوتے اور یہ امر اللہ سبحانہ کے کمال کے خلاف ہے۔ اور جو شخص اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ تو اس کے لیے قیامت کے واقع اور برحق ہونے اور انبیاء علیہم السلام کے اخبار متعلقہ قیامت کی صداقت پر یہ کافی دلیل ہے اور عقلی اور نقلی دلیلیں قیامت کے واقع ہونے پر باہم موافق اور مطابق ہیں۔

اکتیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ کو یہ امر محبوب ہے۔ کہ اُس کے بندے عبادات کے جمیع انواع و اقسام کے ساتھ اُس کی پرستش کریں اور عبادت کے تمام اقسام اُس کی عظمت و جلال کے لائق اور اُس وحدہ کے لیے سزاوار اور شایاں ہیں اور ظاہر بات ہے کہ عبادت کے وہ انواع جو دار امتحان یعنی دنیا میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ دارالجزا میں موجود نہیں ہو سکتے۔ گو دنیا میں بھی بعض اعمال کا بدلہ اور جزا مل جاتا ہے۔ مگر پورے طور پر بدلہ اور جزا قیامت کو ملے گا۔ اس واسطے اُس کو دارالجزا کہا گیا ہے اور دنیا کو دارالعمل۔ غرض جب آخرت ثواب اور جزا کا مقام ہے۔ جس میں اللہ سبحانہ اپنے کمال مقدس کے مقتضا سے بدکاروں کو سزا دے گا اور نیکوکاروں کو نیک بدلہ عطا فرمائے گا۔ تو ایک ایسے مقام کا موجود ہونا ضروری ہوا جس میں ہر طرح کے عمل نیک و بد ظہور پذیر ہوں اور اُس کے رہنے والوں پر اسماء و صفات کے احکام جاری ہوں۔ اور پھر دوسرے مقام میں نیکوکاروں اور بدکاروں کو جزا و سزا ملے اور اس کے باشندوں میں بھی اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے آثار ظاہر ہوں۔ غرض اللہ سبحانہ کے

Marfat.com

اسماء صفات کو معطل قرار دینا ممتنع اور محال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت الٰہیت مملکت۔ عزت اور حکمت کو معطل سمجھنا ہرگز جائز اور درست نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کو اللہ سبحانہ کے اسماء صفات کے معانی کو اور ہر ایک کے اپنے اثر اور متعلق کے ساتھ مخصوص ہونے اور اُن کے معطل ٹھیرانے کے بطلان کو سمجھتا ہے۔ تو اُسے یقین ہوگا کہ اس باب میں جو کچھ انبیا علیہم السلام نے بتلایا ہے وہ بلاکم وکاست صحیح اور برحق ہے اور اس کا خلاف صادر ہونا اللہ سبحانہ کی نسبت جائز اور اس کی شان کے سزاوار نہیں۔ اور جس طرح کہ وہ تمام عیوب اور نقائص سے منزہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے خلاف سے بھی اُس کو منزہ سمجھنا ضروری ہے اور باب ایمان کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اس کا نفقہ کھول دے۔ اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔

بتیسواں جواب۔ بعض بندوں کو بعض کے لیے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بنانے میں اللہ سبحانہ

Marfat.com

کی بہت سی حکمتیں، محامد، اوامر، نواہی اور قضاو قدر کے احکام موجود ہیں
چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (اور اسی طرح ہم بعض کے ذریعہ آزماتے ہیں) وقال تعالیٰ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ (اور ہم نے تم میں ایک کو ایک کے لیے آزمائش کا ذریعہ قرار دیا ہے تو (مسلمانو) تم (اب بھی کافروں کی ایذاؤں پر) صبر کرو گے (یا نہیں) اللہ سبحانہ نے اپنے دوستوں اور پیارے بندوں کو اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کے امتحان کا ذریعہ اور دوستوں کو دشمنوں کی آزمائش کا وسیلہ بنایا ہے۔ بادشاہ کو رعیت کے ذریعے سے آزمایا اور رعیت کو بادشاہ کے بدولت جانچا۔ مردوں کو عورتوں کیلئے اور عورتوں کو مردوں کے لیے فتنہ ٹھیرایا و دولتمندوں کو فقیروں کے امتحان اور فقیروں کو دولتمندوں کی آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ غرض ہر ایک کو اس کے مقابل اور ضد سے جانچا اور پرکھا ہے۔ نوع انسانی کے ماں باپ پیدا ہوتے ہی ان کی ضد اور مقابل بھی ساتھ ہی موجود تھے۔ اور ان کی اولاد میں قیامت تک یہی دستور جاری ہے اور اس آزمائش اور امتحان میں اللہ سبحانہ کی بہت سی حکمتیں کاملہ نعمتیں تامہ احکام نافذہ اوامر نواہی اور تصرفات موجود ہیں جو اس کی ربوبیت۔ الٰہیت مملکت اور محمودیت پر دال ہیں اور اس طرح دنیا میں اپنے بندوں کو خیر و شر کے ساتھ آزمانا اس کے کمال حکمت اور حمد تام کا مقتضی ہے ؂

تینتسواں جواب۔ اگر اس قسم کی آزمائش اور امتحان نہ ہوتا تو صبر، رضا، توکل جہاد، عفت، شجاعت، حلم، عفو، صفح (درگذر کرنا) وغیرہ کمالات اور خصائل حمیدہ کی فضیلت ظاہر نہ ہوتی اور اللہ سبحانہ کو یہ امر محبوب ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کو ان کمالات کے ساتھ ان کی ثنا و تعریف۔ اور یہ کمالات ان میں ظاہر ہوں تاکہ وہ خود اور اس کے ملائکہ ان کمالات کے ساتھ ان کی ثنا و تعریف کریں۔ اور وہ ان کے

Marfat.com

ساتھ موصوف ہونے کے سبب نہایت درجہ کی عزت۔لذت اور خوشی حاصل کریں۔ اوران کمالات کے مبادی اور اسباب اگرچہ تلخ ہیں، مگران کے عواقب اور انجام ایسے شیریں ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی چیز شیریں نہیں۔ اور چونکہ ملزوم کا بدون لازم موجود ہونا محال ہے لہٰذا ان اسباب کا موجود ہونا ضروری ہوا۔ اور اللہ سبحانہٗ کی حکمت اس طرح جاری ہے۔ کہ غایات کا کمال اسباب کی قوت اوران کے کمال کے تابع اوران کا نقصان ان کے نقصان پر متفرع ہے دیکھو جو شخص آرام اور لذت کے سامان کو پورے طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کو لذت و آرام کامل طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ اور جوان میں کمی رکھتا ہے۔ تو اس کے عیش و آرام میں بھی کمی ہوتی ہے اس عالم کا طرز انتظام اس بات کی کافی دلیل ہے۔ اور اسی اصول پر جزا وسزا اور ثواب وعقاب کا سلسلہ قائم ہے کہ خالق حکیم نہایت عدل وانصاف کے ساتھ جزا وسزا دیگا۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کا رب ایک ہی ہے اور اسکی حکمت دونوں عالم میں یکساں جاری ہے اور وہی دنیا اور آخرت میں حمد کا مستحق اور دونوں جہان میں اُسی کا حکم جاری ہے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے۔

چونتیسواں جواب بدمسب سے افضل اور اعلیٰ نعمت اور عطیہ ایمان اور اس کی جزا ہے اور آزمائش اور امتحان کے بدول یہ متحقق نہیں ہوسکتے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے الٓمٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔ الٓمٓ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے

Marfat.com

کہ (زبان سے) اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائیگا
اور ہم نے (تو) اُن لوگوں کو بھی، آزمایا تھا جو ان سے پہلے (ہو گزرے) ہیں تو خدا
ان لوگوں کو ضرور معلوم کر کے رہیگا جو (اظہار ایمان میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی
ضرور معلوم کر کے رہیگا۔ کیا جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ
ہمارے قابو سے باہر ہو جائینگے (ایسا سمجھتے ہیں کہ) یہ لوگ کیا ہی بُری تجویز کرتے ہیں
جس کو (آخرت میں) اللہ سے ملنے کی امید ہو تو (اس کے لیے تیاری کرے کیونکہ)
خدا کا (ٹھیرایا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور (وہ سب کی) سنتا اور سب
کچھ جانتا ہے اور جو (خدا کے لیے) محنت اٹھاتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کے، لیے
محنت اٹھاتا ہے (ورنہ خدا تو) دنیا جہان کے سب لوگوں سے بے نیاز ہے
اس صورت میں اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ضرور اپنے بندوں کی آزمائش
اور امتحان کریگا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون صادق اور کون کاذب اور کون مومن
اور کون کافر ہے۔ اور کون اُس کی عبادت اور شکر بجالاتا اور کون اس کی نعمت
کا کفران کرتا اور اس سے اعراض کر کے غیر کی پرستش کرتا ہے اور جن لوگوں کا
امتحان کیا گیا ہے اُن کے دنیا اور آخرت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور ان
لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا دنیا میں سب سے زیادہ اور سخت امتحان کیا گیا۔ یعنی
انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین اور پھر ان کے انجام اور مآل کار کا حال بیان
فرمایا ہے اور سب سے پہلے اُن لوگوں پر تردید فرمائی ہے جن کا خیال ہے کہ وہ
محض ایمان کا دعوے کرنے سے اور دنیا میں بغیر کسی امتحان و آزمائش کے
آخرت کے عذاب سے نجات یاب ہو جائینگے اور بتلا دیا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کی
حکمت اور مخلوق کے ساتھ اُس کے معاملہ کے برخلاف ہے اور اس امتحان اور
آزمائش کا راز بھی بتا دیا ہے کہ صادق اور کاذب اور مومن اور کافر ممتاز ہو جائینگے
گو اللہ سبحانہ کو امتحان اور آزمائش سے پہلے بھی ہر ایک کی حالت معلوم ہے

Marfat.com

لیکن اللہ سبحانہ کے عدل اور حمد کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو صرف اپنے علم پر جزا اور سزا نہ دے بلکہ معلوم کے مطابق جب کہ وہ موجود اور متحقق ہو جائے گا بندوں کو جزا و سزا دے گا اور معلوم کا موجود اور ظاہر ہونا امتحان ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور اس کے ظاہر ہونے کے بعد جزا و سزا دینا مستحسن اور اس کے عدل و حمد کے سزاوار ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے اس خیال سے کہ وہ ایمان اور انبیاء کی تصدیق سے اعراض کرنے پر امتحان اور آزمائش الٰہی سے بچ جائیں گے ایمان اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت کو اختیار نہ کیا وہ سمجھے کہ ایمان نہ لانے سے اس امتحان و آزمائش کی نسبت اُن کو پرسش نہ ہوگی جس سے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کو جانچا گیا ہے ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ان کے لیے وہ عذاب اور مصیبت تیار ہے جو اس امتحان و آزمائش سے جس سے وہ بھاگے تھے زیادہ سخت اور دشوار ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے کے بعد مکلفین کے دو حال ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کریں اور اللہ پر ایمان لائیں۔ دوسرے یہ کہ ایمان کو اختیار نہ کریں بلکہ اپنی بدکاریوں پر مستمر اور قائم رہیں۔ پس ان میں سے جو شخص ایمان اختیار کرے تو اللہ سبحانہ اس کی آزمائش اور امتحان کرتا ہے تاکہ اس کے ایمان کی مضبوطی اور اس کی ثابت قدمی معلوم ہو جائے۔ کہ وہ کسی دنیاوی فائدہ آرام اور سہولت کے لئے ایمان نہیں لایا بلکہ اس کا ایمان آرام۔ خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں ثابت اور قائم ہے۔ اور جس نے ایمان کو اختیار نہ کیا۔ تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے گا اور وہ اس کو عذاب نہ کر سکے گا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور اس کی جان اس کے ہاتھ میں ہے اس کے لیے ان لوگوں کے لیے ان لوگوں کے امتحان وابتلا سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ زیادہ تر مصیبت اور ابتلا موجود ہے۔ غرض مومنین کو ان کے اور انبیاء کے دشمنوں کے ذریعہ آزماتا ہے کہ ان کی طرف سے

Marfat.com

ان کو طرح طرح کے تکالیف اور اذیتیں پہنچتی ہیں۔ اور کفار کو آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کریگا جس سے ان کو وہ درد اور تکلیف پہنچیگا جو مومنین کے درد اور تکلیف سے لاکھوں درجے زیادہ ہوگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مومنین اور کفار کے لیے درد و تکلیف کا ہونا ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مومنوں کو تو دنیا میں درد و تکلیف ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے بجائے لذت اور خوشی حاصل ہوگی۔ اور کفار کے لیے دنیا میں چین اور آرام ہے۔ اور آخرت میں طرح طرح کے عذاب اور مصائب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کے اندر بھی یہی حالت ہے کہ جو نا عاقبت اندیش آدمی شہوت پرستی میں پڑ جاتے ہیں تو وہ ابتداء میں تو خوب مزے اڑاتے ہیں۔ مگر انجام کار ان کا حال بہت برا ہوتا ہے اور سب لذتیں اور خوشیاں کافور ہو جاتی ہیں اور جو انجام بین لوگ صبر و تحمل سے کام لیتے اور محنت اور سعی سے جی نہیں ہارتے۔ استقلال کے ساتھ دقتیں اور کلفتیں برداشت کرتے ہیں، تو آخر کار ان کو وہ لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے کہ پہلی تمام مصیبتیں بھول جاتی ہیں۔ غرض الم اور لذت ہر انسان کے لئے ضروری ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ بعض کو سردست اور تھوڑی سی تکلیف پیش آتی ہے اور انجام کار وہ راحت اور آرام سے مبدل ہو جاتی ہے اور بعض کو پہلے آرام حاصل ہوتا ہے اور آخر کار ہمیشہ کے لیے سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اسی واسطے عقلمند لوگ غایت اور انجام کو دیکھا کرتے ہیں پس جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ عذاب اور درد و تکلیف سے بالکل بچ رہینگے۔ ان کا خیال سراسر غلط اور بیہودہ ہے کیونکہ انسان لذت اور الم۔ سرور اور حزن۔ خوشی اور غم کیلئے نشانہ بنایا گیا ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ اس کی خلقت طبیعت اور ہیبت ہی ایسی ہے کہ دکھ اور آرام دونوں اس کو لاحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے

Marfat.com

متضاد مادوں اور مختلف اختلاط سے مرکب کیا گیا ہے کہ جن کا من کل الوجوہ معتدل ہونا محال یا نادر الوجود ہے بلکہ یہ اخلاط ایک دوسرے پر غالب آکر طبیعت انسانی کو حدِ اعتدال سے نکال دیتے اور اس سے دُکھ اور بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انسان مدنی الطبع ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ وہ تنہا اور اکیلے زندگی بسر کرسکے، بلکہ اس کے زندگی بسر کرنیکی یہی صورت ہے کہ وہ اپنے بنی نوع کے ساتھ مل جل کر رہے اور ملکر رہنے کی صورت میں چونکہ ہر ایک آدمی کے مطالب مختلف ہوتے ہیں۔ کہ کسی کو کوئی چیز مرغوب اور کسی کو کوئی شے مطلوب ہوتی ہے اور پھر مطالب میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے کہ سب کا جمع کرنا ناممکن ہے بلکہ اگر ان میں سے ایک چیز حاصل ہو تو بہت سی چیزیں فوت ہوجائیں۔ اور ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ اس کے مطلوب کے حاصل کرنے میں اس کی موافقت کریں، اور دوسرے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے مطالب اور ارادوں کے پورے کرنے کے لیے ہماری موافقت کرے پس اگر دوسرے لوگوں سے موافقت۔ کرے تو اپنے مطلوب کے فوت ہونے کی رنج اور کلفت پیدا ہوتی ہے اور اگر اُن سے موافقت نہ کرے تو وہ ایذا رسانی اور تکلیف پہنچانے کے درپے ہوتے اور اُس کے مطلوب کے نہ حاصل ہونے کے لیے طرح طرح کی کوششیں اور تدبیریں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں سے موافقت کرنے اور نہ کرنے دونوں صورتوں میں رنج۔ تکلیف اور مشقت حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص عقائد باطلہ۔ خیالات فاسدہ اور ایسے اعمال میں موافقت کرنے سے آخرت میں نہایت کلفت اور رنج لاحق ہوگا جن کی نسبت یقین ہو کہ یہ امور آخرت میں مضر اور نقصان دینے والے ہیں۔ اور ایسے امور میں مخالفت کرنے سے مخالفین کی طرف سے غایت درجہ کی اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے۔ مگر

Marfat.com

ایسے موقع پر عقل، دین، مروت اور علم یہ مشورہ دیتے ہیں کہ دنیا کی تھوڑی سی رنج اور کلفت کا اُٹھا لینا آسان ہے اور آخرت کے عذاب شدید اور دائمی تکلیف کے تحمل کی تاب دشوار ہے، لہذا متدین آدمی ایسے موقع پر اہل باطل کی موافقت نہیں کرتا۔ اور جو شخص ظالموں اور مجرموں کی اُن کے ظلم پر اہل اہوا اور مبتدعین کی ان کی اہوا و بدعات پر اور اہل فجور و شہوات کی اُن کے فجور اور شہوات پر اس خیال سے موافقت اور اعانت کرتا ہے کہ ان کی ایذا رسانی کی تکلیف سے بچ جائے تو ایسے شخص کو اُن کی موافقت کی وجہ سے دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی اور تکالیف پیش آتے ہیں۔ اور آخرت میں وہ عذاب ہوگا کہ جس تکلیف سے بچنے کے واسطے یہ کام کیا تھا اس سے لاکھ درجہ زیادہ تکلیف بھگتنی پڑے گی۔ اللہ سبحانہ کی عادت اپنی مخلوق میں اِس طرح جاری ہے کہ ایسے لوگوں کو عذاب اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اگر اُن کی مخالفت کی تکلیف پر صبر کرتا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ تو اگرچہ مخالفین سے کچھ اذیت پہنچتی ہے مگر آخر کار اللہ سبحانہ دنیا میں بھی اس کو عزت و آبرو اور لذت اور خوشی بخشتا ہے اور آخرت میں وہ لذتیں اور خوشیاں حاصل ہونگی۔ جو اُن کی موافقت کی لذت اور خوشی سے کئی درجے زیادہ ہوں گی۔ اور عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ ایسے شخص کو اپنے مخالفین پر غلبہ دیتا اور اس کے صبر، تقوی، توکل اور اخلاص کے بدولت ان کو اس کے سامنے ذلیل اور رسوا کرتا ہے اور فرض کیا کہ مخالفین کی اذیت اور تکلیف دہی سے مامون نہ ہو تو اللہ سبحانہ کی رضامندی اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں تکلیف اٹھانا لوگوں کی رضامندی اور ان کی مراد پوری کرنے سے جب، کہ وہ اللہ و رسولؐ کے مخالف ہوں لاکھ درجہ اچھا اور نہایت نافع اور سود مند ہے اور برخلاف اس کے جو بدکاروں کی موافقت کرتے ہیں۔ اور دنیا میں ان کی

Marfat.com

اذیت پر صبر نہیں کرتے. تو اُن کا یہ حال ہو گا. کہ جب قیامت میں مبتلائے عذاب ہوں گے تو اس وقت بڑے جگرے سے صبر کریں گے. اور رنج اور تکلیف کے سبب ایک دفعہ سانس لینے کا وقت گھنٹے کے برابر. گھنٹہ دن کے برابر اور دن مہینے کے برابر اور مہینہ سال کے برابر معلوم ہو گا. اللہ سبحانہ جن لوگوں کو دنیا میں اس قسم کی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرتا ہے. اُن پر ظاہر فرما دیا ہے کہ یہ ابتلا چند روزہ ہے اور ان کی تسلی کے واسطے اس کی مُدت بیان فرما دی ہے تاکہ ان کے نفوس مطمئن رہیں اور اس کی دشواریاں ان پر آسان ہو جائیں چنانچہ فرمایا ہے مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (جس کو آخرت میں) اللہ سے ملنے کی امید ہو تو (اس کے لیے تیاری کرے کیونکہ) کیونکہ خدا کا (ٹھیرایا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ) جانتا ہے) پس جب بندہ اس ابتلا کی مُدت محدود کا تصور اور اس کے زوال اور انقطاع کا خیال کرے گا اور ادھر اللہ سبحانہ کی ملاقات اور اس کے انعام اور جزا کا نقشہ دل میں جمائے گا تو دنیا کی رنج اور تکلیف کا جھیلنا اور برداشت کرنا اس پر سہل اور آسان ہو جائے گا اور چونکہ اس کا برداشت کرنا نفس اور شیطان اور اپنے بنی نوع کے ساتھ مجاہدہ اور خلاف کئے بغیر ناممکن ہے. اور یہ اس کے حصول کے لئے ذریعہ اور سبب ہے لہذا اس کا سبب اور ذریعہ بھی بتلا دیا اور جب انسان یہ سمجھیگا کہ اس عمل مجاہدہ اور خلاف کرنے کا نفع صرف اسی کو حاصل ہو گا. کسی دوسرے کے لیے فرمایا ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ. نیز اس وہم کو دفع فرمادیا ہے کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس مجاہدہ صبر اور تحمل کا نفع اور فائدہ کچھ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کی بجا آوری کا حکم دیا. اس اس کو ان کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں اور جن چیزوں سے منع کیا ہے کچھ

Marfat.com

بخل کی وجہ سے منع نہیں کیا بلکہ جن کاموں کے کرنے کے حکم دیا ہے اُن کا نفع اور فائدہ دنیا اور معاد دونوں میں بندوں کے لیے مضر اور نقصان دینے والی ہیں پس اس ابتلا اور امتحان کے ثمرات اور فوائد صرف بندوں کے لیے خاص ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا کہ اس امتحان اور آزمائش کو خبیث کو طیب سے اور شقی کو سعید سے اور جو اس کے قابل اور لائق ہیں ان کے ممتاز کرنے کے لیے سبب بنا یا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (منافقو! اللہ ایسا نہیں ہے کہ جس حال میں تم ہو اچھے برے کی تمیز کے بدوں اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ ملا جلا) رکھے) پس اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو بھیجکر اپنے اوامر اور نواہی سے آگاہ فرماکر اپنے بندوں کا امتحان کیا۔ اور رسولوں کے ذریعہ سے طیب اور خبیث کھرا اور کھوٹا ایک دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ کر دئے۔ اور اللہ سبحانہ کا ثواب وعقاب اُس کے اس معلوم پر مترتب ہوا جو اس امتحان اور آزمائش کے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ پھر چونکہ وہ لوگ جو امتحان وآزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ بشر اور انسان ہیں۔ اور ممکن ہے کہ طبیعت کے جذبات جبلت کی کوشش اور نفس کی خواہش یا ضعف ہمت کی وجہ سے صبر اور مجاہدہ میں کسی وقت کچھ کمی واقع ہو لہذا اللہ سبحانہ نے وعدہ فرما دیا ہے کہ یہ قصور اور کمی معاف ہے کیونکہ جب بندے نے اللہ تعالٰے کے حکم کی اطاعت کے لیے سینہ سپر کر دیا ہے تو اُس کی رحمت کا یہ مقتضی ہے کہ اُس کی برائیاں مٹا کر اس کے نیک اعمال کے ثواب سے اس کو مالا مال کرے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے بندے کو والدین۔ اُن کی اطاعت اور اُنکی خدمت کی تکالیف پر صبر کرنیکے ساتھ مبتلا کرنے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر والدین خدا کے ساتھ شرک کرنے کا حکم کریں تو اُن کا یہ حکم بجا نہ لائے اور اللہ سبحانہ کے ساتھ

Marfat.com

کسی کو شریک نہ بنائے۔ اور ایسی حالت میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کی خدمت گذاری کو نہ چھوڑے اور اس کلفت اور محنت پر صبر کرے مگر خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے بارے میں اُن کی اطاعت نہ کرے بلکہ اس سے اعراض کر کے انبیاء علیہم السلام کے اتباع کو اختیار کرے اور ان کی ہدایت پر کاربند رہے۔ اور والدین اور ان کے طریق سے اعراض کرنے اور اُن کے مخالف اُس کے سبیل کی طرف متوجہ ہونے میں جو کچھ امتحان اور ابتلا ہے وہ مخفی نہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو ضعف عزم۔ قلت۔ صبر۔ اور مختلف اور تکلیف پر ثابت قدم نہ رہنے کی حالت میں ایمان کو اختیار کرتے ہیں۔ اور ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اُن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تکلیف پیش آئے اور عادت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ اور اس کی حکمت کا یہی مقتضی ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کو اپنے دشمنوں کے ذریعے آزماتا ہے اور ان پر مسلط کر دیتا ہے کہ وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے ہیں، تو وہ اس تکلیف پر صبر نہیں کرتے اور گھبرا کر اس مصیبت اور اُس کے اسباب سے ایسا بھاگتے ہیں اور ایمان اور انبیاء علیہم السلام کے اتباع کرنے میں لوگوں کی طرف سے جو تکلیف پیش آئے اس کو اُس عذابِ الٰہی کے برابر سمجھتے ہیں جو مشرکین اور مخالفین انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے پر ہوگا۔ اور اُن کی اس حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نورِ بصیرت سے بے بہرہ اور خالی ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دل میں ایمان پورے طور پر داخل نہیں ہوا اور انہوں نے ایمان کی حلاوت کو نہیں چکھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے لوگوں کی اس تکلیف دہی کو جو اللہ و رسول کے ساتھ ایمان لانے پر اُن کو پیش آئی۔ اس عذابِ الٰہی کے ساتھ برابر سمجھا جو کفار کو اللہ و رسول کے ساتھ ایمان نہ لانے پر ہوگا۔ یہ اُن لوگوں کی حالت ہے۔ جو دنیا کی بہتری کی امید

Marfat.com

پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔ ایمان اور عبادتِ الٰہی میں راسخ قدم نہیں ہوتے ایسے لوگ اگرچہ آرام کے خیال سے دنیا کی تکلیف سے بھاگے تھے مگر اُن کو وہ تکلیف اور عذاب ہوگا۔ جو اس تکلیف سے کئی درجے زیادہ اور سخت ہوگا۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ان کی اس حالت کو بیان فرمایا ہے جو مومنین کی نصرت اور فتحمندی کے وقت ان کو لاحق ہوتی ہے کہ جب مومنوں کو فتح حاصل ہو تو اُن سے ملجاتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے رفیق اور ساتھی ہیں اور اللہ سبحانہ اُن کے ان دلی ارادوں کو جانتا ہے جو اپنی زبانی باتیں کے خلاف دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے ذریعہ سے ساڑھے نوسو سال امتحان اور ابتلا میں رکھا۔ اور قوم کو نوح علیہ السلام کی اطاعت سے آزمایا۔ انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اس پر اُن کو پانی میں غرق کیا اور آخرت کو آگ میں جلینگے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا۔ کہ ابراہیمؑ کو اپنی قوم کی طرف سے کیا کیا دقتیں پیش آئیں۔ قوم نے اُن کی تکذیب اور تردید کی اور قوم کو ابراہیمؑ کی اطاعت اور متابعت سے آزمایا۔ اور اس کے بعد لوطؑ اُن کی قوم کا ذکر۔ اُن کا ابتلا اور لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا انجام کار بیان فرمایا ہے پھر شعیب علیہ السلام اُن کی قوم کا حال ان کا ابتلا اور انجام کار کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد عاد۔ ثمود۔ قارون۔ فرعون۔ ہامان اور ان کے لشکروں کا ذکر کیا ہے کہ اُن کو اللہ سبحانہ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت و عبادت بجالانے کا حکم ہوا مگر انہوں نے انکار کیا اور اس کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے اور وہ تباہ اور ہلاک کئے گئے۔ اُس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان فرمایا ہے کہ آپ کو کفار کی ہر ایک جماعت یعنی مشرکین اور اہل کتاب کی طرف

Marfat.com

سے تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔ اور آپ کو یہ حکم ہوا۔ کہ آپ اہل کتاب سے احسن طریق کے ساتھ مجادلہ کریں اور ان کو نہایت نرمی سے سمجھائیں اور کھلی اور صاف دلیلیں سوجھا کر اُن کو قائل کریں۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنے ان پیارے بندوں کو جو دشمنوں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا رہے تھے۔ یہ حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر اللہ سبحانہ کے وسیع ملک میں کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور وہاں اطمینان سے اپنے ملک کی عبادت کریں۔ اور اس ہجرت اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جانیکے حکم اور ارشاد میں اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ مومنین کو دار دنیا سے دار آخرت کی طرف جانا ہے اور وہ اپنے مولے کے دیدار سے مشرف ہوں گے لہٰذا ان کو اس دار میں قرار اور آرام نہیں۔ پھر اُن لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو دشمنوں کی ان تکالیف پر صابر رہے کہ اللہ سبحانہ ان کو ایسے باغوں میں جگہ دے گا جن میں نہریں جاری ہونگی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہینگے۔ اور ان کو اس طرح پر تسلی دی ہے کہ جب تم نے ہماری خوشنودی اور رضامندی کے لیے اپنے وطن اور ملک کو چھوڑا۔ تو ہم تم کو ایسے مکان میں جگہ دیں گے جو تمہارے مکانوں سے لاکھوں درجے اچھا ہوگا۔ اور اس میں تمام خوبیاں اور ہر طرح کی لذتیں۔ اور نعمتیں موجود ہوں گی۔ اور اس کے ساتھ یہ لطف کہ وہاں سے نکلنے کا کھٹکا نہ ہوگا ہمیشہ اسی میں رہ کر چین اُڑاؤ گے۔ اور یہ سب انعام مصائب میں صبر کرنے اور اپنے پروردگار پر توکل کرنے کے بدولت ملینگے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے بندوں کی روزی کا ضامن ہے۔ جس طرح وہ اُن کو اپنے ملک میں روزی پہنچاتا تھا۔ اسی طرح وہ دوسرے ملک میں بھی روزی پہنچا ئیگا یہ اس لیے بیان فرمایا کہ مہاجرین کو ہجرت کرنے کے وقت سفر خرچ اور روزی اٹھانے کی فکر نہ ہو اور یوں سمجھایا کہ دیکھو کئی جانور ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ

Marfat.com

جاتے ہیں اور روزی کو اپنے ساتھ نہیں اٹھاتے اور روزی رساں ان کو برابر روزی پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتلا۔ امتحان اور اس دار میں رہنے کی مدت دارالبقا میں رہنے کی مدت کی نسبت نہایت ہی قلیل اور کم ہے اس کے بعد ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان کے ساتھ مبتلا ہوئے مگر وہ ایمان نہ لائے کہ وہ اس دنیا میں چند روز متمتع ہوں گے۔ اور عنقریب جب وہ اس سے رخصت ہوں گے تو اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسی کیسی عمدہ اور دائمی نعمتوں سے محروم رہے اور کیسے سخت اور تکلیف دہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اور ان لوگوں کا انجام اور مآل کار بھی بیان فرمایا ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ ایمان لائے۔ اور اُس کے رسولوں کی اطاعت اور پیروی اختیار کی۔ اور دارالابتلا یعنی دنیا میں اپنے ہادی اور ناصر کی ہدایت کے مطابق اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مخالفت اور جہاد کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ اس کا اعلےٰ اور افضل انعام دنیا اور آخرت میں اُن لوگوں پر ہوگا جو دُنیا کے ابتلا اور مصائب پر صبر اور اپنے پروردگار پر توکل کریں۔ اور سب سے زیادہ سخت اور بڑا عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جنہوں نے دنیا کے ابتلا اور تکالیف پر صبر نہ کیا۔ اور اس سے بھاگ کر دنیا کے سرورت آرام کو پسند کیا۔ غرض اس سورت کا مضمون سلسلہ خلق اور امر کا راز اور بھید ہے کیونکہ اس سورت میں ابتلا اور امتحان کا ذکر اور اہل ابتلا کے دنیا اور آخرت کے حالات کا بیان ہے۔ اور جو شخص اس کے شروع۔ وسط اور آخر میں غور کرے تو اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ کامل انسان کے تین حالات ہیں اوّل امتحان اور آزمائش کا درجہ ہے اس کے بعد صبر و توکل کا مقام ہے اور آخر میں خدا تعالیٰ کی ہدایت اور نصرت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہیئے۔

Marfat.com

اور اس کی توضیح پنتیسواں جواب ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ اس نے آسمان۔ زمین اور عالم علوی اور سفلی کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہمارا امتحان اور آزمائش کرے کہ ہم میں سے کون شخص نیک کام کرتا ہے۔ اور نیز یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے زمین کو اُن چیزوں سے جو اس پر موجود ہیں۔ مثلاً حیوانات۔ نباتات۔ معدنیات وغیرہ سے اس لیے مزین کیا ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہماری آزمائش اور امتحان کیا جاوے۔ اور موت اور حیاتی کو بھی اسی آزمائش اور ابتلا کے لیے بنایا ہے۔ غرض خلق اور امر کی غایت یہی ابتلاء ہے اور امتحان ہے اِس لئے ضرور ہوا کہ ایک ایسا عالم موجود ہو جس میں یہ امتحان اور آزمائش ہو سکے۔ سو وہ عالم یہی دارِ تکلیف اور دنیا ہے۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت آرام کا مقام ہے۔ نہ کہ ابتلا اور امتحان کی جگہ اس لیے دارالابتلا کو اس کے لیے پُل قرار دیا کہ اللہ کے بندے اس سے عبور کرکے جنت میں پہنچیں۔ اور دنیا کو آخرت کی کھیتی ٹھیرایا۔ کہ اس میں اعمال حسنہ کی تخم ریزی کریں۔ اور آخرت میں اس کا پھل اٹھائیں۔ اور اس کو آمد و رفت کا ایک ایسا راستہ بنایا جس سے آخرت کے لئے توشہ تیار کرلیں۔ اور یہی وہ حق ہے کہ جس کے ساتھ اور جس کے لیے مخلوق کو پیدا کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق اللہ واحدہ کی پرستش کی جائے غرض اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانی اپنے بندوں کو اپنے امر و نہی سے مطلع کیا اور ثواب اور عقاب کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس طرح بیکار نہیں پیدا کیا کہ ان کو کسی کام کا امر و نہی نہ ہو اور نہ اُن کو اس طور پر مہمل چھوڑے گا کہ اُن کو ثواب اور عقاب نہ ہو بلکہ ان کو امر و نہی اور ثواب و عقاب کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور اُس کی حکمت اور محمود ہونے کا یہی

Marfat.com

مقتضی ہے۔ اس کا خلاف اس کی حکمت اور حمد کے شان کے خلاف ہے۔

فصل۔ ہماری اس تقریر سے منکرین حکمت و تعلیل کے اس قول کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ نفس کو خیر اور شر دونوں کا ارادہ کرنیوالا بنانے میں کونسی حکمت ہے، اور اس کو ایسا کیوں نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ صرف خیر کا ارادہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ اس کو شر سے روکنے پر قادر ہے تو پھر اللہ کی حکمت کا مقتضی یہ کس طرح ہوا کہ اُس کو شر کرنے پر قادر کر دیا۔ اور اس کو ایسی قوت اور اسباب کے عطا کرنے میں کونسی حکمت ہے کہ جن کی نسبت عطا کرنے والے کو معلوم ہے کہ وہ اُن کے ذریعہ سے شر ہی پیدا کرے گا۔ اور نفوس کو اُن کی گمراہی ظلم اور تعدی پر ثابت رکھنے میں کونسی حکمت ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ جس شخص کے افعال حکمت پر مبنی ہوں وہ ایسے کام نہیں کرتا۔ دیکھو جس شخص کے افعال حکمت پر مبنی ہوں جب وہ اپنے غلاموں کو دیکھے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم و تعدی روا رکھتے اور باہم فساد برپا کرتے ہیں۔ اور وہ ان کو ایسے کاموں سے روک بھی سکتا ہے تو اس کی حکمت اُس کو اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اُن کو اس حالت پر اسی طرح چھوڑ دے۔ اور اگر کسی شخص کے غلام ایسے کام کرتے ہوں اور وہ اُن کو منع نہ کرے تو اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو اس کو اُن کی بدکرداریوں کا علم نہ ہو گا یا یہ کہ اُن کے منع کرنے پر قادر نہ ہو گا۔ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر ایسے شخص کے افعال مبنی علی الحکمۃ نہیں کہہ سکتے۔ اور پہلی دونوں صورتیں اللہ سبحانہ کو اپنے بندوں کے افعال کا علم نہ ہو یا ان کو اُن سے روکنے پر قادر نہ ہو۔ اللہ سبحانہ کی نسبت محال ہیں۔ لہٰذا تیسری صورت متعین ہوئی کہ اللہ سبحانہ کے افعال مبنی علی الحکمۃ نہیں، منکرین حکمت کے اس شبہ کی بنا ایک غلط اصول پر قائم کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ کو اُس کی مخلوق پر قیاس کیا۔

Marfat.com

اور اُس کے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ سمجھا کہ جو کام مخلوق کی نسبت حسن اور اچھے ہیں وہی اللہ سبحانہ کی نسبت حسن ہیں اور جو ان کی نسبت قبیح ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ کی نسبت بھی قبیح ہیں۔ اور اسی واسطے قدریہ نے اللہ سبحانہ کے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ قرار دیا ہے اور متاخرین قدریہ اللہ سبحانہ کے افعال کی تشبیہ اور اس کے صفات کی تعطیل کے معتقد اور قائل ہیں یعنی یہ لوگ اللہ سبحانہ کے صفات کو معطل اور اس کے افعال کو مخلوق کے افعال کے متشابہ سمجھتے ہیں۔ اور اس غلط اصول کو تمام اہل عقل نے رد کیا اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرنا بالکل غلط اور باطل ہے اور اسی طرح اس کی دیگر صفات کو مخلوق کی حکمت اور ان کے صفات پر قیاس کرنا بالکل بیہودہ اور لغو ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ اس کے بندوں سے کفر، ظلم اور فسق صادر ہوں گے۔ اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ ان کو پیدا ہی نہ کرتا یا سب کو ایک ایسی جماعت بنا دیتا۔ لیکن اس طرح کرنا اس کی حکمت کاملہ کے مقتضی کے خلاف ہے۔ بلکہ اس کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ ان کو اسی موجودہ حالت پر پیدا کیا جائے۔ اور اللہ سبحانہ نے نفوس ملکیہ پیدا کیے ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو محض شر کا ارادہ کرتے ہیں اور یہ نفوس بشریہ ہیں۔ پہلی قسم کے لیے خیر ایک طبعی امر ہے اور وہ اس پر قابل حمد و تعریف ہیں اور دوسری قسم کے لیے شر ایک فطرتی چیز ہے اور وہ اس پر لائق مذمت ہیں۔ اور تیسری قسم میں وصف غالب کا اعتبار ہے۔ پس جس صفت خیریت غالب ہو گی، تو وہ دوسری قسم کے وجود کو تو بطریق اولیٰ مقتضی ہو گی اور اللہ سبحانہ کی قدرت، عزت اور حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ وہ ایسے اشیاء کو پیدا کرے جو کہ ذوات، صفات اور افعال میں باہم متقابل ہوں۔ اور اس مضمون کو ہم پہلے

Marfat.com

بھی بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو ایسا گوناگون بنایا ہے جو اس کی کمال قدرت اور ربوبیت پر دال ہے۔ پس بڑی جہالت اور گمراہی کی بات ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ سبحانہ نے سب مخلوق کو یکساں کیوں نہیں بنایا کہ سب چیزیں عالم علوی ہوتیں یا تمام اشیاء نور اور خیر سے معمور ہوتیں یا جتنے حیوانات ہیں وہ سب فرشتے ہوتے اور بعض اوقات اوہام فاسدہ میں یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ کہ عالم کو اس طرح پیدا کرنا بہتر اور اولیٰ تھا۔ اوہام فاسدہ میں اسی قسم کی بیہودہ اور ناممکن خیالات پیدا ہوا کرتے ہیں۔

چھبیسواں جواب۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ حیوانات غیر مکلف کے درد و تکلیف دینے میں کونسی حکمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا بہت سا اختلاف ہے اور متقدمین اور متاخرین نے اس پر گفت گو اور بحث کی ہے اور مختلف طور سے اس کے جواب بیان کئے ہیں۔ پس جو لوگ اللہ سبحانہ کے فاعل مختار ہونیکے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے افعال اس کی مشیت اور قدرت سے صادر نہیں ہوتے تو وہ حیوانات کے درد و تکلیف کو محض طبیعت کی طرف نسبت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ درد و تکلیف کا ہونا حیوانات کی طبیعت کے لوازم اور ضروریات سے ہے۔ اس میں کسی فاعل کے فعل کسی صاحب قدرت کی قدرت اور کسی صاحب ارادے کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ اور منکرین حکمت و تعلیل اللہ سبحانہ کی محض مشیت اور طرح کی دو چیزوں میں سے ایک چیز کو بغیر کسی غایت اور حکمت مطلوبہ اور بدوں کسی سبب اور موجب کے دوسری چیز پر ترجیح دیدیتی اور مخصوص کرلیتی ہے اور وہ اپنے زعم میں اس قول کے باعث تکلیف حیوانات کے مشکل سوال سے اپنے آپ کو نجات یاب سمجھتے ہیں کہ اس طرح گویا ان پر یہ سوال وارد نہ

Marfat.com

ہی نہیں ہوتا۔ اور در حقیقت اِس قول کے باعث انہوں نے اللہ سبحانہ کی ذات مقدس۔ اس کے اسمار۔ صفات اور افعال کے کمال کی معرفت کا دروازہ اپنے آپ پر بند کر لیا ہے اور اس کی حکمت۔ الوہیت اور محمودیت کی حقیقت کو معطل قرار دیا ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دھوپ کی گرمی سے بھاگ کر آگ میں جا گھسے۔ اور جو لوگ اللہ سبحانہ کے افعال کے لیے ایسی حکمت اور علت کے قائل ہیں جو خالق سے متعلق نہیں بلکہ مخلوق کی طرف راجع ہے وہ یہ جواب بیان کرتے ہیں کہ حیوانات کو درد و تکلیف اس لیے ہوتا ہے کہ جب قیامت میں مخلوق ثواب و عقاب کے لیے مبعوث ہوگی۔ تو ان کو اِن تکالیف و آلام پر بدلہ اور ثواب ملیگا اور بعض دفعہ ان کو اِس درد و تکلیف اور اس پر صبر کرنے کا بدلہ دنیا میں مِلجاتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا بلکہ یہ عوض اور ثواب ان کو آخرت میں ملے گا۔ اور ان لوگوں پر جب یہ اعتراض کیا گیا کہ بعضے حیوانات ایسے ہیں کہ ان کو آخرت میں ثواب و عقاب نہیں ہوگا۔ تو اس کا کوئی جواب نہ دینگے۔ اور وہ لوگ جو اللہ سبحانہ کے اسمار و صفات کے حقائق اور اس کی اُس حکمت کے قائل ہیں جو اللہ سبحانہ کی صفت ہے اور اسی صفت کی وجہ سے اس کا اسم حکیم ہے اور اسی صفت سے خلق اور امر کا سلسلہ صادر ہوا ہے ان کو تمام فرقوں کی نسبت اس باب میں صحیح علم حاصل ہوا ہے اور اُن کا مسلک جملہ مسالک کی نسبت زیادہ صحیح اور تناقض اور اضطراب سے سالم ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کی قدرت، مشیت عامہ اور اُسی حکمت کاملہ کے مثبت ہیں۔ جو اس کے افعال کی غایت ہے۔ اور انہوں نے اپنے مسلک کو اُس کے اسمار صفات سے وابستہ اور ان پر مبنی کیا ہے اور ان کا مسلک اولہ نقلیہ، عقل، شرع اور فطرت کے مطابق ہے اور انہوں نے

Marfat.com

اِس بات پر یقین کیا ہے کہ یہ اس کی حکمت کاملہ کا مقتضی اور اس کے لوازم میں سے ہے۔ اور حق کا لازم حق اور عدل کا لازم عدل اور حکمت کے لوازم بھی حکمت ہیں، پس اس مقام میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک نفس جو ارادہ اور اختیار سے حرکت کرتا ہے دوسری طبیعت جو بغیر جو بغیر ارادہ اور اختیار کے حرکت کرتی ہے اور شر کا منشا یہ دونو متحرک اور انکی دونو قسم کی حرکت ہے۔ اور یہ نفس اور طبیعت دونو اس طور پر پیدا کیئے گئے ہیں، کہ ان سے شر کا صدور ہو سکے اور یہ دونو اپنے کمال کے حاصل کرنے کے لیے حرکت کرتے ہیں۔ اور ان کی حرکت سے اور شیر دونو پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ افلاک۔ سورج۔ چاند۔ ہوا۔ پانی اور آگ کی حرکت سے خیر اور شر دونو پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان حرکات سے جو خیرات پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بذات خود مقصود ہوتی ہیں دوسری وہ جو دوسرے خیرات کے لیے جو اُن سے زیادہ افضل اور اعلےٰ ہیں وسیلہ ہوتی ہیں اور جو شر پیدا ہوتے ہیں وہ مقصود بالذات نہیں ہوتے بلکہ حصول خیرات کے لیے وسائل اور اُن کے لوازم ضروریہ ہوتے ہیں۔ اور وہ حرکت جو نفس کی جبلت میں رکھی گئی ہے۔ اس کی ذات کے لوازم میں ہے اور نفس بشریہ اس حرکت کے بدون نفس ہی نہیں ہو سکتا۔ پس اگر کوئی نادان یہ یہ شبہ کرے کہ نفس کو اس طرح کیوں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر وقت متحرک رہتا ہے تو یہ شبہ بالکل ایسا ہوگا جیسا کوئی یہ پوچھے کہ نفس کو نفس، آگ کو آگ، ہوا کو ہوا کیوں بنایا گیا غرض اگر نفس کو متحرک نہ بنایا جاتا تو وہ نفس ہی نہ ہوتا اور ایسے ہی اگر طبیعت کو اس طور پر پیدا نہ کیا جاتا تو وہ طبیعت ہی نہ ہوتی اور اسی طرح اگر انسان کو اس خلقت اور صفت پر پیدا نہ کیا جاتا تو وہ انسان ہی نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ نفس کو اس صفت پر کیوں پیدا کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ۔ چونکہ اس صفت پر پیدا کرنے میں اُس

Marfat.com

کے وجود کا کمال مقصود ہے۔ لہٰذا اس صفت پر اس کو پیدا کیا۔ اور نیز اس کے خالق اور پیدا کرنے والے کے کمال کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس صفت پر پیدا کیا جاتا کیونکہ اس میں وہ حکمت ہیں جو اس کے پیدا کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کو پوری طرح معلوم نہیں۔ اور اگرچہ اس نفس کے پیدا کرنے میں کسی قدر شر بھی ہے لیکن اُس خیر کلی کی نسبت جو اس کے ایجاد کا باعث ہے یہ شر بہت قلیل اور جزوی ہے اور اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہے اور اگر اس صفت پر پیدا نہ کیا جاتا تو سلسلہ وجود میں نقص ہوتا اور وہ مصالح عظیمہ اور حکمتیں جو اس کے اس صفت پر پیدا کرنے پر موقوف ہیں فوت ہو جائیں اور اسی لیے جب ملائکہ نے انسان کے پیدا کرنے کی نسبت اعتراض کیا اور یوں کہا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ (کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے جو اُس میں فساد پھیلائے اور خونریزی کرے)، تو اللہ سبحانہ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ اُس کے پیدا کرنے میں وہ حکمتیں اور مصالح ہیں جو تم کو معلوم نہیں اُن کو صرف میں ہی جانتا ہوں اور جب ملائکہ ایسے انسان کے پیدا کرنے کے مصالح اور حکمتوں سے ناواقف ہیں جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا تو دوسرے لوگ تو بطریق اولیٰ اس کے مصالح اور حکمتوں سے بے خبر ہوں گے۔ غرض انسان کا پیدا کرنا اللہ سبحانہ کی کمال رحمت۔ حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور اگرچہ اس کا وجود شر کو مستلزم ہے مگر یہ شر اُس خیر کی نسبت جو اس کے پیدا کرنے میں موجود ہے نہایت قلیل اور کالعدم ہے جیسا کہ بارش برسنے۔ برف پڑنے۔ ہواؤں کے چلنے آفتاب کے طلوع کرنے اور حیوانات نباتات۔ پہاڑوں اور دریاؤں کے پیدا کرنے میں خیر کثیر موجود ہے اور ان چیزوں میں کسی قدر شر بھی پایا جاتا ہے مگر اُس خیر کثیر کے مقابل یہ شر کالعدم ہے۔ اور یہ حکمتیں، مصالح۔ خیر کثیر اور شر

Marfat.com

قلیل جس طرح سلسلہ خلق میں موجود ہیں اسی طرح سلسلہ امر شریعت اور دین کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے جن اعمال صالح کا امر فرمایا ہے ان کی خیر اور مصلحت ان کے شر پر غالب اور راجح ہے اور وہ قلیل شر جو ان میں موجود ہے وہ بہ نسبت خیر کے کالعدم ہے اور جن اعمال اور اقوال سے منع فرمایا ہے اُن کا شر اور مفسدہ ان کے خیر پر غالب ہے اور وہ قلیل خیر جو ان میں موجود ہے وہ بہ نسبت شر کے کالعدم ہے۔ غرض سلسلہ خلق اور امر میں اللہ سبحانہ کی عادت اِس طرح جاری ہے کہ وہ اُن چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن میں خیر خالص یا خیر راجح موجود ہو اور اسی طرح ان کاموں کا امر فرماتا ہے جو محض خیر ہوں یا ان میں خیر غالب ہو۔ پس جب خیر اور شر کے اسباب متناقض ہوں اور نقیضین کو جمع کرنا محال ہے تو اُن اسباب کو پیدا کرتا ہے جن خیر غالب ہو اور اسباب راجحہ کو مرجوحہ پر مقدم کرتا ہے اور اس صورت میں اسباب مرجوحہ کے پیدا کرنے میں کوئی شر نہیں۔ اور جن اسباب میں شر غالب ہو ان کو ان اسباب کے پیدا کرنے سے جن میں شر کم اور مرجوح ہو دفع کر دیتا ہے اور اس طرح ایسے اسباب کے پیدا کرنے میں جن میں نہایت قلیل شر موجود ہے بہ نسبت اس شر کے جو ان کے ذریعہ سے دفع ہوئی کوئی شر نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح سلسلہ امر اور شرع میں بھی اس کی یہی عادت ہے کہ خیر راجح کو مقدم فرماتا ہے۔ گو اس کے ضمن میں کچھ قلیل شر بھی موجود ہو اور شر راجح کو معطل فرماتا ہے۔ اگر اس کے معطل کرنے میں کسی قدر خیر قلیل فوت کیوں نہ ہو۔ تمام چیزوں کی نسبت جن کو آسمان و زمین میں پیدا کرتا اور جملہ اوامر و نواہی میں اُس کا یہی کا دستور ہے۔ اور آخرت میں بھی یہی طریقہ جاری فرمائے گا۔ غرض اللہ سبحانہ نے ہر ایک چیز کی خلقت کو احسن طور پر پیدا کیا اور اپنے تمام مصنوعات کو استحکام اور مضبوطی سے بنایا ہے۔ اور اس بات کو مجملاً تمام وہ لوگ جانتے ہیں جو اللہ سبحانہ کی ہستی کے قائل اور

Marfat.com

اس کی ذات و صفات کا علم رکھتے ہیں گو اس بات کے علی التفصیل جاننے میں ان کے مدارج مختلف ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب ہم اصل جواب کی طرف رجوع کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ حیوانات کے آلام اور تکالیف یا تو محض احسان اور رحمت یا عدل اور حکمت یا کسی خیر کے حصول کے لیے ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں جو کہ ان کے بعد حاصل ہوتی ہے یا کسی ایسی تکلیف کے دفعیہ کے لیے ہوتے ہیں، جو ان سے زیادہ تر سخت اور دشوار ہو یا ایسے لذات اور نعمتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو ایک ایسا امر لازم ہوتا ہے جو ان کا موجب اور باعث ہے یا عدل یا فضل اور احسان کے لوازم میں سے ہوتے ہیں۔ پس آلام اور تکالیف اس خیر کے لوازم سے ہوئے کہ اس کو معطل کیا جاتا۔ تو ایک بہت بڑی خیر جو ان کی ملزوم اور ان کے فساد کی نسبت بہتر تھی فوت ہو جاتی۔ شرع اور تقدیر اس بات پر سچے شاہد ہیں۔ دیکھو کہ آفتاب کے طلوع میں اگرچہ بیشمار منافع موجود ہیں، مگر ساتھ ہی اس کے کئی مسافروں اور غریب مزدوروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور اسی طرح مینہ کے برسنے اور برف پڑنے میں کس قدر فوائد ہیں۔ مگر باوجود اس کے ان میں کئی ضرر اور تکلیفیں بھی موجود ہیں، چنانچہ اللہ تعالٰے نے اس کو اذی (تکلیف) کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ (اگر تم لوگوں کو مینہ کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو) اور اسی طرح گرمی، سردی اور ہواؤں میں (ان کے بیشمار منافع کے ساتھ) بہت سے ضرر موجود ہیں جو حیوانات کے انواع کے لیے طرح طرح کے ورود تکلیف کے موجب اور باعث ہیں۔ دنیا کی عمدہ اور بہترین لذتیں کھانے، پینے، نکاح، لباس اور ریاست میں منحصر ہیں۔ اور اکثر بلکہ تمام بیماریاں، دکھ اور تکلیفیں انہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ انسانی کمالات مثلاً، علم، شجاعت، زہد، عفت، حلم، مروت، صبر اور

Marfat.com

احسان تکالیف اور مشقتوں کے برداشت کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتے
کسی شاعر نے کیسا خوب کہا ہے ؎

لَوْلَا الْمَشَقَّةُ سَادَ النَّاسُ كُلُّهُمْ
اَلْجُوْدُ يُفْقِرُ وَالْاِقْدَامُ قَتَّالٌ

(اگر (سرداری حاصل کرنے میں) کوئی تکلیف و مشقت نہ ہوتی تو سب کے سب آدمی سرداری کا مرتبہ حاصل کر لیتے لیکن (غضب تو یہ ہے کہ) سخاوت فقیر بنا دیتی اور بہادری ہلاک کر ڈالتی ہے (پس اس قسم کی مصیبتوں کے پیش آنے کا خیال سرداری کے حاصل کرنے سے روک دیتا ہے) اور جب کہ تکالیف اور آلام ایسے لذات کے حصول کے اسباب اور ذرائع ہوں، جو ان کی کلفت برداشت کرنے کی نسبت ہزار ہا درجہ اچھے اور دائم و پائدار ہوں۔ تو عقل مقتضی یہ ہے، کہ ایسے تکالیف کو خوشی اور شوق سے برداشت کیا جائے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سے دکھ اور بیماریاں صحت کا سبب اور ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ بیماریاں نہ ہوتیں تو مریض کو صحت حاصل نہ ہوتی۔ بدن کی بہت سی بیماریوں کی یہی کیفیت ہے۔ مثلاً حمیّ (تپ) کہ اس میں بدن کے وہ بے حد منافع موجود ہیں۔ جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مثلاً اس میں بدن کے فضلات پگھل جاتے اور خام مواد پختہ ہو جاتے اور فاسد مادوں کو ایسی جگہ سے نکال دیتا ہے۔ جہاں کوئی دوسری دوا نہیں پہنچ سکتی بہت سے ایسے امراض ہیں کہ جب ان کے بیمار کو بخار آجائے۔ تو طبیب خوش ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ بیمار اچھا ہو جائے گا۔ اور وہ فوائد اور منافع جو ان امراض اور آلام سے روح اور قلب کو حاصل ہوتے ہیں ان کو وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کے دل زندہ ہوں۔ بلکہ قلوب اور ارواح کی صحت ابدان کی بیماریوں اور تکالیف

Marfat.com

پر موقوف ہے۔ بعض اہل علم نے امراض کے سنو سے زیادہ فوائد بیان کیے ہیں
اللہ سبحانہ نے سب سے افضل اور اعلیٰ لذت یعنی جنت کو طرح طرح کی تکالیف سے محجوب فرمایا اور مشقتوں
اور مکارہ کے برداشت کرنے کو اس کی طرف راستہ ٹھیرایا ہے جس طرح کہ سب سے
بڑی تکلیف یعنی دوزخ کو لذت اور شہوات سے گھیرا اور لذات و شہوات
میں مشغول ہونے کو اس کا راستہ قرار دیا ہے۔ اور اسی واسطے تمام عقلا کا اس بات
پر اتفاق ہے۔ کہ آرام اور خوشی کے ذریعے سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور جو شخص پر ست
اور موجودہ لذات کو اختیار کرتا ہے تو وہ آئندہ لذات سے محروم رہتا ہے پس اس
سے یہ ثابت ہوا کہ آلام۔ امراض اور تکالیف بڑی عظیم الشان نعمت ہے۔ کیونکہ
یہ آئندہ نعمتوں کے حصول کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ اور وہ تکالیف جو حیوانات
غیر مکلف کو پیش آتی ہیں۔ وہ ان کے مصالح و منافع کے لحاظ سے نہایت قلیل
اور کالعدم ہیں۔ مثلاً موسم گرما میں گرمی موسم سرما میں جاڑے۔ مینہ برسنے۔ برف
کے پڑنے۔ حملدار ہونے بچہ جننے اور طلب روزی میں دوڑ دھوپ کرنے سے
حیوانات کو دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے۔ لیکن ان کو جو لذات حاصل ہیں وہ ان
سے کئی گنے زیادہ ہیں۔ اور وہ منافع وخیرات جو ان کے حصے میں آتے ہیں شرور
اور آلام سے بہت ہی زیادہ ہیں۔ خلق اور امر کے باب میں اللہ سبحانہ کا وہی
دستور جاری ہے جو اس کے کمال علم۔ حکمت اور قدرت کا مقتضی ہے۔ اور اگر
تمام عقلاء بلکہ اس سے کوئی اچھا طریقہ نکالنا چاہیں تو ہرگز کبھی نہ نکال سکیں گے
اور ہر ایک کو یہ آواز آئے گی کہ ہمارے انتظام پر دوبارہ نگاہ عقل ڈالو۔ اور
دیکھو کہ کوئی خلل نظر آتا ہے۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيْرٌ (پھر بار بار نظر کرنا نتیجہ یہی ہوگا کہ تیری نظر
کھیانی ہو کر تھکی ہاری الٹی لوٹ آئے گی) اللہ سبحانہ کی وہ بابرکت ذات ہے
جس نے اپنے کمال حکمت اور قدرت سے اشیاء کو ان کے اضداد سے نکالا اور

Marfat.com

پیدا کیا ہے۔ زندے کو مردے سے۔ مردے کو زندہ سے رطب کو یابس سے اور یابس کو رطب سے پیدا کیا ہے اور اسی طرح لذات کو آلام سے اور آلام کو لذات سے اور سب سے عمدہ اور اعلیٰ لذت یعنی جنت آلام کا ثمر اور نتیجہ ہے۔ اور سب سے بڑی تکلیف اور سخت مصیبت یعنی دوزخ لذات کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور اس دنیا میں جو کہ بلیات. محنتوں اور مصیبتوں کا گھر ہے خیرات۔ نعمتیں۔ عافیت۔ رحمت اور مصلحت اپنے اضداد سے کئی درجے زیادہ موجود ہیں۔ حیوانات کے تکالیف اور آلام ان کے لذات سے بہت ہی کم ہیں اور بیماری بہ نسبت صحت کے بھوک اور پیاس بہ نسبت سیری اور سیرابی کے اور کلفت بہ نسبت آرام کے بہت ہی کم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے مشکل کے ساتھ آسانی ہے)، اور ایک عسر دو یسر پر کبھی غالب نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب اور اس کا غضب عقوبت سے سابق اور اس کی نعمت عذاب سے مقدم ہے اور خیر اس کے صفات اور افعال میں متحقق ہے اور شر کا وجود صرف مفعولات میں ہے اس کے افعال شر سے پاک ہیں اور اس کے تمام اوصاف باعث کمال اور اس کے جملہ افعال خیرات ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیوانات کے دکھ اور درد میں یا تو یہ مصلحت ملحوظ ہوتی ہے کہ تھوڑے سے دکھ اور درد کے ذریعہ سے ایک سخت تکلیف اور مصیبت سے بچایا جاتا یا اس دکھ اور درد کو قوت۔ صحت اور کمال کا وسیلہ بنایا جاتا ہے یا اس کے عوض وہ نعمت تیار کی جاتی ہے کہ جس کے مقابل اس دکھ اور درد کی کوئی حقیقت اور ہستی نہیں ہوتی کیونکہ دنیا کے تمام مصائب اور آلام کو آخرت کے لذات اور خیرات سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک ذرّہ کو دنیا کے تمام پہاڑوں سے ہے۔ اور اسی طرح دنیا کے تمام لذات

Marfat.com

آخرت کے تکالیف اور آلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اور اللہ سبحانہ نے لذات اور آلام میں سے کسی چیز کو بیکار نہیں پیدا کیا اور ان کو فضول نہیں بنایا۔ اور یہ اُس کی کمال قدرت اور حکمت ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کا ثمرہ ٹھہرایا ہے۔ اور چونکہ آلام و لذات حیوانات کی خلقت کے لوازم میں سے ہیں۔ اور لوازم خلقت کا زائل اور معدوم ہونا محال ہے جیسا کہ مخلوق سے فقر، حاجت اور نقص کا زوال ناممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ سبحانہ کی محتاج اور فقیر اور ولپذیر علم اور قدرت میں ناقص نہ ہو۔ لہذا حیوانات کے لیے آلام اور تکالیف کا ہونا ضروری ہے۔

پس اگر نوع انسان یا حیوانات کی کوئی دوسری نوع ایسی ہوتی۔ کہ عالم کون و فساد یعنی دُنیا میں اُسے بھوک پیاس نہ لگتی۔ اور اُسے کوئی درد و تکلیف نہ ہوتا تو وہ حیوانات کی جنس سے نہ ہوتی۔ اور یہ دنیا بقا اور لذت کاملہ کا گھر ہو جاتا اور اللہ سبحانہ نے اس کو بقاء اور لذت کاملہ کا مقام نہیں بنایا۔ بلکہ اپنی حکمت کاملہ سے اُس کو ایک ایسا مقام بنایا ہے جس کا دُکھ لذت کے ساتھ خوشی غم کے ساتھ اور صحت مرض کے ساتھ مخلوط رہے ؛؛

Marfat.com

فصل :۔ چونکہ آلام۔ دکھ اور مصائب ارواح اور ابدان دونوں کے لیے دوا اور علاج ہیں۔ لہذا یہ حیوانات خصوصاً نوع انسانی کے لیے باعث کمال ہیں اُس کا خالق اور پیدا کرنے والا اس لیے اس کو بیمار کرتا ہے تاکہ اُس کو شفا بخشے اور مصیبت میں اس لیے مبتلا کرتا ہے کہ اُس کو عافیت اور آرام عطا فرمائے اور موت کو اس لیے بنایا ہے کہ زندہ کر کے اس پر اپنا انعام اکرام ظاہر فرمائے اور حیاتِ جاودانی بخشے اور وہ تمام حیوانات اور اسی طرح انسان کو اُن کے کمال کے مراتب میں درجہ بدرجہ پہنچاتا ہے۔ یہاں کہ آخر کمالات تک پہنچتے ہیں۔ اور ان کمالات کے حاصل کرنے کے لیے ایسے اسباب بنا دئے ہیں۔ کہ جن کے بدوں ان کا حصول ناممکن ہے اور وہ ان کے کمال کے حصول کے لیے موقوف علیہ اور اُس کے لوازم میں سے ہیں اور ظاہر ہے کہ ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا محال ہے جیسا کہ مخلوق کا حاجت فقر نقص اور ان کے لوازم اور لوازم کے بدوں موجود ہونا محال ہے۔ لیکن اکثر لوگ اللہ سبحانہ کی ذات۔ اُس کی حکمت۔ علم اور اُس کے کمال سے بے خبر ہیں۔ اور بہت سے ممتنع اور محال امور کو فرض کر کے اور اپنے ذہن میں قرار دے کر یوں کہتے ہیں۔ کہ موجودہ انتظام الٰہی کی بہ نسبت ان امور کا موجود ہونا انتظام عالم کے لیے اچھا اور اُس کے کمال کا باعث ہے اللہ رحیم کی رحمت کی شان دیکھو کہ وہ اُن کی جہالت۔ عاجزی نقص عقل اور ایسے خیالات کرنے پر بھی اُن پر رحم فرماتا ہے۔ اگر وہ اپنی جہالت عاجزی اور نقصان عقل اور اللہ سبحانہ کے کمال اور اس کی محمودیت کا اقرار کرتے اور اس اعتراف و اقرار پر ثابت قدم اور مستقیم ہو جاتے تو اللہ سبحانہ کی رحمت سے حظ وافر کے مستحق ہوتے۔ اور اللہ سبحانہ نے سلسلہ خلق کو

Marfat.com

کو حمد کے ساتھ شروع فرمایا اور اس عالم کے انتظام کو حمد کے ساتھ ہی ختم کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور نیز زمین کو) وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور (سب ہو اکر آخر کار ہر طرف سے یہی) صدا (بلند) ہوگی کہ سب تعریفیں خدا کو (سزاوار) ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار ہے) اور اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ نازل فرمایا اور دین کو حمد کے ساتھ مشروع کیا۔ اور ثواب وعقاب کو حمد کے ساتھ مقرر کیا ہے۔ اور حمد اس کی ذاتِ مقدس کے لوازم میں سے ہے اور اس کا محمود ہونا ضروری ہے۔ اور حمد ہی سلسلہ خلق کا سبب اور اس کی غایت ہے۔ اور وہ اس کی موجب ہے اور اسی کے واسطے اس کا ایجاد ہوا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی حمد اُن سب چیزوں میں موجود ہے جن کو اس کا علم اور رحمت محیط اور حاوی ہیں۔ اور اس کا علم اور رحمت تو سب چیزوں کو حاوی اور محیط ہے۔ پس ایسی کوئی چیز موجود۔ مقدر اور مشروع نہیں جو اس کی حمد کو متضمن نہ ہو اور حمد کے لیے اس کو موجود۔ مقدر یا مشروع نہ کیا ہو۔ اور سلسلہ خلق اور امر کی ہر ایک چیز غایت محمود کو متضمن ہے۔ اور اُن غایات کے لوازم اور لوازمِ لوازم کا موجود ہونا ضروری ہے اور اسی واسطے آسمان۔ زمین اور اُن کے مابین کو اور نیز اُن چیزوں کو جو آئندہ پیدا کرے گا۔ سب کو اس کی حمد بھر سکتی ہے بلکہ اُن کے بھرنے کے بعد بھی وسیع رہتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی حمد کئی قسم پر ہے۔ ایک حمد اس کی ربوبیت پر ہے۔ دوسری حمد ربوبیت کے ساتھ منفرد اور یگانہ ہونے پر۔ تیسری حمد

Marfat.com

اُس کی اُلوہیت اور اُس کے ساتھ متفرد اور یکتا ہونے پر۔ چوتھی حمد اُس کی نعمتوں پر۔ پانچویں حمد اُس کے احسان پہ چھٹی حمد اُس کی حکمت پر۔ ساتویں حمد اپنے مخلوق میں عدل وانصاف کرنے پر آٹھویں حمد اولاد شرکا اور مددگاروں سے مستغنی ہونے پر۔ نویں حمد اُس کے اُس کمال پر جو اُس کے سوا کسی دوسرے کے لیے لائق نہیں۔ پس وہ ہر حال اُن اور نفس میں اور اپنے جملہ افعال مشروعات صفات اور تمام اُن چیزوں پر جن سے وہ منزہ ہے۔ اور خیر، شر۔ لذت۔ الم۔ عافیت۔ بلا وغیرہ جو کچھ سلسلہ ہستی میں موجود ہے سب پر محمود ہے۔ اور جس طرح کہ تمام ملک اُسی کا ہے۔ اور سب قدرت۔ عزت۔ علم اور جمال اسی کے لیے حاصل ہے۔ اسی طرح تمام حمد بھی اُسی کے واسطے ثابت ہے جیسا کہ اس دعا میں وارد ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ وَلَکَ الْمُلْکُ کُلُّہٗ۔ الخ۔ یعنی اے اللہ تمام محامد کی مستحق۔ صرف تیری ہی محبت مقدس ہے اور سب ملک تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور جملہ خیرات تیرے ہی اختیار میں ہیں۔ اور سب امور کا مرجع اور مآل تیری ہی طرف ہے۔ اور صرف ایک تو ہی لائق حمد ہے اور دنیا بہشت اور دوزخ سب کچھ تیری حمد ہی سے آباد ہے۔ یہاں تک اہل دوزخ بھی اللہ سبحانہ کی حمد کریں گے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے اور اُن کے دل اللہ سبحانہ کی حمد کرتے ہوں گے اور اس کے انکار کے لیے ان کے کوئی حجت یا راستہ نہیں ملے گا۔

فصل :۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ دوزخ کے اُس عذاب شدید سے کونسی لذت اور خیر پیدا ہو گی۔ کہ دائم اور غیر منقطع ہو گا اور کبھی ختم نہ ہو

کمی نہ ہو گی۔ بلکہ ابد الآباد اور ہمیشہ دوزخیوں کا یہ حال رہے گا۔ کہ جب اُن کے چمڑے جل جائیں گے تو پھر نئے سرے سے اُن کے اور چمڑے بدل دیئے جائیں گے۔ اور اس عذاب کا کبھی خاتمہ نہ ہو گا۔ اور نہ اُن کے لیے موت ہو گی اور ایک لمحہ بھر اُن کے عذاب میں تخفیف نہ ہو گی۔ تو اس کا یہ جواب ہے۔ کہ یہ ایسا سوال ہے۔ کہ آدمیوں کے دل تو بجائے خود اس سے پہاڑ ہل جاتے ہیں اور اسی شبہ کی وجہ سے منکرین حکمت نے اللہ عزیز حکیم کی حکمت کا انکار کیا اور تمام امور کو اللہ سبحانہ کی اُس مشیت محضہ سے وابستہ کیا ہے جس کے لیے نہ کوئی سبب ہے اور نہ کوئی غایت اور اُنہوں نے اس بات کو جائز رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے فرمانبردار اور پیارے بندوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ اور اُن کو دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں جگہ دے اور اپنے دشمنوں مشرکین پر انعام واکرام فرمائے۔

اور ان کے ہمیشہ جنت کے اعلیٰ درجے میں بلند مراتب عطا فرمائے اور جس کو چاہے بغیر کسی سبب اور عمل کے دوزخ میں داخل کرے۔ اور اہل دوزخ کے اعمال کی مساوات کی صورت میں چاہے۔ تو اُن کو مختلف مقامات میں رکھے اور اعمال میں تفاوت ہونے کی صورت میں چاہے تو سب کے عذاب میں مساوات کر دے۔ اور کسی کے گناہ کے عوض دوسرے کو عذاب میں گرفتار کرے۔ اور کسی نیکوکار کی سب نیکیاں باطل کر دے۔ اور اُس کو ان کا کوئی عوض اور بدلہ نہ دے یا اُن کا ثواب اور بدلہ دوسرے شخص کو دے دیں۔ اللہ سبحانہ کی نسبت یہ سب کام جائز ہیں۔ اور ان کا وقوع صرف اس لیے محال ہے کہ اُس نے بیان فرما دیا ہے کہ وہ ایسا نہیں

Marfat.com

کرے گا۔ اور چونکہ اُس کی خبر صادق ہے۔ لہٰذا اُن کا وقوع ناجائز ہے اور اس کی ذات مشیت اور قدرت کے لحاظ سے اُن کا وقوع اور عدم وقوع دونو یکساں ہیں۔ اور اُن کا یہ قول ہے کہ اس اصول کے بدون اس شبہ سے خلاصی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ لوگ لیسا اوقات ظاہر آیات سے استدلال کرتے اور اُن کو اپنے موقع اور محل پر نہیں رکھتے اور عدل اور حکمت کے ادلہ کے درمیان تطبیق۔ اور امور کو اُن کے اسباب سے عالیٰحدہ اور اُن پر ترتیب کرنے اور موازنہ اور مقابلہ کے آثار کا لحاظ نہیں کرتے اور جس طرح کہ اُنہوں نے اللہ سبحانہ کو ایسے اوقات کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں غلطی کی ہے اور اُس کی نسبت اُن اُمور کو جائز رکھا ہے جو اس کی نسبت جائز نہیں اسی طرح قرآن کریم کے سمجھنے میں بھی غلطی پر ہیں۔ اور فرقہ قدریہ نے جو اسباب اور حکم کے قائل ہیں۔ ان کا مقابلہ کیا اور یوں سمجھا کہ حکمت و تعلیل کے قول کی وجہ سے وہ اس قبیح قول سے بچ جائیں گے۔ مگر وہ ایک اسی قسم کی خرابی بلکہ اس زیادہ خرابی میں پڑے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی تمام عمر اللہ سبحانہ کی عبادت و طاعت میں گذارے اور آخر عمر میں اُس سے ایک گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے جس سے اُس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو تو اللہ سبحانہ پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو کفار کے ساتھ ہمیشہ ابداً لاباد دوزخ میں رکھے۔ قدریہ ایسے شخص کی کسی عبادت اور اسلام کا بالکل لحاظ نہیں کرتے اس مذہب میں قدریہ کا قول اپنے بھائیوں جبریہ سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ وہ اس حکم کو اللہ سبحانہ پر واجب نہیں کرتے۔ بلکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا اور نہ کرنا دونو باتیں اللہ سبحانہ کی نسبت جائز ہیں اور

Marfat.com

ایسا کرنا اُس کی مشیت پر موقوف ہے اور وہ اس میں مختار ہے۔ اور قدریہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ پر واجب ہے کہ اہل کبائر کو کفار کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رکھے۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ جائز نہیں کہ اُن کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کرے۔ اور اُنہوں نے بھی قرآن حدیث کے سمجھنے اور اللہ سبحانہ کی نسبت ایسے امور قرار دیتے ہیں جو ناجائز ہیں ایسی ہی غلطی کھائی ہے جیسے کہ جبریہ اس باب میں غلطی پر ہیں۔ اور اُن لوگوں نے جن کو عقل سلیم اور علم صحیح سے حصہ ملا ہے۔ جب یہ سوچا کہ جبریہ اور قدریہ کے عقائد تو وہی گمراہی ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اپنی ہدایت سے مٹایا ہے اور وہ یہ سمجھے کہ ایسا ہونا اللہ سبحانہ کی حکمت رحمت ، عدل اور مصلحت کے خلاف ہے تو اُنہوں نے اُن آیات و احادیث کے معانی کے متعلق جن کے ظاہر سے یہ استدلال کرتے تھے یوں کہا کہ اُن کے ظاہر معانی درحقیقت مراد نہیں۔ بلکہ ان سے انداز اور خوف دلانا مقصود ہے۔ تاکہ نفوس جن میں قوی بہیمیہ رکھے گئے ہیں۔ اپنی شہوات اور ظلم و تعدی سے باز آجائیں اور اس طرح سلسلہ ہستی کا انتظام ٹھیک ہو جائے قدریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے الحاد اور اللہ سبحانہ اور دن آخرت کے ساتھ کفر کرنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے مذہب باطلہ اور اقوال فاسدہ کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا۔ اور یوں کہا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام نے ان عقائد پر ایمان لانے کی تعلیم فرمائی ہے جیسا کہ مسئلہ حدوث عالم میں ان سب کو غلطی پیش آئی ہے۔ انہوں نے لوگوں کو یہ تبلایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ تعلیم ہے کہ اللہ سبحانہ ازل میں افعال سے معطل تھا اور اُس سے افعال کا صدور ناممکن تھا۔ پھر بغیر کسی سبب اور امر کے پیدا ہونے کے

Marfat.com

جو فاعل کے ساتھ قائم ہو صدور افعال کی محالیت امکان ذاتی کی طرف منقلب ہوئی
ان کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص اس عقیدہ پر ایمان نہ لائے تو وہ مومن اور انبیاء
علیہم السلام کا مصدق نہیں۔ مبداء کے متعلق ان کے یہ عقاید ہیں۔ اور معاد کے
باب وہ ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ان کے بعد ایک اور فرقہ پیدا ہوا۔
جس نے خلق اور امر کے سلسلہ کا بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ یہ سب کچھ
دھوکا ہی ہے۔ اور خلق اور امر کے سلسلہ کا وجود محال ہے سلسلہ ہستی
میں کسی چیز کا وجود نہیں بلکہ یہاں جتنی چیزیں بظاہر نظر آتی ہیں۔ در حقیقت وہ
صرف ایک ہی وجود ہے۔ خالق و مخلوق۔ رب و مربوب اور طاعت و معصیت
کوئی دو چیزیں نہیں۔ بلکہ تمام اشیاء ایک ہی چیز ہیں۔ صرف وہم اور خیال ان
کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ ورنہ در حقیقت آسمان و زمین دنیا و آخرت۔ ازل
و ابد اور حسن و قبیح سب ایک ہی چیزیں اور سب کا منبع اور چشمہ ایک ہے
پھر اس سے بھی بڑھ کر یوں کہا کہ صرف ایک ہی چشمہ موجود ہے اور دوسری
کسی چیز کا وجود ہی نہیں پھر اور لوگ پیدا ہوئے جو ان چار گروہ یعنی قدریہ
جبریہ۔ وحدت وجودیہ اور منکرین حکمت و تعلیل کے اقوال اور مذاہب وہ
کی تقلید کرنے لگے۔ اور اس طرح دین میں ایک بڑی آفت اور سخت مصیبت
پیدا ہو گئی۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو صاحب عقل سمجھتے ہیں وہ زندیق اور ملحد ہو
گئے۔ اور جو لوگ ان کے زعم میں کم عقل اور بے سمجھ ہیں۔ اور در حقیقت
وہی عقلمند اور شریعت کے تبیع ہیں۔ وہ اس آفت سے بچ رہے اور یہ چاروں
گروہ عقل اور شرع سے بالکل علیحدہ ہیں اور ان کے مذہب عقل اور
شرع سے بہت دور ہیں۔ پس ہم اللہ سبحانہ کے توفیق سے یوں کہتے ہیں
(اور ہم ہر حال میں اُسی سے مدد مانگتے اور اُسی پر بھروسا کرتے ہیں) کہ

Marfat.com

قرآن۔ حدیث۔ فطرت۔ اور ادلۂ عقلیہ اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ نے آسمان زمین اور جو کچھ ان میں موجود ہے۔ سب کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اور کسی چیز کو بیکار اور فضول نہیں پیدا کیا۔ عالم علوی اور سفلی اور جو کچھ اُن میں موجود ہے۔ سب کو اُس حق کے ساتھ پیدا کیا ہے جو اُس کی صفت۔ اسم اور اُس کا قول و فعل ہے اور اُس کی ذات حق مبین ہے۔ پس سوائے حق کے کوئی چیز اُس سے صادر نہیں ہوتی۔ وہ جو کچھ فرماتا اور کرتا ہے سب حق ہے اور اُس کے سب احکام حق ہیں۔ اور اسی طرح اُس کا اپنے بندوں کو جزا و سزا دینا سب حق ہے۔ اور باطل کو اس کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ باطل وہ چیز ہے جو اس کی طرف منسوب نہ ہو جیسے ناجائز حکم اور وہ باطل دین جس کی اُس نے اجازت نہ دی ہو اور اس کو اپنے رسولوں کی زبانی مشروع و مقرر نہ فرمایا ہو۔ اور اُس کے سوا تمام معبود باطل ہیں عبادت کے مستحق اور لائق نہیں۔ پس اُن کی عبادت باطل اور ان کو پکارنا سراسر غلطی ہے۔ اور قول باطل وہ ہے جو کذب اور جھوٹ ہو اور جس کو حق موجود سے تعلق نہ ہو بلکہ وہ ایک ایسی باطل چیز سے متعلق ہو جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو صرف اپنی عبادت اور معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور تمام عبادتوں کی جڑ اور اصل یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک کی نعمتوں اور اس کے کمال و جلال پر اس سے محبت رکھے۔ اور یہ محبت ایک فطری امر ہے جو اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کی جبلت میں رکھ دیا ہے اور یہی اُس کی فطرت ہے۔ جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جس طرح کہ اُن کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے۔ کہ سب اُس کی ہستی اور وجود کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ احکام کے وقت اپنی اُمتوں سے یہی بات کہی ہے أفي الله شك فاطر السموات والارض (کیا تم کو خدا کے ہونے میں شک ہے جو آسمان

Marfat.com

اور زمین کا بنانے والا ہے) غرض اللہ سبحانہ کی معرفت اور توحید مخلوق کی فطرت میں داخل ہے اور اگر ہر ایک آدمی کو اُس کی اصلی فطرت پر چھوڑا جائے (اور وہ بری تعلیم کے اثر سے محفوظ رہے) تو وہ اللہ سبحانہ کی معرفت پر قائم اور وحدہ' لاشریک لہ، کی عبادت پر ثابت قدم ہو۔ اور یہ فطرت ایک خلقی امر ہے جو ہر ایک کی خلقت میں داخل ہے اور اللہ سبحانہ کی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا بہت عرصے تک لوگ اسی فطرت پر قائم تھے۔ اور مدت دراز کے بعد کچھ ایسے عوارض اور اسباب پیدا ہوئے جو ان کے طبائع کے فساد کا موجب اور صحت و استقامت سے خارج ہونے کا باعث ہوئے۔ جس طرح تندرست اور صحیح بدن اور معتدل مزاج کو ایسے عوارض لاحق ہوتے ہیں جو اُس کو صحت اور اعتدال سے نکال کر مریض اور بیمار بنا دیتے ہیں۔ اور جب لوگ بگڑنے لگے۔ تو اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو اُن کی اصلی فطرت کی طرف لائیں۔ پس انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور انقیاد کے لحاظ سے لوگوں کے تین فریق ہوئے۔ ایک فریق نے تو ان کی ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا اور پورے طور پر اُن کا اتباع اور پیروی اختیار کی۔ سو یہ اپنی اصلی فطرت پر آگئے اور انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کے بدولت اُن کے علم نافع اور عمل صالح میں ترقی اور کمال پیدا ہوا اور فطرت کاملہ کے ساتھ کمالات علمی اور عملی منضم ہونے سے نور علیٰ نور کا مصداق ہو گئے۔ اور یہ لوگ آخرت میں کسی سزا یا تادیب کے محتاج نہیں اور نہ یہ ضرورت ہے۔ کہ اُن کو آگ میں داخل کر کے ان کے فضلات خبیثہ کو جلایا اور ان کو میل کچیل سے پاک اور صاف کیا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ انبیاء علیہم السّلام کی پورے طور پر پیروی اختیار کرنے کے بدولت تمام آلائشوں سے دنیا ہی میں صاف اور ستھرے ہو گئے ہیں۔ اور ایک فریق نے نہ تو پورے طور پر اتباع اختیار

Marfat.com

کیا اور نہ بالکل انکار کیا اس لیے اُن میں کچھ ایسا میل کچیل رہ گیا۔ جو اُس حق اور صفائی کے خلاف ہے جس کے لیے یہ پیدا کئے گئے تھے۔ لہٰذا علیم حکیم نے ان کے ان امراض کے لیے ابتلا اور امتحان کا نسخہ تیار کیا پس اگر ان امراض سے دنیا میں صحت یاب اور ان آلائشوں سے اسی عالم میں پاک وصاف ہو گئے تو فبہا ورنہ عالم برزخ میں اُن کے علاج کی تدبیر ہو گی۔ اگر وہاں بھی پوری صفائی اور صحت حاصل نہ ہوئی۔ تو موقف قیامت میں وہ تدبیر ہو گی کہ اس میل کچیل سے وہ پاک وصاف ہو جائیں۔ اگر وہاں بھی کچھ کسر رہی تو علاج کی آخری تدبیر سے اُن کو پاک وصاف کیا جائے گا۔ یعنی طب کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی علاج مفید نہ ہو تو لوہے کو آگ میں گرم کر کے مریض کو داغ دیا جاتا ہے اسی طرح ان لوگوں کو دوزخ کی بھٹی میں داخل کر کے ان کو پاک اور صاف کیا جائے گا۔ اور جب بالکل پاک وصاف اور صحیح و تندرست ہو جائیں گے۔ بیمار خانہ یعنی دوزخ سے نکال کر اہل عافیت کے مقام یعنی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ مضمون صحیح حدیث سے ثابت ہے اور حدیث کے الفاظ میں صراحتہً موجود ہے۔ کہ جب وہ پاک اور صاف ہو جائیں گے تو ان کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ہو گی۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (تم بڑے مزے میں رہے تو بہشت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو) سے یہی مضمون ثابت ہوتا ہے جب تک کہ وہ گناہوں کی آلائش سے پاک وصاف نہ ہوں گے اللہ سبحانہ ان کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے گا۔ کیونکہ وہ پاک لوگوں کا مقام ہے اُس میں کسی قسم کی کوئی آلائش اور گندگی موجود نہیں۔ اور چونکہ اُن کو صرف گندگی اور آلائش سے پاک وصاف کرنا منظور ہے لہٰذا ان کو دوزخ میں اُسی قدر رکھا جائے گا جس سے وہ پاک وصاف ہو جائیں اور جنت اور گندگی دور ہو جائے۔ اور

Marfat.com

ایک فریق نے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کو قبول نہ کیا اور ان کی پیروی اختیار نہ کی۔ بلکہ فطرت اصلی کے خلاف پر جمے رہے۔ اور پہلی فطرت کی طرف رجوع نہ کیا اور اُن کی حالت ایسی خراب ہے کہ ان کی اصلاح کی قطعاً اُمید نہیں۔ دنیا کی تکالیف موت اور عالم برزخ کے مصائب اور قیامت کے احوال ان کی گندگیاں اور میل کچیل دور کرنے کے لیے کافی نہیں۔ اور نہ علیم حکیم کی حکمت اس بات کو روا رکھتی ہے کہ ان کو پاک لوگوں کے ساتھ ایک مقام میں اکٹھا رکھا جائے۔ اور نہ اُن کو فنا کے لیے پیدا کیا تھا لہذا اُن کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جس میں طرح طرح کے عذاب اور قسم قسم کی تکلیفیں موجود ہوں گی۔ جب تک ان میں کفر و شرک کی میل باقی رہے گی اُسی میں موجود رہیں گے۔ اور دوزخ کی آگ میں جلنے کا عذاب محض اُن کے اعمال خبیثہ کے عوض ہوگا۔ ہر ایک گناہ اور بُرے کام کے مناسب اور اُس کے مطابق عذاب کی مختلف صورتیں ہونگی اور جب تک اُن اعمال کے حقائق اور جو کچھ اُن پر مترتب ہوا باقی رہیں گے اُن کا عذاب باقی رہے گا۔ غرض جب تک عذاب کے موجبات باقی ہوں گے۔ تب تک ان کا عذاب باقی رہے گا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ اگر ان لوگوں کی فطرت اصلی کا اثر بالکل جاتا رہا اور وہ کالعدم اور بالکلیہ باطل اور زائل ہو گئی۔ اور عارضی فطرت کی طرف یہ لوگ منتقل ہو گئے۔ تو اس صورت میں تو ان کو عذاب سے کبھی خلاصی نہ ہونی چاہئے کیونکہ یہ عذاب تو اس فساد فطرت کی سزا ہے جس نے فطرت اصلی کو زائل کر دیا اور اگر فطرت اصلی بالکلیہ زائل نہیں ہوئی بلکہ اس کا مرض اور فساد حد سے بڑھ گیا۔ اور نفس فطرت موجود اور باقی ہے جیسا کہ بدن میں جان موجود ہو اور مرض اپنی غایت کو پہنچ جائے۔ اور ایسی حالت ہو جائے کہ زندگانی محض برائے نام باقی رہ جائے اور اس وقت اگر طبیب کوئی ایسی دوا تجویز کرے جو نہایت بدمزہ اور

Marfat.com

جس کا کھانا سخت دشوار ہو۔ تو مریض جب تک ایک عرصہ دراز تک اُس کو استعمال نہ کرے گا تو اس کو ہرگز صحت حاصل نہ ہوگی۔ اور عرصہ دراز کے بعد جب مرض جاتا رہے اور بدن اپنی اصلی حالت پر آجائے۔ تو پھر دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح کفار کی جب اصلی فطرت باقی ہے اور آگ میں جلانے سے اُس کا فساد جاتا رہے گا۔ تو پھر ان کو عذاب دینے کی ضرورت نہیں دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ اور جو لوگ دوسری صورت کو اختیار کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے۔ کہ عرصہ دراز تک عذاب ہونے کے بعد کفار کو دوزخ سے نکالا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ادلہ عقلیہ۔ نقلیہ اور فطرت اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ حکیم اور رحیم ہے۔ اور یہ امر حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔ کہ کفار کو ابدا لآباد ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے اور اللہ سبحانہ کی ذات کے دوام کے ساتھ اُن کا عذاب دائم رہے اُس کی حکمت اور رحمت کے مقتضیٰ کے خلاف ہے اور جو لوگ اس مسئلہ کے قائل ہیں کہ کفار کو ہمیشہ دوزخ میں باقی نہیں رکھا جائے گا وہ یوں کہتے ہیں کہ بہت سے ادلہ نقلیہ آیات و احادیث اور قیاس اور ادلہ عقلیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے دنیا میں جو عقوبات اور سزائیں مقرر فرمائی ہیں اُن سے مقصود یہی ہے کہ نفوس انسانیہ مہذب اور شر و فساد سے پاک و صاف ہو جائیں اور نیز ان میں یہ مصلحت اور حکمت ہے کہ مجرمین کی سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ شر اور بدعملی سے باز رہیں۔ اور جو لوگ اس کے عادی ہیں وہ اس کو چھوڑ دیں۔ اور جب یہ مصلحت اور حکمت اور تہذیب اور تصفیہ حاصل اور موجود ہو جائیں گے۔ تو پھر عذاب میں مبتلا رکھنا مصلحت اور حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اللہ سبحانہ علیم حکیم اور رحیم ہے وہ کسی کو سوائے کسی حکمت اور مصلحت کے عذاب نہیں کرتا اور

Marfat.com

نہ یہ بات ہے کہ عذاب کرنے میں اللہ سبحانہ کو کوئی نفع حاصل ہے۔ بلکہ یہ دونوں باتیں یعنی بلا حکمت عذاب کرنا یا عذاب کرنے میں اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کے لیے نفع کا منصور ہونا محال ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عذاب اور سزا دینے میں یا تو سزا دینے والے کے لیے یا کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی مصلحت ملحوظ ہوتی ہے۔ اور قطعاً معلوم ہے کہ کفار کو ابد الآباد ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھنے میں اللہ سبحانہ یا کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی مصلحت موجود نہیں۔ جو لوگ کفار کے دوام عذاب کے قائل نہیں وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تکالیف اور مصائب بنی آدم کی مصلحت کے لیے ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ

یہ اس لیے (کہ ان جہاد کرنے والوں) کو خدا کی راہ میں پیاس اور محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے تو اور جن مقامات پر کافروں کو ان کا چلنا ناگوار گزرتا ہے وہاں چلتے ہیں تو اور دشمنوں سے (کبھی) کچھ مل ملا رہتا ہے تو (غرض تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں) ہر ہر کام کے بدلے (خدا کے ہاں) ان کا عمل نیک لکھا جاتا ہے)۔ وقال تعالیٰ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ (اور نیز یہ منظور تھا) کہ اللہ مسلمانوں کو (شک وشبہ کے میل کچیل سے) نکھار دے اور کافروں کا زور توڑ دے)۔ پہلی آیت میں اللہ سبحانہ نے تبلا دیا ہے کہ میری راہ میں مقتول اور زخمی ہونے کی تکلیف اور دکھ مومنین کے لیے تطہیر اور ان کے لیے صاف اور ستھرا ہونے کا باعث اور موجب ہے اور جو لوگ بھوک خوف۔ فقر اور احباب واقارب کے مرنے پر صبر کرتے ہیں۔ ان کو اپنی رحمت

Marfat.com

اور ہدایت کی بشارت سنائی ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ الآیۃ (اور ان صبر
کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ) آخر آیت تک وقال تعالےٰ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ
(اور جو شخص کوئی برا کام کرے گا اُس کو اس کی سزا ملے گی۔ ابوبکر صدیقؓ نے رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے رسول خدا اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے
کہ جو شخص کوئی برائی کرے گا اُس کو اُس کی سزا دی جائے گی۔ اور ہم کو ہمارے گناہوں
پر کوئی سزا نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکرؓ کیا تجھے دنیا کی کوئی تکلیف پیش
نہیں آئی۔ کبھی تم کو غم لاحق نہیں ہوا۔ کبھی کوئی دکھ مصیبت نہیں پہنچی۔ ابوبکرؓ نے
عرض کیا کہ یہ تو سب باتیں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا پس اس آیت کا یہی مطلب ہے
وقال تعالیٰ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ
(اور لوگو، تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے اس
آیت میں تحذیر کی ساتھ بشارت بھی موجود ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے
کہ دنیا کے مصائب بندوں کے گناہوں کی سزا ہے۔ اور وہ ارحم الراحمین اس
بات سے پاک ہے کہ اپنے بندے کو اُس گناہ پر جس کی سزا وہ دنیا میں پا چکا ہے
آخرت میں دوبارہ عذاب کرے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص
کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے پھر اللہ سبحانہ اُس کے گناہ کو چھپا دے تو آخرت
میں اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ وہ چاہے تو اُس کو عذاب کرے اور چاہے
تو بخش دے۔ اور جس کو اُس کے گناہ کی سزا دنیا میں ہوگئی۔ تو اللہ کریم دوبارہ
آخرت میں اُس کو عذاب نہیں کرے گا۔ اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ حدود
(شرعیہ) گناہوں کے لیے کفارات (مٹانے والی) ہیں۔ اور صحیحین میں روایت
عبادہ مروی ہے کہ جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور پھر دنیا میں اُس کو اُس
کی سزا مل جائے تو وہ اُس کے لیے کفارہ ہے اور حدیث صحیح میں آنحضرتؐ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مومن کو کوئی بیماری۔ تکلیف۔ رنج۔ فکر اور دکھ مصیبت ایسی لاحق نہیں ہوتی۔ کہ اُس میں اُس کے گناہوں کے لیے تخفیف نہ ہو یہاں تک کہ مومن کو جو کانٹا چبھتا ہے وہ بھی اُس کے گناہوں کے لیے کفارہ ہوتا ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے۔ کہ مومن کو اہل مال اور اولاد کے بارے میں مصائب پیش آتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ سبحانہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہوگا یعنی ان مصائب کی وجہ سے اللہ سبحانہ اُس کے سب گناہ اُس کے مرنے سے پہلے معاف کر دے گا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن جب بیمار ہوتا ہے تو وہ بیماری کی وجہ سے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسا کہ برف صاف اور ستھری ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ تپ گناہوں کو اس طرح دُور کرتا ہے۔ جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تپ کو گالی مت دو کیونکہ وہ بنی آدم کے گناہوں کو دُور کرتا ہے۔ اور مکفرۃ الذنوب (حمی دتپ) کے اسماء میں سے ہے۔

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا اے میرے بندے میں بیمار رہا۔ تو نے میری بیمار پرسی نہ کی بندہ عرض کرے گا۔ اے اللہ میں کس طرح تیری عیادت کرتا تو رب العالمین ہے (سب بیماریوں سے پاک) ہے اللہ سبحانہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھ کو اُس کے پاس پالیتا۔ اور اس طرح کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی نسبت فرمایا ہے۔ مگر اس جملہ میں اُن دونوں کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ غرض جو شخص مرض میں مبتلا ہوا اللہ سبحانہ کی رحمت اور خیر اُس پر نازل ہوتی ہے۔ اور چونکہ مرض کی وجہ سے وہ شکستہ دل ہوتا ہے۔ اس واسطے

Marfat.com

اللہ سبحانہ اُس کو اپنے قرب کا مرتبہ بخشتا ہے کیونکہ وہ شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس قسم کی حدیثیں بکثرت موجود ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصائب اور آلام بنی آدم کی مصلحت کے لیے ہیں۔ کہ وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جائیں۔ اور دنیا اور آخرت کا رب ایک ہی ہے۔ اور اس کی حکمت اور رحمت دُنیا اور آخرت دونوں میں موجود ہے۔ بلکہ آخرت میں اُس کی رحمت کا زیادہ ظہور ہو گا۔ اور آخرت میں جو بعض مومنین کو دوزخ کا عذاب ہو گا وہ بھی اسی واسطے ہو گا کہ وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جائیں۔ جس طرح کہ دنیا کے مصائب۔ عقوبات اور حدود شرعیہ کے ساتھ وہ گناہوں سے پاک و صاف کیے گئے تھے۔ اور بہشت اور دوزخ کے درمیان بھی اسی واسطے روکے جائیں گے۔ کہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جائیں۔ اور یہ بات نصوص صحیحہ اور صریحہ سے معلوم ہے۔ کہ بعض مومنین کو جو دوزخ میں عذاب ہو گا۔ تو وہ اُن کے گناہوں کے مطابق مقدار اور وقت کے لحاظ سے متفاوت ہو گا اور وہ سب دوزخ سے ایک ہی بار نکالے نہیں جائیں گے بلکہ تدریجاً یکے بعد دیگرے اُس سے خارج کیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے ایک آدمی دوزخ میں باقی رہ جائے گا جو سب سے پیچھے نکالا جائے گا اور اسی طرح دوزخ میں کفار کا عذاب بھی متفاوت ہو گا۔ پس منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے۔ اور ابو طالب کو تمام اہل دوزخ کی نسبت تھوڑا عذاب ہو گا کہ وہ دوزخ کی اتنی آگ میں جلتا ہو گا جو اس کی پنڈلیوں تک پہنچے گی۔ اور اُس سے اُس کا دماغ ہانڈی کی طرح جوش مارے گا۔ اور آلِ فرعون نہایت سخت عذاب میں مبتلا ہوں گی۔ اور جب دنیا کا عذاب جس میں خدا تعالیٰ کی رحمت کے سو حصّہ میں سے صرف ایک حصّہ موجود ہے بندوں کے حق میں مصلحت۔ رحمت اور لُطف پر مبنی ہے

Marfat.com

تو آخرت کا عذاب جس میں خدا تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ظاہر ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک حصہ آسمان و زمین کے مابین کو بھر سکتا ہے۔ بندوں کی مصلحت سے کس طرح خالی ہو سکتا ہے اور کفار کو ابدا لآباد ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھنے میں اُن کے لیے کوئی مصلحت نہیں لہٰذا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ اور (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے ہم ان (کفار مکہ) کو (ایک ایسے) عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے۔ جو (اسی دنیا میں ان پر عنقریب (نازل) ہوگا تاکہ یہ لوگ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بتا دیا ہے۔ کہ وہ اُن کو اُن کے حال پر رحم کرنے کے لیے معذب کرے گا: تاکہ اس عذاب اور تنبیہ سے اُس کی طرف رجوع کریں جیسا کہ مہربان باپ اپنے بچے کو جب کہ وہ اُس سے بھاگ کر اپنے دشمن کے پاس جائے تو اس لیے سزا دیتا ہے کہ وہ اس کے پاس واپس آجائے اور اُس کے سایہ عاطفت میں رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ۔ (اگر تم لوگ (خدا کی) شکر گذاری کرو اور (اُس پر) ایمان رکھو تو خدا کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے) ان کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں اور نہ اس سے اُس کے ملک میں کچھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ یہ کسی حکمت اور مصلحت سے خالی ہو۔ اور جب بندے شکر اور ایمان کے بجائے کفران نعمت اور کفر اختیار کریں۔ تو وہ خود اپنے عذاب کے موجب اور اُن کا کفر اُس کا باعث ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ سبحانہٗ کو بندوں کے عذاب دینے سے نہ تو کوئی ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی فائدہ

Marfat.com

اُس کو حاصل ہے۔ اِس تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ سبحانہ کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ شریر نفوس کو اُن کے شر کے موافق ایسا عذاب اور سزا ہونی چاہیئے۔ جس سے وہ مہذب اور پاک وصاف ہو جائیں چنانچہ یہ بات ادلہ نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور نیز یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ عذاب دائم اور ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک معین زمانے تک محدود ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ نے انسان کو عبث نہیں پیدا کیا۔ بلکہ اُس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اُس پر اپنی رحمت فرمائے نہ کہ اُس کو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے عذاب کا مستحق تو انسان خود اپنے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ غرض بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کی رحمت اُس کے غضب سے سابق ہے۔ اور نیز موجبات رحمت موجبات غضب پر سابق اور غالب ہیں۔ اور پیدا کرنے کی غایت یہ نہیں کہ اُس کو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھا جائے۔ بلکہ عذاب اور سزا رحمت اور حکمت پر مبنی ہے۔ اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھنا اُس کی رحمت اور حکمت کے خلاف ہے۔ رحمت کے خلاف ہونا تو ظاہر ہے۔ اور حکمت کا خلاف اس لیے ہے کہ عذاب اور سزا تو اُس حالت پر ہوگی۔ جو فطرت اولیٰ پر طاری ہوئی۔ اور اُس کو بدل دیا۔ اور انسان اصل فطرت میں اُس حالت پر پیدا نہیں کیا گیا اور نہ اُس کے لیے مخلوق ہوا ہے غرض انسان خدا کے ساتھ شرک کرنے اور عذاب میں مبتلا ہونے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ وہ اللہ سبحانہ کی عبادت اور رحمت کے لیے مخلوق ہوا ہے۔ لیکن عارضی طور پر ایک ایسی حالت میں پڑا جو اُس کے عذاب کا باعث ہوئی۔ اور اس واسطے وہ عذاب کا مستحق ہوا اور اس حالت کے لیے جو باعث عذاب ہوئی دوام واستمرار نہیں کیونکہ یہ باطل اور بے اصل ہے اور برخلاف اس کے وہ حق جو موجب رحمت ہے وہ اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ دائم اور مستمر ہے۔ اور وہی انسان کے پیدا کرنے کی غایت ہے۔ اور باعث عذاب اس کی خلقت کی غایت نہیں جیسا کہ

Marfat.com

عذاب اس کی غایت نہیں۔ بخلاف رحمت کے کہ وہ انسان کی پیدائش کی غایت اور اس کے موجبات بھی اس کی غایت ہیں۔ اِس بات کو غور سے سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس مسئلے کا راز یہی ہے۔ اور نیز غفور اور رحیم اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ہیں اور معذب اور معاقب اس کا اسم نہیں بلکہ عذاب اور عقاب اُس کے افعال میں سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ )

(اے پیغمبر) ہمارے بندوں کو آگاہ کردو کہ (ایک طرف) ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور دوسری طرف) ہمارا عذاب (بھی بڑا) موذی عذاب ہے) وقال تعالےٰ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اے پیغمبر) بے شک پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور اس میں (بھی) شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے، وقال تعالےٰ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ

(اے پیغمبر) بے شک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت (پکڑ) ہے وہی اول بار پیدا کرتا اور (وہی) قیامت میں دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور بخشنے والا اور) محبت کرنے والا ہے) وقال تعالیٰ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (حٰمٓ) (یہ) فرمان تحریری پیشگاہ خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) واقف ہے گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (بروں کو سخت سزا دینے) والا) اس قسم کی آیات جن سے ثابت ہو کہ اللہ سبحانہ —

مغفرت۔ رحمت۔ کرم اور حلم کے ساتھ اپنی مدح فرماتا ہے اور غفور۔ رحیم اُس کے اسماء پاک میں سے ہیں قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ اور سوائے اُس حدیث

Marfat.com

کے جس میں اسماحسنی شمار کئے گئے ہیں کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ سبحانہ نے معاقب۔ معذب منتقم اور غضبان وغیرہ اس قسم کے اسماء کے ساتھ اپنی مدح بیان فرمائی ہے اور وہ حدیث جس میں اسماحسنیٰ شمار کئے گئے ہیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے اپنی ذات مقدس کی نسبت یہ قرار دیا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سابق اور غالب ہے اور یہ دستور اہل نار کی نسبت بھی جاری ہے۔ کہ ان کے حق میں بھی اس کی رحمت اس کے غضب پر سابق اور غالب ہے دیکھو کہ کئی طرح سے ان پر اپنی رحمت فرمائی ہے قبل اس کے کہ وہ کفر و شرک کرنے سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے ہر طرح خدا تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال تھی اور شرک کرنے پر بھی ان پر رحم فرمایا۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے کے لیے حجج اور ادلہ قائم فرمائے۔ یہ بھی اس کی رحمت کا اثر ہے اور نیز اپنی رحمت سے انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر اپنے بندوں کو حق کی طرف مدعو کیا۔ اور جب منکرین نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔ اور ان کو طرح طرح سے دکھ اور تکلیفیں پہنچائیں۔ اور اس پر مورد عقاب الہٰی ہوئے۔ تو بھی اللہ کی رحمت شامل حال رہی کہ جلدی سے ان کو ہلاک و برباد نہ کیا۔ بلکہ مہلت دی کہ شاید راہ پر آجائیں۔ غرض اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اگر اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب نہ ہوتی۔ تو سلسلہ عالم ویران اور برباد ہو جاتا۔ آسمان نیچے گر پڑتے اور پہاڑ الٹے ہو جاتے۔ اور جب اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے تو یہ جائز نہیں کہ غضب کا موجب اور عذاب اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ دائم اور مستمر ہو۔ اور نیز یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو عذاب میں مبتلا کرنا یا تو عبث ہے اور عبث کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا اس کی ذات کے لیے ایک نقص عظیم ثابت کرنا ہے۔ اور اگر کسی مصلحت

Marfat.com

پر مبنی ہو تو مصلحت منفعت اور اُس کے لوازم اور ملزومات کا نام ہے اور منفعت کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ سبحانہ کی طرف راجع ہو اور یہ محال ہے کیونکہ اللہ سبحانہ ایسے امور سے منزہ اور متعالی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مخلوق کے حق میں نفع ہو خاص معذّب کی ذات کے لیے یا کسی دوسرے کے لیے یا دونو کے لیے پہلی صورت محال ہے کیونکہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہنے میں اُس کے لیے کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں اور اگر دوسرے اشخاص کے لیے یہ مصلحت ہو کہ وہ اُس کو دیکھ کر شر سے باز آجائیں۔ تو یہ مصلحت مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رکھنے سے حاصل ہو چکی ہے۔ اور اگر اُن کے لیے یہ فائدہ ہو کہ مبتلائے عذاب اُن کا دشمن ہے اور وہ نہایت راحت اور آرام میں ہیں اور اُن کا دشمن سخت مصیبت اور عذاب میں مبتلا ہے پس وہ اُس کے تکلیف اور رنج دیکھ دیکھ کر خوشی مناتے ہیں۔ اور اس طرح اس کے ابدالآباد ہمیشہ معذب ہونے میں اُن کی خوشی کی تکمیل متصور ہے تو یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ کوئی کیسا سنگدل ہو وہ اپنے دشمن کے طویل عذاب کو دیکھ کر ضرور نرم دل ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے ہمیشہ تکلیف میں مبتلا ہونے کو گوارا نہیں کر سکتا۔ پس اس مصلحت کے لیے دوام عذاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اہل نار کے عذاب میں یہی مصلحت ہو سکتی ہے کہ جابر اور سرکش نفوس کی سرکشی کو توڑنا اور ان کے امراض کا علاج کرنا ملحوظ ہو۔ کہ آگ ان کی بیماریوں کے مادہ تک پہنچ کر ان کو جڑ سے نکال دے۔ اور پوری طرح اُن کا قلع قمع کر دے۔ اور چونکہ یہ مادہ ایک ایسا شر ہے جو کہ عارضی طور پر پیدا ہوا۔ اور اصل فطرت میں جو خیر رکھی گئی ہے اُس پر طاری ہوا ہے لہذا اُس کے قلع قمع کے بعد وہ اصلی فطرت پر آجائیں گے اور دوام عذاب کی ضرورت نہیں اور نیز یہ کہتے ہیں۔ کہ مخلوق میں پانچ قسم کی چیزیں ممکن ہیں۔ خیر محض۔ شر محض۔ خیر غالب

Marfat.com

شر غالب ہے۔ اور وہ چیز کہ جس میں خیر اور شر دونو متساوی ہوں۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ ان میں سے دو قسم یعنی وہ چیز جو خیر محض ہو یا اس میں خیر غالب ہو موجود ہوں۔ اور خالص شر یا اس چیز کا وجود جس میں شر غالب ہو اس کی حکمت کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں۔ سب کا وجود ایسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے جس کا وجود اس کے عدم سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ شر پر اور موذی جانوروں یا ان افعال کو جو شر ہیں۔ ان خیرات محبوبہ کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو ان کے وجود پر مترتب ہیں۔ اور ان کے محض ایسے شر کے واسطے نہیں پیدا کیا جو کسی طرح کے خیر کو متلزم نہ ہو اور ایسا ہونا بالکل محال ہے۔ اولاً اور بالذات خیر کا وجود مقصود ہے اور چونکہ بعض شر حصول خیرات کے لیے ذرائع ہیں۔ لہذا ایسے شر بھی وسائل اور ذرائع ہونے کے لحاظ سے مقصود ہیں۔ اور وہ کسی چیز کی غایت یا بذاتہ مقصود نہیں اور جب غایت مقصودہ حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ زائل اور باطل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وسائل اور ذرائع کے متعلق یہی دستور ہے۔ کہ مقصود پر پہنچنے کے وقت وسائل کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس بات پر حس اور عقل دونو شاہد ہیں۔ اس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ عذاب ایک شر ہے۔ پس یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کے لیے کوئی غایت مقصودہ ہوگی اور یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ پس جب غایت مقصودہ حاصل ہو جائے گی۔ تو یہ زائل اور باطل ہو جائے گا جیسا کہ کسی شخص کو ایک مقام پر پہنچنا مقصود ہو تو وہ اس کے لیے کوئی راستہ معلوم کر کے اس کی طرف چلنا اور قطع مسافت کرتا ہے۔ پس اس راستے کو طے کرنا اس کو مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے اور یہ اس کے لیے وسیلہ ہے۔ اور جب مقصود حاصل ہو جائے کہ اس مقام مطلوب کو پہنچ جائے۔ تو پھر قطع مسافت لغو اور بیفائدہ ہے اور

Marfat.com

اور اس مسئلے کا راز یہ ہے کہ سلسلہ خلق اور امر کی غایت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے نہ کہ عذاب۔ اور عذاب منجملہ اس کی مخلوقات میں سے ہے اور اُس کا مقتضی یہ ہے کہ عذاب بھی کسی غایت محمودہ کے لیے مخلوق ہو۔ اور جب وہ غایت حاصل ہو جائے تو پھر عذاب نہ رہے۔ اور اللہ سبحانہ کے اسماء وصفات کے آثار کا سب مخلوقات میں ظہور ضروری ہے۔ کیونکہ یہی بات موجب کمال ہے۔ اور اللہ سبحانہ کمال کے ساتھ موصوف اور نقص سے منزہ ہے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ

(تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے (اور) وہاں اُن کو چلانا اور دھاڑنا (لگا) ہوگا (اور) جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں ہمیشہ (ہمیشہ) اُسی میں رہیں گے، مگر (اے پیغمبر) جس کو تمہارا پروردگار (نجات دینا) چاہے بلاشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) (وقال تعالیٰ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (تمہارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ اُسی میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہو گے مگر خدا کی (یعنی ہماری) مرضی) ابو سعید خدریؓ کا قول ہے۔ کہ کفار کے عذاب کے متعلق قرآن کریم میں جتنی آیات موجود ہیں۔ اس آیت سے ان سب کا مطلب حل ہوگیا کہ خلود ابدی مراد نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ کی مشیت کا استثناء موجود ہے ابو سعید خدری کے اس قول کو بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا۔ کہ اُس میں ایک متنفس بھی دوزخ میں موجود نہ ہوگا۔ اور یہ وقت تب آئے گا۔ جب اہل دوزخ (کفار) ایک نہایت دراز عرصہ تک، اُس کے عذاب کا مزہ چکھ لیں گے اور مدتیں اُس میں پڑے رہیں گے۔ اور

Marfat.com

حضرت عمرؓ بن خطاب، اور ابو ہریرہؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ علم حدیث کے مصنفین کی ایک جماعت نے اس اثر کو ذکر کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس میں کوئی متنفس دوزخ کے اندر موجود نہ رہے گا اور یہ حالت اس وقت ہوگی جب اہل نار عرصہ دراز تک دوزخ میں رہ چکے ہونگے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ اہل جنت پر جو کچھ انعام واکرام فرمانا چاہئے گا۔ اس سے اس نے ہم کو مطلع کر دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (یہ خدا کی) دین ہے جس کا کوئی خاتمہ نہیں) اور اہل دوزخ کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہئے گا اس سے ہم کو آگاہ نہیں فرمایا۔ اور ان کی نسبت جو کچھ سورہ انعام میں مذکور ہے وہی ہم کو کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيَآؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ۔

(اور جس دن خدا سب (آدمیوں اور جنات) کو (اپنے حضور میں) جمع کرے گا (اور شیاطین کی طرف مخاطب ہو کر فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات بنی آدم میں سے

Marfat.com

تو تم نے اچھی بڑی جماعت اپنی طرف کر لی اور (جو لوگ ، بنی آدم میں سے دُنیا میں ، شیاطین کے دوست بنے ہوئے تھے وہ ) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار دنیا میں ، ہم ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے اور (نتیجہ اعمال کے بھگتنے کا ) جو وقت تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا ہم اپنے اس وعدہ (کی منزل ) تک پہنچ گئے (اب کیا ارشاد ہے خدائے تعالیٰ ) فرمائے گا کہ تمہارا سب کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اس میں ہمیشہ (ہمیشہ ) رہو گے آگے خدا کی (یعنی ہماری ) مرضی (اے پیغمبر ) بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا (اور سب کے حال سے ) واقف ہے اور اسی طرح ہم بعض (دوسرے ) ظالموں کو بعض کے ساتھ شامل کر دیں گے (ان کے اس دکر توت ) کا بدلہ جو (دنیا میں ) کرتے رہے ہیں (پھر ہم جنات اور بنی آدم دونوں سے مخاطب ہو کر پوچھیں گے کہ ) اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تمہیں میں کے پیغمبر نہیں آئے کہ تم سے ہمارے احکام بیان کریں اور تمہارے اس روز (قیامت ) کے پیش آنے سے تم کو ڈرائیں وہ عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر آپ گواہی دیتے ہیں (یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور (دراقع میں ، دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا اور (اب ) انہوں نے آپ ہی اپنے اوپر گواہی دی یعنی اقرار کیا کہ بے شک وہ کافر تھے ۔ ان آیات میں جن انس کے آغا کو خطاب کیا گیا ہے اور اس بات پر کئی ایک وجوہ دلالت کرتے ہیں ۔ اوّل جنوں کے اغوا اور گمراہ کرنے سے آدمیوں کا غرور و تکبر کرنا کیونکہ استکبار کفار کی صفت ہے ۔ دوم اللہ تعالیٰ کا قول وَقَالَ اَوۡلِیَآؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ شیطانوں کے دوست کفار ہی ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا یار (ہمدم ) بنایا ہے ۔ جو ایمان نہیں لاتے )

Marfat.com

غرض شیطان کی جماعت اُس کے دوست ہیں۔ سوم جملہ وَشَہِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ اَنَّہُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ اس پر شاہد ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی فرمایا ہے۔ اَلنَّارُ مَثْوٰکُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ پھر آیت کو جملہ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ کے ساتھ ختم کیا ہے۔ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اہل نار کو معذب کرنا اُس کے علم اور حکمت سے متعلق ہے اور اسی طرح استثنا بھی علم و حکمت سے صادر ہے۔ اللہ سبحانہ جو معاملہ اُن کے ساتھ کرے گا اُس کو پورا علم ہے اور وہ اُس کی حکمت سے خالی نہیں۔ اور قرآن کریم کے بیان کا یہ طرز ہے کہ جس مقام پر اللہ سبحانہ نے اہل رحمت اور اہل غضب دونو کے بدلہ و جزا کو اکٹھا ذکر کیا ہے وہاں اہل رحمت کے جزا اور بدلہ کو تابید (ہمیشگی) کی قید کے ساتھ مقید اور دوام کی صفت کے ساتھ موصوف کیا۔ اور اہل غضب کے جزا کو مطلق چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَہُمْ فِیْہَا زَفِیْرٌ وَّشَہِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔

(تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے (اور) وہاں اُن کو چلانا اور دھاڑنا (لگا) ہوگا اور جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں ہمیشہ (ہمیشہ) اس میں رہیں گے۔ مگر (اے پیغمبر) جس کو تمہارا پروردگار (نجات دینا) چاہے بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو وہ (بہشت میں ہوں گے اور) جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں برابر اُسی میں رہیں گے۔ مگر جس کو خدا چاہے۔

دسزا دے کر بدیر جنت میں داخل کرے یہ جنت خدا کی) دین ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں
وقال تعالےٰ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ـ

(بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ (دین حق سے) انکار کرتے رہے (وہ آخر کار) دوزخ کی آگ میں ہوں گے (اور) اُس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں) وقال تعالےٰ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ـ

(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں (کہ) ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے ہاں رہنے کے باغ (بہشت) ہیں جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی (اور) وہ ان میں سدا کو ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اللہ ان سے خوش ہوا اور یہ اُس سے خوش (یہ اجر) اُس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے ـ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ـ

(جس دن (بعض لوگوں کے) منہ سفید ہوں گے اور (بعض کے) منہ سیاہ تو جو لوگ روسیاہ ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر ہو گئے تھے نا؟ تو (اب) اپنے کفر کی سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو اور جو لوگ سفید رو ہوں گے

تو (وہ) اللہ کی رحمت (یعنی بہشت) میں ہوں گے (اور) وہ اسی میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے، اور بعض آیات میں دونوں کو اکٹھا ذکر کر کے سب پر خلود کا حکم کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا تو کچھ شک نہیں کہ (آخر کار) اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ لوگ سدا کو (اور ہمیشہ) ہمیشہ رہیں گے)

وقال تعالےٰ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا (اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں سے بڑھ چلے (تو اللہ) اس کو دوزخ میں (دیجا) داخل کرے گا۔ (اور وہ) اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہے گا) مگر خلود اور تابید کا ذکر کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی کوئی حد اور نہایت ہی نہ ہو۔ بلکہ خلود سے مکث طویل (دیر تک ٹھیرنا) مراد ہے چنانچہ عرب کا محاورہ ہے قَيْدٌ مُخَلَّدٌ (قید دراز) اور ہر ایک چیز کی تابید اس کے موافق ہوتی ہے۔ کبھی تابید سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ چیز مدتِ حیات کے لیے ثابت ہے اور کبھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ حکم مدت دنیا تک محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی نسبت فرمایا ہے وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (مگر ان (اعمالِ بد) کی وجہ سے جن کو ان کے ہاتھوں نے پہلے سے (زادِ آخرت بنا کر) بھیجا ہے یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کر سکتے) اس آیت میں تابید حیات دنیا مراد ہے کیونکہ یہود دوزخ کے اندر تو موت کی تمنا اور استدعا کریں گے اور یوں کہیں گے يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (اے مالک (تم ہی کوئی ایسی تدبیر کرو کہ کہیں) تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کر چکے) اور جنت کی نعمتوں کا غیر متناہی دائم اور مستمر ہونا دوسرے آیات اور الفاظ سے سمجھا گیا ہے جیسا اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ

Marfat.com

رب بے شک یہ ہماری (دی ہوئی) روزی ہے جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی) اور عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (یہ خدا کی) دین ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں) اور فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (ان کے لیے (آخرت میں) اجر ہے بے انتہا) غیر ممنون بمعنی غیر منقطع اور اس کا صحیح معنی یہی ہے اور جن لوگوں نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ اجر بے منت ہوگا تو انہوں نے نہایت غلطی کی ہے۔ اور برخلاف اس کے اہل دوزخ کے عذاب کے متعلق اس قسم کے الفاظ وارد نہیں ہوئے کہ جن سے یہ مفہوم ہو کہ جس طرح اہل جنت کی نعمتیں ابدی ہیں۔ اسی طرح ان کا عذاب بھی ابدی اور دائم ہوگا اور اللہ عز و جل کا یہ قول وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (ان کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا) اور وَمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ (اور نہ یہ کبھی، اس سے نکالے جائیں گے اور لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِّنْ عَذَابِھَا (نہ تو ان کو قضا آتی ہے کہ مر رہیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جاتا ہے اور کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَآ اُعِیْدُوْا فِیْھَا (جب جب اس سے نکلنا چاہیں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا (جب ان کی کھالیں گل جائیں گی ان کی دوسری نئی، کھالیں پیدا کر دیں گے)، صحیح قول کے مطابق اپنے ظاہر اور حقیقی معنی پر محمول ہیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان آیات میں بھی استثنا مشیت کی قید ملحوظ ہے یعنی اگر اللہ سبحانہ کی مشیت میں اسی طرح ہوا جو ان آیات سے سمجھا جاتا ہے تو اس کا وقوع اور ظہور ضروری ہے ورنہ ایسا نہیں ہوگا۔ اور گویا کہ بعض سلف کے اس مقولہ کا "کہ آیت استثنا قرآن کریم کی تمام آیات وعید پر حاکم ہے" یہی مطلب ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ آیات اپنے ظاہر اطلاق اور عموم پر محمول ہیں۔ مگر ان میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ دوزخ کا وجود ایسا دائمی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کی ذات کو دوام ہے کہ اس کا کوئی انتہا

Marfat.com

نہیں۔ اور نہ یہ بات قرآن کریم یا حدیث کے کسی دوسرے لفظ سے ثابت ہوتی ہے۔ اور ان دونو صورتوں میں بڑا فرق ہے۔ یعنی ایک یہ صورت ہے کہ جب تک دوزخ موجود رہے ہیں اہل دوزخ (کفار) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے جائیں اور جب دوزخ فنا ہو جائے تو وہ عذاب سے نجات پائیں اور دوسری یہ صورت ہے کہ دوزخ کا وجود ابدی ہو۔ کہ اس کا کبھی زوال اور انقطاع نہ ہو سکے تو ان دونو صورتوں میں بڑا فرق ہے۔ اور اس مقام پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں کر سکتا۔ کہ اس طرح تو دنیا اور آخرت کے عذاب میں کچھ فرق نہ رہے گا۔ دونو زائل اور معدوم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں ایک وجہ سے نہیں بلکہ کئی وجوہ سے فرق موجود ہے۔ کہ دنیا کا عذاب اور تکالیف تو مبتلائے عذاب کے مرنے سے منقطع اور ختم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں جو شخص خلود عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس کے لیے کبھی موت نہیں۔ اور دنیا کے عذاب اور تکالیف کو تو دوسرا شخص ہٹا سکتا ہے۔ اور آخرت کے عذاب کو کوئی شخص روک نہیں سکتا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (تمہارے پروردگار کا عذاب (کافروں پر) ضرور نازل ہو کر رہے گا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ٹال سکے) اور دوزخ کا عذاب لازم ہو گا جو کفار سے مفارق اور جدا نہ ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (کیونکہ) دوزخ کا عذاب بڑی بھاری مصیبت ہے) اور اسی واسطے قرض خواہ کو غریم کہتے ہیں کہ وہ اپنے مدیون سے ملازم رہتا ہے۔

Marfat.com

**وصل:** ۔اس مسئلہ میں کئی ایک آثار مروی ہیں ۔طبرانی نے باسناد ابی امامہ سے روایت کیا ہے ۔وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخ پر ایک ایسا روز آئے گا کہ وہ ایک سرخ پتے کی مانند ہوگا ۔(کوئی شخص اس میں باقی نہ رہے گا) اور اس کے دروازے بند کیے جائیں گے ۔اور حرب نے اپنے مسائل میں کہا ہے ۔کہ میں نے اسحاق سے اللہ عزوجل کے قول خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ کا مطلب دریافت کیا ۔تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیات وعید پر حاکم ہے اور اس سے سب کا مطلب معلوم ہوگیا ۔کہ خلود ابدی مراد نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کی مشیت کا استثنا موجود ہے یعنی اگر وہ چاہے گا تو اہل دوزخ (کفار) کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل فرمائے گا ۔اور ابو نضرہ حضرت جابر یا ابو سعید یا کسی دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں ۔کہ یہ آیت إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ قرآن کریم کی تمام آیات کو حل کر دیتی ہے ۔معتمر نے اس قول کی تشریح کے لیے یوں کہا ہے کہ قرآن کریم کی تمام ان آیات کو جن میں وعید کا ذکر ہے یہ آیت حل کر دیتی ہے ۔اور حرب کا قول ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جو اہل توحید کے وعید کے باب میں وارد ہیں ۔ان سب پر یہ آیت حاکم اور سب کا مطلب حل کرتی ہے اور إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ کے ساتھ وہ اہل قبلہ مستثنیٰ کیے گئے ہیں جو دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر جب حرب کی یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ استثنا کفار کے وعید کے متعلق وارد ہے ۔اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے ۔يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ الآیہ (جب وہ دن آپہنچے گا تو مارے خوف کے) بے حکم خدا کوئی شخص بات تک بھی (تو

Marfat.com

نہیں کر سکے گا۔ پھر اس وقت لوگ دو قسم کے ہوں گے (بعض بدبخت اور بعض نیک بخت تو جو بدبخت ہیں، آخر آیت تک) اور اس کے بعد فرمایا ہے۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ اور اہل توحید ان لوگوں میں داخل ہیں جو صاحب سعادت ہیں۔ اس کے علاوہ سورہ انعام کی آیت صراحۃً کفار کے بارے میں ہے چنانچہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ دوزخ پہ ایک ایسا روز آئے گا کہ اس میں اس کے سب دروازے بند کیے جائیں گے اور ایک متنفس بھی اس میں باقی نہ رہے گا۔ پھر ابوہریرہ نے استدلال کے طور پہ آیت فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ کو آخر تک پڑھا۔ عبیداللہ کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب ابوہریرہؓ کے قول اور دیگر اس قسم کے اقوال کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ موحدین میں سے کوئی شخص دوزخ میں باقی نہ رہے گا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ معنی صحیح نہیں۔ اور اسناد کے ساتھ جن سے مروی ہے کہ عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ اگر اہل دوزخ اتنا دراز عرصہ اور طویل زمانہ دوزخ میں باقی رہیں گے جس کے سالوں کا شمار کرنا دشوار ہے جیسا کہ ایک بڑے ٹیلے کے ریگ کے دانوں کو شمار کرنا دشوار ہے۔ تب بھی ایک ایسا روز آئے گا جس میں وہ سب کے سب دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ ایک دوسری سند کے ساتھ بھی اسی طرح مروی ہے اور اس اثر کے راوی سب کے سب ثقہ اور آئمہ حدیث ہیں۔ اور حسن نے اس کو بعض تابعین سے سنا اور بغیر انکار اس کو روایت کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان ائمہ کے درمیان متداول تھی۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہ ان کا شیوہ تھا کہ اگر کوئی شخص تھوڑا سا حدیث کا خلاف کرتا تو بلاتوقف اس کی تردید کر دیتے اور کسی کی رد و رعایت کو روا نہ رکھتے اور اس کے مقابل صحیح حدیثیں بیان کر کے اس کا پورا ابطال کر دیتے تھے۔ امام احمد کا مقولہ ہے

Marfat.com

کہ حماد بن سلمہ کی حدیث مبتدعین کے حلق میں کانٹے کی مانند ہیں۔ اگر یہ قول ان کے نزدیک ان بدعات سے ہوتا جو حدیث اور اجماع کے خلاف ہیں تو فوراً اس کی تردید اور انکار کرتے۔ اور علی بن طلحہ کی تفسیر میں آیت قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (خدائے تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہو گے) الخ کے تحت میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ اللہ سبحانہ پر اس کی مخلوق کی نسبت کوئی حکم کرے اور نہ یہ کہے کہ وہ جنت میں رہیں گے یا دوزخ میں۔ طبری کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس استثنا کے یہ معنی بیان کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کی غایت عذاب کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔ ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے ان لوگوں کے اقوال کی تردید ہو گئی۔ جو یوں کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ سبحانہ نے بعض انواع عذاب کو استثنا کیا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ اس استثنا سے وہ مدت مراد ہے۔ جو بعث اور دوزخ میں داخل ہونے کے درمیان ہے کہ اس مدت میں دوزخ سے باہر ہوں گے یا اس استثنا سے اہل قبلہ مراد ہیں یا کلمہ الّا معنی او عاطفہ ہے اور یہ تاویلات رکیک اور کمزور ہیں۔ آیت کے مضمون کے موافق نہیں اور تامل کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تاویلات صحیح نہیں ہو سکتیں۔ سدی نے اللہ تعالیٰ کے قول لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا (اسی میں قرنوں پڑے رہیں گے) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل دوزخ ستر سو حقبہ دوزخ میں رہیں گے۔ ایک حقبہ ستر سال کا ہو گا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہو گا۔ دوزخیوں کے قیام دوزخ کو احقاب کے ساتھ مقید کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی مدت معینہ تک دوزخ میں رہیں گے جو حساب اور شمار میں آ سکتی ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے

Marfat.com

اوراسی واسطے زجاج نے یہ تاویل کی ہے کہ لفظ احقاب اللہ تعالیٰ کے قول لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا (وہاں نہ تو کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور گرم پانی اور پیپ سے سوا ان کو کچھ پینے کو بھی نہیں ملے گا) کی تقید ہے اور دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت احقاب کے ساتھ اندازہ نہیں ہو سکتی۔ مگر زجاج کی یہ تاویل ہرگز صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ احقاب سے بعد اہل دوزخ برد اور شراب کے مزے اڑائیں۔ اور ایک دوسری جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ آیت دوسری آیات مثلاً وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ (اور نہ یہ کبھی اس سے نکالے جائیں گے) اور هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) وغیرہ سے منسوخ ہے لیکن منسوخ کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ نسخ سے اگر رفع حکم مراد ہے تو وہ اخبار میں (تاوقتیکہ معنی طلب ان سے مراد نہ ہو) جاری نہیں ہو سکتا اور اگر نسخ سے تفسیر اور بیان مراد ہے تو یہ درست ہے مگر اس سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک دوزخ موجود رہے گا۔ یہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور اس سے باہر نہیں نکالے جائیں گے۔ اور یہ بات صحیح اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے لیکن نزاع ایک دوسرے امر میں ہے کہ دوزخ کا وجود ابدی اور دوام ذات الٰہی کی طرح دائم ہے یا نہیں سو کسی آیت یا حدیث سے یہ بات ثابت نہیں کہ دوزخ دائم اور ابدی ہے۔ اور ایک دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ لَابِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا اہل توحید کے بارے میں ہے اور یہ تاویل پہلی تمام تاویلات سے زیادہ خراب ہے اور آیات کا سیاق صراحۃً اس کو رد کرتا ہے اور بعض اہل علم نے جب یہ سمجھا کہ یہ سب تاویلیں باطل ہیں۔ تو انہوں نے یوں کہا کہ احقاب کے ذکر کرنے سے اہل دوزخ کے عذاب اور قیام دوزخ کا لا انتہا ہی ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ احقاب کو کسی عدد کے ساتھ

Marfat.com

معدود نہیں کیا گیا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ اہل دوزخ دس حقبے یا سو حقبے دوزخ
میں ٹھیریں گے۔ اور اگر احقاب کسی عدد کے ساتھ معدود ہوتے تو بھی عذاب کے
متناہی ہونے پر اس کی دلالت بالمفہوم ہوتی۔ اور جب عدد کا ذکر ہی نہیں تو پھر
احقاب کا ذکر عذاب کے متناہی ہونے پر کس طرح دال ہو سکتا ہے۔ اور ان کے
نزدیک آیت کا یہ معنی ہے۔ کہ جب چند حقبے گزر جائیں گے تو اس کے بعد چند
اور حقبے دوزخ میں ٹھیریں گے۔ اور ہمیشہ لا الی النہایہ اسی طرح ہوتا رہے گا
مگر انہوں نے جو آیت کا معنی بیان کیا ہے آیت کے الفاظ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا
اور ان کا یہ کہنا کہ چونکہ احقاب کو کسی عدد کے ساتھ معدود نہیں کیا گیا۔ اس کا یہ
جواب ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کو مدت عذاب کا عدم انتہا بیان کرنا مقصود ہوتا۔ تو
اس کو احقاب کے ساتھ مقید نہ فرماتا۔ کیونکہ جو چیز غیر متناہی ہو اس کی نسبت
یوں نہیں کہا جاتا کہ وہ اتنے احقاب یا دہور و اعصار (زمانے) باقی رہے گی اور
اسی واسطے اہل جنت کی نعمتوں کی نسبت ایسا نہیں کہا گیا۔ ظاہر ہے کہ ابدی چیز کی
نسبت جس کا کبھی زوال نہ ہو۔ یوں کہنا کہ وہ اتنے احقاب یا اتنے ہزار سال باقی
رہے گی۔ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضی قرآن کریم کے معانی کو خوب سمجھتے تھے
عمر رضی نے جو اس آیت کا مطلب سمجھا تھا۔ وہ ان لوگوں کی تاویلات اور معانی
کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی نے آیت استثنا کے متعلق جو کچھ سمجھا وہ بھی
ان کے مخالف ہے۔ اور قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے معانی کے بیان کے متعلق
صحابہ کرام رضی کی رائے اور فہم زیادہ قابل اعتبار ہے۔ ابن مسعود رضی کا قول ہے کہ جہنم
پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت اس کے تمام دروازے بند کیے جائیں گے
اور اس میں ایک متنفس بھی باقی نہ رہے گا۔ اور یہ زمانہ اہل دوزخ کو کئی حقبے
دوزخ میں ٹھیرنے کے بعد آئے گا۔ اور ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت خَالِدِينَ فِيهَا

Marfat.com

مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کی تفسیر کے متعلق ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ آگ کو حکم دے گا کہ ان کے بدنوں کو کھا جائے۔ اور ایسا ہی ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اور شعبی سے مروی ہے کہ جہنم جنت کی نسبت بہت جلدی آباد ہوگا اور پھر اسی طرح ویران ہو جائے گا۔ اور اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جنت بھی ویران ہو جائے گا۔ مگر وہ دیر کو ویران ہو گا۔ بلکہ یہاں تفصیل نفسی کے لیے افعل یعنی اسراع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت کو اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا (جنت والوں کا اس دن یہ حال ہوگا کہ ان کا ٹھکانا بہتر سے بہتر اور خواب گاہ عمدہ سے عمدہ ہوگی) اور آیت آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ (کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو یہ لوگ شریک خدائی ٹھہراتے ہیں) اور حدیث میں اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ وارد ہے۔ اس میں بھی اسم تفصیل کے الفاظ تفضیل نفسی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اور دوزخ کے بہت جلدی آباد ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگ ان اعمال کے کرنے میں جن کے سبب دوزخ میں داخل ہوں گے جلدی کریں گے۔ اور بہشت میں داخل کرنے والے کاموں میں سست ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ اہل دوزخ اہل جنت کی نسبت دوزخ میں پہلے داخل ہوں گے اور اہل جنت ان کے بعد جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ وہ تو صراط سے گزر کر بہشت میں داخل ہوں گے۔ اور نیز کچھ عرصہ تک اس پل پر ٹھہرائے جائیں گے۔ جو بہشت سے آگے رکھی ہوئی ہے۔ اور اہل دوزخ نہ تو صراط سے گزرنا ہوگا۔ اور نہ اس پل پر ان کے لیے رکاوٹ ہے اور یہ لوگ پہلے سے جہنم میں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہوں گے۔ اور نیز صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب منادی یہ آواز دے گا کہ ہر ایک جماعت اپنے معبود کے پیچھے ہولے تو مشرک لوگ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے پیچھے چلیں گے۔ اور وہ ان کے سمیت سب دوزخ میں گریں گے۔

Marfat.com

اور یہ امت میدان قیامت میں کھڑی رہیگی۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل تشریف لائے گا اور یوں ارشاد فرمائے گا کہ تم وہاں کیوں نہیں گئے جہاں دوسرے لوگ چلے گئے ہیں۔ الخ۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں سہل بن عبداللہ کے ذکر میں باسناد کہا ہے کہ ابوامامہ یوں کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ پر ایک روز ایسا آئے گا کہ اس روز دوزخ میں ایک بنی آدم بھی باقی نہ رہے گا۔ اور اس کے سب دروازے بند کیے جائیں گے۔ اور اہل دوزخ پر وہ ایسے بند ہوں گے جیسے کہ موحدین پر بند ہیں۔ اور ہمارا اعتماد صرف اس حدیث پر نہیں۔ کیونکہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ بلکہ اس کی تائید اور تقویت ابن مسعود کی اس روایت سے ہوسکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔

**فصل**۔ جو لوگ دوزخ کے ابدی ہونے اور اور اس کے عدم فنا کے قائل ہیں وہ اپنے دعوے پر کئی طریق سے استدلال کرتے ہیں۔

طریق اول یہ ہے کہ وہ ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اہل دوزخ کے لیے دوزخ میں خلود ہوگا اور نہ وہ مریں گے اور نہ اس سے نکالے جائیں گے۔ اور موت کو بہشت اور دوزخ کے درمیان لاکر ذبح کیا جائے گا اور کفار کا بہشت میں داخل ہونا ایسا محال ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے سوراخ میں داخل ہونا محال ہے۔ ان کے علاوہ اور اسی قسم کے بہت سے نصوص سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اس استدلال سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان تمام نصوص سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جب تک دوزخ موجود اور باقی رہو گا۔ اہل دوزخ اس میں موجود رہیں گے اور اس سے نکالے نہیں جائیں گے۔ اور ان سے ثابت نہیں ہوتا کہ دوزخ کے لیے فنا اور زوال نہیں۔

Marfat.com

دوسرا طریق یہ ہے کہ اپنے اس مدعا پر کہ جہنم ابدی اور لازوال ہے۔ اجماع کا دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ ہم صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال بیان کر چکے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ ان کے اجماع کے خلاف ہیں۔ بلکہ اقوال مذکورہ کے لحاظ سے ان کے خلاف پر اجماع کا دعویٰ ہو سکتا ہے کیونکہ صحابہ و تابعین سے ان اقوال کا خلاف ثابت نہیں ہوا۔

تیسرا طریق یہ ہے کہ یہ مسئلہ کہ دوزخ اور جنت فنا نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گے۔ اسلام کے بدیہی اور ضروری مسائل میں سے ہے۔ اور اسی واسطے تمام اہل سنت نے ابو ہذیل۔ جہم اور ان کے موافقین کی تردید کی ہے۔ جو دوزخ کے فنا کے قائل ہیں۔ اور ان کے اقوال کو ان اہل بدعت کے اقوال میں سے شمار کیا ہے۔ جو شریعت حقہ نبویہ کے خلاف ہیں۔ ابو ہذیل۔ جہم وغیرہ کا یہ قول کہ جنت اور دوزخ اور چیزوں کی طرح فنا ہو جائیں گے۔ بیشک اہل بدعت کے اقوال میں سے ہے اور اس قول کے سبب وہ اہل سنت کی جماعت سے خارج ہو گئے ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ دوزخ ایسا ہی ہمیشہ دائم اور باقی رہے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کی ذات ہمیشہ دائم اور باقی ہے۔ فطری طور پر بھی معلوم نہیں تو پھر اس کی بداہت اور ضرورت کا دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ادلہ شرعیہ اور عقلیہ میں سے ایک دلیل بھی اس دعویٰ کے ثبوت پر دلالت نہیں کرتی۔

چوتھا طریق یہ ہے کہ مشہور یا متواتر حدیث میں اہل توحید کے دوزخ سے نکلنے کا بیان مذکور ہے اور اس میں کفار کے دوزخ سے خارج ہونے کا ذکر نہیں۔ حدیث مشہور میں بیشک اہل توحید کے دوزخ سے خارج ہونے کا ذکر ہے اور کفار کے خروج کا اس میں ذکر نہیں۔ سو اس کی یہ وجہ ہے کہ اہل توحید دوزخ سے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ دوزخ باقی اور موجود ہوگا۔ اور کفار

Marfat.com

کے لیے یہ عزت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ جب تک دوزخ موجود اور باقی ہوگا وہ اسی میں موجود رہیں گے اور جب فنا ہو جائے گا۔ اس سے خارج کیے جائیں گے

پانچواں طریق یہ ہے کہ عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ کفار ہمیشہ ابدالآباد دوزخ میں معذب رہیں اور کبھی اس سے خارج نہ کیے جائیں کیونکہ ان کے نفوس خیر کے قابل نہیں۔ پس اگر دوزخ سے نکالے جائیں گے تو پھر ویسے ہی کافر ہو جائیں گے۔ جیسے کہ پہلے تھے۔ اور اس مضمون کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (اور اگر دنیا میں واپس بھیج دیے جائیں تو جس چیز سے ان کو منع کیا گیا ہے اس کو دوبارہ کریں) یہ آیت ان کی نہایت شرارت پر اصرار کرنے اور ان میں کسی طرح کی خیر کی قابلیت نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے پس ان کے شریر اور خبیث النفس عذاب ہی کے لائق اور سزاوار ہیں۔ اگر ان میں صلاحیت کی استعداد ہوتی۔ تو وہ عذاب طویل سے صلاحیت پذیر ہو جاتے۔ اور جب مدت دراز اور کئی احقاب کے طویل عذاب اور سزا نے ان میں کچھ اثر نہ کیا اور شر سے پاک اور صاف نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان میں بالکل خیر کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں۔ اور ان میں عذاب کے اسباب میں کمی نہیں ہوئی۔ پس عذاب جو ان اسباب پر مترتب ہے۔ اس میں بھی کمی نہیں ہونی چاہیے اور یہ طریق اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ طریق قوی اور مضبوط ہے اور اس کا مآل طریق حکمت کی طرف راجع ہے کہ اللہ سبحانہ کی وہ حکمت جو کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کی مقتضی ہے وہی اس بات کو چاہتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار رکھے جائیں۔ مگر منکرین حکمت کے سامنے اس طریق کو پیش کرنا صحیح نہیں اور مثبتین حکمت و تعلیل

Marfat.com

میں سے معتزلہ اور قدریہ کے سامنے بھی یہ درست نہیں ہو سکتا۔ منکرین حکمت کے سامنے اس طریق کا جاری نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ وہ جب حکمت ہی کو نہیں مانتے تو پھر اس استدلال کو جو حکمت پر موقوف ہے کس طرح تسلیم کریں گے اور مثبتین حکمت کے سامنے اس کو پیش کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ ان کے نزدیک عذاب میں حکمت یہ ہے کہ اس میں معذبین کی مصلحت ہے اور یہ تب صحیح ہو سکتا ہے کہ کفار کے لیے دو حالتیں ہوں۔ ایک وہ حالت کہ جس میں ان کی مصلحت کے لیے ان کو عذاب و سزا ملے اور دوسری وہ حالت کہ جس میں عذاب موقوف ہو جائے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہو ورنہ ایسے عذاب میں جو کبھی ختم نہ ہو کونسی مصلحت ہو سکتی ہے۔ اور جو لوگ عذاب میں ایسی حکمت کو ثابت کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو ان کے اصول کے مطابق اس طریق پر استدلال کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس وقت اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی حکمت اس بات کو مقتضی نہیں کہ اس کی ذات کے بقا اور دوام کے ساتھ ان کا عذاب دائم و باقی رہے۔ اور نہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے ان کو ایسے دائم عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے پیدا کیا ہے بلکہ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ کفار کو ایک غایت محمودہ کے حصول کے لیے عذاب ہو گا اور جب وہ حاصل ہو جائے گی تو ان کے معذب کرنے سے جو کچھ مقصود ہے وہ حاصل ہو جائے گا اور اللہ سبحانہ اپنی مخلوق کو بلاوجہ اور سوائے کسی مصلحت کے عذاب نہیں کرتا۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ ان کو عذاب طویل کے بعد دوبارہ ایسے طور پر پیدا کرے کہ وہ ان شرور اور خباثت سے جو ان کے نفوس میں متمکن تھے پاک اور صاف ہوں اور طول عذاب کی وجہ سے وہ سب زائل اور دور ہو جائیں کیونکہ اصل فطرت میں تو وہ خیر کے قابل اور صالح تھے اور یہ قبولیت اور استعداد ان کی خلقت کے لوازم

Marfat.com

سے ہے اور اسی وجہ سے اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے مقر رہوئے تھے اور وہ حالت جس نے اصل فطرت کے مقتضی کو باطل کر دیا تھا وہ بعد میں عارضی اور لاحق ہوئی تھی اور جب وہ حالت عارضہ عذاب طویل کی وجہ سے زائل ہو جائے گی۔ تو وہ استعداد اور قبولیت جو اصل فطرت میں موجود تھی بلا کسی معارض اور مانع کے موجود رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ کا یہ مطلب ہے کہ اگر کفار کو عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو پھر وہی کام کرنے لگیں۔ جن سے منع کیے گئے تھے غرض یہ ابتلا سے عذاب سے پہلے کا ذکر ہے چنانچہ اس آیت کا ماقبل دیکھنے سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے قال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا کَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ (اور اے پیغمبر) کاش تم (ان کو) ایسی حالت میں دیکھو کہ دوزخ پر (لاکر) کھڑے کیے جائیں اور اس کو دیکھ کر لگیں کہنے۔ اے کاش ہم (پھر دنیا میں) واپس بھیج دیے جائیں اور اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہوں (پھر بھی ان کی یہ ندامت تہ دل سے نہیں (بلکہ جس بے ایمانی کو پہلے سے چھپاتے تھے (اب) ان کے آگے آئی اور اس کو دیکھ کر لگے حسرت کا اظہار کرنے) اور اگر دنیا میں واپس بھیج دیے جائیں تو جس چیز سے ان کو منع کیا گیا ہے اس کو پھر دوبارہ کریں) اور قبل عذاب تو وہ شرور اور خبائث جو ان کے نفوس میں جاگزین تھے بدستور موجود ہیں۔ ابھی آگ دوزخ نے ان کو زائل اور معدوم نہیں کیا۔ لہٰذا اگر دنیا میں دوبارہ بھیجے جائیں۔ تو چونکہ کفر کا باعث اور مقتضی ان میں موجود ہے۔ اس واسطے پھر وہی کفر اختیار کریں

Marfat.com

اور اس مسئلے کا راز یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ فطرت اصلیہ اپنا عمل ظاہر کرے جیسا کہ حالت عارضہ اور فطرت ثانیہ نے جو بعد میں طاری ہوئی تھی اپنا کام کیا اور فطرت اصلیہ تمام بنی آدم کو شامل اور سب میں موجود ہے۔ چنانچہ صحیحین میں بر روایت ابوہریرہ مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت (التوحید) پر پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حماد مجاشعی سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان احادیث کے سلسلے میں جن کو آپ اپنے پروردگار کی جانب سے بیان فرمائے ہیں یوں روایت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو موحد اور حنیف پیدا کیا ہے۔ بعد میں ان کے پاس شیطان آئے۔ اور انہوں نے ان کو دین سے پھیر دیا اور ان کو میرے ساتھ ان چیزوں کے شریک کرنے کا حکم کیا۔ جن کے لیے میں نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اس حدیث میں صاف بتلا دیا ہے کہ بنی آدم میں اصل توحید اور حنیفیت ہے اور اسی پر وہ پیدا کیے گئے ہیں اور اس کی ضد کفر و شرک بعد میں شیطان کے اغوا سے پیدا ہوتی ہے پس یہ بات محال ہے کہ شیطان کا اغوا تو اپنا اثر کرے اور رحمٰن جل جلالہ کی خلقت اور فطرت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔ شیطان کفار اور مومنین سب کا خالق وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں۔ اتنا فرق ہے کہ مومنین کو پیدا کرنا اس کے نزدیک محبوب پسندیدہ ہے۔ اور اس کے اثر کو اس کی طرف نسبت کر سکتے ہیں اور کفار و شیاطین کی خلقت اس کے نزدیک مبغوض ناپسندیدہ ہے اور اس کے اثر کو اس کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔ کیونکہ شر اس کی طرف منسوب نہیں اور خیر سب کی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ (اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا) اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی قسم کی بہتری اور

Marfat.com

خوبی کی قابلیت نہیں اور ان میں کسی نوع کی خیر موجود نہیں۔ اگر ان میں کسی قسم کی خیر موجود ہوتی تو اس کے بدولت اہل توحید کے ساتھ دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کیے جاتے کیونکہ اللہ سبحانہ ان تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال دے گا۔ جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی موجود نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ خیر سے اللہ سبحانہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ چنانچہ دوسری روایت میں خود لفظ ایمان لانا مراد ہے۔ چنانچہ دوسری روایت میں خود لفظ ایمان مذکور ہے اور ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے احکام کی اطاعت کا نام ہے۔ اور آیت میں جو لفظ خیر مذکور ہے اس سے نعمت کی قدر شناسی منعم کی شکرگزاری۔ قابلیت طہارت اور صفائی مراد ہے اگر اللہ سبحانہ کو معلوم ہوتا کہ اس قسم کی خیر و خوبی ان میں موجود ہے تو ان کو اپنے احکام اور کلام پاک ایسے طور پر سنا دیتا جس سے وہ منتفع اور فائدہ مند ہوتے۔ اور وہ سماع جس سے ان پر حجت الٰہی قائم ہو ان کے حق میں موجود ہے اور وہ سب احکام کو سُن چکے ہیں۔ پس کفر اور انکار کے سبب وہ قابلیت جو اصل فطرت میں موجود تھی معطل اور بیکار ہو گئی اور اس کا اثر زائل اور دور ہو گیا اور وہ اس معدوم چیز کی طرح ہو گئی۔ جس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے اور اس کا اثر صرف قیام حجت کے بارے میں ظاہر ہوا اور ان کے اعمال اور عقائد کے نفع دینے میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ کرے کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا فطرۃً ہی وہ کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی نسبت یوں فرمایا ہے۔ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (اور ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار اور کٹے کافر ہوں گے) نیز اس حدیث میں جس کو امام احمد اور ترمذی نے مرفوعاً روایت کیا اس طرح وارد ہے کہ بنی آدم

Marfat.com

مختلف طبقات (اور حالات) پر پیدا کیے گئے ہیں بعض ایمان پر پیدا ہوتے اور ایمان ہی پر زندہ رہتے ہیں۔ اور ایمان ہی پر ان کی موت ہوتی ہے اور بعض کفر پر پیدا ہوتے ہیں اور کفر ہی پر زندہ رہتے اور کفر ہی پر مرتے ہیں۔ آخر حدیث تک۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ جو آیات اور حدیث ہر ایک بنی آدم کے فطرت اسلام پر پیدا ہونے کے مخالف اور مناقض نہیں کیونکہ ان کا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ گو فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں مگر ان کے حق میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ جب وہ سن شعور اور عقل کو پہنچیں گے تو وہ کفر کریں گے ورنہ ولادت کے وقت تو کفر یا ایمان میں سے کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ پس ان نصوص میں حال متقارن بالعامل بلکہ یہ حال مقدرہ ہے پس ایسے لوگ دو اعتبار کے لحاظ سے مولود علی الفطرت بھی ہیں اور مولود علی الکفر بھی یعنی ان کی پیدائش تو فطرت اسلام پر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کے حق میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہو کر کفر اختیار کریں گے۔ اور یہ دونوں اعتبار صحیح ہیں۔ فطرت پر پیدا ہونا تو اس لحاظ سے ہے کہ اگر ان کو اسی فطرت پر چھوڑا جائے اور صحبت بد کے اثر سے محفوظ رہیں۔ تو اسلام کو قبول کریں۔ اور کفر پر پیدا ہونا اس لحاظ سے ہے کہ جب بڑے ہوں گے تو اپنے اختیار اور ارادہ سے کفر قبول کریں گے۔ غرض جب کفار کی فطرت اصلیہ اور اللہ سبحانہ کی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کا لحاظ کیا جائے تو حقیقۃ الامر منکشف ہو جاتی ہے کہ کفار ابد الآباد ہمیشہ عذاب دوزخ میں مبتلا نہ رہیں گے۔

چھٹا طریق یہ ہے کہ دار العدل یعنی دوزخ کو دار الفضل یعنی بہشت پر قیاس کیا جائے اور جیسا کہ جنت ابدی اور دائم ہے اسی طرح جہنم بھی ابدی اور لازوال ہے۔ کیونکہ جہنم کے ابدی ہونے سے اس کا کمال عدل ثابت ہوتا ہے۔

Marfat.com

اور عدل اور رحمت اس کی ذات مقدس کے لوازم میں سے ہیں۔ اور یہ طریق بھی صحیح اور نافذ نہیں کیونکہ عدل اللہ سبحانہ کا حق ہے اور اس پر یہ واجب نہیں کہ اپنا پورا عدل ظاہر فرمائے اور عدل کے ترک کرنے سے کسی قسم کا نقص اور مذمت اس کو لاحق نہیں۔ اور اظہارِ فضل کی نسبت اس نے اپنے بندوں سے مضبوط وعدہ فرمایا ہے اور اس کو اپنی ذات پر واجب قرار دیا ہے۔ اور بہشت اور دوزخ میں کئی وجوہ سے فرق موجود ہے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح اور درست نہیں۔ ان دونوں میں ایک وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اور اہل جنت پر اللہ سبحانہ کی عطا اور ان کا اجر کبھی منقطع نہ ہو گا۔ اور اہل دوزخ کے عذاب کی نسبت اللہ سبحانہ نے ایسا بیان نہیں فرمایا کہ عذاب دوزخ بھی کبھی ختم نہ ہو گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے چند آیات میں بیان فرمایا ہے کہ اہل دوزخ کا عذاب متناہی اور ختم ہونے والا ہے۔ اور ہم ان آیات کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور اہل جنت کی نعمتوں کے متناہی اور ختم ہونے کو کہیں بیان نہیں فرمایا۔ اور اسی واسطے ان لوگوں کو جو جہنم کے ابدی اور لازوال ہونے کے قائل ہیں۔ آیاتِ مذکورہ بالا کی تاویل کی ضرورت کی پیش آئی۔ اور اہل جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایسی کوئی نص وارد نہیں۔ جس سے ان کا انقطاع مفہوم ہوتا اور یہ لوگ تاویل سے اس کی تخصیص کرتے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ احادیث جو عذاب دوزخ کے متناہی اور منقطع ہونے کے باب میں آئی ہیں۔ اس قسم کی کوئی حدیث اہل جنت کی نعمتوں کے انتہا اور انقطاع کے بارے میں ہرگز وارد نہیں ہوئی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تابعین نے عذاب دوزخ کے انقطاع اور ختم ہونے کو بیان کیا ہے۔ اور جنت کی نعمتوں کے انقطاع کو ان

Marfat.com

میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بغیر کسی نیک عمل کے جنت میں داخل کر دے گا اور دوزخ میں سوائے گناہ کے ہرگز کسی کو داخل نہیں کرے گا۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جنت میں اللہ سبحانہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے گا۔ جن کو جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اور دوزخ میں کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا۔ کہ ان کو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ جنت اس کی رحمت کا مقتضیٰ ہے اور دوزخ اس کے غضب کا۔ اور جو لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے وہ کئی درجہ ان لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔ جو جنت میں داخل ہوں گے پس اگر اہل دوزخ کا عذاب ویسا دائم اور ابدی ہو جس طرح کہ اہل جنت کی نعمتیں ابدی ہوں گی۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی رحمت پہ غالب ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے غضب کا رحمت سے عذاب ہونا محال ہے۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جنت اس کے فضل کا مقام ہے اور دوزخ دار عدل ہے اور اس کا فضل اس کے عدل پر غالب ہے۔

نانویں وجہ یہ ہے کہ دوزخ کو اللہ سبحانہ نے اس لیے بنایا ہے کہ اس میں اپنے اس حق کو جو بندوں پر واجب تھا ان سے پورا کرے اور جنت کو اس لیے پیدا کیا ہے۔ کہ بندوں کا وہ حق جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنی ذات پر لازم کیا ہے ادا کرے اور یہ جائز ہے اللہ سبحانہ اپنے حق چھوڑ دے اور بندوں سے پورا پورا وصول نہ کرے اور بندوں کے حق کو جسے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے پورے طور پر ادا کر دے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ جنت وہ غایت ہے کہ جس کے لیے مخلوق آخرت میں

Marfat.com

پیدا کی جائے گی اور جنت کے اعمال یعنی اطاعت و عبادت الٰہی وہ غایت ہے جس کے لیے جن اور آدمی دنیا میں پیدا کیے گئے ہیں۔ اور دوزخ مخلوق کے پیدا کرنے کی غایت نہیں اور نہ اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی ذات کے ساتھ کفر و شرک کریں۔ بلکہ ان کو اپنی عبادت اور رحمت کے لیے پیدا کیا ہے۔

گیارہویں وجہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں اس کے اسماء و صفات کا مقتضیٰ ہیں اور عذاب اس کا فعل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (اے پیغمبر ہمارے بندوں کو آگاہ کر دو کہ (ایک طرف) ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور (دوسری طرف) ہمارا عذاب بھی بڑا موذی عذاب ہے)، وقال تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اے پیغمبر بےشک تمہارا پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان بھی) ہے۔ وقال تعالیٰ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (جانے رہو کہ اللہ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اور جو چیز اس کے اسماء و صفات کا مقتضیٰ ہے وہ اس کے دوام کے ساتھ دائم رہے گی۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ عذاب بھی اس کی عزت۔ حکمت اور عدل سے صادر ہو گا۔ اور عزیز۔ حکیم اور عادل اس کے اسماء حسنیٰ اور عزت حکمت اور عدل اس کے صفات کمال میں سے ہیں تو جو چیز ان سے صادر ہو گی وہ بھی ان کے دوام کے ساتھ دائم ہو گی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بےشک عذاب کا صدور اللہ سبحانہ کی عزت۔ حکمت اور عدل سے ہے مگر مقصود کے حاصل ہونے کے وقت اس کا ختم ہو جانا یہ بھی تو اس کی عزت۔ حکمت اور عدل سے ہی صادر ہو گا۔

Marfat.com

غرض عذاب اور اس کا انقطاع اور ختم ہونا دونوں اس کی عزت۔ حکمت اور عدل سے ہی صادر ہونگے فرق اتنا ہے کہ انتہا کے وقت عزت رحمت کے ساتھ۔ حکمت جود و احسان کے ساتھ اور عدل وعفو اور صفح کے ساتھ مقرون ہو گا۔ اور اس طرح اس کی لازوال عزت اور حکمت میں کوئی کمی لازم نہیں آتی۔ بلکہ خلق اور امر کا تمام سلسلہ اس کی عزت و حکمت سے صادر ہے۔

بارہویں وجہ یہ ہے کہ عذاب بذات خود مقصود نہیں۔ بلکہ اس سے دوسری چیز مقصود ہے اور رحمت۔ احسان اور جنت کی نعمتیں بذات خود مقصود ہیں۔ ملاحصہ کلام یہ ہے کہ احسان اور نعمتیں غایت ہیں۔ اور عذاب اور تکلیف وسیلہ ہیں پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

یترھویں وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ اس کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو حاوی ہے کوئی چیز اس کی رحمت سے خارج نہیں۔ اور اس کی رحمت اس کے غضب پر سابق اور غالب ہے اور رحم فرمانا اس نے اپنی ذات پر لازم کر لیا ہے تو ضرور ہے کہ کفار کو بھی اس کی رحمت سے حصہ ملے اور اگر وہ ہمیشہ عذاب نار میں مبتلا رکھے جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس کی وسعت رحمت کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ آیت رحمت میں وسعت رحمت کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ الآیۃ (تو ہم اس کو (خاص کر) ان لوگوں کے نام لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کریں گے)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مومن متقی نہیں وہ اس کی رحمت سے خارج ہوں گے کیونکہ وہ اس صفت سے خارج ہیں جس کی وجہ سے اس کے بندے رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وسعت رحمت کے بیان کے بعد جس

Marfat.com

رحمت کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے کہ وہ متقین کے لیے لکھی گئی ہے یہ اس رحمت کے علاوہ ہے جو تمام مخلوق کو وسیع ہے بلکہ یہ ایک خاص رحمت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے متقین کو مخصوص کیا اور صرف ان کے لیے اس کو مقرر کیا ہے۔ اور متقین وہ اہل فلاح ہیں۔ جن کو بالکل کوئی عذاب نہ ہوگا۔ بلکہ وہ رحمت۔ کامیابی اور نعمتوں کے مالک ہوں گے۔۔ اور یہ ایک طرزِ بیان ہے کہ کبھی خاص کو عام کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں بہت سی جگہ یہی طرز اختیار کی گئی ہے کہ کبھی عام کو خاص کے بعد ذکر کرتے ہیں اور اصطلاح میں اسکو استطراد کہتے ہیں۔

بقولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (لوگو وہی رقادر مطلق) ہے جس نے تم کو تن واحد آدم) سے پیدا کیا اور اس کی جنس کا اس کا جوڑا بنایا تاکہ مرد عورت کی طرف رغبت کرے تو جب مرد عورت سے لپٹ جاتا ہے تو عورت کو ایک ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے۔ پھر وہ اس حمل کو لیے لیے پھرتی ہے پھر جب حمل کی وجہ سے عورت زیادہ بوجھل ہو جاتی ہے تو میاں بی بی دونوں (ملکر) خدا سے کہ وہی ان کا پروردگار ہے ) دعا مانگتے ہیں کہ (اے خدا) اگر تو ہم کو (جیتا جاگتا) پورا بچہ عنایت کرے گا تو ہم تیرا بڑا احسان مانیں گے پھر جب (خدا) ان کو (جیتا جاگتا) پورا بچہ عنایت کرتا ہے تو اس (اولاد) میں جو خدا نے ان کو عنایت کی تھی خدا کے شریک بنانے لگتے ہیں)

ان آیات میں اللہ سبحانہ نے پہلے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا بالخصوص ذکر فرمایا۔ اور اس کے بعد ان کی اولاد میں سے عام طور زوجین کا ذکر کیا اور استطراد

Marfat.com

کی ایک اور مثال یہ آیت ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ (اور ہم نے ورلے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے سجا رکھا ہے اور ہم نے ان چراغوں کو شیاطین کے لیے (ایک طرح کی) زد بنایا ہے) اس آیت میں پہلے ایک قسم کے ستاروں کا ذکر ہے جن سے آسمان کی زینت حاصل ہے اور اس کے دوسرے قسم کو ذکر کیا ہے۔ جو شیطانوں پر پھینکے جاتے ہیں یہاں ایک نوع سے دوسرے نوع کی طرف استطراد کیا گیا ہے۔ اور چونکہ سب ستارے ایک ہی جنس سے ہیں اس لیے لفظ ضمیر سے دوسری نوع مراد ہے پہلی نوع کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ (اور ہماری جو رحمت ہے) وہ سب چیزوں کو شامل ہے تو ہم اس کو (خاص کر) ان لوگوں کے نام لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کریں گے) میں بھی اسی طرح اعادہ ضمیر کیا گیا ہے۔ اور وہ رحمت جو متقین کے لیے مقرر کی گئی ہے رحمت واسع کی ایک خاص نوع۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت کی وسعت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اہل دوزخ کفار کو بھی اس سے حصہ ملے اور نیز یہ ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت ایسی وسیع اور غیر متناہی ہو جیسا کہ اس کا علم وسیع اور نامحدود ہے۔ چنانچہ ملائکہ کے قول کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا (اے رب ہمارے تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے۔

چودھویں وجہ یہ ہے کہ صحیح حدیث میں جس میں شفاعت کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اولوالعزم رسول شفاعت نہ کرنے کا یہ عذر بیان کریں گے۔ کہ آج میرا پروردگار ایسا غضب میں ہے کہ نہ تو کبھی اس سے پہلے غضب میں ہوا ہے اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا غضب میں ہوگا اس سے

Marfat.com

صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غضب عظیم دائم اور ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اور یہ بات قطعاً معلوم ہے کہ اہل دوزخ اسی غضب کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیے گئے تھے پس اگر وہ غضب دائم رہتا۔ تو ان کا عذاب بھی دائم اور مستمر ہوتا۔ کیونکہ وہ اس غضب کا مقتضیٰ اور موجب ہے اور جب اللہ سبحانہ راضی ہو جائے گا اور وہ غضب جاتا رہے گا تو عذاب جو اس کا موجب اور مقتضیٰ ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح کہ دنیا کے عام مصائب اور اکثر تکالیف اس کے غضب کے آثار ہوتے ہیں اور جب تک اللہ سبحانہ کا غضب باقی رہتا ہے۔ تو وہ مصیبت اور بلا بھی دور نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ راضی اور اس کا غضب دور ہو جاتا ہے۔ تو وہ بلا اور مصیبت بھی زائل اور رفع ہو جاتی اور اس کے بجائے رحمت نازل ہوتی ہے۔

پندرھویں وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک رضا غضب سے۔ عفو عقوبت سے رحمت عذاب سے اور عطا منع سے محبوب اور پسندیدہ ہے غضب۔ عقوبت اور منع کا وقوع تو صرف اس وقت ہوتا ہے جب بندوں سے ایسے امور اور اسباب سرزد ہوں۔ جو ان صفات اور اسماء کے مقتضیٰ کے خلاف ہوں۔ اور اللہ سبحانہ جس طرح اپنے اسماء و صفات کو محبوب رکھتا ہے اسی طرح ان کے آثار اور ثمرات کو بھی پسند رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے۔ جمیل ہے جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ نظیف ہے۔ نظافت کو پسند کرتا ہے عفوّ ہے اس کو معافی پسند ہے۔ شکور ہے شکر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ علیم ہے علم والوں کو دوست رکھتا ہے جواد ہے اہل جود کو محبوب رکھتا ہے۔ صاحب حیا اور ستیر ہے اہل حیا اور ستر کو پسند رکھتا ہے۔ صبور ہے صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ رحیم ہے

Marfat.com

رحم کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور ان صفات کے اضداد کو ناپسند اور برا جانتا ہے۔ اور اسی طرح کفر۔ فسق۔ عصیان۔ ظلم اور جہالت کو ناپسند رکھتا ہے کیونکہ یہ صفات اس کے اوصاف کمال کی ضد اور ان کے مخالف ہیں۔ مگر یہ صفات اس کے ارادہ میں داخل ہیں کیونکہ یہ صفات ایسی چیزوں کو مستلزم اور ان کے موقوف علیہ ہیں جو اس کی محبوب و پسندیدہ ہیں اور جب وہ چیزیں جو اللہ سبحانہ کی محبوب و پسندیدہ ہیں ان کے ذریعے سے حاصل ہو جائیں اور یہ امور غایت مقصودہ کو پہنچا دیں تو پھر یہ امور یعنی ظلم۔ جہل وغیرہ مقصود و مراد نہیں رہتے بلکہ یہ زائل اور ان کے اضداد جو اللہ سبحانہ کو محبوب اور اس کے اسماء و صفات کے موجب و مقتضی ہیں۔ ان کے قائم مقام موجود ہو جاتے ہیں۔ اگر اس مسئلے کا راز سمجھ میں آجائے تو فبہا ورنہ پہلے بیان پر قناعت کرنی چاہیے اور اس کے انکار میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ اور اس مسئلے کا راز یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حکیم و رحیم ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو حکمت و رحمت سے پیدا کرتا ہے۔ اور جب ان لوگوں کو جو عذاب کے مستحق ہیں۔ کسی حکمت کے لیے عذاب دے گا۔ تو یہ اس کے قانون حکمت کے مطابق جاری ہو گا۔ جیسا کہ دنیا کے عقوبات یعنی حدود شرعیہ اور دوسرے مصائب مقدرہ جو آدمی کو پیش آتے ہیں اور ان سے تہذیب نفس تادیب۔ زجر۔ رحمت اور لطف مقصود ہوتا ہے اور وہ نفوس کو ان کے شر اور خبث سے پاک۔ صاف اور خالص بنا دیتے ہیں۔ اور شریر اور ظالم نفوس اگر دنیا کی طرف عذاب سے پہلے لوٹائے جائیں گے۔ تو ضرور وہی کام کرنے لگیں گے جن سے منع کیے گئے تھے۔ اور عذاب سے پہلے وہ جنت کی سکونت کے قابل اور سزاوار نہیں۔ کیونکہ جنت شریر۔ ظالم اور جھوٹے لوگوں کے رہنے کا مقام نہیں اور جب ان نفوس کو آگ کا ایسا عذاب ہو جائے گا۔ جو ان کو شر سے خالص

Marfat.com

دے گا۔ اوران کی خباثت دور ہو جائے گی۔ تو پھر قانون حکمت کے موافق جنت کی سکونت کے قابل ہو جائیں گے۔ دنیا کی سزا میں بھی یہی دستور ہے۔ کہ جب کسی شریر کو سزا ملنے پر تنبیہ حاصل ہو جائے اور اس کی حالت درست ہو جائے۔ تو پھر وہ عزت اور توقیر کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسے شریر نفوس کو پیدا کرنا جن کا شر عذاب اور سزا ملنے سے دور ہو جائے اللہ سبحانہ کی کمال حکمت میں سے ہے اور ایسی شریر مخلوق کو پیدا کرنا کہ جن کا شر کبھی زائل نہ ہو اور ان کی خلقت محض شر اور عذاب دائمی کے لیے ہو اور اللہ سبحانہ کی رحمت اور حکمت کے خلاف ہے۔ اگرچہ ایسا کرنا اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہے۔ مگر اس کی حکمت اور رحمت کے مطابق نہیں۔ اس دشوار مگر عظیم الشان مسئلے میں کہ جس میں بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلیں دنگ ہیں میرے ذہن کی رسائی یہیں تک ہے۔ اور میں نے شیخ الاسلام قدس سرہٗ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ مسئلہ بہت بڑا اور عظیم الشان ہے اس کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور بہت عرصہ تک میں اسی تلاش میں رہا کہ اس مسئلہ میں کسی بڑے آدمی کی تحقیق معلوم ہو۔ یہاں تک کہ عبد بن حمید کشی کی تفسیر میں میں نے بعض ان آثار کو دیکھا جن کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس میں نے اسی وقت ان کے پاس خط بھیجا اور وہ ان کا آخری وقت تھا۔ اور میں نے اس مقام پر نشان لگا دیے۔ اور قاصد سے کہا ان سے کہنا کہ یہ مقام میرے نزدیک نہایت مشکل ہے اور مجھے اس کی پوری طرح سمجھ نہیں آئی۔ تو انہوں نے اس مقام پر مندرجہ ذیل عبارت کو لکھ کر میرے تردّد کو دور کیا اور وہ عبارت یہ ہے جس شخص کو کوئی علمی تحقیق معلوم ہو۔ تو اس کا فرض ہے کہ اس کو ظاہر کرے (اور اپنے آپ کو کم علم اور قلیل البضاعہ سمجھ کر اس کو مخفی نہ رکھے) کیونکہ ہر صاحب علم پر دوسرے ذی علم کو فوقیت حاصل ہے یعنی مخلوق میں سے کوئی شخص کتنا ہی علم رکھتا ہو اس سے دوسرا

Marfat.com

شخص زیادہ علم والا موجود ہے۔ اور میں اس سلسلہ میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے قول پر ہوں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل جنت کے جنت میں اور اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہونے کا ذکر کیا۔ اور پوری طرح اس کا بیان فرمایا ہے اور پھر یوں کہا ہے کہ اس کے بعد اللہ سبحانہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا۔ اور نیز میں اس مسئلہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہوں۔ ان کا یہ قول ہے کہ کسی شخص کو یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ سبحانہ پر اس کی مخلوق کی نسبت کوئی حکم لگائے اور جنت یا دوزخ کو ان کا مقام مقرر نہ کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے قول قَالَ النَّارُ مَثْوٰکُمْ خَالِدِیْنَ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ (اللہ تعالیٰ فرمائیگا تمہارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ ہے ہمیشہ (ہمیشہ) اس میں رہو گے آگے اللہ کی مرضی) کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور نیز میں اس مسئلہ میں ابو سعید خدری کے مذہب پر ہوں انہوں نے یوں کہا ہے قرآن کریم کی تمام آیاتِ وعید کا اس آیت اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ سے فیصلہ ہو گیا کہ اللہ سبحانہ جو چاہے گا وہ ظہور پذیر ہو گا۔ اور نیز میں قتادہ کے مذہب پر ہوں کہ وہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ اس کی مشیت کس بات پر واقع ہوئی ہے۔ اور نیز میں ابن زید کے مذہب پر ہوں کیونکہ ان کا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ اہل جنت پر جو کچھ انعام و اکرام فرمانا چاہتا ہے۔ اس سے تو ہم کو آگاہ کر دیا اور فرمایا ہے۔ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ اور اہل نار کے ساتھ جو کچھ معاملہ کرنا چاہتا ہے اس سے ہم کو مطلع نہیں کیا۔ اور یہ قول کہ دوزخ اور اس کا عذاب اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ دائم ہیں اللہ تعالیٰ کے ایک فعل کی خبر ہے۔ پس اگر یہ قول اس خبر کے مطابق نہ ہو جو خود اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بیان فرمائی ہے۔ تو یہ افترا علی اللہ اور قول بغیر علم ہو گا اور نصوص

Marfat.com

سے یہ مفہوم نہیں ہوتا۔

**فصل**:۔اس مسئلہ میں چند اور مذاہب بھی ہیں ۔مگر وہ بالکل باطل اور لغو ہیں بعض کا یہ قول ہے کہ کفار کو دوزخ میں اتنی مدت عذاب ہوگا۔کہ جتنی مدت وہ دنیا میں زندہ رہے ہیں اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان کی طبیعت ناریہ ہو جائے گی اور آگ کی حرارت سے ان کو ایسی لذت حاصل ہوگی جیسا کہ خارش والے کو کھجلانے سے لذت حاصل ہوتی ہے ۔اور بعض کا یہ قول ہے کہ دوزخ اور جنت دونوں فنا اور معدوم ہو جائیں گے ۔اور بعض کا یہ قول ہے کہ دوزخ کا جوش اور حرکت معدوم ہو جائے گی۔اور اہل دوزخ ہمیشہ سکون دائمی میں پڑے رہیں گے ۔اور اس مسئلہ میں سوائے صحابہ کرامؓ اور ان لوگوں سے جنہوں نے صحابہ کا طریقہ اختیار کیا ہے سب لوگ غلطی پر ہیں اور توفیق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔

**فصل**:۔اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ کفار کے مومنین سے اور اہل دوزخ کے اہل جنت سے کئی گنے زیادہ ہونے میں کونسی حکمت ہے ۔اور کفار کا مومنین سے زیادہ ہونا مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو وہ ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اور ہمارے بندوں میں بہت ہی تھوڑے بندے شکر گزار ہوتے ہیں) اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں) وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اے پیغمبر اکثر لوگ تو دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر ان کے کہنے پر چلو تو تم کو راہ خدا سے بھٹکا چھوڑیں) اور اہل دوزخ کا اہل جنت سے زیادہ ہونا اس حدیث

Marfat.com

سے ثابت ہوتا ہے جس میں یوں آیا ہے کہ ہزار آدمیوں میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں جائیں گے اور ایک آدمی بہشت میں داخل ہوگا۔ رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ نے ایسا کیوں چاہا۔ اگر اس کے برخلاف ہوتا یعنی مومن اور اہل جنت زیادہ ہوتے تو اللہ سبحانہ کی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نہایت مناسب تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کے قول کی نہایت ظاہر اور روشن دلیل ہے کہ اس معاملے کا انجام اللہ سبحانہ کی اس رحمت کی طرف عائد ہوگا جو ہر چیز کو وسیع اور اس کے غضب پر سابق اور غالب ہے۔ اور اس بنا پر یہ سوال بالکلیہ مندفع ہوگیا۔ اس کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مادہ ارضیہ کا یہ اقتضا ہے کہ نوع انسانی کے افراد میں تفاوت اور اختلاف موجود ہو چنانچہ مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ نے آدم کو مٹی کی ایک ایسی مٹھی سے پیدا کیا جس کو تمام زمین سے لیا گیا۔ پس اسی واسطے بنی آدم کے طبائع مختلف ہیں۔ بعضے خبیث اور بعضے پاک ہیں۔ بعضے نرم اور بعضے سخت ہیں وغیرذلک۔ کئی طرح کا تفاوت موجود ہے غرض نوع انسانی کے مادہ کا یہ مقتضے ہے کہ افراد انسانی کے اخلاق۔ ارادت اور اعمال میں تفاوت اور اختلاف موجود ہو۔ اس کے ساتھ ہی عزیز حکیم کی حکمت نے یوں چاہا۔ کہ اس مخلوق کو جو ایسے مادہ سے پیدا کی گئی ہے شہوت۔ غضب۔ حب۔ بغض اور ان کے لوازم کے ساتھ مبتلا کرے۔ اور نیز اس کو اللہ سبحانہ نے اس کے اس دشمن ابلیس کے ذریعہ سے آزمایا جو ہمہ تن اسکی خرابی کے لیے کوشاں ہے۔ اور ایک لمحہ بھر اس سے غافل نہیں ہوتا۔ اور اس کے علاوہ انسان کو دنیا کی زینت اور خواہشات نفس کے ساتھ مبتلا کیا کہ باوجود اس کی کمزوری اور دنیا کی چیزوں کی طرف محتاج ہونے کے اس کو یہ حکم دیا۔ کہ خواہشات نفس کا خلاف کرے اور دنیا کی زیب و زینت پر مائل نہ ہووے۔ چنانچہ اس ابتلا کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ لوگوں کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ان کو دنیا کی مرغوب

Marfat.com

چیزوں یعنی مثلاً بیبیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی بھلی معلوم ہوتی ہے) اور اس کو یہ امر فرمایا ہے کہ اس موجود مشاہد اور حاضر عالم یعنی دنیا میں اپنی حاجات اور خواہشات کو پورا نہ کرے بلکہ ان کے پورا کرنے کے لیے اس عالم کا انتظار کرے جو دنیا کا سفر طے کرنے اور یہاں سے جانے کے بعد آنیوالا ہے۔ اور طبیعت انسانی کا یہ مقتضیٰ ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں ایک شخص بھی ثابت قدم نہ رہے اور سب کے سب طبیعت کے میلان اور شہوت و غضب کے مقتضیٰ پر عمل کریں۔ اور اللہ خالق نے ان کے اور جذبات طبع کے درمیان فطرۃً کوئی چیز حائل نہیں بنائی۔ بلکہ ان امور سے روکنے کے لیے انکے پاس اپنے رسول بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں اور اپنی رضامندی اور غضب کے اسباب بتلائے۔ اور جذبات طبیعت اور خواہشات نفس کی مخالفت کرنے پر بہشت کی ان اعلیٰ ترین نعمتوں اور اکمل لذتوں کا وعدہ فرمایا جو کبھی ختم نہ ہونگی مگر اکثر لوگوں کی عقلیں اس بات کو نہ پا سکیں کہ موجود مشاہد اور حاضر مگر فانی چیز کو چھوڑ کر آئندہ آنیوالی اور منتظر مگر باقی اور دائم کو اختیار کیا جائے اور اس طرح خیال کرنے لگے کہ نقد چھوڑ کر ادھار کو لے اور ان کی زبان حال یوں کہنے لگی ؎ خُذ مَا تَرَاہُ وَدَعْ شَیئاً سَمِعتَ بِہٖ

یعنی جو چیز موجود ہو اور سامنے نظر آئے اس کو لے لینا چاہیے اور سنی سنائی چیز کے پیچھے پڑنا نامناسب ہیں۔ اور توفیق الٰہی ان لوگوں کی معاون اور مددگار ہوئی جو اللہ سبحانہ کے علم میں اس بے فضل کے لائق اور سزاوار تھے۔ پس ان کو قوۃ ایمان اور وہ بصیرت عطا فرمائی کہ جس کی روشنی سے ان کو آخرت کی حقیقت۔ اس کا دوام۔ وہ نعمتیں جو اہل طاعت کے لیے اس میں تیار ہیں۔ وہ عذاب جو نافرمانوں کے واسطے موجود ہیں۔ دنیا کی حقیقت۔ اس کا عدم ثبات۔ بیوفائی اور اہل دنیا کے ظلم وغیرہ سب امور ان کو پوری طرح معلوم ہو گئے۔ اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ دنیا ویسی ہی ہے جیسا کہ اسکو اللہ سبحانہ نے بیان کیا ہے کہ دنیا لہو۔ لعب۔ زینت اور مال اور اولاد میں باہم تفاخر اور تکاثر ہے اور زیزدنبا اس بارش کیطرح ہے کہ جس سے عمدہ عمدہ گھاس پیدا ہوئے جنہوں نے کفار کے

Marfat.com

دِلوں کو نہایت خوش کر دیا۔ اور وہ نشو و نما پا کر خوب عمدہ زرد رنگ میں آ گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سب نیست و نابود ہو گئے۔ اور کفار نے یہ سمجھا کہ ہم دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہم کو اسی کی اصلاح اور درستی کی فکر کرنی چاہیے۔ اور اس کی ترقی کی راہیں نکالیں۔ اس کے سوا کسی اور گھر کا ہم کو کوئی فکر نہیں ان پر عادات طبعیہ اور خواہشات نفس غالب آ گئیں اور حواس کے آگے عقل مغلوب ہو گئی اور اِدھر دنیا کے سامان بھی مہیا اور فراہم اور ہاں میں ہاں ملانے والے لوگ موجود تھے۔ ان وجوہ سے آخرت کو بالکل بھول گئے اور دنیا پر جھک پڑے (خاکسار مترجم کہتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی جماعت بعینہٖ اسی خیال کے لوگ موجود ہیں خدا تعالیٰ ان کو دین کی سمجھ دے اور اُن کے دِلوں کو نور ایمان سے منور کرے جس سے آخرت کی حقیقت سمجھ کر اس کی فکر کریں۔ اور ہم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ان علائق کو قطع کر کے ان تمام حجابات کو پھاڑ کر عادات اور جذبات طبع کی مخالفت کرے اور خواہشات نفس کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو جائے تو ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور نیز اللہ سبحانہٗ کی حکمت نے چاہا کہ اس کے بندے موجودہ خلقت اور صفت پر ہوں۔ اور اگر اس خلقت اور صفت کے سوا کسی اور صفت پر ہوتے تو امتحان اور آزمائش کا مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اور عبودیت کے انواع کا اختلاف اور اللہ کے اسماء و صفات کے آثار کا ظہور موجود و متحقق نہ ہوتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اہل ایمان و خیر زیادہ اور اکثر ہوتے تو جہاد اور اس کے توابع جو عبودیت کے اعلیٰ انواع میں سے ہیں حاصل نہ ہوتے۔ اور وہ کمال جو اُن پر مرتب ہے فوت ہو جاتا مگر احکم الحاکمین نے اپنی حکمت سے جو کچھ اپنی مخلوق میں پیدا کیا ہے۔ اور جس حالت اور صورت پر ان کو بنایا ہے اس سے کوئی بہتر اور اچھی صورت موجود نہیں ہو سکتی پھر

Marfat.com

اللہ سبحانہ اس مخلوق کو جو ان دونوں مادوں یعنی مٹی اور آگ سے پیدا ہے یعنی انسانوں اور جنوں کو اُن کے خبث اور شر سے پاک و صاف کریگا۔ اور جو خالص اور پاک ہو جائینگے۔ اُن کو پاک لوگوں کے ساتھ شامل کر دے گا۔ اور خبیثوں کو وہاں ڈال دے گا جہاں میل کچیل ڈالی جاتی ہے اور یہ اللہ سبحانہ کی کمال حکمت ہے معدنی اشیاء مثلاً سونا، چاندی۔ لوہا اور پیتل وغیرہ جن سے آدمیوں کے ہزاروں کام نکلتے ہیں اسی طور پر صاف کیے جاتے ہیں۔ غرض ان مواد کا خلاصہ اور پاک حصہ میں اور خبیث حصہ سے بہت کم ہے۔ آدمی ایک زراعت کی مانند ہیں۔ اور زمین ان کے واسطے کھیت کے قائم مقام ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ زراعت کا خالص اور عمدہ حصہ یعنی غلہ باقی اجزا۔ بھوسے۔ تنکوں۔ پتوں وغیرہ اجزا کی نسبت بہت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرے اجزاء خالص حصّہ کے لیے ایک قلعہ یا پناہ کا کام دیتے ہیں جیسے لکڑیاں اور کانٹے پھل کے لیے اور مٹی اور پتھر معدنیات نفیسہ کے لیے۔

**فصل سینتیسواں جواب** ۔ منکرین حکمت وتعلیل کا یہ قول کہ اللہ سبحانہ کے اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کو اپنے پیارے بندوں پر مسلط کرنے میں کہ وہ اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ کون سی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی بہت سی ظاہر حکمتیں موجود ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ حکمت ہے کہ اس میں بہت سے انواع عبودیت جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہیں حاصل ہوتے ہیں مثلاً صبر، جہاد۔ اللہ کی راہ میں تکلیف کو برداشت کرنا۔ خوشی اور دُکھ درد تکلیف میں اس سے راضی رہنا۔ باوجود یہ کہ مخالفین قوت۔ غلبہ اور شوکت میں زیادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبودیت و طاعت پر ثابت قدم رہنا۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو بشریت اور طبیعت انسانی کے احکام ولوازم سے پاک و صاف کرتا ہے کہ وہ اس کی رضامندی

Marfat.com

کے لیے اپنی جان خرچ کر دیتے اور دشمنوں کی بیجا اور نا قابل برداشت اذیتوں کو صبر سے تحمل و برداشت کرتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتا ہے ہے کہ اس کی محبت و اطاعت میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ اور نیز یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون شخص اس کا طالب اور ہر حالت میں اس کی عبادت پر قائم ہے۔ اور کون شخص دنیاوی نفع اور فائدہ کی امید پر عبادت کی صورت دکھلاتا ہے۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے پیارے بندوں کو اس کی راہ میں شہادت کا درجہ جو کہ اعلےٰ ترین مدارج میں سے ہے حاصل ہو۔ اور محبوب کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ عمدہ اور اچھی نہیں۔ کہ محب اپنے محبوب کی رضامندی اور اس کے دشمن کے مقابلہ میں اپنی جان کو ہار دے۔ غرض اس تسلط میں اللہ سبحانہ کی بیشمار نعمتیں، رحمتیں اور حکمتیں موجود ہیں۔ اگر ان حکمتوں اور نعمتوں کو معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو سورہ آل عمران کی آخیر آیات میں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (مسلمانو تم سے پہلے بھی بہت سے) واقعات ہو گذرے ہیں دسے لیکر اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (یہ مخبر) بس ایک شیطان تھا (جو تم مسلمانوں کو) اپنے رفیقوں کا ڈراوا دکھاتا تھا تو تم ان سے (ذرا بھی) نہ ڈرنا اور (سچے) مسلمان ہو تو ہمارا ہی ڈر رکھنا) تک اور مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (منافقو!) اللہ ایسا نہیں کہ جس حال پر تم ہو اچھے برے کی تمیز کیے بدون اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ) ملا جلا رہنے دے)، میں غور کرو۔ غرض خبیث کو طیب سے جدا کرنا اس تسلیط کی بعض حکمتوں میں سے ہے اگر اللہ سبحانہ اپنے دشمنوں کو اپنے پیارے دوستوں پر مسلط نہ کرتا۔ تو صبر، عفو، حلم

Marfat.com

اور غصہ فرو کرنے کی فضیلت اور نصرت ظفر، اور قہر کی حلاوت ظاہر اور محسوس نہ ہوتی۔ کیونکہ اشیاء کا حسن اور خوبی ان کی اضداد کے لحاظ سے معلوم ہوتی ہے اگر اللہ سبحانہ اس طرح اپنے دشمنوں کو اپنے دوستوں پر مسلط نہ کرتا تو وہ دشمن اہانت، تذلیل، اور تباہی و بربادی کے مستحق نہ ہوتے۔ غرض اس تسلیط نے دوستوں کے کمالات اور دشمنوں کے بد اطوار اور بُرے صفات کو قوت سے فعل کی طرف نکالا پس دوست تو اُس کے بارگاہ میں عزت کے مستحق ہوئے اور دشمن ذلت وخواری کے سزاوار ٹھیرے غرض اس تسلیط نے دشمنوں کے حق میں اللہ سبحانہ کی حکمت، عزت کو اور دوستوں کے حق میں اس کی رحمت اور نعمت کو ظاہر کیا اور وہی عزیز حکمت والا ہے۔

اٹھتیسواں جواب۔ منکرین حکمت وتعلیل کا یہ قول کہ اللہ سبحانہ کے آدمیوں اور جنوں کو مکلف بالاحکام بنانے اور ان کے سر پر تکالیف اور مشقتوں کا بوجھ میں ڈالنے میں کون سی حکمت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ ان کو مکلف بالاحکام نہ کرتا تو انسان کی خلقت عبث اور بیکار ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس اس سے منزہ اور پاک ہے اور اس نے جس طرح اپنی ذات کا تقدس بتلایا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو یوں ہی، بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں)، وقال تعالیٰ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى (کیا انسان ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کو بلا باز پرس یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا)۔ امام شافعی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ انسان کے سُدیٰ چھوڑنے کا یہ معنی ہے کہ اُس کو کسی کام کا امر اور کسی چیز سے نہی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو بہائم کی طرح مہمل اور بیکار چھوڑ دینا اللہ سبحانہ کی حکمت کے

Marfat.com

خلاف ہے کیونکہ اس نے انسان کو غایت کمال تک پہنچنے کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا عارف. اس کا محب اور اس کی عبودیت پر قائم ہو. چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (اور ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں) وقال تعالٰے لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور نیز یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے) وقال تعالٰی ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (یہ اس لیے تاکہ لوگ معلوم کریں کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو جانتا ہے اور (نیز) یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) اللہ سبحانہ کی معرفت اور اس کی عبادت خلق اور امر کی غایت ہیں اور انسان کے لیے یہ اعلیٰ کمال ہیں. اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت اور رحمت سے انسان کو اس کمال کے حاصل کرنے کے قابل اور سزاوار بنایا ہے اور اس کی تحصیل کے لیے ظاہری اور باطنی اسباب انسان کے واسطے مہیا کر دیئے. اور اس کے حاصل کرنے پر اس کو قدرت بخشی ہے. اور تکلیف کا مدار اسلام. ایمان اور احسان پر ہے اور ان تینوں کا منعم کی چھوٹی بڑی نعمتوں کے شکر کرنے. اس کی عظمت وجلال کے ماننے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کی طرف ہے جو اس کی شان کے لائق ہو. پس اس کی نعمتوں کو یاد کر کے ان کا شکر بجا لانا چاہیئے. تاکہ کفران نعمت نہ ہو اور ان کی اطاعت کرنی چاہیئے. کہ نافرمانی کا وقوع نہ ہو. اور اس کی یاد اور ذکر میں مصروفیت رہے کہ بندہ کسی وقت اسے بھول نہ جائے. اور یہ تکلیف اس کو متضمن ہے کہ اس سے بندہ جملہ اخلاق جمیلہ کے ساتھ موصوف تمام افعال حسنہ اور اقوال سدیدہ کے ساتھ متصف اور تمام بُرے اخلاق قبیح افعال اور جھوٹی باتوں سے مجتنب

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ غرض تکالیف مکارم۔ اخلاق۔ محاسن افعال۔ صدق قول۔ احسان الی الخلق اور انواع کمالات کے ساتھ نفس کو کامل کرنے اور ان چیزوں کے اضداد کے چھوڑنے اور ان سے پوری طرح بچنے کو متضمن ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس پر اس ثواب جزیل کے عطا فرمانے کا وعدہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ بشارت ہے کہ دار البقا میں اللہ سبحانہ کے دربار کی حاضری نصیب ہوگی۔ بس ان دونوں حالتوں سے کون سی حالت حکمت کے لائق اور مناسب ہے۔ یہ حالت مذکورہ اچھی ہے یا انسان کو گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کی طرح مہمل اور بیکار چھوڑ دینا اچھا ہے کہ آدمی بہائم کی طرح کھاتا، پیتا اور جفتی کرتا۔ کیا اللہ سبحانہ کا کمال مقدس انسان کی ایسی حالت کا مقتضی ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (تو خدا اجو، بادشاہ برحق ہے بیفائدہ کام کرنے سے بری اور) بالاتر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش بزرگ کا مالک (ہے) امر و نہی۔ ثواب و عقاب کے سلسلہ کو بالکل اٹھا دینا انبیاءؑ کے مبعوث فرمانے۔ ان پر کتابیں نازل کرنے۔ شریعتوں کے اجرا اور احکام مقرر کرنے کے انتظام کو موقوف کر دینا اللہ سبحانہ کے کمال مقدس کے لائق اور سزاوار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف کو اللہ سبحانہ کی نسبت جائز کہتا ہے، اس نے خدا تعالیٰ کی شان کو نہیں سمجھا۔ اس کے یہ خیالات اللہ سبحانہ کے ساتھ بدظنی کرنے پر مبنی ہیں۔ ایسوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (اور یہود نے) جیسی اللہ کی قدر جاننی چاہیے تھی ویسی اس کی قدر نہ جانی کہ (مسلمانوں کی ضد سے) لگے کہنے کہ خدا نے کسی بشر پر (کتاب کی قسم کی) کوئی چیز نہیں اتاری۔ عقول سلیمہ کے نزدیک تکالیف بالاحکام ایسا ہی مستحق ہے جیسا

Marfat.com

کہ انعام احسان بخشش اور فضل کرنا مستحسن ہے بلکہ انعام اور احسان کی یہ اعلیٰ قسم ہے اسی واسطے اللہ سبحانہ تکلیف بالاحکام کو نعمت. منت. فضل اور رحمت کے نام سے موسوم کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اس پر خوش ہونا اُن نعمتوں پر خوش ہونے سے اچھا ہے جو نیکوکاروں اور بدکاروں کے درمیان مشترک ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے. اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا (اے پیغمبر) کیا تم نے اُن لوگوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی) اس آیت میں نعمت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت آپ کا دین حق اور ہدایت مراد ہے. وقال تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی) فضل کیا کہ ان میں اُن ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک کرتا اور کتاب الٰہی (یعنی قرآن) اور دانائی (کی باتوں) کی اُن کو تعلیم دیتا ہے ورنہ ان پیغمبر کے آنے سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے ہی). .

وقال تعالیٰ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (وہ خدا ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا (کہ وہ) ان کو خدا کی

Marfat.com

آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے اور نیز خدا نے ان پیغمبر کو) اور لوگوں کی طرف (بھی بھیجا ہے) جو ابھی تک ان (عرب کے مسلمانوں) میں شامل نہیں ہوئے اور خدا زبردست اور حکمت والا ہے۔ یہ پیغمبری اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے)۔

وقال تعالیٰ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور اے پیغمبر ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت (بنا کر بھیجا ہے اور بس)۔

وقال تعالیٰ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ کہ (یہ قرآن) اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور لوگوں کو چاہیئے کہ خدا کا فضل اور اس کی رحمت یعنی اس قرآن کو پا کر خوش ہوں کہ جن دنیاوی فائدوں کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہیں، یہ ان سے کہیں بہتر ہے۔

وقال تعالیٰ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر احسان پورا کر دیا۔ اور ہم نے تمہارے لیے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا۔

وقال تعالیٰ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (اور اللہ نے جو تم پر احسان کیے ہیں ان کو یاد کرو اور اس کا یہ (احسان بھی یاد کرو) کہ اس نے تم پر کتاب اتاری اور عقل کی باتیں (اور منظور یہ ہے) کہ تم کو ان کے ذریعے سے نصیحت کرے)۔

Marfat.com

وقال تعالیٰ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (اور جانے رہو کہ تم میں رسول خدا (موجود) ہیں (اور) بہتیری باتیں (اس قسم کی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو اُلٹی) تم ہی پہ مشکل پڑ جائے مگر دہلے کو، خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دِلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خودسری سے اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلادی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا کے فضل وکرم سے نیک چلن ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور اپنے رسول کو فرمایا ہے وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (اللہ نے تم پر کتاب اُتاری ہے اور فہم سلیم دی ہے) اور تم کو ایسی باتیں سکھادی ہیں۔ جو (پہلے) تم کو معلوم نہ تھیں اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے)۔

بلکہ حقیقی نعمت اور فضل یہی تکلیف بالاحکام اور اس کے توابع ہیں اور اس کا ثمرہ دلوں اور بدنوں میں دنیا اور آخرت میں موجود ہے۔ عقول سلیمہ اور فطرت مستقیمہ کے نزدیک کوئی چیز اس سے احسن اور اللہ سبحانہ کے کمال اور اس کے اسماء صفات کے ساتھ زیادہ مناسب اور لائق نہیں۔

انتالیسواں جواب۔ اشعری اور جبائی کے اس مناظرے کے متعلق جو ان کے درمیان ایسے تین بھائیوں کی نسبت جاری ہوا تھا جن میں سے ایک بچپن میں مرگیا۔ دوسرا بڑا ہو کر کافر ہوا۔ اور تیسرا اسلام لایا۔ منکرین حکمت وتعلیل

Marfat.com

کا یوں کہنا کہ یہ مناظرہ حکمت وتعلیل اور رعایت اصلح کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ مناظرہ ان اہل بدعت معتزلہ اور قدریہ کی جواب کو باطل کرتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہر ایک بندے کے لیے جو چیز اصلح اور مفید ہے۔ اُس کی رعایت کرنی اللہ سبحانہ پر واجب ہے۔ اور ان کے نزدیک نظام دنیا وآخرت کے لیے یہی اصلح اور مناسب ہے اور اپنی ناقص عقلوں سے ایک شریعت قرار دیتے اور یوں کہتے ہیں کہ اس طریق شریعت کے مطابق عمل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب اور اس کا خلاف کرنا اس پر ناجائز اور حرام ہے۔ اور اسی واسطے یہ لوگ سب سے زیادہ احمق اور بے وقوف ہیں۔ کہ خالق کو افعال میں مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے اور اس کو صفات کمال سے معطل ٹھہراتے اور اس کو اپنی تجویز کردہ شریعت کا تابع قرار دیتے اور جھوٹ موٹ اس کا نام عدل اور توحید رکھا ہے اس اختراع کا نام اور توحید رکھنے پر انکے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے افعال میں پورا انصاف کرتا ہے اور توحید اس کے صفات کمال کے اثبات کا نام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (خود) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ (کارخانہ عالم کو) سنبھالے ہوئے ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے (دین حق) تو خدا کے نزدیک یہی اسلام ہے (اور بھلا یہ عدل اور توحید وہ ہے جس کی انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمائی ہے اور وہ عدل وتوحید جو انہوں نے قرار دیا ہے یہ اُن لوگوں کا گھڑا ہوا ہے جو خدا تعالیٰ کو صفات کمال سے معطل ٹھہراتے ہیں۔

Marfat.com

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مناظرہ نے اگرچہ معتزلہ اور قدریہ کے قول کو باطل کر دیا اور ان کے قواعد کی بنیاد کو ہلا دیا ہے۔ مگر اس سے اللہ سبحانہ کی وہ حکمت جو اُس کی ذات کے ساتھ خاص ہے باطل نہیں ہو سکتی۔ اللہ حکیم کی وہ حکمت ہے جس کے احاطہ اور تفصیلاً معلوم کرنے سے اس کی تمام مخلوق عاجز ہے اور جو کچھ اُن کو اللہ حکیم کی حکمت سے معلوم ہے اُس کی نسبت جو اُن پر مخفی ہے ایسا ہے جیسا کہ روئے زمین کے دریاؤں کی نسبت ایک قطرہ پانی ہے۔ غرض اس شخص کے بارے میں جس کو بچپن میں فوت کر دیا ہے اللہ سبحانہ کی کئی ایسی حکمتیں موجود ہیں جن کی ادراک سے مخلوق کی عقلیں عاجز اور قاصر ہیں اور اسی طرح اسی شخص کے باپ میں جس کو اتنی عمر عطا فرمائی۔ جو حدِ بلوغ کو پہنچ کر اسلام لایا اور اس شخص کی نسبت جس نے بلوغ کے بعد کفر اختیار کیا۔ اور تمام عمر اسی میں مبتلا رہا۔ اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا اللہ سبحانہ کی بیشمار حکمتیں موجود ہیں۔ اور اگر یہ قانون جاری ہو کہ جن لوگوں کی نسبت اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ وہ بڑے ہو کر کفر اختیار کریں گے۔ اُن کو صغر سنی میں فوت کر دیا کرے۔ تو اس صورت میں جہاد اور اللہ سبحانہ کی محبوب و پسندیدہ عبادت فوت ہو جاتی۔ کیونکہ ایسی حالت میں کوئی مخالف و معاند موجود نہ ہوتا جس سے جہاد کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اور سب لوگ ایک امت اور دین واحد پر قائم ہوتے امم گذشتہ میں اللہ سبحانہ کے آیات قدرت اور عجائبات اور دشمنوں کے وقائع اور حوادثات ظہور پذیر نہ ہوتے۔ اہل باطل پر قیام حجت اور اُن کے ساتھ ایسے طور بحث و مباحثہ کرنا جس سے ان کے شبہات دُور اور زائل ہو جائیں۔ اور جس میں حق کی نصرت و اعانت اور باطل پر اُس کا غلبہ متصور ہو۔ یہ سب امور ظہور پذیر نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ ان میں اور بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کے سوا کسی دوسرے کو

Marfat.com

معلوم نہیں۔ اور اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں اپنے اسماء وصفات کے آثار کے ظہور کو محبوب و پسند رکھتا ہے۔ پس اگر ہر ایک ایسے شخص کو ہلاک کر دے جس کی نسبت معلوم ہو کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کرے گا۔ تو اسماء وصفات کے آثار کا ظہور ممکن نہیں۔ اور اسماء وصفات کے آثار کا ظاہر نہ ہونا ان کے کمال کے خلاف ہے اور اس مضمون کو ہم پہلے بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

چالیسواں جواب۔ منکرین حکمت وتعلیل کا یہ قول کہ جملہ امور محض اللہ سبحانہ کی مشیت پر موقوف ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَاءُ (جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے وقال تعالیٰ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ (پھر جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے)

وقال تعالیٰ فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ (اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے) وقال تعالیٰ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی باز پرس اُس سے نہیں کی جا سکتی)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ صحیح اور درست ہے لیکن اس سے اللہ سبحانہ کی حکمت اور اس کے افعال کی غایات محمودہ کا بطلان نہیں ہوتا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کوئی کام کسی مصلحت کے لیے اور کوئی امر کسی حکمت کے لیے نہیں کرتا اور اس کے افعال کے لیے کوئی سبب اور غایت نہیں۔ کیا مثبتین حکمت وتعلیل اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال بغیر مشیت وارادہ کے صادر ہوتے ہیں یا جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی نسبت کوئی شخص اس سے باز پرس کر سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ وہ تو

Marfat.com

اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ حکیم کے افعال ایسی مشیت سے صادر ہوتے ہیں جو حکمت اور مصلحت کے مقارن ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب محل اور مقام میں رکھتا ہے اور اس کے تمام افعال مشیت سے صادر ہوتے اور وہ اسباب حکم، غایات مطلوبہ اور عواقب محمودہ سے وابستہ ہیں۔ پس مثبتین حکمت و تعلیل اللہ سبحانہ کے ملک اور حمد دونو کے قائل ہیں۔ اور ان کے سوا دوسرے لوگ یا تو صرف ملک کے قائل ہیں۔ یا ایک گونہ حمد بھی مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ صفت ملک میں کمی کر دیتے ہیں۔ لہذا مثبتین حکمت و تعلیل کے سوا دوسرے لوگ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کمال ملک اور کمال حمد دونوں کے ساتھ موصوف ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کا اس کی مشیت پر موقوف ہونا اس امر کا مقتضی نہیں کہ اُن کے لیے اسباب حکمتیں اور غایات مطلوبہ موجود نہ ہوں اور جائز ہے کہ اس کی مشیت انہی چیزوں یعنی اسباب، غایات وغیرہ کے لحاظ سے افعال کے ساتھ متعلق ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی باز پرس اس سے نہیں کی جا سکتی اور ہاں، لوگوں سے اُن کے کیئے کی، باز پرس ہوتی ہے) مثبتین حکمت و تعلیل کے قول کا مؤید ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ سبحانہ کو ہر چیز کا پورا علم حاصل ہے اور اس کے تمام کام نہایت حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں لہذا کسی کو چون و چرا کرنے کا موقع نہیں۔ اس کے علاوہ آیت کے سیاق پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے ایک دوسرا مضمون مراد ہے یعنی اس آیت سے اللہ وحدہٗ کی الوہیت کا اثبات اور غیر اللہ کی الہیت کا ابطال مقصود ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس طرح فرمایا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ

Marfat.com

عَمَّا یَصِفُونَ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُونَ (کیا ان لوگوں نے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جن کو یہ خود زمین (کی چیزوں مٹی پتھر وغیرہ) بنا کر کھڑا کرتے ہیں. اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے ہیں تو زمین و آسمان دونو کبھی کے) برباد ہو گئے ہوتے تو جیسی جیسی باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اللہ جو عرش (بریں) کا مالک ہے وہ تو ان (عیبوں اور نقصانوں) سے پاک ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی باز پرس اس سے نہیں کی جا سکتی اور ہاں لوگوں سے ان کے کئے کی) باز پرس ہونی ہے) ۔

پس اس آیت میں ایسا کون سا لفظ ہے جو حکمت و تعلیل کے ابطال پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اہل باطل کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے تمسک کرتے ہیں کہ جن کے صحیح معانی چھوڑ کر ان سے وہ غلط معانی ارادہ کرتے ہیں جو ان کے باطل کے موافق ہوں۔ اور ایسے معانی سے استدلال کرتے ہیں۔ جن میں حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو غرض ان کے استدلال کا دار و مدار الفاظ اور معانی متشابہ پر ہے اور جب ان کی توضیح و تفصیل کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کو ان کے مدعا پر کوئی دلالت نہیں اور ان معانی کو ان کے دعوے سے کوئی مناسبت نہیں بلکہ وہ ان کے دعوے کے خلاف پر دال ہیں۔ اور ان سے اس کی نقیض ثابت ہوتی ہے ۔

---

Marfat.com

# چوبیسواں باب ۲۴

## سلف صالحین کے اس قول کے بیان میں کہ تقدیر کے خیر و شر تلخ و شیریں پر ایمان لانا ایمان کے اصول میں سے ہے

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تقدیر میں کسی قسم کا کوئی شر موجود نہیں، کیونکہ تقدیر اللہ سبحانہ کے علم، قدرت، مشیت اور اس کی نوشت کا نام ہے اور یہ سب چیزیں خیر محض اور من کل الوجوہ کمال ہیں۔ اور شر کسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں اُس کی ذات صفات، اسماء اور افعال سب شر سے منزہ اور پاک ہیں۔ جزوی اضافی شر صرف مخلوق اور مقدر میں واقع ہوتا ہے جو ایک چیز کے لحاظ سے شر ہوتا ہے۔ اور دوسری کے اعتبار سے خیر اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ جس محل کے ساتھ شر قائم ہے خود اُسی کے حق میں من وجہ خیر ہوتا ہے جیسا کہ دوسری وجہ کے لحاظ سے اس کے حق میں شر ہے بلکہ یہی قسم زیادہ کثیر الوقوع اور غالب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے قصاص اقامت۔ حدود اور کفار کو قتل کرنا یہ امور مفتول علی وجہ القصاص۔ محدود اور کفار کے حق میں اگرچہ شر ہیں۔ مگر من کل الوجوہ شر نہیں۔ بلکہ من وجہ شر اور خود ان کے حق میں من وجہ خیر ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کے حق میں تو یہ خیر محض ہیں، کیونکہ اُن کے لیے ان میں کئی مصلحتیں حاصل ہیں ان کو دیکھ

Marfat.com

کر دوسرے لوگ بُرے کاموں اور شر و فساد سے باز رہیں گے۔ ان کے لیے یہ باعث عبرت ہوں گے۔ اور بعض شریر لوگوں کا شر بعض کے ذریعہ سے دفع ہو جائے گا۔ اور اسی طرح دُکھ اور بیماریاں اگرچہ من وجہ شر ہیں مگر متعدد وجوہ کے لحاظ سے خیرات ہیں۔ اور یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا ہے۔ غرض خیر اور شر جو لذت و الم اور نفع و ضرر کی جنس سے ہیں۔ مخلوق اور مقدر ہیں واقع اور موجود ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کی صفت اور اُس کے فعل ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے متحقق و موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا اس کے حق میں شر اور اس کو درد پہنچانے والا اور ضرر رساں ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا اس کو مقدر کرنا اور اس کا حکم دینا محض عدل، خیر، حکمت اور مصلحت ہے چنانچہ یہ مضمون دوسرے باب میں جو اُس کے بعد آتا ہے، مذکور ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ تقدیر کے خیر و شر اور تلخ اور شیریں ہونے میں کیا فرق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تلخی اور شیرینی دنیا میں اسباب کے اختیار کرنے کی طرف راجع ہے اور خیر اور شر ہونا انجام اور خاتمہ کی خوبی اور برائی کے لحاظ سے ہے۔ غرض امور مقدرہ ابتدا میں شیرینی اور تلخی کے ساتھ اور انتہا اور انجام میں خیر و شر کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ کی عادت اور دستور اس طرح جاری ہے کہ دنیا کے اسباب کی حلاوت کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں تلخی پائی جاتی ہے اور یہاں کی تلخی کا پھل یہ ہے کہ آخرت میں شیرینی حاصل ہوگی۔ غرض دنیا کی میٹھی چیزیں وہاں کڑوی ہوں گی اور یہاں کی کڑوی چیزیں وہاں میٹھی ہوں گی۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کی مقتضی یہ ہے کہ لذات کا ثمرہ آلام اور آلام کا ثمرہ لذت کو قرار دیا ہے اور قضا و قدر کا انتظام اس کو حاوی اور شامل ہے۔ کوئی چیز اس انتظام سے خارج نہیں۔ اور شر کا مرجع لذات اور ان کے اسباب کی طرف ہے اور خیر مطلوب

Marfat.com

وہ لذات ہیں جو دائم اور ہمیشہ باقی رہیں گی۔ اور وہ شر جس سے بچنا چاہیے آخرت کے وہ آلام اور عذاب ہیں جو دراز اور ممتد ہوں گے۔ پس ان الام کے اسباب اگرچہ کسی لذت پر مشتمل ہوں۔ مگر صاحب بصیرت کے نزدیک ترک کرنے کے لائق ہیں اور ان خیرات دائمی کے وسائل گو کسی تکلیف کو متضمن ہوں لیکن اختیار کرنے کے قابل ہیں کیونکہ جس تکلیف کے بعد لذت دائمی حاصل ہو اس کا تحمل اور برداشت کرنا بہ نسبت اس لذت کے جس کے بعد دائمی تکلیف لاحق ہو صاحب عقل کے نزدیک نہ صرف بہتر اور اولیٰ ہے۔ بلکہ واجب اور ضروری ہے۔ کیونکہ ممتد اور دراز تکلیف کے مقابل ایک گھڑی کی لذت کالعدم اور دائمی لذت کے سامنے ایک ساعت کی تکلیف لاشے ہے۔

## ۲۵

# پچیسواں باب

## اس امر کے بیان میں کہ شر کے فعل اور اس کے ارادہ کو اثبات یا نفی کے طور پر اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا درست نہیں

اس مسئلہ میں تقدیر کے ماننے والوں اور اس کے منکرین کے درمیان اختلاف ہے۔ منکرین تقدیر یہ قول ہے کہ اثبات کے طور پر اس طرح کہنا درست نہیں کہ اللہ سبحانہ کا ارادہ کرنے والا یا اس کا فاعل ہے اور نفی کے طور پر یوں کہنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس کا فاعل ہے کیونکہ شر کو فاعل شر بر

Marfat.com

ہوتا ہے۔ لغت۔ عقل اور شرع سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظالم فاعل ظلم اور فاجر فاعل فجور اور اس کے ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور اللہ سبحانہ برے اسمار کے معانی کے ساتھ موصوف ہونے سے منزہ اور پاک ہے۔ اُس کے تمام اسمار حسنیٰ اور اُس کے جملہ افعال خیر ہیں اور یہ محال ہے کہ اللہ سبحانہ شر کا ارادہ کرے پس شر اس کے ارادہ اور فعل سے نہیں۔ اور یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال مصنوعات اور پیدا کردہ اشیار کا عین ہیں اور چونکہ شر اس کے افعال میں سے نہیں لہذا اُس کے مفعولات میں سے بھی خارج ہے اور ان کے مقابل جبریہ نے یوں کہا ہے کہ اللہ سبحانہ سے شر کا فعل اور اُس کے ارادہ دونو صادر ہوتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ شر ایک موجود چیز ہے پس اس کا کوئی موجد اور خالق ضرور ہوگا اور اللہ سبحانہ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں اور اللہ سبحانہ ہر ایک چیز کو اپنے ارادہ سے پیدا کرتا ہے۔ پس ہر مخلوق مراد اور اللہ کا فعل ہے اور یہ لوگ اس مسئلہ میں کہ فعل عین مفعول اور خلق نفس مخلوق ہے۔ قدریہ کے ساتھ متفق ہیں۔ مگر چونکہ ان کے نزدیک شر اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مفعول ہے۔ لہٰذا وہ اُس کا فعل۔ خلق اور اس کے ارادہ سے واقع ہے اور جبریہ یہ بھی کہتے کہ صرف ادب کے لحاظ سے یہ الفاظ کہنے درست نہیں کہ اللہ شر کا ارادہ کرنے والا اور اس کا فاعل ہے جیسا کہ یوں کہنا درست نہیں کہ وہ کتوں اور خنزیروں کا رب ہے۔ اور مطلقاً یوں کہنا درست ہے کہ وہ ہر چیز کا رب اور اس کا خالق ہے۔ اور قدریہ کو اس طرح جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ جو شخص شر کا فاعل اور اس کا ارادہ کرنے والا ہو۔ تو اس کو لغت عقل اور شرع میں شریر کہا جاتا ہے اس کا جواب دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ تمہارا یہ قول غیر مسلم ہے کیونکہ لغت میں شریر اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ شر قائم ہو اور فعل شر اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ

Marfat.com

قائم نہیں اس لئے کہ اس کے افعال اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہوتے کیونکہ وہ مفعولات کا عین اور مخلوق کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے ان افعال سے مخلوق کے یہ اسماء مشتق کئے گئے ہیں۔ مثلاً فاجر۔ فاسق۔ مصلی صائم حاجی وغیرہ مخلوق کو کہا جاتا ہے نہ خالق کو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء توفیقی ہیں اور اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو احسن اسماء کے ساتھ موسوم کیا ہے اور یہ جائز نہیں کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں ایسی چیز موجود ہو جو اس کے ارادہ اور خلق سے باہر ہو کیونکہ وہ سب چیزوں پر غالب ہے کوئی چیز اس کی قدرت وارادہ سے باہر نہیں۔ اور اس مسئلہ میں محقق بات یہ ہے کہ شر کے ارادہ اور فعل کو نفی یا اثبات کے طور پر اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا اور ایسے الفاظ کو اللہ کی ذات پاک پر اطلاق کرنا درست نہیں کیونکہ ارادہ اور فعل شر کا لفظ استعمال کرنے میں ایک باطل معنی کے ثبوت اور صحیح معنی کی نفی کا وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ ارادہ دو معنی کے اندر مستعمل ہے ایک مشیت اور دوسرا محبت اور رضا پہلے معنے کی مثال یہ ہے اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست سے بہکانا منظور ہے) وقولہ تعالیٰ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ (اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے) وقولہ تعالیٰ (وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً (اور جب ہم کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے) دوسرے کی مثال جیسے وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر (کی نظر) رکھے) وقولہ تعالیٰ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا) اور ارادہ بمعنی اوّل مراد کے وقوع کو مستلزم ہے اور اللہ سبحانہ کے نزدیک اس کے

Marfat.com

محبوب و پسندیدہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ اور ثانی معنے کے ساتھ مراد
واقع اور موجود ہونے کو مستلزم نہیں مگر اللہ کے نزدیک اس کے محبوب ہ
کو مستلزم اور مقتضی ضرور ہے کیوں کہ اللہ سبحانہ اپنے جس فعل کے وقوع
ارادہ کرے وہ اس کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ
اپنے افعال اور مفعولات کے ارادہ کرنے میں فرق اور تفاوت موجود ہے۔ اللہ
سبحانہ کے سب کے سب افعال خیر۔ عدل۔ مصلحت اور حکمت ہیں۔ ان م
کسی وجہ سے شر موجود نہیں اور اس کے مفعولات کسی قسم پر منقسم ہیں اور یہ بات صرف اہل سنت کے مذہب
مذہب کے مطابق صحیح اور درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک فعل مفعول
اور خلق مخلوق کا غیر ہے اور یہی مسئلہ عقل۔ فطرت۔ لغت اور ادلہ نقلیہ قرآن
حدیث اور اہل سنت کے اجماع کے موافق ہے چنانچہ امام لغوی نے شرح الس
میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے کہ
یہاں دو ارادے اور دو ہی مراد ہیں۔ ایک یہ ارادہ ہے کہ اللہ سبحانہ کسی اپنے
فعل کے صدور کا ارادہ کرے اور اس صورت میں متعلق ارادہ اور مراد اللہ سبحانہ
کا فعل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور دوسرا ارادہ یہ ہے
کہ اللہ سبحانہ اس بات کا ارادہ کرے کہ اس کا بندہ کوئی کام صادر کرے۔ اس
صورت میں اس ارادہ کا متعلق اور مراد اللہ سبحانہ کا مفعول ہے جو اس کی
ذات سے جدا اور منفصل ہے۔ اور پہلا ارادہ اور دوسرا ارادہ باہم متلازم
نہیں بلکہ جائز ہے کہ ایک ارادہ موجود ہے اور اس کے ساتھ دوسرا موجود نہ
ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ کوئی کام کرے
اور اللہ سبحانہ اپنی طرف سے اس کام پر اس کی اعانت فرمانے اس کو توفیق
بخشنے اور اس سے موانع کو دور کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ چنانچہ ابلیس سے یہ
چاہا کہ وہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرے اور اللہ سبحانہ نے اپنی طرف سے

Marfat.com

سجود پر اس کی اعانت فرمانے توفیق بخشنے اور اس کام کی طرف اس کے قلب کو پھیرنے اور اس پر ثابت رکھنے کا ارادہ نہ فرمایا۔ اگر اللہ سبحانہ ایسا ارادہ کرتا تو ابلیس آدم علیہ السلام کے سامنے ضرور سجدہ کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اپنے افعال کا ارادہ کے بارے میں ہے۔ نہ بندوں کے افعال کے ارادہ کی نسبت اور اللہ سبحانہ کے اپنے افعال کا ارادہ دو قسم یعنی خیر اور شر کی طرف منقسم نہیں۔ پس جب یوں کہا جائے کہ اللہ شر کا ارادہ کرنے والا ہے تو یہ وہم پیدا ہوگا کہ وہ شر کو محبوب رکھتا اور اس سے راضی ہوتا ہے اور جب یوں کہا جائے کہ اس نے شر کا ارادہ نہیں کیا۔ تو یہ وہم پیدا ہوگا۔ کہ اس نے شر کو پیدا اور مخلوق نہیں کیا اور دونو وہم اللہ سبحانہ کی نسبت ناجائز ہیں اور اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ شر کا فاعل ہے۔ تو اس سے یہ وہم پیدا ہوگا کہ شر اُس کا وہ فعل ہے۔ جو اُس کے ساتھ قائم ہے۔ اور یہ محال ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ وہ شر کا فاعل نہیں۔ تو یہ خیال پیدا ہوگا کہ وہ اس کا خالق اور مکوّن نہیں اور یہ بھی محال ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ نفی و اثبات میں ان الفاظ کے اطلاق اور استعمال میں صحیح اور غلط دونو معنے موجود ہیں۔ جو تفصیل و توضیح کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں صواب اور حق وہی بات ہے جس پر قرآن کریم اور حدیث شریف دلالت کرتے ہیں کہ شر وصفًا یا فعلاً کسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں۔ اور نہ کسی طرح اس کے اسم کے ساتھ وہ موسوم ہے۔

شر کا وجود اور وقوع صرف اللہ سبحانہ کے مفعولات میں علی وجہ العموم متحقق ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (اے پیغمبر اپنی حفاظت کے لیے یوں، دعا مانگا کرو کہ میں

Marfat.com

تمام مخلوقات کے شر سے صبح کے مالک (یعنی خدا) کی پناہ مانگتا ہوں) اس آیت میں لفظ مَا موصولہ یا مصدریہ اور مصدر بمعنے مفعول ہے اور معنی یہ ہیں اسی چیز کے شر سے جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ یا اس کی مخلوق کے شر سے اور کبھی اس کا فاعل حذف کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مومنین جن کے قول کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِھِمْ رَبُّھُمْ رَشَدًا (اور ہم نہیں جانتے کہ (اس انتظام سے) زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا کہ اُن کے پروردگار کا ارادہ اس کے حق میں بہتری کرنے کا ہے) اور کبھی اس کو اس محل کی طرف نسبت کیا جاتا ہے جس کے ساتھ قائم ہو جیسا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قول کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ (جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی (دنیا و دین کی مشکلات میں) میری رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو (کھانا) کھلاتا اور جو مجھ کو (پانی) پلاتا اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے)۔

اور خضر علیہ السلام نے کہا اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا (کشتی تو (ملاحی پیشہ) غریبوں کی تھی وہ (اُس کو) دریا میں (مزدوری پر) چلاتے تھے۔ تو میں نے چاہا کہ اُس کو عیب دار کر دوں)۔

اور اُن دو لڑکوں کے بالغ ہونے کی نسبت یوں کہا فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّھُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں)۔

Marfat.com

اور سورہ فاتحہ میں یہ تینوں صورتیں موجود ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (ہم کو دین کا) سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے (اپنا) فضل کیا نہ اُن کا جن پر (تیرا) غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کا) اور اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کی طرف صرف خیر کو نسبت فرمایا۔ اور شر کو اپنی ذات کی طرف صرف خیر کو نسبت فرمایا۔ اور شر کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کیا۔

چنانچہ فرمایا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اے پیغمبر تم (تو یہ) دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو (ہی) جس کو چاہے سلطنت دے اور (تو ہی) جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور (تو ہی) جس کو چاہے عزت دے اور (تو ہی) جسے چاہے ذلت دے (ہر طرح کی خیرو) خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ خیر اور شر دونوں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ وہ سراسر غلطی پر ہے اور اس کی غلطی چند وجوہ سے ثابت ہوتی ہے اول یہ کہ آیت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں لفظ شر محذوف اور مراد ہے بلکہ اس کے ذکر کو یا تو قصداً ترک کیا گیا ہے یا اِس بات کے ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ یہاں مراد نہیں اس کو ترک کیا گیا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک فضل اور دوسرا عدل جیسا کہ حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ کسی خرچ سے اُس میں کمی نہیں آتی۔ رات دن (ہر وقت) اُس سے خرچ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بتلاؤ کہ جب سے مخلوق کو پیدا کیا

Marfat.com

ہے کتنا کچھ خرچ کیا ہو گا۔ مگر اس میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اور اُس کے دوسرے ہاتھ میں میزان عدل ہے۔ جس سے کسی قوم کو پست اور کسی کو بلند کرتا ہے غرض ایک ہاتھ میں فضل ہے اور دوسرے میں عدل ہے اور یہ دونو خیر ہیں۔ ان میں کسی طرح کا شر نہیں۔ پس شر کو اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں قرار دینا غلطی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ (اے اللہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیری فرمانبرداری کے لیے آمادہ ہوں اور سب خوبیاں اور بھلائیاں تیرے ہاتھوں میں ہیں۔ اور شر تیری طرف منسوب نہیں)، اس آیت کی گویا تفسیر ہے۔ اور آپ نے خیر اور شر میں فرق بیان کیا ہے کہ خیر کو اللہ سبحانہ کے ہاتھوں میں قرار دیا ہے۔ اور شر کو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف کرنے کو نفی کر دیا ہے باوجودیکہ سب چیزوں کا خالق وہی وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ ہے ؏

**فصل** - اللہ سبحانہ کے اوصاف و افعال میں سے اس کے لیے اسماء مشتق ہیں، اور اُس کی مخلوقات میں سے اس کے لیے کوئی اسم مشتق نہیں اور اس کے جتنے اسم ہیں یا تو اس کے صفات میں سے کسی صفت سے مشتق ہیں یا کسی ایسے فعل سے مشتق ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اگر اُس مخلوق کے لحاظ سے جو اُس کی ذات سے منفصل اور جدا ہے۔ اُس کے لیے کوئی اسم مشتق ہوتا تو اُس کو متلوّن۔ متحرک۔ ساکن۔ طویل۔ ابیض وغیرہ کہا جاتا۔ کیونکہ وہ ان تمام صفات کا خالق ہے اور جب کہ ان اسماء میں سے کوئی اسم اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا، حالانکہ وہ ان سب کا خالق ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے اسماء اُس کے اُن اوصاف اور افعال سے مشتق ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اور اللہ سبحانہ مخلوق منفصل کے ساتھ موصوف اور ان کے

Marfat.com

اسمار کے ساتھ موسوم نہیں۔ لہذا اُن لوگوں کا قول جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کلام منفصل کے لحاظ سے جس کو مخلوق میں پیدا کرے متکلم ارادہ منفصلہ کے اعتبار سے مُرید، عدل، مخلوق اور منفصل کی وجہ سے عادل اور خلق منفصل کے باعث جو عین مخلوق ہے خالق کہنا درست ہے۔ باطل اور عقل اور نقل اور لغت کے مخالف ہوا۔ اس کے علاوہ اُن کا قول فی نفسہٖ متناقض ہے۔ کیونکہ اگر مخلوقات کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کے لیے اسم کا مشتق کرنا درست ہو تو تمام اشیاء اور جملہ صفات و افعال مخلوقہ کے لحاظ سے اُس کے لیے اسمار کا اشتقاق درست ہوگا اور یہ ناجائز ہے اور اگر بعض افعال اور صفات کے تخصیص کی جائے تو یہ دعوے بلا دلیل اور ترجیح بغیر مرجح ہے۔ اور ان لوگوں کے قول کا اصل مطلب یہ ہے کہ عدل۔ احسان۔ کلام۔ ارادہ یا دوسرا کوئی فعل اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ اور فرقہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے صفات کے حقائق کا بھی منکر ہے اور یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی صفت ثبوتیہ قائم نہیں غرض یہ لوگ اللہ سبحانہ کے صفات کا انکار کر کے ان کو مسلوب اور اضافات ٹھیراتے اور اُس کے افعال کی نفی کر کے ان کو مصنوعات و مخلوقات قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے کلام کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء محض الفاظ خالی عن المعنی ہیں۔ ان کا کوئی مفہوم اور حقیقت نہیں اور یہ بات الحاد در اسمار کے حسن کا انکار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (اور اللہ کے سب ہی نام اچھے ہیں تو اُس کے نام لیکر اُس کو جس نام سے چاہو) پکارو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو) اور قرآن کریم اور حدیث

Marfat.com

سے ثابت ہے. کہ ان اسمار کے مصادر اللہ سبحانہ کے اوصاف ثابتہ ہیں اور وہ ان کے ساتھ موصوف ہے. چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے) وقولہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (اللہ خود بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست ہے) وقولہ تعالیٰ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (جانے رہو کہ (قرآن) خدا ہی کے علم سے اترا ہے) اور حدیث شریف میں ہے.
لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ
اس حدیث سے اللہ سبحانہ کے لیے صفت بصارت ثابت ہوتی ہے اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ (اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں) اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ اَسْئَلُكَ الْغَيْبَ قُدْرَتَكَ عَلَى الْخَلْقِ یہ بھی وارد ہے اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُضِلَّنِيْ۔ حدیث شریف کے ان کلمات سے رضا. سخط. قدرت. عزت وغیرہ صفاتِ ثبوتیہ اللہ سبحانہ کے لیے ثابت ہوتے ہیں. اور اگر یہ مصادر ثابت نہ ہوں تو اسمار صفات اور افعال کے حقائق معدوم اور منتفی ہو جائینگے. کیونکہ اس کے افعال صفات کا غیر ہیں اور اسماء افعال اور صفات کا غیر اور جب اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی صفت اور فعل قائم نہ ہو. تو خالی ایسے اسم کے ثبوت کا کوئی مطلب نہیں. جو کسی معانی کو مفید نہ ہو. بلکہ محض ایک صورت اور آواز ہو. اور یہ غایت درجہ کا الحاد ہے ⁂

Marfat.com

# چھبیسواں باب

## ان امور کے بیان میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور تقدیر اور اسکے اثبات کی تحقیق اور اُن اسرار عظیمہ کے بیان میں جن کو حدیث مذکور متضمن ہے

اس حدیث شریف سے کئی امور ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی پناہ طلب کرنا ایسی ہی درست ہے جیسا کہ اُس کی ذات کی پناہ چاہتا۔ اور دوسری حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جس طرح اُس کی ذات سے استغاثہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی صفات سے استغاثہ کرنا روا ہے چنانچہ

Marfat.com

اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ یَا بَدِیعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَلَا اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ (اے اللہ حی قیوم۔ آسمانوں زمین کے پیدا کرنے والے صاحب جلال واکرام تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں میں تیری رحمت کے پاس استغاثہ کرتا ہوں۔ میرے سب کام ٹھیک کردے۔ اور مجھے میرے نفس یا اپنی مخلوق میں سے کسی شخص کے پاس ایک لمحہ بھر سپرد نہ فرما) اور دوسری حدیث میں ہے اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُضِلَّنِیْ (اے اللہ میں تیری عزت کے ساتھ اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہ کرے) اور اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ۔ اس کے وجہ کریم اور اس کی تعظیم کے ساتھ استعاذہ درست ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفات وجودیہ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں۔ کیونکہ معدوم کے پناہ مانگنے کا کوئی معنی نہیں۔ اور نیز یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم اور غیر مخلوق ہیں۔ کیونکہ مخلوق کے ساتھ استعاذہ درست نہیں۔ اور یہ استدلال نہایت صحیح ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بہ بعید ہے۔ کہ آپ کسی مخلوق کے ساتھ استعاذہ یا اس سے استغاثہ کریں اور اپنی امت کو اس کی تعلیم فرمائیں۔ اور حدیث مذکور سے دوسرا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عفو ان صفات فعلیہ میں سے ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو فعل کو عین مفعول کہتے ہیں۔ کیوں کہ مفعول مخلوق ہے۔ اور مخلوق کے ساتھ استعاذہ درست نہیں۔ تیسرا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے بعض صفات اور افعال

Marfat.com

بعض سے افضل ہیں کیونکہ مستعاذ بہ مستعاذ منہ سے افضل ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ صفت رحمت صفت غضب سے افضل ہے اور اسی واسطے وہ غالب اور سابق ہے۔ اور اسی طرح اللہ سبحانہ کا کلام اس کی صفت ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ وہ کلام جس میں اللہ سبحانہ اپنے اوصاف اور توحید کو ذکر کرے۔ اور اس کے ساتھ اپنی ثنا بیان فرمائے اس کلام سے افضل ہے جس میں اپنے دشمن کی مذمت اور ان کے اوصاف ذکر کرے اسی واسطے سورۂ اخلاص سورۂ تبت سے افضل اور ثلث قرآن کے برابر ہے۔ اور آیۃ الکرسی قرآن کی افضل آیات میں سے ہے اور ان جہال کا قول جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کے صفات قدیم ہیں۔ اور قدیم کے افراد میں تفاوت اور تفاضل نہیں ہو سکتا ہرگز قابل التفات نہیں کیونکہ ادلہ نقلیہ اور عقلیہ ان کے قول کو باطل کرتی ہیں اور اللہ سبحانہ نے فضل۔ عطا اور خیر کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اور عدل اور قبض کو بائیں ہاتھ میں۔ اور اسی واسطے اہلِ سعادت کو داہنی مٹھی میں لیا۔ اور اہل شقاوت کو بائیں میں پکڑا۔ اور عادل اور منصف لوگ اللہ کی داہنی جانب نور کے منبروں پر بیٹھینگے۔ اور اللہ تعالیٰ آسمانوں کو داہنے ہاتھ میں لے گا۔ اور زمین کو بائیں میں۔ چوتھا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ غضب۔ رضا۔ عفو اور عقوبت چونکہ آپس میں متقابل ہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے ساتھ دوسرے سے استعاذہ کیا اور چونکہ ذات مقدس کیلئے کوئی چیز ضد اور مقابل نہیں۔ اس واسطے اس کے ساتھ استعاذہ کرنے کے وقت یوں کہا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ (اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں) غرض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفت غضب سے صفت رضا کے ساتھ اور فعل عقوبت سے فعل عفو کے ساتھ اور نیز ان صفات و افعال کے موصوف کے ساتھ استعاذہ کیا ہے۔ اور یہ حدیث نہایت مختصر الفاظ میں تقدیر اور توحید کے کامل درجے

Marfat.com

کے ثبوت کو متضمن ہے کیونکہ جس شر اور اُس کے اسباب سے استعاذہ کیا جاتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ کی قضا و قدر سے واقع ہے اور اس کے خلق ۔ تقدیر اور تکوین میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہو اس کا وقوع ہوتا ہے اور جس سے اُس کی مشیت متعلق نہ ہو وہ موجود نہیں ہوتی۔ اور مستعاذ منہ یا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی ہے یا اُس کا فعل یا اس کا مفعول جو اس کے فعل کا اثر ہے اور کوئی نفع یا ضرر مفعول کے اختیار میں نہیں اور اپنے خالق کے حکم بغیر وہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس چیز کے بارے میں جو آدمی کو نہایت مضر ہے (یعنی سحر) یوں فرمایا ہے۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (بے حکم خدا وہ اپنی اِن باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ، اور مستعاذ منہ مخلوق کا وجود اللہ سبحانہ کی مشیت ، قضا و قدر سے واقع ہے اور اُس سے پناہ دینا اور بندے سے اس کو ہٹا دینا یہ بھی اس کی مشیت ، قضا اور قدر سے واقع ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر سے تقدیر کے ساتھ اور ان چیزوں سے جو اس کی مشیت اور ارادہ سے صادر ہوتی ہیں۔ اُن چیزوں کے ساتھ جو اُس کی مشیت و ارادہ سے واقع ہیں پناہ دیتا ہے۔ اور سب کچھ اُس کے ارادہ کونیہ۔ قدریہ سے واقع ہے ، پس وہ اپنے ارادہ سے اپنے ارادہ کے ساتھ پناہ دیتا ہے۔ کیونکہ سب چیزیں اس کی مخلوق اور اُس کی قضا و قدر سے واقع ہیں۔ جن چیزوں سے اللہ پناہ دیتا اور بچاتا ہے اُن میں سے کوئی چیز کسی دوسرے شخص کی مخلوق نہیں بلکہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ اور وہ بندے کو اپنی ذات سے اپنی ذات کی پناہ دیتا ہے اور اُس فعل سے جس کا بندے کے ساتھ کرنے کا ارادہ ہو اُس فعل کے ساتھ بچاتا ہے جس کے کرنے کا اس کے ساتھ ارادہ ہو جاتا ہے ، غرض کوئی ایسی

Marfat.com

چیز نہیں جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کی مخلوق ہو اور پناہ مانگنے والے کو خدا تعالیٰ اُس سے پناہ دے۔ بلکہ جن چیزوں سے اللہ پناہ دیتا ہے وہ سب اُسی کی مخلوق ہیں۔ جیسے کسی شخص کو ظالم سے ایسے آدمی کے ذریعہ سے بچائے جو ظالم سے زیادہ زور آور یا اس کا مقابل ہو۔ غرض گناہ اُن کے عذاب اور سزائیں، دُکھ، بیماریاں اور ان کے اسباب مستعاذ منہ ہیں۔ اور سبب اور مسبب سب کا وجود اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر سے ہے۔ اور پناہ دینا اور بچانا بھی اُسی کی قضا و قدر سے ہے۔ اور وہ اپنی قضا سے اپنی قضا کے ساتھ ہی بچاتا ہے۔ غرض اعاذہ اور بچانا۔ استعاذہ اور اس کا چاہنے والا سب کچھ اللہ کی تقدیر اور اُس کی مشیت سے ہے۔ اور ان کلمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضرر نفع، خلق، امر اور پناہ دینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور مستعاذ منہ اُسی کے ہاتھ اور تصرف میں ہے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی سے استعاذہ کیا ہے۔ ان کلمات کو اگر رسول کے سوا کوئی دوسرا شخص کہتا۔ تو جاہل متکلمین اُن کے رد اور انکار کے لیے کمر بستہ ہو جاتے اور یہ کلمات ان کلمات کے موافق ہیں جو آپ نے دوسرے مقام میں کہے ہیں لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَاءَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ داے اللہ تیرے سے تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں) غرض اللہ سبحانہ اپنی ذات سے اپنی ہی پناہ دیتا اور اپنی ذات سے خود ہی بچاتا ہے اور ایسا ہی بندے کے فرار اور بھاگنے کی کیفیت ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ سے اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ ان سب باتوں سے توحید اور تقدیر ثابت ہوتی ہے کہ اس کا غیر کوئی رب نہیں اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اور مخلوق اپنے آپ یا دوسرے کے لیے کسی نفع، ضرر، موت، حیات، نشر حشر وغیرہ کسی چیز کی مالک نہیں۔ بلکہ نفع، ضرر

Marfat.com

وغیرہ جملہ امور اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہیں۔ اُس کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں چنانچہ اللہ سبحانہ نے اکرم الخلق اور سب سے زیادہ مورد احسانات کو فرمایا ہے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (اے پیغمبر تمہارا تو کچھ بھی اختیار نہیں اور نیز اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے جواب میں جنہوں نے سوال کیا تھا کہ ہم کو نفع، ضرر وغیرہ کا کچھ اختیار ہے یوں فرمایا ہے قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (اے پیغمبر ان سے کہو کہ سب اختیار اللہ کا ہے غرض تمام ملک اللہ کا ہے اور جملہ امور اسی کے اختیار میں ہیں اور تمام محامد کا وہی مستحق اور سزاوار ہے اور شفاعت اور خیرات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں یکتا ہونے کا یہی مطلب ہے پس اُس کا غیر کوئی معبود نہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو، اگر خدا مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ (معبود) اسکی بھیجی ہوئی (تکلیف) کو دور کر سکتے ہیں یا خدا مجھ پر (اپنا) افضل کرنا چاہے کیا یہ معبود) اسکے فضل کو روک سکتے ہیں) (اے پیغمبر تم) کہو کہ مجھے تو خدا بس کرتا ہے (اور) بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھا کرتے ہیں)، وقال تعالیٰ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اے بندے، اگر اللہ تجھ کو کسی قسم کا تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اس (تکلیف) کو دور کرنیوالا نہیں۔ اور اگر تجھ کو کسی قسم کا) فائدہ پہونچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے)، وقال تعالیٰ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اللہ اپنی رحمت کا لنگر جو لوگوں کیلئے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنیوالا نہیں اور بند کرے تو اس کے (بند کئے) پیچھے

Marfat.com

کوئی اُس کا جاری کرنیوالا نہیں اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ پس خدا سے خدا ہی کے ساتھ پناہ مانگو اور اُس سے اُسی کی طرف بھاگو اور اس سے جائے پناہ اُسی کیطرف طلب کرو۔ سب امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی شخص کسی امر کا مالک نہیں۔ وہی نیکیوں کی توفیق بخشنے والا ہے برائیوں کو مٹانے والا ہے۔ ایک ذرہ اُس کے حکم بغیر حرکت نہیں کرتا اور کسی قسم کا زہر جادو سحر شیطان یا کوئی حیوان وغیرہ اُس کے اذن اور مشیت بغیر گزند یہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وہ جس کو چاہے ان چیزوں کے ذریعہ سے تکالیف پہنچائے۔ اور جس سے چاہے تکلیف کو روک رہے۔ اسی واسطے اعرف الخلق اور توی فی التوحید یعنی سرورِ کائنات صلعم نے اپنی دعا میں یوں کہا واعوذبک منک مخلوق کے لیے اس کے سوا کوئی جاہ پناہ نہیں، اور نہ کوئی اُس کے رب، خالق اور مالک کے سوا مستغاذ منہ ہے سب مخلوق اُسکے آگے مقہور اور مغلوب ہے۔ پھر آنحضرت صلعم نے دعا کو ان کلمات کے ساتھ ختم کیا ہے لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ (اے اللہ میں تیری ثناء کما حقہ بجا نہیں لا سکتا تو ویسا ہی باکمال ہے جیساکہ تو نے اپنی آپ ثنا بیان فرمائی ہے، تاکہ اس امر کا اعتراف ثابت ہو کہ اللہ سبحانہ کی شان۔ اُس کی عظمت۔ نعوت۔ جلال اور صفات کمال کو کوئی شخص احاطہ اور شمار نہیں کر سکتا۔ اور نہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی شخص اس کی ثنا کی حقیقت کو پہنچ سکتا ہے۔ پس یہ کلمات: صفات اور نعوت کی توحید ہے۔ اور دعا کے پہلے کلمات سے جو توحید ثابت ہوتی ہے وہ عبودیت اور الوہیت کی توحید اور خوف و رجا اور استعاذہ کے باب میں خدا تعالیٰ کی یکتائی کا بیان ہے۔ توحید الوہیت، شرک کے خلاف اور توحید صفات تعطیل کے منافی اور مخالف ہے۔

Marfat.com

۲۷

# ستائیسواں باب

## اِس امر کے بیان میں اللہ سبحانہ کے قضا و قدر ۔ عدل توحید اور حکمت پر ایمان لانا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ کے تحت میں داخل ہے اور نیز اُن قواعد اور اُصول شرع کے بیان میں جو اس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں ۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس شخص کو کوئی غم، فکر یا اندوہ لاحق ہو اور وہ یہ کلمات کہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ ابْنُ عَبْدِکَ ابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ اَسْأَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ وَ غَمِّیْ ۔

Marfat.com

د اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور کنیز کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم میری نسبت نافذ اور تیرا فیصلہ میرے بارے میں سراسر انصاف ہے۔ میں تجھ سے تیرے اُن اسماء کو وسیلہ بنا کر سوال کرتا ہوں۔ جن کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا اُن کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا وہ کسی مخلوق کو سکھائے ہیں یا اُن کو اپنے خزائنِ غیب میں پوشیدہ رکھا ہے۔ کہ قرآن کو میرے دل کا آرام اور میرے سینے کے لیے نور اور میرے اندوہ کے لیے صیقل اور میرے غم کو دور کرنے والا بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے غم و اندوہ کو دُور فرما کر اُس کے بجائے اُسے خوشی نصیب فرماتا ہے۔ صحابہ نے یہ کلمات اور ان کے برکات کو سُن کر عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم ان کلمات کو سیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا بے شک جو شخص اُن کو سُنے اُسے چاہیئے کہ وہ اُن کو سیکھ لے۔

اس حدیث صحیح سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں وہ تمام مکروہات جو قلب پر وارد ہوتی ہیں۔ ذکر کیے گئے ہیں۔ ہَمّ اُس فکر کا نام ہے۔ جو آئندہ زمانے میں کسی مکروہ چیز کے پیش آنے کے خیال سے پیدا ہو۔ حزن اُس غم کو کہتے ہیں جو گذشتہ زمانے میں کسی مطلوب اور محبوب چیز کے فوت ہونے یا کسی تکلیف کے پیش آنے پر لاحق ہو کہ جب وہ تکلیف اور محبوب چیز کا فوت ہونا یاد آوے تو دل میں غم پیدا ہوتا ہے۔ اور غم اُس اندوہ کو کہتے ہیں۔ جو فی الحال کسی تکلیف کے پیش آنے پر حاصل ہو۔ اور یہ مکروہات قلب کی بہت بڑی بیماریاں اور سخت امراض ہیں۔ اور لوگوں نے اُن کے علاج اور ان سے بچنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں اور سب لوگ اپنے خیال اور زعم کے مطابق ان سے خلاصی پانے کے لیے کوشش کرتے ہیں مگر ان کے علاج اور اُن سے خلاصی پانے کے لیے اکثر ایسے طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ جن سے ان امراض میں زیادتی اور ترقی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بعض لوگ چھوٹے بڑے مختلف گناہوں

Marfat.com

سے ان کا علاج کرتے ہیں اور بعضے لہو ولعب (کھیل کود) گانے بجانے وغیرہ سے اُن کا علاج کرتے ہیں۔ اور بنی آدم کی اکثر بلکہ تمام کوششوں کی غایت اور اُس کا اصلی مقصود یہی ہے۔ کہ اِن امراض کو دفع کرے۔ اور ان سے نجات اور خلاصی پائے۔ مگر سوائے اُن لوگوں کے جو اُن کے دفع کرنے کے لیے اس دوا کو استعمال کرتے ہیں۔ جس کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ سب لوگوں نے علاج کے غلط طریقے اختیار کئے ہیں۔ وہ دوا جو اللہ سبحانہ نے بیان فرمائی ہے ایک مرکب دوا ہے جو چند ایسی چیزوں سے بنائی گئی ہے۔ کہ اگر ایک جزو اس کا کم ہو تو اُسی قدر شفا میں کمی رہتی ہے۔ اور اس دوا کا جزو اعظم توحید اور استغفار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (تو اے پیغمبر اچھی طرح) جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (رہم سے) اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور (نیز) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے) اور حدیث میں ہے شیطان کہتا ہے کہ بنی آدم گناہوں سے ہلاک ہوئے اور مجھ کو اُنہوں نے استغفار اور کلمہ توحید (لا الٰہ الا اللہ) سے ہلاک کیا ہے۔ اور میں جب دیکھتا ہوں کہ بنی آدم گناہوں سے استغفار کرتے اور کلمہ توحید پڑھتے ہیں۔ تو میں اُن کے دلوں میں خواہشاتِ نفس ڈال دیتا ہوں۔ پھر وہ بیدھڑک گناہ کرتے اور توبہ کا نام نہیں لیتے کیونکہ وہ اپنے زعم میں یوں سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں اسی واسطے وہ دُعا مفرج کربات (مصائب کو دُور کرنے والی) محض کلمات توحید کا مجموعہ ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

اور ترمذی وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میرے بھائی ذی النون

Marfat.com

کی دُعا ایسی با اثر ہے کہ جو کوئی مصیبت زدہ اُس کو پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کی مصیبت کو ضرور دور کر دیتا ہے۔ اور وہ دُعا یہ ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔ توحید وہ چیز ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں داخل کر دیتی ہے اور استغفار سے وہ حجاب دور ہو جاتے ہیں۔ جو قلب کو بارگاہ الٰہی میں پہنچنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اور جب بندے کا قلب بارگاہ الٰہی میں پہنچ جائے تو اس کے تمام غم، فکر اور اندوہ دور ہو جاتے ہیں اور جب اُس سے محروم رہے تو پھر اس کو غم فکر اور کا اندوہ ہر طرف سے گھیر لیتے اور ہر جانب سے اُس پر آ پڑتے ہیں اسی واسطے اس دُعا کو جو غم۔ فکر اور اندوہ کو دور کرنے کا نسخہ ہے عبودیت کے اعتراف کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ اور اُس کے بعد یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ بندہ اللہ کے قبضے اُس کے ملک اور اُس کے تصرف میں۔ اُس کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہے اُسے پھیر دیتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ایسا منقاد ہے جیسا وہ شخص منقاد اور تابعدار ہوتا ہے جس کی چوٹی کو کسی نہایت زور آور شخص نے پکڑا ہو کہ وہ انقاد اور تابعداری کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد یہ اقرار کیا گیا ہے کہ بندے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حال میں نافذ اور جاری ہے خواہ بندہ دل سے قبول کرے یا نہ کرے۔ اور اُس پر خوش ہو یا ناخوش۔ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کے بارے میں کوئی حکم جاری کر دے۔ تو کوئی دوسرا شخص اس کو ہرگز رد نہیں کر سکتا۔ اور اس میں اللہ سبحانہ کی کمال قدرت اور اپنے غایت درجے کی عاجزی اور ضعف کا اقرار ہے۔ اور گویا دُعا کے ان کلمات کا یہ مطلب ہے کہ میں ایک ضعیف مسکین بندہ ہوں مجھ پر ایک زبردست۔ قاہر اور غالب حاکم کا حکم ہے اور وہ جب کوئی حکم کرتا ہے تو اس کا حکم نافذ اور پورا ہو کر رہتا ہے۔ اس کے بعد یہ اقرار کیا ہے۔ کہ یہ حاکم جو حکم

Marfat.com

اور فیصلہ نافذ کرتا ہے تو وہ سراسر عدل اور انصاف ہوتا ہے۔ اِس میں کسی طرح کے جور اور ظلم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ کا یہی مطلب ہے۔ اور یہ الفاظ بندے کی نسبت اللہ سبحانہ کے تمام حکموں اور قضاؤں کو شامل ہیں یعنی قضائے سابق جو قبل ایجاد ہے۔ قضائے مقارن۔ حیات۔ قضائے بعد موت اور قضائے یوم معاد سب کو شامل ہے اور نیز گناہ کے مقدر کرنے اور اُس کے سزا کے ساتھ حکم کرنے کو شامل ہے۔ اور جس شخص کا سینہ ان مسائل و عقائد سے ٹھنڈا نہ ہو اور ان کی نسبت قطعی طور یقین حاصل نہ ہو۔ تو اُس نے اپنے رب۔ اُس کے کمال اُس کی ذات کی شان اور اس کے عدل کو ہرگز نہیں سمجھا۔ بلکہ وہ نہایت جاہل اور سخت ظالم ہے اُسے کسی بات کا علم اور اُس کے طبع میں ذرا انصاف نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ میں قدریہ اور جبریہ دونوں فریق پر رد ہے۔ یہ لوگ اگرچہ زبان سے ان مسائل کو مانتے ہیں۔ مگر ان کے اصول ان مسائل کے خلاف ہیں۔ قدریہ اس بات کے منکر ہیں کہ اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ وہ بندے کے دل میں اُس کی خلقت اور جبلت کے خلاف ایسے خیالات پیدا کر دے کہ جن سے وہ راہ راست پر آجائے۔ پس ان کے نزدیک حکم شرعی امر و نہی کے سوا بندے کے بارے میں اللہ سبحانہ کا کوئی حکم جاری اور نافذ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اِس حدیث میں لفظ حکم کو اس معنی پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ بندہ حکم شرعی کو کبھی مانتا ہے اور کبھی نہیں مانتا۔ پس مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے حکم تقدیری۔ کونی بندے کے حق میں ہر وال نافذ اور جاری ہے۔ اور احکام کونیہ اُس کے اُن کلمات تامہ کے ساتھ قائم ہیں۔ جن سے کوئی نیکوکار یا بدکار مستثنےٰ نہیں اور آنحضرتؐ کا قول عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ اس بات کی بائکی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندے کے ساتھ اپنی قضا و قدر کے مطابق جو کچھ کرتا ہے اس میں وہ

Marfat.com

نہایت عدل اور انصاف پر ہے اُس کی تمام قضاؤقدر (خیروشر، خلق شر، افعال اور ان کی جزاوسزا سب الفلق پر مبنی ہے اس حدیث سے قضاوقدر اور نیز اس بات پر ایمان لانا ثابت ہوا کہ اللہ سبحانہ اپنے تمام احکام اور جملہ قضاوقدر میں عدل وانصاف پر قائم ہے قضاوقدر پر ایمان لانا توحید الٰہی کی شاخ ہے اور احکام الٰہی اور قضاوقدر کے عدل والنصاف پر مبنی ہونے کو یقین کرنا عدل ہے اور قدریہ منکر تقدیر کے نزدیک اگر اللہ کا حکم شرعی بندے کے حق میں نافذ اور جاری ہے۔ تو بندے کے گمراہ کرنے اور پھر اس کو سزا دینے میں حق تعالیٰ ظالم اور بے انصاف ہے۔ اور جبریہ کے نزدیک ظلم کی کوئی حقیقت نہیں وہ بالذات محال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے اور جس چیز کا نام ظلم ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں تاکہ کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے ظلم کو ترک کیا اور عدل وانصاف برتا۔ پس ان کے قول کے مطابق جملہ عَدْلٌ فِیَّ قَضَآؤُکَ میں کوئی خصوصیت اور فائدہ نہیں بلکہ یہ جملہ اور نَافِذٌ فِیَّ قَضَآؤُکَ دونو یکساں ہیں اور جملہ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ اور اس جملہ کا ایک ہی مطلب ہے اور صرف تکرار اور تاکید کے ساتھ دو جملے ذکر کیے گئے ہیں ورنہ مطلب دونوں کا ایک ہے اور ان کے نزدیک ترک ظلم پر اللہ تعالےٰ قابل مدح نہیں کیونکہ محال بالذات کے ترک کا کوئی معنیٰ اور اس پر استحقاق مدح کا کوئی مطلب نہیں اور نیز ان کے نزدیک جملہ اِنِّی حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِی (میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کردیا ہے یا تو لغو اور بے فائدہ ہے۔ یا اُس کا یہ معنی ہے کہ میں نے اُن چیزوں کو اپنی ذات پر حرام کیا ہے۔ جو میری قدرت سے باہر اور محال ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول فَلَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا (نہ بے انصافی کا خوف کرے گا اور نہ حق تلفی کا) بے فائدہ ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو محال بالذات کے واقع ہونے کا خطرہ اور اندیشہ نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا)

Marfat.com

اور وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں) میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قدرت ہی نہیں۔ تو پھر اس کی نفی کا کیا معنی ہے حقیقۃ الامر یہ ہے کہ بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کا حکم اس کی غالب مملکت کے لحاظ سے نافذ اور جاری ہے اور عدل اس کی محمودیت کی وجہ سے ثابت ہے۔ اور وہی اللہ سبحانہ ملک اور حمد کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ دعا ہود علیہ السلام کے اُن کلمات کی نظیر ہے جن کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

(میں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں (کہ وہ) میرا (بھی) پروردگار ہے) اور تمہارا (بھی) پروردگار ہے) جتنے جاندار ہیں سب ہی کی تو چوٹی اُس کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک میرا پروردگار (عدل وانصاف کے) سیدھے رستے پر ہے)، اس کلام میں جملہ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا دونوں جملہ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُكَ کے مشابہ اور قائم مقام ہے اور اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ جملہ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ کی مثل ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں جن کی چوٹیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں، جو کچھ تصرف کرتا وہ عدل، حکمت مصالحت اور رحمت پر مبنی ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور کسی کو اس بُرے کام پر سزا نہیں دیتا جو اُس نے نہ کیا ہو اور نہ کسی کی نیکیاں ضائع اور برباد کرتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ اپنے قول وفعل میں صراط مستقیم پر ہے۔ وہ حق بات فرماتا اور خیر اور بہتری کرتا ہے۔ اس مضمون کو کہ وہ صراط مستقیم پر قائم ہے۔ اللہ سبحانہ نے دو مقام پر بیان فرمایا ہے ایک سورہ ہود میں اور دوسرا سورہ نحل میں سورہ ہود میں صراط مستقیم پر قائم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے بارے

Marfat.com

ہیں جو کہ اُس کے قبضے اور ہاتھ میں ہے تصرف کرنے میں عدل وانصاف پر قائم ہے اور سورہ نحل میں یہ مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے اوامر اور احکام میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتا ہے۔ جبریہ کا یہ خیال ہے کہ عدل مقدور کا نام ہے اور قدریہ یوں کہتے ہیں کہ عدل اس کا نام ہے کہ ملائکہ جن وانس کے افعال اللہ سبحانہ کی قدرت اور مشیت سے خارج اور باہر ہیں۔ اور دونو فریق اس میں سخت غلطی پر ہیں۔ حق اور صواب یہ ہے۔ کہ عدل اس کا نام ہے کہ ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب محل اور مقام میں رکھا جائے جیسا کہ ظلم یہ ہے کہ کسی چیز کو بے محل اور ایسی جگہ رکھا جائے جو اُس کے مناسب اور لائق نہ ہو۔ اور حکم۔ عدل اللہ سبحانہ کے اسما میں سے ہے۔ اور قدریہ اسم حکم کی حقیقت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ کا حکم صرف احکام شرعیہ دینیہ میں منحصر ہے اور یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ کے لیے حقیقت عدل کے ثبوت کے قائل ہیں حالانکہ عدل اُن کے نزدیک تقدیر کے انکار کا نام ہے ۔ اور باوجود اس کے اللہ سبحانہ کی طرف غایت درجے کے ظلم کو منسوب کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ جو شخص اپنی تمام عمر اللہ تعالےٰ کی طاعت میں خرچ کر دے۔ اور آخر عمر میں اس سے ایک گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے اور اسی پر وہ مرجائے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ہمیشہ دوزخ کے سخت عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اعمال بد کی سزا کے ساتھ قضا اور حکم کرنا تو بے شک عدل ہے کیونکہ وہ گناہ کا بدلہ اور سزا ہے۔ لیکن گناہ کے ساتھ قضا اور حکم کرنا یعنی قضا وقدر میں اس کا مقدر کرنا اہل سنت کے اصول کے موافق کس طرح عدل اور انصاف ہو سکتا ہے۔ اور یہ اعتراض قدریہ اور جبریہ کے مذہب پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ قدریہ کے نزدیک اللہ سبحانہ نے کسی معصیت کے ساتھ قضا وقدر میں حکم نہیں کیا۔ اور جبریہ کے نزدیک تمام مقدرات عدل ہیں۔ یہ سوال صرف اہل سنت

Marfat.com

کے مذہب پر وارد ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کے تمام احکام اور جملہ قضاؤ قدر سراسر عدل اور انصاف ہیں۔ کیونکہ اُس نے ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب مقام میں رکھا ہے۔ اُس نے عذاب اور اُس کے موجب اور سبب کے ساتھ حکم اور قضا کو اُس کے مناسب محل میں رکھا ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہ عذاب اور عقوبت کے ساتھ اعمال کی جزا اور بدلہ دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی گناہ کے مقدر کرنے سے سزا دیتا ہے اور اس گناہ کو مقدر کرنا دوسرے پہلے گناہ کی سزا ہوتی ہے کیونکہ گناہ ایک دوسرے کے سبب اور اسباب ہوتے ہیں۔ اور وہ گناہ سابق اپنے رب سے تغافل اور معرض ہونے کی سزا ہے اور یہ غفلت اور اعراض اصل جبلت اور خلقت کے لحاظ سے ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ درجہ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اُس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرتا اور اُس کو اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اُس کو رُشد اور نیکی الہام فرماتا اور اُس کے قلب میں اسباب خیر کا القا کر دیتا ہے اور جس کو درجہ کمال تک پہنچانے کا ارادہ نہیں ہوتا اُس کو اُس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا اور اُس کو اُس کے نفس کے سپرد اور حوالہ کر دیتا ہے کیوں کہ وہ اس کے علم میں تکمیل کے قابل اور اس کے لائق نہیں ہوتا۔ اور تقدیر کے باب میں بندوں کا علم اس حد پر ختم اور منتہی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ ایک شخص کو خیرات اور ہدایت کے قابل اور صالح بنایا ہے اور اُس کو وہ نعمتیں اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کے وہ صالح اور قابل تھا اور دوسرے کو ان کے صالح اور قابل نہیں بنایا اور اس کو اُن نعمتوں اور خیرات سے محروم رکھا ہے سو یہ اللہ سبحانہ کی ربوبیت۔ الوہیت اور اُس کے علم اور حکمت کا موجب اور مقتضی ہے کیوں کہ وہ تمام اشیاء اور اُن کے اضداد کا خالق ہے اور یہ اُس کے کمال اور اُس کے اسماء صفات کے آثار کے ظہور کا نتیجہ ہے چنانچہ یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا

Marfat.com

ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ وہ سبب اور مسبب کے مقدر کرنے اور اس کے حکم اور قضا میں اعدل العادلین ہے۔ بندے کے حق میں جو کچھ مقدر کیا۔ اور اس کی نسبت جو کچھ حکم اور فیصلہ فرمایا ہے وہ سب اپنے محل اور موقع پر واقع ہے اللہ کے حکم اور قضا کے سوا دوسری چیز کے قابل اور لائق نہیں۔ اللہ سبحانہ کا حکم اور فیصلہ کیونکر سراسر عدل اور انصاف نہ ہو حالانکہ وہ حکم۔ عدل۔ غنی اور حمید ہے۔

**فصل۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ۔

اگر روایتہً اسی طرح محفوظ ہو تو بظاہر اس میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آخری تین قسم کے اسماء کو پہلے قسم کا مقابل اور قسیم بنایا گیا ہے۔ اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ یہ تینوں اقسام اللہ سبحانہ کے اس اسم کے اقسام ہیں جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا ہے۔ اور حدیث کے ان الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے اقسام نہیں بلکہ اس کے مقابل اور قسیم ہیں اور جب یہ پہلے قسم کے اقسام ہیں۔ تو حدیث کے الفاظ اس طرح ہونے چاہیئے۔ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ فَاَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ کیونکہ یہ تینوں اقسام اس اسم کی تفصیل ہیں جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے۔ اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ لفظ اَوْ یہاں عطف کے لیے ہے اور معطوف ماقبل سے حاصل ہے اور اس صورت میں خاص کو عام پر عطف کیا گیا ہے کیونکہ وہ اسم جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کو موسوم کیا۔ ان تینوں اقسام کو جو اس کے بعد مذکور ہیں شامل ہے۔ پس ان تینوں جملوں میں سے ہر ایک جملہ میں عطف خاص علے العام ہے۔ اس پر اگر کوئی شخص یہ سوال پیش کرے کہ خاص کو عام پر عطف

Marfat.com

کرنے کے لیے صرف واؤ استعمال کیا جاتا ہے۔ عطف کے باقی حروف ایسے موقع پر استعمال نہیں ہوتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے موقع پر جس وجہ سے حرف واؤ کا استعمال جائز ہے اُسی وجہ سے اَوْ کا استعمال بھی جائز ہے وہ وجہ یہ ہے۔ کہ جب معطوف میں کوئی ایسا خاصہ موجود ہو جو اُس کی جنس (معطوف علیہ) کے دوسرے افراد میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور وہ اس خاصہ کے سبب گویا دوسری چیز شمار ہو تو اس وقت معطوف کو حرف عطف کے ساتھ خاص طور پر دوبارہ ذکر کرنا درست ہے یا دو لفظوں عام اور خاص کے ساتھ دو مرتبہ خاص کو ذکر کرنا مقصود ہو تب بھی عطف خاص علی العام درست ہے۔ اور اس میں حرف واو اور اَوْ یکساں ہیں۔ اس کے علاوہ لفظ اَوْ کے ساتھ عطف کرنے میں ایک دوسرا فائدہ موجود ہے وہ یہ کہ اس صورت میں یہ کلام تقسیم اور تنویع کی طرف مشیر ہو گی جیسا کہ اگر لفظ اَما مذکور ہوتا اور یوں کہا جاتا۔ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ فَاِمَّا اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ وَاِمَّا عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ۔ تو اس کلام سے تقسیم اور تنویع مفہوم ہوتی

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ سبحانہ کے اسماء مخلوق نہیں بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اِن اسماء کے ساتھ تکلم فرمایا۔ اور ان کے ساتھ اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ اسی واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں کہا بِکُلِّ اسْمٍ خَلَقْتَهٗ لِنَفْسِكَ (میں اُن اسماء کے ساتھ سوال کرتا ہوں جن کو تو نے اپنے ذات کے لیے پیدا کیا ہے) اگر اللہ سبحانہ کے اسماء مخلوق ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے واسطے سے سوال نہ کرتے کیونکہ اللہ سبحانہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم نہیں دی جاتی۔ حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے اسماء آدمیوں کے مقرر اور تجویز کرنے سے حاصل نہیں ہوئے اس کے علاوہ اللہ سبحانہ کے اسماء کے غیر مخلوق ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے اسماء اس کے صفات

Marfat.com

سے مشتق ہیں۔ اور اس کے صفات قدیم ہیں۔ پس اُس کے اسماء غیر مخلوق ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ اسم عین مسمی ہے یا اُس کا غیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھا اوقات لوگوں کو اس میں غلطی واقع ہوتی ہے۔ اور صواب اور حق سے بے خبر رہتے ہیں۔ محقق بات یہ ہے کہ اسم سے کبھی مسمی مراد ہوتا ہے اور کبھی اسم سے وہ لفظ مراد ہوتا ہے جو مسمی پر دال ہے۔ مثلاً جب یوں کہا جائے۔ قَالَ اللّٰہُ کَذَا (اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے) اِسْتَوَی اللّٰہُ عَلٰی عَرْشِہٖ (اللہ سبحانہ اپنے عرش پر قائم ہے) سَمِعَ اللّٰہُ، رَاٰی، خَلَقَ (اللہ نے سنا۔ دیکھا۔ پیدا کیا) تو ایسی صورتوں میں مسمیٰ مراد ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ اللہ لفظ عربی ہے۔ رحمٰن لفظ عربی ہے۔ رحمان اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ہے۔ رحمان کا وزن فعلان ہے۔ رحمان رحمت سے مشتق ہے تو ایسے مواقع میں تو عین مسمی مراد نہیں بلکہ اس کا اسم مراد ہے۔ مگر اسم کو مسمی کا غیر کہنا درست نہیں۔ کیونکہ لفظ غیر میں اجمال ہے اور اجمال کی وجہ سے خلافِ مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ اگر مغائرت سے یہ مطلب ہو کہ لفظ معنی کا غیر ہے۔ تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اور اگر غیریت سے یہ مراد ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کی ذات موجود تھی اور اس کے لیے کوئی اسم نہ تھا پھر اُس نے اپنی ذات کے لیے اِسم کو پیدا کیا۔ یا مخلوق نے اپنی طرف سے اُس کے نام مقرر کئے تو یہ بڑی گمراہی اور الحاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سَمَّیْتَ بِنَفْسِکَ جبکہ آپ نے خَلَقْتَہٗ لِنَفْسِکَ اور شَاکَ بِہٖ خَلْقُکَ (مخلوق نے تیرا نام ٹھیرایا ہے) نہیں فرمایا اِس بات کی دلیل ہے۔ کہ اِن اسما کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے تکلم فرمایا اور اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ اپنے اسما کو اُن کتابوں میں ذکر فرمایا جن کے ساتھ حقیقۃً تکلم کیا ہے۔ اور آپ کا قول اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اِس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسما ننانوے (۹۹) میں منحصر نہیں بلکہ اُن کے علاوہ اس کے اور اسماء

Marfat.com

بھی ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس کے بعضے اسماء و صفات ایسے بھی ہیں۔ کہ اُن کو اپنے خزائن غیب میں مخفی رکھا ہے۔ اور اُن کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول سے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان کو محفوظ رکھے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ سبحانہ کے دوسرے اسماء کی نفی نہیں لازم آتی۔ اور یہ سب کلام ایک جملہ ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے چند اسماء اس صفت کے ساتھ ہیں۔ کہ اُن کا حفظ دخولِ جنت کا سبب ہے۔ جیسا کہ محاورے میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کے سَو غلام ہیں جن کو تجارت کے لیے جمع کر رکھا ہے اور فلاں شخص کے سَو گھوڑے ہیں جن کو جہاد کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ جمہور کا قول ہے۔ کہ ابن حزم اسی مسئلہ میں جمہور کے برخلاف یوں کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء اسی عدد (ننانویں) میں منحصر ہیں۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ سبحانہ کی طرف اُس کے اسماء و صفات کو وسیلہ بنانا مخلوق کے وسیلہ بنانے سے بہتر ہے اور نیز یہ کہ بندے کے حق میں زیادہ نافع اور اللہ سبحانہ کے نزدیک محبوب ہے اِس کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی بات ثابت ہوتی ہے چنانچہ اسمِ اعظم کی حدیث میں بھی اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کو وسیلہ بنایا گیا اور اُس کے کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اور دوسری حدیث میں ہے اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

ایک اور حدیث میں اِس طرح ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اور یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔ ابن حبان۔ امام احمد اور حاکم نے ان کو

Marfat.com

روایت کیا ہے اور یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے قول وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا اللہ کے سب نام اچھے ہیں۔ پس اس کو اس کے نام لے کر پکارو، کی تفسیر اور تحقیق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ دو عظیم الشان چیزوں یعنی حیات اور نور کو جامع ہے۔ ربیع اس بارش کو کہتے ہیں جو زمین کو زندہ اور سرسبز کرتی ہے۔ اور اس سے طرح طرح کے گھاس اور نباتات (رودیدگیاں) پیدا ہوتی ہیں۔ اور بندہ اپنی عبودیت اور اللہ سبحانہ کی توحید۔ اور اس کے اسماء وصفات کے اقرار کے بعد اس سے یہ سوال کرتا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب کو جو عالمین کے لیے روح۔ نور اور حیات ہے۔ اس کے دل کے لیے اس پانی کے قائم مقام بنائے جس سے زمین زندہ اور آباد ہوتی ہے۔ اور نیز اس کو ایسا نور بنائے جو آفتاب کا کام دے کہ اس سے روئے زمین منور ہو جاتا اور تمام چیزیں نظر آنے لگتی ہیں اور یہی دو چیزیں یعنی نور اور حیاتی خیرات کی جامع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ۔
(کیا (ایک شخص) جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (خاص طرح) چلتا پھرتا ہے (کیا) وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں (گھرا پڑا) ہے)

وقال تعالیٰ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔
(اور (اے پیغمبر) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی) جان (یعنی یہ کتاب) تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے

Marfat.com

اور نہ دیہ جانتے تھے کہ، ایمان دکس کو کہتے ہیں، مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اُس کے ذریعے سے دوین کا رستہ، دکھا دیتے ہیں، اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے۔ کہ قرآن ایک روح ہے جس سے حیاتی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ایک نور ہے۔ جس سے حیاتی اور ہدائت ہاتھ آتی ہے۔ اور قرآن کریم کی پیروی کرنے والوں کے لیے حیاتی اور ہدائت حاصل ہے۔ اور اُس کے منکرین دمخالفین کے لیے موت اور گمراہی اور اللہ سبحانہ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کی مثال سورۃ بقرۃ کے اوّل۔ اور سورۃ نور کے وسط اور سورۃ رعد میں ان دونوں چیزوں یعنی حیاتی اور نور کے ساتھ بیان فرمائی ہے اور ان دونوں مثالوں کو مثل مائی اور مثل ناری کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ میں اِس امر کی طرف ارشاد ہے۔ کہ حزن کا دور ہونا موذی اور مضر چیزوں کے ازالہ کو متضمن ہے اور ہم وغم کا زوال نافع اور مسرت بخش چیزوں کی تحصیل کو شامل ہے۔ غرض یہ حدیث تمام خیرات کے اصول کی طلب اور جملہ شرور کے دفع کے سوال کو متضمن ہے۔ اور توفیق اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

---

Marfat.com

## ۲۸

# اٹھائیسواں باب

## رضا بالقضا کے احکام اور اس مسئلہ میں لوگوں کے اختلاف اور محقق قول کے بیان میں۔

یہ باب قضا و قدر پر ایمان لانے کا ایک شعبہ اور شاخ ہے۔ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ رضا بالقضا واجب ہے یا کہ مستحب۔ حنابلہ اس مسئلہ میں دو فریق ہیں بعض کہتے ہیں کہ رضا بالقضا واجب ہے۔ اور اس کے وجوب پر یہ استدلال پیش کرتے ہیں۔ کہ رضا بالقضا اللہ سبحانہ کی ربوبیت پر راضی ہونا واجب ہے۔ اور ایک اثر اسرائیلی سے تمسک کرتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے کہ جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور تیری بلا پر صبر نہ کرے تو وہ میرے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنا لے (میں ایسے لوگوں کو اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا) اور بعض کہتے ہیں کہ رضا بالقضا مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ کسی چیز کے ایجاب کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ دلیل شرعی کے بدوں کسی چیز کا وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور رضا بالقضا کے وجوب پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہیں کرتی۔ اور یہی قول راجح اور اولیٰ ہے کیونکہ رضا بالقضا احسان کے مدارج اور مقامات میں سے ہے اور احسان کے مقامات مندوبات کی اعلیٰ شاخ ہیں اور اس اصول میں قدریہ اور جبریہ دونوں فریق نہایت فاحش اور سخت غلطی پر ہیں

Marfat.com

قدریہ منکرین تقدیر کہتے ہیں کہ رضا بالقضا طاعت اور عبادت ہے اور معاصی اور گناہوں پر راضی ہونا جائز نہیں۔ لہذا رضا بالقضا اللہ تعالےٰ کے قضا وقدر سے نہیں۔ اور غالی جبریہ جو امر ونہی کے سلسلہ کو بے سود ٹھیراتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ گناہ اللہ کے قضا وقدر سے ہیں۔ اور قضا پر راضی ہونا طاعت اور عبادت ہے پس ہم گناہوں پر راضی ہیں۔ اُن سے ناخوش نہیں۔ ان دونوں فریق کے جواب میں اہل سنت نے مختلف طریق اختیار کئے ہیں۔ پس ایک گروہ نے یوں جواب دیا ہے۔ کہ معاصی کے لیے دو لحاظ ہیں ایک لحاظ سے اُن پر راضی ہونا مناسب ہے کہ وہ خلق اور مشیئت کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہیں یعنی اُس کے ارادہ اور اُس کی مشیئت سے وجود میں آتے ہیں۔ اور دوسرے لحاظ سے ان سے ناخوش ہونا چاہیئے کہ وہ فعل اور اکتساب کے لحاظ سے بندے کی طرف منسوب ہیں یعنی بندہ اُن کا فاعل اور کاسب ہے۔ اور یہ جواب نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ یہ جواب بیان کرنے والے اس کو کما حقہ بیان کرتے۔ اس میں نقص یہ ہے کہ اکثر لوگ جو بندے کے لیے صفت اکتساب ثابت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اکتساب کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اکتساب کا یہ معنے ہے کہ فعل بندے کے ارادہ سے مقارن ہو اور قدرت ایجاد فعل کا نام ہے مگر اکتساب اور قدرت کو فعل میں کسی قسم کی تاثیر نہیں۔ اور یہ مضمون کافی بسط اور تفصیل کے ساتھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسرے گروہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم اُس قضا پر جو اللہ سبحانہ کا فعل ہے راضی اور خوش ہوتے۔ اور قضا شدہ کام پر جو بندے کا فعل ہے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور یہ جواب بھی اچھا ہے مگر مجیب خود اپنے ہی کلام سے اس کو منقوض اور باطل کر دیتے ہیں۔ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال عین مفعولات و مصنوعات ہیں۔ پس اس بنا پر قضا اور مقضی دو تو ایک ہوئے۔ اور ان میں فرق کرنا صحیح نہ ہوا۔ اگر پہلے جواب

Marfat.com

والے ایجاد فعل میں کسب کچھ مؤثر مانتے اور یوں کہتے کہ کسب فعل کے وجود کا سبب ہے۔اور دوسرے جواب والے فعل کو غیر مفعول قرار دیتے تو دونوں کے جواب صحیح اور درست ہو جاتے۔اور ایک تیسرا فریق یوں جواب دیتا ہے کہ قضا دو قسم پر ہے ایک وہ ہے کہ اس پر راضی اور خوش ہونے کا امر ہے اور ایک وہ کہ اُس پر راضی ہونا ممنوع اور ناجائز ہے پس وہ قضا جس کو اللہ محبوب اور پسند رکھتا ہے اُس پر ہم راضی ہیں اور جس کو وہ مبغوض اور ناپسند رکھتا ہے اُس سے ہم ناخوش ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مخلوقات میں سے بعض چیزیں اللہ تعالےٰ کو مبغوض اور ناپسند ہیں جیسا کہ وغیرہ حالانکہ وہ سب کا خالق ہے۔اور اسی طرح بعضے افعال اور اقوال بھی اللہ سبحانہ کو مبغوض اور ناپسند ہیں۔اور یہ جواب بہت عمدہ ہے۔مگر یہ تفصیل کا محتاج ہے۔لہذا ہم اس کی تفصیل کے لیے یوں کہتے ہیں۔کہ حکم اور قضا دو قسم ہے۔دینی اور کونی۔سو احکام دینیہ پر رضا واجب ہے اور یہ لوازم اور ضروریات اسلام میں سے ہے۔اور احکام کونیہ کئی طرح کے ہیں۔بعضوں پر راضی ہونا واجب اور ضروری ہے جیسے نعمتیں کہ ان کا شکر ضروری ہے۔اور ان پر راضی اور خوش ہونا شکر کے لوازم میں سے ہے اور بعضے ایسے ہیں کہ اُس پر راضی اور خوش ہونا درست اور جائز نہیں جیسے گناہ اور عیوب کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں گو اُس کی قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں اور بعضے وہ ہیں۔کہ جن پر راضی ہونا مستحب ہے جیسے مصائب اور تکالیف اور مصائب کی رضا کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں اور یہ سب اختلاف قضا بمعنی مقضی کے متعلق ہے یعنی وہ حالت یا فعل جو بندے کے ساتھ قائم یا اُس سے سرزد ہو یا کوئی تکلیف جو اس کو پیش آئے اور وہ قضا جو علم۔مشیت۔تقدیر اور کتابت کی طرح اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کا فعل ہے اُس پر راضی ہونا ضروری اور واجب ہے۔کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کی ربوبیت۔الوہیت۔مالکیت

Marfat.com

اور تدبیر پر راضی ہونے کے لوازم میں سے ہے۔ اس تفصیل سے اس عظیم الشان مسئلہ کے متعلق جس میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ اشتباہ زائل اور حق اور صواب روشن اور واضح ہوگیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ مصائب پر راضی ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے مصائب سے انسان کو طبعاً نفرت اور کراہت ہے۔ پس کراہت اور رضا دو تو جمع نہیں ہو سکتے اور نیز بندے کو ایسے امر پر راضی ہونے کی تکلیف دینا جو اس کو ایذا دینے والا اور وہ اس سے ناخوش ہے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر نفرت اور کراہت کے ساتھ رضا کا اجتماع ممکن اور جائز ہے۔ تو کراہت اور بغض رضا کی ضد نہ ہوں گے کیونکہ ضدین کا اجتماع محال ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ ایک چیز ایک لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ ہو اور دوسرے لحاظ سے مکروہ اور مبغوض ہو۔ جیسا کہ بدمزہ مگر نافع اور مفید دوا کا پینا کہ مریض باوجود تنفر اور کراہت کے اس کے پینے پر راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اور جیسا سخت گرمی کے دن روزہ رکھنا کہ صائم باوجود تکلیف اور کراہت کے روزہ رکھنے پر نہایت خوش اور شاد ہوتا ہے۔ اور جیسا دشمنوں سے جہاد کرنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ خلوص کے ساتھ جہاد کرنے والا اس بات کا یقین کرتا ہے کہ جہاد اس کے حق میں بہتر ہے۔ پھر اس پر دل سے راضی اور خوش ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ جہاد طبعاً مکروہ اور ناپسند ہے کیونکہ اس میں جان کو ہلاکت اور تکلیف کے لیے پیش کرنا اور محبوب چیزوں سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ اور جب کسی چیز کی نسبت رضا اور خوشنودی قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ تو اگرچہ اس میں کسی قسم کی کوئی تکلیف ہو مگر اس کی کراہت

Marfat.com

محبت سے بدل جاتی ہے۔ غرض کسی چیز میں تکلیف اور درد کا پیش آنا اس پر راضی اور خوش ہونے کے منافی نہیں اور کسی چیز کے ایک لحاظ سے محبوب و پسندیدہ ہونے اور دوسرے لحاظ سے مکروہ و ناپسندیدہ ہونے میں کوئی تخالف و تناقض نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ یہ بیان تو بندے کے قضاء الٰہی پر راضی ہونے کے متعلق ہے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کفر، فسق اور عصیان کے ساتھ حکم اور قضا کرتے پر کسی درجہ سے راضی ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ مقام پہلے مقام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ اکثر بلکہ جمہور اشعریہ اور ان کے پیرو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کی نسبت رضا، محبت اور ارادہ کا ایک ہی معنی ہے اور جس چیز سے اللہ سبحانہ کی مشیت اور ارادہ متعلق ہوں وہ چیز اللہ سبحانہ کی محبوب و مرضی یعنی پسندیدہ ہے پھر انہوں نے اپنے آپ پر یہ سوال پیش کر کے اس کا جواب اس طرح بیان کیا ہے کہ جائز ہے۔ کہ یوں کہا جائے۔ اللہ سبحانہ کفر، فسق اور عصیان پر راضی ہے۔ لیکن علے وجہ التخصیص اس طرح کہنا درست نہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ سبحانہ نے جو کچھ پیدا کیا اور جو کچھ قضا و قدر میں لکھا ہے وہ سب اس کا مرضی و پسندیدہ ہے اور اس عام حکم میں کفر، فسق اور عصیان بھی داخل ہیں اور خاص طور پر یوں کہنا کہ اللہ کفر، فسق اور عصیان کو پسند کرتا اور ان پر راضی ہے درست نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ یوں کہنا درست ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ اور اس عام حکم میں کتا، سور، سب چیزیں داخل ہیں اور خاص طور پر حقیر اور خبیث چیزوں کا نام لے کر یوں کہنا کہ وہ کتے کا رب ہے جائز اور درست نہیں۔ اشعریہ کے اس قول سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ فی الواقع کفر، فسق اور عصیان پر راضی ہے اور صرف ادب اور حرمت کی وجہ سے اس طرح کہنا درست نہیں۔ کہ وہ ان چیزوں پر راضی ہے۔ اور جب اشعریہ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ کفر، فسق اور عصیان پر اللہ سبحانہ کس طرح راضی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے

Marfat.com

وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ (اور اللہ تعالیٰ، اپنے بندوں کے لیے پسند نہیں کرتا.
تو اس کا جواب دو طرح سے بیان کیا. اول یہ کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے
جن سے کفر واقع نہیں ہوا. کہ ان سے اللہ سبحانہ کفر کا وقوع پسند نہیں کرتا اور وہ
لوگ جن سے کفر واقع ہو چکا ہے۔ ان کے کفر پر اللہ راضی ہے کیونکہ وہ اس کی مشیت
اور ارادہ سے واقع ہوا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے لیے
کفر کو دین اور شریعت بنانا پسند نہیں کرتا اور نہ اس کا ان کو امر کرتا ہے۔ اور مخلوق اور
مکوّن ہونے کے لحاظ سے اللہ کو کفر پسند اور محبوب ہے۔ اور ان کے قول کے مطابق
آیت کا مطلب یہ ہوگا. کہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو اس لیے پسند نہیں
کرتا. کہ وہ ان سے وقوع میں نہیں آیا۔ اور اگر ان سے کفر واقع ہوتا تو وہ اللہ کے
نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوتا۔ اور یہ مطلب بلاشبہ فاسد اور باطل ہے۔ کیونکہ
اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ وہ اس کفر کو جو موجود ہو چکا ہے۔ گو اس کی مشیت
سے موجود ہوا ہے پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ
یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ (جب راتوں کو دبیٹھ بیٹھ کر) ان باتوں کے
مشورے کرتے ہیں. جن سے خدا راضی نہیں تو خدا ان کے ساتھ (موجود ہوتا) ہے
یہ قول اللہ سبحانہ کی مشیت اور تقدیر سے واقع ہے اور اس کی نسبت بتلادیا
ہے کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور اسی طرح اللہ کا قول وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ
(اور اللہ تعالیٰ فساد کو نہیں چاہتا) اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ
کو فساد کا پیدا کرنا یا اس کو دین اور شریعت مقرر کرنا محبوب اور پسند نہیں۔ گو اس
کی تقدیر اور مشیت سے واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرعون اور اس کی جماعت
اور ابلیس اور اس کے لشکروں کو محبوب نہیں رکھتا۔ اگرچہ سب کا رب اور خالق
وہی ہے۔ پس جو شخص اللہ سبحانہ کی نسبت محبت اور رضا کو ارادہ اور مشیت کے

Marfat.com

مرادت اور بہم معنی سمجھتا ہے۔ اُس کے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ اللہ سبحانہ ابلیس اور اُس کے لشکروں۔ فرعون۔ ہامان۔ قارون۔ اور تمام کافروں اور ان کے کفر اور سب ظالموں اور ان کے ظلم کو محبوب رکھتا ہے اور یہ جیسا کہ قرآن۔ حدیث اور اجماع کے خلاف ہے۔ اسی طرح اُس فطرت کے خلاف ہے کہ جس پر آدمی مخلوق کئے گئے ہیں۔ اور اقوال باطلہ پر اتفاق کرنے سے وہ بدل نہیں سکتی۔ اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ بہت سے افعال اُس کو ناپسند اور اُس کے نزدیک مبغوض۔ مسخوط اور مکروہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا

(اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو تم اُن کے ساتھ نکاح نہ کرنا مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا تاہم) یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی۔ اور بہت ہی برا دستور تھا۔ وقال تعالےٰ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللّٰهَ (اور ان کی یہ نوبت اس لیے ہوگی) کہ جو چیز خدا کو بری لگتی ہے یہ اُسی کے رستے پر چلے) وقال تعالےٰ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو (کچھ) نہیں) وقال تعالےٰ وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ (مگر اللہ کو ان کا جگہ سے ہلنا ہی ناپسند ہوا) آخری آیت میں کراہت کو کراہت دینی اور شرعی پر محمول کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے شرعاً ان کو جہاد کا امر فرمایا تھا اور جو چیز شرعاً مامور بہ ہو وہ مکروہ نہیں بلکہ اکثر واجب اور ضروری ہوتی ہے۔ وقال تعالےٰ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا (اے پیغمبر، ان سب باتوں میں جو بُری ہیں سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں) اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ وہ ان افعال کو مکروہ مبغوض جانتا۔ ان سے بغض و عداوت رکھتا اور ان پر مذمت اور لعنت کرتا ہے۔ اور

Marfat.com

یہ محال ہے کہ ان باتوں کے ساتھ ان کو محبوب اور پسند بھی رکھتا ہو۔ اللہ سبحانہ ان افعال ذمیمہ کی محبت اور ان پر راضی اور خوش ہونا مناسب اور لائق نہیں۔ کیونکہ مخلوق کے لیے یہ بڑا نقص اور عیب ہے۔ کہ وہ فساد۔ شر ظلم۔ یعنی اور کفر کو محبوب اور پسند رکھے۔ اور جب مخلوق کے حق میں یہ نقص اور عیب ہے۔ تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اس اصول کے متعلق مثبتین تقدیر نے ایسی فاحش اور سخت غلطی کی ہے جو منکرین تقدیر کی غلطی کے برابر بلکہ اُس سے بھی زیادہ قبیح اور بُری ہے۔ اور اسی واسطے منکرین تقدیر ان پر متسلط ہو گئے۔ ان کی غلطیوں کی بابت زبان درازی سے کام لیا اور اُن پر بہت کچھ طعن و تشنیع کی ہے اشعریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کفر۔ فسق۔ عصیان۔ ظلم۔ یعنی اور فساد کو محبوب اور پسند رکھتا ہے۔ اور قدریہ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں اُس کی مشیئت اور قدرت سے خارج ہیں اور اُس کی مخلوق نہیں۔ غرض اشعریہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے مُلک میں جتنی چیزیں ہیں خیر و شر سب اُس کی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور قدریہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اس کے ملک میں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں۔ جو اس کی مشیئت سے باہر ہیں۔ اور بعض ایسی بھی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو موجود کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ موجود نہیں ہوتیں اور اللہ سبحانہ ان دونو فریق کے اقوال سے منزہ اور پاک ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو وہ طریق ہدایت کیا ہے۔ کہ جس کی تعلیم کے لیے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اپنی کتاب کو نازل فرمایا۔ اور اپنے بندوں کی فطرت کو اسی پر بنایا ہے اور ہم دونو فریق کی بد عادت سے بری اور بیزار ہیں۔

پس وہی فضل۔ منت۔ اور نعمت کا مالک [illegible] حمد ا[illegible] نا ئے

Marfat.com

حسن کا مستحق ہے۔ اور ہم اُس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان کاموں کی توفیق بخشے جو اُس کو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور گمراہ کرنے والی بدعتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

## ۲۹

# انتیسواں باب

قضا۔ حکم۔ ارادہ۔ کتابت۔ امر۔ اِذن۔ جعل۔ کلمات۔ بعث۔ ارسال۔ تحریر اور انشاء کی تقسیم کے بیان میں کہ ان میں سے ہر ایک دو قسم ہیں ایک کونی جو اللہ سبحانہ کی صفت خلق سے متعلق ہے اور دوسرا دینی جو صفت امر سے تعلق رکھتا ہے اور اشتباہ اور اشکال کے دور کرنے اور ان کی تحقیق کے بیان ہیں۔

یہ باب پہلے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک باب دوسرے کا مُقرِر اور مؤید ہے۔ قضا۔ حکم وغیرہ کا قسم اول یعنی کونی اللہ سبحانہ کی صفت ربوبیت اور خلق سے متعلق ہے اور قسم دوم یعنی دینی اللہ سبحانہ کی الوہیت اور شرع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس مضمون کو اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں اس

Marfat.com

مختصر جملہ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (خدا ہی کی خلق ہے اور خدا ہی کا حکم) کے ساتھ بیان فرمایا ہے خلق سے قضا و قدر اور اس کے افعال مراد ہیں۔ اور امر سے شرع اور دین مراد ہے پس اسی نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ شرائع جاری کئے۔ اور اوامر مشروع فرمائے ہیں۔ اور اس کے احکام مخلوق میں قدراً و شرعاً جاری ہیں۔ اور اس کے احکام کونیہ۔ قدریہ سے کوئی شخص باہر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر حال میں ہر ایک شخص کے حق میں نافذ ہیں۔ اور احکام شرعیہ دینیہ کو مومن اور مطیع لوگ بجالاتے اور مانتے ہیں۔ اور کفار۔ فاجر اور فاسق لوگ نہیں مانتے اور ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور دونو قسم کے احکام آپس میں متلازم نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ احکام کونیہ قضا و قدر میں نافذ اور جاری ہوتے ہیں۔ اور شرعاً اُن کی بجا آوری کا حکم نہیں ہوتا۔ اور بعضے احکام ایسے ہیں۔ کہ شرعاً ان کی بجا آوری کا حکم ہے مگر قضا و قدر میں وہ نافذ نہیں ہوئے۔ مومنوں کے ایمان اور اُن طاعات کی صورت میں جن کو وہ بجالاتے ہیں۔ دونو قسم کے حکم موجود ہیں۔ اور اُن معاصی اور کفر و فسق کی نسبت جو اہل ایمان سے صادر نہیں ہوئے۔ دونو قسم کے حکم مفقود ہیں۔ اور اُس کام کی نسبت جس کے بجالانے کا اللہ سبحانہ نے امر فرمایا اور اس کو مشروع کیا ہے۔ اور مامور و مکلف اس کو بجا نہیں لایا۔ قضا شرعی اور حکم دینی موجود ہے۔ اور اُن معاصی کے متعلق جو بندوں سے واقع ہوتے ہیں حکم کونی موجود و متحقق ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ کلام الٰہی میں قضا کے دو قسم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک کونی و قدری چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ (پھر جب ہم نے سلیمانؑ پر موت کا حکم جاری کیا) وقال تعالےٰ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ (اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر لیا جائے گا) اور دوسری شرعی دینی جیسا اللہ تعالےٰ کا قول

Marfat.com

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ۔ (اور تمہارے پروردگار نے حکم قطعی دے دیا ہے کہ لوگو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) یعنی امر کیا اور مشروع فرمایا ہے اگر اس آیت میں قضا کونی مراد ہوتی تو کوئی شخص غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا۔ اور اسی طرح حکم بھی دو قسم ہے ایک کونی جیسے اللہ تعالےٰ کے قول قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ (پیغمبر) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار (میرے اور کافروں کے درمیان) حق حق فیصلہ کر دے) میں ہے یعنی اے اللہ تو وہ صورت پیدا کر جس سے تیرے پیارے بندوں کی نصرت اور دشمنوں کی ذلت ورسوائی ہو۔ دوسرا دینی کقولہ تعالےٰ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ (یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں (کے ایسے جھگڑے کے بارے میں) فرماتا ہے) وقولہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ (بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے) اور کبھی ایک لفظ سے دونو قسم کا حکم مراد ہوتا ہے لقولہ تعالےٰ وَلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے) اس آیت میں لفظ حکم دونو قسم کے حکم کونی اور شرعی کو شامل ہے۔ اور اسی طرح ارادہ بھی دو قسم ہے ایک کونیہ کقولہ تعالےٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے وقولہ تعالےٰ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً (اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں) وقولہ تعالیٰ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ (اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست سے بہکانا منظور ہو) وقولہ تعالےٰ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ (اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ (اس کے) ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے ان پر احسان کریں) دوسرا دینیہ کقولہ تعالےٰ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا) وقولہ تعالےٰ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر (کی نظر) رکھے) اگر ان آیات میں ارادہ کونیہ مراد ہوتا تو ہم میں سے کسی شخص کو کبھی عسر اور تنگی پیش نہ آتی اور مکلفین ضرور تائب ہو جاتے۔ اس تفصیل سے وہ اشتباہ رفع ہو گیا جو مسئلہ امر

Marfat.com

اور ارادہ میں واقع ہوا کرتا ہے کہ وہ دونوں متلازم ہیں یا نہیں۔ قدریہ یہ کہتے ہیں۔ کہ امر ارادہ کو مستلزم ہے اور یہ لوگ اس مسئلہ پر ایسی مضبوط دلیلیں قائم کرتے ہیں۔ کہ جن کا جواب بیان کرنا دشوار ہے۔ اور مثبتین تقدیر کا یہ قول ہے۔ کہ امر ارادہ کو مستلزم نہیں اور اُن کی ادلہ بھی مضبوط اور قوی ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ امر ارادہ دینیہ کو مستلزم ہے اور ارادہ کونیہ کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ جس کام کا امر فرماتا ہے اُس سے شرعاً اُس کا ارادہ ضرور متعلق ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسے کام کا امر فرماتا ہے کہ جس سے ارادہ کونیہ قدریہ متعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً اُن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے ایمان لانے کا امر فرماتا ہے۔ جن کو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اور یہ امر شرعاً مراد ہے اور کوناً وقدراً اس سے ارادہ متعلق نہیں ہوا۔ ورنہ وہ ضرور ایمان لاتے اور اسی طرح اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا امر فرمایا۔ اور قضا وقدر میں اس سے ارادہ متعلق نہیں ہوا تھا۔ اور اسی طرح اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پچاس نمازوں کا امر فرمایا اور قضا وقدر میں اس کا ارادہ نہیں ہوا۔ اور ان دونوں امروں اور ایمان نہ لانے والوں کے امر میں ایک قسم کا تفاوت اور فرق ہے۔ اس کو معلوم کرنا ضروری ہے وہ فرق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ابراہیم سے یہ نہیں چاہا۔ کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کردیں۔ صرف یہ چاہا کہ اللہ سبحانہ کے حکم کی تعمیل اور اس کے امر کے امتثال میں اپنی مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلائیں اور اس طرح شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امر فرمانا کہ اس سے پچاس نمازوں کا ادا کرنا منظور نہ تھا صرف امتثال امر کو دیکھنا مطلوب تھا۔ اور اُن لوگوں کو جو ایمان نہیں لائے۔ ایمان کا امر کرنے سے یہ مطلوب ہے کہ اُس کے بندے اُس کی ذات اور اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لائیں۔ اور یہ اُس کی حکمت کا مقتضی ہے کہ اپنے بعض بندوں کو اپنے حکم کی بجاآوری میں اعانت

Marfat.com

فرمائی اور ان کو امتثال امر کی توفیق بخشی اور بعضوں کو اس اعانت و توفیق سے محروم رکھا۔ اور امر کی غایت و مصلحت ان کی نسبت موجود اور حاصل نہ ہوئی اور خلیل علیہ السلام اور سیدنا ولد آدم کو امر فرمانے کی مصلحت اور غایت موجود اور حاصل ہو گئی۔

**فصل۔** کتابت بھی دو قسم ہے ایک کونیہ کقولہ تعالٰے اکتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی (خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور کافروں پر غالب آکر رہیں گے)، وقولہ تعالٰے وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (اور ہم زبور میں (پند و) نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہوں گے۔ وقولہ تعالٰے کُتِبَ عَلَیْہِ اَنَّہٗ مَنْ تَوَلَّاہُ فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ وَیَھْدِیْہِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ (جس کی نسبت (خدا کے ہاں سے) یہ (حکم) لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کی رفاقت کرے گا۔ تو یہ اُس کو گمراہ کر کے دوزخ کے عذاب میں پہنچا کر رہے گا۔ دوسری شرعیۃ امریہ کقولہ تعالٰے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (مسلمانو!)، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں)، وقولہ تعالٰے حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ (تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں) اللہ تعالٰے کے قول کِتَابَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ تک وقولہ تعالٰے وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (اور ہم نے تورات میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان)، پہلی کتابت بمعنے تقدیر اور ثانی بمعنے امر ہے۔

**فصل۔** امر بھی دو قسم ہے۔ ایک کونی کقولہ تعالٰے اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (اُس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اُس سے (اتنا ہی)، فرما دیتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے)، وقولہ تعالٰے وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا کام تو بس ایک بات ہوتی ہے۔

Marfat.com

جیسے آنکھ کا جھپکانا) وقولہ تعالیٰ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا (اور خدا کا حکم ہو کر رہے گا) وقولہ تعالیٰ اِنَّ کَانَ اَمْرًا مَقْضِیًّا (اور یہ بات (ہمارے ہاں سے) فیصل ہو چکی ہے) وقولہ تعالیٰ وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے۔ تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اُس (بستی) میں نافرمانیاں کرتے ہیں) یہاں امر کونی تقدیری مراد ہے اور امر دینی شرعی مراد نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ بُرے کاموں کا امر نہیں کرتا۔ اور آیت کا یہ معنے ہے کہ ہم اس کو مقدر کرتے ہیں۔ بعض کا یہ قول ہے۔ کہ یہاں امر دینی مراد ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُن کو طاعت کا حکم کرتے ہیں سو وہ ہمارے حکم کی مخالفت اور فسق وفجور اختیار کرتے ہیں۔ اور پہلا قول چند وجوہ سے راجح ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عبارت میں حذف اور تقدیر کو اختیار کرنا خلافِ اصل ہے۔ جب حذف کے بدون کلام صحیح ہو سکے تو اس کو اختیار کرنا درست نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ دوسرے معنے کی تقدیر پر دو جملے محذوف قرار دینے پڑتے ہیں۔ ایک جملہ اَمَرْنَاهُمْ بِطَاعَتِنَا (ہم نے ان کو اپنی طاعت کا حکم کیا) دوسرا فَخَالَفُوْنَا (سو انہوں نے ہماری مخالفت کی) یا عَصَوْنَا (انہوں نے ہماری نافرمانی کی) وغیرہ (تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ ایسی ترکیب میں حرف فا کا مابعد خود مامور بہ ہوتا ہے جیسا کہتے ہیں اَمَرْتُهٗ فَفَعَلَ اور اَمَرْتُهٗ فَقَامَ اور امرتہ فرکب ان سب مثالوں میں مابعد فا مامور بہ ہے اور مخاطب یہی سمجھتا ہے کہ متکلم نے مابعد فا کے ساتھ امر کیا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے امر مذکور کو بستی کی ہلاکت کا سبب ٹھیرایا ہے اور ظاہر بات ہے کہ طاعت اور توحید کے ساتھ امر کرنا ہلاکت کا سبب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ نجات اور کامیابی کا باعث اور موجب ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ سبحانہ کا طاعت کے ساتھ

Marfat.com

امر فرماتا اور ماموریں کا فسق کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے
کہ اس کو پانچویں وجہ باطل کرتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا طاعت کے ساتھ
امر کرنا مترفین کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ اپنی طاعت اور انبیاء علیہم
السلام کے اتباع کا امر مالداروں اور غریبوں سب کو یکساں فرماتا ہے۔ پس امر
بالطاعت کو مالداروں کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ اور چھٹی وجہ اس کی تو
ضیح کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر امر بالطاعت مراد ہو تو صرف انبیاء علیہم السلام
کو ان کی طرف بھیجنا ہی امر بالطاعت ہے . . . . . .

اور امرنا اور ارسلنا رسلنا کا ایک ہی معنی ہو گا اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا
درست نہیں۔ کہ ہم نے مالداروں کے پاس اپنے رسولوں کو بھیجا۔ سو انہوں نے فسق
کیا۔ کیونکہ انبیاء کا بھیجنا مترفین کے ساتھ خاص کیا جائے۔ تو ناداروں کے لیے یہ
عذر ہو سکتا ہے۔ کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ ساتویں وجہ یہ ہے۔ کہ
اللہ سبحانہ کا کسی بستی کا ہلاک کرنے کا ارادہ ان کے پاس رسول بھیجنے اور اس کی طرف
سے انبیاء کی تکذیب وا نکار ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے اور قبل اس کے وہ کسی کے
ہلاک کا ارادہ نہیں فرماتا۔ کیونکہ انبیاء کے معبوث کرنے سے پہلے لوگ غفلت اور
رسالت نہ پہنچنے کے عذر کے ساتھ معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ
اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ
(یہ اس سبب سے ہے کہ تمہارا پروردگار بستیوں کو ظلم (اور زبردستی) سے ہلاک کرتے
والا نہیں۔ (کہ ادھر ان کو ہلاک کر مارے، اور ادھر) وہاں کے رہنے والے (خدا
کے منشا سے) بے خبر ہوں)، اور جب کسی بستی کی طرف انبیاء علیہم السلام کو بھیجے۔
اور وہاں کے لوگ ان کی تکذیب کریں۔ تب اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ
کرتا اور اس کے رؤسا اور مالداروں کو کونا قدرًا وہاں فسق کرنے کا امر فرماتا ہے

Marfat.com

شرع اور دین کے رو سے یہ حکم نہیں ہوتا پس وہاں کے لوگ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب پر متفق ہوجاتے۔ اور رؤساء و مالدار فسق و فجور کرنے لگتے ہیں۔ اس پر اللہ سبحانہ اس کو ہلاک و برباد کر دیتا ہے۔ یہاں تک ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ امر کونی اور دینی کو ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ کا قول اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا) اور اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (مسلمانو!) اللہ تم کو حکم دیتا ہے۔ کہ امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں) اُن کے حوالے کر دیا کرو) امر دینی کی مثالیں ہیں اور اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔

**فصل**۔ اذن بھی دو قسم ہے ایک کونی جیسے اللہ تعالےٰ کا قول وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (بے حکم خدا وہ اپنی ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے) یہاں اذن سے مشیت اور تقدیر مراد ہے۔ دوسرا دینی جیسے اللہ تعالےٰ کا قول مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ (مسلمانو! ان کے) کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا اُن کو (ہاتھ تک نہ لگایا اور بدستور) ان کو جڑوں سمیت کھڑا رہنے دیا تو (یہ سب کچھ) خدا ہی کے حکم سے تھا) یعنی اللہ کے حکم اور رضا سے ایسا ہوا) و قولہ تعالےٰ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو۔ کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا نے تو تم پر روزی اُتاری اب تم لگے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض کو) حلال ٹھیرانے (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ کیا خدا نے تم کو (اس کی) اجازت دی ہے یا (اپنی طرف

Marfat.com

ہے) خدا پر بہتان باندھتے ہو، دقولہ تعالے اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (کیا ان لوگوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں (اور) انہوں نے ان کے لیے دین کا وہ رستہ ٹھیرا دیا ہے۔ جس کا خدا نے حکم نہیں دیا)

فصل۔ جَعل بھی دو قسم ہے۔ ایک کونی کقولہ تعالے اِنَّا جَعَلْنَا فِي اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔ (ہم نے ان لوگوں کی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک دھنسے ہوئے ہیں) تو ان کے سر اُلل کردہ گئے ہیں (کہ ان کو رستہ دکھائی نہیں دیتا) اور ہم نے ایک دیوار (تو) ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے وقولہ تعالے وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (اور خدا (شرک اور کفر کی) گندگی اُن ہی لوگوں پر ڈالتا ہے۔ جو دلائل وحدانیت میں) عقل کو کام میں نہیں لاتے، وقولہ تعالے جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (اُسی نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے) اور اس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ دوسرا دینی کقولہ تعالے مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (نہ تو) بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وسیلہ اور نہ حام (ان میں سے) کوئی چیز خدا نے ٹھیرائی ہے) یہاں جعل سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالے نے ان چیزوں کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ان کو مشروع فرمایا ہے ورنہ یہ سب چیزیں اُس کی مخلوق اور اُس کی مشیت اور قدرت سے واقع ہیں۔ اور اللہ تعالے کے قول جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (خدا نے کعبے کو کہ وہ (خدا کا) معزز گھر ہے لوگوں کے (امن واطمینان کے) قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے، میں جَعل کونی اور دینی دو نو موجود ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے کعبہ کو قدرًا و شرعًا لوگوں کے

Marfat.com

بتاؤ قیام کا سبب بنایا ہے اور دونوں معنی ارادہ کرنا اشتراک لفظی کی صورت نہیں۔ بلکہ اشتراک معنوی کے طور پر قدر مشترک مراد ہے۔

**فصل۔** اللہ تعالیٰ کے کلمات بھی دو قسم ہیں ایک کونیہ کقولہ تعالیٰ کَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (اے پیغمبر، اسی طرح تمہارے پروردگار کا فرمودہ (ان) کافر لوگوں پر صادق آکر رہا کہ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے وقولہ تعالیٰ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا (اور اے پیغمبر چونکہ بنی اسرائیل نے صبر کیا اس لیے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک ان کے حق میں پورا ہو) اور حدیث شریف میں ہے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ (میں اللہ تعالیٰ کے ان کلمات تامہ کے ساتھ جن سے کوئی نیکوکار اور بدکار بچ نہیں سکتا۔ اس کی مخلوق کی شر سے پناہ مانگتا ہوں) اس حدیث میں کہ وہ کلام الٰہی کو سنے میں جو لفظ کلمات ہے۔ اس سے کلمات کونیہ مراد ہیں۔ اور اگر کلمات دینیہ مراد ہوں جن سے اللہ سبحانہ امر و نہی فرماتا ہے۔ تو حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ کوئی نیکوکار اور بدکار ان سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ کفار اور فاجر ان سے تجاوز کرتے ہیں۔ دوسرے دینیہ کقولہ تعالیٰ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ۔ (اور اے پیغمبر، مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو) کلام اللہ سے قرآن مجید مراد ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ (اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ساتھ ان کے فرجوں کو حلال کیا) کلمۃ اللہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ نے شریعت میں عقد نکاح کے بعد ان عورتوں کو تمہارے لیے حلال اور مباح کر دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (تو اپنی مرضی کے

Marfat.com

مطابق عورتوں سے نکاح کرلو) اور اللہ کے قول وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ (اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی رہیں)، میں کلمات کونیہ و شرعیہ دونوں قسم موجود ہیں۔ کتب سے وہ کلمات مراد ہیں۔ جن کے ساتھ اللہ سبحانہ امر و نہی اور اشیاء کی حلت و حرمت بیان فرماتا ہے۔ اور لفظ کلمات سے وہ کلمات مراد ہیں جو خلق اور تکوین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں حضرت مریم کی نسبت یہ بتلایا ہے۔ کہ وہ فرقہ جہمیہ کے عقیدہ پر نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات دین اور تکوین کا انکار کرتی۔ اور کلمات الٰہی کو مخلوق سمجھتیں۔

**فصل۔** بعث بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالیٰ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ (جب ان (فسادوں) میں سے پہلے (فساد) کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلے میں ایسے بندے اٹھا کھڑے کئے جو بڑے سخت گیر تھے) وقولہ تعالیٰ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ (اس کے بعد اللہ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کریدنے لگا)، دوسرے شرعی اور دینی کقولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ (وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا) وقولہ تعالیٰ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ (شروع میں سب) لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر (آپس میں لگے اختلاف کرنے) تو اللہ نے پیغمبر بھیجے جو (ایمان والوں کو خوشنودی خدا کی) خوشخبری دیتے اور (کافروں کو عذاب الٰہی سے) ڈراتے۔

**فصل۔** ارسال بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالیٰ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (اے پیغمبرؐ) کیا تم نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ ہم نے شیطان کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو اکساتے رہتے ہیں،

Marfat.com

وقولہ تعالےٰ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ (اور وہی (خدا) مطلق) ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے) دوسرا وہی کقولہ تعالےٰ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ (وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے) و قولہ تعالےٰ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا۔ (لوگو!) جس طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ کو (پیغمبر) (بنا کر) بھیجا تھا تمہاری طرف بھی (محمدؐ کو رسول (بنا کر) بھیجا ہے جو قیامت کے دن) تمہارے مقابلے میں گواہی دیں گے۔

**فصل۔** تحریم بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالےٰ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ (اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے (اناؤں کے) دودھ بند کر رکھے تھے) وقولہ تعالےٰ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً (تو وہ ملک چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہوگا۔ وقولہ تعالےٰ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ممکن نہیں کہ (قیامت کو) وہ لوگ (ہمارے حضور میں لوٹ کر نہ آئیں) دوسری دینی کقولہ تعالےٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (مسلمانو تمہاری مائیں تم پر حرام کی گئی ہیں) وقولہ تعالےٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (مرا ہوا جانور تم پر حرام کیا گیا ہے) وقولہ تعالےٰ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (اور جب تک تم احرام میں ہو جنگل کا شکار تم پر حرام کیا گیا ہے۔ وقولہ تعالےٰ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

**فصل:** ایتاء بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالےٰ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ (اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک عطا فرمائے) وقولہ تعالےٰ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ (اے پیغمبر تم یہ) دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے) وقولہ تعالےٰ۔

Marfat.com

وَ اٰتَیۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِیۡمًا ۔ داور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت دبھی) دی)، دوسرا ایتائے دینی کقولہ تعالےٰ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۔ (مسلمانو!) جو چیز پیغمبر تم کو دے دیا کریں۔ اُس کو لے لیا کرو) و قولہ تعالےٰ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ (جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اُس کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور اللہ تعالےٰ کا قول۔ یُؤۡتِی الۡحِكۡمَةَ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا كَثِیۡرًا) (اللہ جس کو چاہتا ہے دبات کی) سمجھ دیتا ہے اور جس کو سمجھ دی گئی تو بے شک اُس نے بڑی دولت پالی) دونو قسم کو شامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ جس کو چاہے شرع اور دین کی صورت میں اور جسے چاہے توفیق والہام کے ذریعہ سے علم وحکمت عطا فرمائے۔

**فصل** ۔ مذکورہ بالا امور یعنی قضا۔ حکم۔ ارادہ وغیرہ میں سے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے تابعداروں کے حصہ میں دینی اور شرعی امور ہیں۔ اور انبیاء کے مخالفین اور دشمنوں کے لیے قدری اور کونی احکام کونیہ سے وہ اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ان کا دین دینِ قدر ہے۔ اور اللہ کے رسولوں اور اُن کے تبعین کا دین دینِ امر ہے۔ یہ لوگ خدا کے دین کے تابعدار اور اُس کی تقدیر کے مصدق ہیں۔ اور اللہ اور اُس کے رسولوں کے دشمن۔ خدا کے حکم کی نافرمانی۔ اور اس کی تقدیر سے حجت پکڑتے اور یوں کہتے ہیں۔ کہ وہی کام کرتے ہیں۔ جن سے اللہ تعالےٰ کا ارادہ اور اُس کی مشیت متعلق ہیں۔ اور ہم اللہ کے نکے مراد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کی اس حجت کی تردید کے لیے اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ تمہارے افعال کے ساتھ اللہ سبحانہ کا کونسا ارادہ متعلق ہے۔ ارادہ

Marfat.com

شرعیہ یا کونیہ۔ ظاہر ہے کہ ارادہ شرعیہ کے تو تم منکر ہو۔ اور ارادہ کونیہ کا تعلق کچھ مفید نہیں۔ اور نہ یہ تمہارے لیے عذر ہو سکتا ہے۔ اگر یہ عذر ہوتا تو اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی مذمت نہ کرتا۔ اور کسی کو عذاب نہ کرتا۔ اور اس کی مخلوق میں سے کوئی شخص عاصی اور کافر نہ ہوتا۔ اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے۔ تو وہ اللہ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا منکر ہے۔

---

Marfat.com

## ۳۰

# تیسواں باب

## فطرتِ اُولیٰ۔ اس کے معنی اس کے متعلق لوگوں کے اختلاف اور اس امر کے بیان میں کہ یہ قضا و قدر میں شقی اور گمراہ ہونے کے خلاف اور منافی ہیں

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (تو (اے پیغمبر تم تو ایک (خدا) کے ہو کر (اس کے) دین کی طرف اپنا رُخ کئے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے۔ جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں (رد و) بدل نہیں ہو سکتا یہی دین (کا) سیدھا (رستہ) ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (لوگو!) اسی (ایک خدا) کی طرف رجوع ہو کر (دین اسلام پر جمے رہو) اور اُسی (ایک خدا) کا ڈر رکھو اور نماز پڑھتے رہو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو جانا، اور صحیحین میں بروایت ابو ہریرہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر (اس کے کفر اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے کہ) اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ جیسا کہ چوپائے جانور صحیح و سالم بچہ جنتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا ہے کہ جانوروں کا کوئی بچہ پیدا ہوتے ہی کان کٹا ہوتا ہے (ہرگز ایسا نہیں بلکہ بعد میں) تم اُس کے کان کاٹتے ہو۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد پھر ابوہریرہؓ نے اس آیت کو پڑھا۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے۔ کہ ہر ایک بچہ اس ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس فطرت کے معنی و مراد میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

قاضی ابو یعلی نے کہا ہے کہ اس فطرت کے معنی میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فطرت سے اللہ تعالے کی معرفت کا اقرار مراد ہے اور یہ وہی عہد ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں سے اس وقت لیا تھا جبکہ وہ اپنے باپ کی پشت میں تھے۔ کہ اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک اُن کی جتنی اولاد پیدا ہوگی۔ سب کو چیونٹی کی طرح ظاہر کر دیا۔ اور ان کو خود اُن کی ذات پر شاہد بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا کہ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ غرض ہر ایک شخص فطرۃً اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ کہ اس کا کوئی صانع اور مدبر ہے۔ گو اُس کو کسی نام سے پکارے چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (اور اے پیغمبر، اگر تم ان (کافروں) سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے (ان کو پیدا کیا ہے) پس ہر ایک بچہ اسی اقرار اول پر پیدا ہوتا ہے۔

Marfat.com

قاضی ابو یعلی کہتے ہیں کہ فطرت سے یہاں اسلام مراد نہیں۔ اور اس کی دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ فطرت بمعنی ابتدائے خلقت ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی اُن کو ابتداءً ایجاد کرنے والا ہے۔ اور جب فطرت بمعنی ابتدائے خلقت ہے تو اس حدیث میں فطرت سے وہی امر مراد ہوگا جو ابتدائے خلقت میں واقع ہوا۔ اور وہ یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اولادِ آدمؑ کو اُن کی پیٹھ سے نکالا اور اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں اگر فطرت بمعنی اسلام ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ جو بچہ کفار کے گھر پیدا ہو یعنی اس کا باپ اور ماں دونو کافر ہوں تو جب تک وہ بالغ نہ ہو ماں باپ اُس کے وارث نہ ہوسکیں۔ اور وہ ان کا وارث نہ ہوسکے۔ کیونکہ وہ بچہ مسلمان ہے۔ اور اختلاف دین وراثت کا مانع ہے۔ اور نیز اس کو غلام بنانا درست نہ ہو۔ اور اگر اس کا باپ اسلام اختیار کرے۔ تو باپ کی تابعداری سے اُس کو مسلمان نہیں کہنا چاہئیے۔ کیونکہ وہ خود مسلمان ہے۔ قاضی ابو یعلی کہتے ہیں کہ یہ معنی ابن قتیبہ نے بیان کئے ہیں۔ اور ابن بطہ نے اِس معنی کو اناپہ میں ذکر کیا۔ اور یوں کہا ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ جس شخص کو صانع کی معرفت حاصل ہو اُس کو مسلمان کہا جائے جیسا کہ بالغ کفار کہ اُن کے لیے صانع کی معرفت حاصل ہے اور وہ مسلمان نہیں قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے بھی اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور میمونی کی روایت میں اس طرح ہے کہ امام احمد نے فرمایا کہ فطرت اولیٰ سے وہ فطرت مراد ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ اس پر میمونی نے کہا کہ فطرت سے مراد دین ہے؟ تو امام احمد نے جواب میں کہا کہ ہاں فطرت سے دین مراد ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے دین سے وہی معرفت ارادہ کی ہے۔ جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

اور دوسری روایت یہ ہے کہ فطرت سے وہ پہلی خلقت مراد ہے۔ جو ماں کے پیٹ میں واقع ہوتی ہے۔ اور فطرت کو اُس عہد پر محمول کرنا۔ جو اللہ سبحانہ نے اولاد آدم سے لیا تھا۔ یعنی اُنھوں نے اُس کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ گویا فطرت فطرت کو بمعنے اسلام ارادہ کرنا ہے کیونکہ معرفت صانع کا اقرار کرنا عین ایمان کا اقرار ہے۔ اور مومن مسلم ہے۔ اور اگر فطرت بمعنی اسلام ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ جب بچہ ماں باپ کافر کے گھر پیدا ہو۔ تو وہ اس کے اور وہ ان کا وارث نہ ہو اس کے علاوہ یہ بات لازم آتی ہے۔ کہ کفر اللہ تعالےٰ کا مخلوق نہ ہو۔ اور اہل سنت کے اصول اس کے خلاف ہیں۔ قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے علی بن سعید کی روایت میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جب علی بن سعید نے اُن سے حدیث کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ کا مطلب پوچھا تو امام احمد نے جواب دیا کہ اوّل فطرت میں بعضے آدمی شقی اور بعضے سعید ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح محمد بن یحییٰ کمال نے نقل کیا ہے۔ کہ میں نے امام احمد سے فطرت اولی کی نسبت سوال کیا۔ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ فطرت اُولی سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے کہ بعضے شقی اور بعضے سعید بنائے ہیں۔ اور حبیل نے بھی امام مذکور سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ کہ اس حدیث میں فطرت سے وہ پہلی خلقت مراد ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ ہمارے اُستاد ابو العباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ کہ امام احمد نے عہد اوّل کا ذکر نہیں کیا۔ اُنھوں نے صرف اتنا کہا کہ فطرت اُولی وہ فطرت ہے جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اس سے مراد دین ہے۔ اور امام احمد نے بہت سے مواقع میں کہا ہے کہ کفار کے بچہ کے ماں باپ جب وہ تو مر جائیں یا اُن میں سے ایک مر جائے۔ تو اُس بچے کے اسلام کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس مسئلہ پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ امام احمد کے اس استدلال سے معلوم



Marfat.com

ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کا یہی معنی بیان کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحتہً مذکور ہے کہ اس ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر امام احمد کے نزدیک فطرت یعنی اسلام نہ ہو تو اس حدیث سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا اور دوسرے مقام میں امام احمد کا یوں کہنا کہ ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے بعضے شقی اور بعضے سعید ہوتے ہیں۔ اس کے منافی اور مخالف نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے شقاوت اور سعادت کو پہلے سے مقدر کر دیا۔ اور اُسے لکھ دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے لیے اسباب بھی مقدر کئے ہیں۔ مثلاً ماں باپ کا فعل بھی شقاوت اور سعادت کے اسباب میں سے ہے۔ غرض ماں باپ کا بچے کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بنا دینا اُن اسباب مقدرہ میں سے ہے۔ اور بچہ اپنی اصلی فطرت کے لحاظ سے صحیح و سالم پیدا کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ مقدر ہوا ہے کہ اس فطرت سلیمہ کو اُس کے ماں باپ بدل دیں گے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مضمون کے سمجھانے کے لیے جانور کے بچہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے۔ پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ کر اُس کی شکل بدل دیتے ہیں۔ اور آدمیوں کا یہ فعل اللہ تعالےٰ کی قضا وقدر سے واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم زاد بھی فطرت سلیمہ یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے والدین اُس کے فساد کا سبب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ اور امام احمد وغیرہ ائمہ نے حدیث کی تفسیر میں یہ کلمات (کہ ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ بعضے شقی اور بعضے سعید ہوتے ہیں) اس لیے ذکر کئے ہیں کہ قدریہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ کفر اور معاصی اللہ تعالےٰ کی قضا اور قدر سے واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کے موجد اور پیدا کرنے والے خود بندے ہیں۔ یعنی اللہ تعالےٰ

Marfat.com

نے کفر اور معاصی کو مقدر و مخلوق نہیں کیا۔ بلکہ بندوں نے اپنی طرف سے اُن کو پیدا کیا ہے۔ اور اسی واسطے جب لوگوں نے امام مالکؒ سے کہا کہ اس حدیث کے پہلے جملہ سے قدریہ ہم پر حجت قائم کرتے ہیں۔ تو امام مالک نے فرمایا کہ تم حدیث کے اخیر جملہ یعنی اللہ اعلم بما کانوا عاملین (اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر کیا کچھ اعمال کرتے) سے اُن پر حجت قائم کرو۔ امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں قدریہ کے لیے کوئی حجت اور دلیل موجود نہیں کیونکہ قدریہ اس بات کے تو قائل نہیں کہ کفار کے بچے کے والدین اُس میں یہودیت یا نصرانیت یا مجوسیت کو مخلوق اور پیدا کر دیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ باختیار خود یہودی یا نصرانی یا مجوسی بن جاتا ہے۔ اور والدین تلقین اور تعلیم کے ذریعہ سے اُس کے حصول کے لیے سبب ہوتے ہیں اور جب اُس کی یہودیت وغیرہ کو اس اعتبار سے ماں باپ کی طرف نسبت کرنا درست ہے۔ تو اللہ سبحانہ کی طرف جو تمام چیزوں کا خالق ہے۔ بطریق اَوْلیٰ منسوب کرنا درست ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اگرچہ اس کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے اُس تغیر و تبدل کو بھی مقدر کر دیا ہے۔ جو پیدائش کے بعد اس میں واقع ہو گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ خلقتہً کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی سے ایذا پہنچاتا۔ خلقتہً کافر پیدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ پیدائش کے وقت ہی اُس کی نسبت مقدر ہو چکا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کرے گا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ولادت سے پہلے یا ولادت کے وقت اس کا کفر موجود تھا۔ بلکہ ولادت کے وقت اس کا کفر موجود تھا بلکہ ولادت کے وقت وہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات مقدر تھی۔ کہ اس کے بعد اس کی یہ فطرت بدل جائے گی اور یہ کفر اختیار کرے گا۔ اور جس شخص نے یہ سمجھا

Marfat.com

ہے۔ کہ اس لڑکے کے قلب پر مہر لگا دی گئی تھی۔ جیسا کہ کفار کے بارے میں آیا ہے وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ (اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے) تو اس نے غلطی کی ہے کیونکہ یہ معنے حدیث کے الفاظ اور محاورہ کے خلاف ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت عیاض بن حماد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تبارک تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اُن کو فریب و دھوکا دیا۔ جو چیزیں میں نے اُن پر حلال کی تھی اور حرام کر دیں۔ اور میں نے اُن کو یہ حکم دیا تھا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ یہ حدیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سب کو توحید اور حنیفیت پر پیدا کیا ہے، اور اس کے بعد شیاطین نے دھوکا فریب دے کر لوگوں کو بگاڑا ہے۔ اور نیز اسود بن سریع کی حدیث سے جس کو احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا اس لشکر نے کفار کو بچوں سمیت قتل کر دیا۔ اس پر آپ نے ان کو عتاب فرمایا کہ تم نے بچوں کو کس لیے قتل کیا۔ اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مشرکوں کی اولاد تھے اس لیے ہم نے ان کو بھی مشرک سمجھ کر قتل کر دیا آپ نے فرمایا۔ کہ تم میں جو لوگ بہتر ہیں۔ کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ سمجھ بوجھ کر کلام کرنے کے وقت تک اسی حالت پر رہتا ہے (اس کے بعد کبھی تو اسی حالت پر ثابت رہتا ہے اور کبھی اس کے والدین اس کو یہودی۔ نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں) مشرکین کی اولاد کو قتل کرنے سے آپ کا منع فرمانا اور اس کے بعد اس حدیث کو بیان فرمانا اور نیز یہ ارشاد فرمانا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ان سب امور سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار کی اولاد پیدائش کے وقت کافر نہیں

Marfat.com

ہوتی۔ بلکہ کفر اس کے بعد طاری ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا یہ مطلب ہوتا کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی دو حالتیں ہیں۔ اگر تقدیر میں اس کا اسلام مقدر ہے۔ تو اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر کفر مقدر ہے تو کفر پہ پیدا ہوتا ہے۔ تو آپ نے مشرکین کی اولاد کو قتل کرنے سے نہی اور منع کے لیے جو اس حدیث کو بطور استدلال بیان فرمایا۔ یہ درست نہ ہوگا۔ بعض نے یوں سمجھا ہے کہ آپ کے فرمان دکہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں، کا یہ مطلب ہے کہ کبھی اللہ تعالٰے کے علم میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ یہی ممکن ہے۔ کہ خدا تعالٰے کے علم میں اس طرح ہو کہ اگر زندہ رہتے تو وہ ایمان لے آتے اور آنحضرت صلعم نے اس احتمال کی وجہ سے منع فرمایا۔ مگر یہ حدیث کے مضمون کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو سابقین اولین ہیں اور یہ مشرکین کی اولاد ہیں کیونکہ ان کے باپ دادا کافر تھے۔ پھر خدا نے بیٹوں کو دولت ایمان نصیب فرمائی۔ غرض یہ ہے کہ اولاد جب خود مسلمان ہو تو مشرک کی اولاد ہوتا اس کے لیے کوئی مضر نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ ہر ایک شخص کو اس کے اپنے اعمال کی جزا دے گا۔ ماں باپ کے عمل سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ کافروں سے ایمان والے اور ایمان والوں سے کافر پیدا کرے۔ جیسا کہ زندہ سے مردے کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔

**فصل** ۔ یہ حدیث ایسے متعدد الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کرتے ہیں پس صحیحین میں اس طرح ہے ابن شہاب سے مروی ہے وہ ابوسلمہ سے وہ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت ہی پہ پیدا ہوتا

Marfat.com

ہے پھر اس کے ماں باپ اُس کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ جس طرح کہ چوپائے جانوروں کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ مواشی کا کوئی بچہ کان کٹا پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ اس کی تصدیق کے لیے یہ آیت پڑھو فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ جو لوگ بچپن ہی میں مر گئے اُن کا کیا حال ہے آپؐ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا کام کرتے۔ حدیث کے یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور نیز صحیح بخاری میں ہے زہری کہتے ہیں کہ ہمارا دستور ہے کہ جو بچہ فوت ہو جائے گو مشرکین کی اولاد میں سے ہو۔ ہم اُس پر اس لیے نماز جنازہ پڑھا کرتے ہیں کہ وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ زندہ پیدا ہو۔ مثلاً پیدا ہونے کے وقت آواز وغیرہ سے اُس کی حیاتی متیقن ہو اور جو مردہ پیدا ہو اُس پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ اور ہمارا دستور اس بارے میں یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اُس کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں جیسا کہ چوپائے جانوروں کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی بچہ کبھی تم کو کان کٹا نظر آیا ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ یہ آیت پڑھتے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اور صحیحین میں بروایت اعمش مروی ہے کہ ہر ایک بچہ ملت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے اور ابن معاویہ کی روایت میں ہے کہ اس ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھ بوجھ کر کلام کرنے لگے۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک بچہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن شہاب زہری نے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اور ابو ہریرہؓ

Marfat.com

کا اس کی تصدیق اور استشہاد کے لیے آیت مذکورہ کو پڑھنا اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ ابن شہاب سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص پر مومن غلام کا آزاد کرنا واجب ہے۔ تو اگر وہ شیر خوار بچے کو آزاد کر دے تو کیا اُس سے واجب ادا ہو جائے گا۔ ابن شہاب نے جواب دیا کہ بے شک اُس کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ ابو عمر نے حدیث کی تفسیر میں اختلاف بیان کرتے ہوئے یوں کہا ہے۔ کہ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے یہاں اسلام مراد ہے اور کہا ہے کہ اکثر سلف کے نزدیک یہی معنی معروف و مشہور ہیں۔ اور اللہ تعالٰے کے قول فِطْرَتَ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا کی تفسیر کے متعلق تمام اہل تفسیر کی یہی رائے ہے کہ فطرت اللہ سے دین اسلام مراد ہے۔ اور اہل تفسیر نے ابو ہریرہؓ کے قول (اگر تم چاہو تو آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا کو پڑھو) سے جو اسی حدیث میں موجود ہے استدلال کیا ہے۔ اور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کے متعلق عکرمہ۔ مجاہد۔ حسن ابراہیم۔ ضحاک اور قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ فطرۃ اللہ سے اللہ تعالٰے کا دین اسلام مراد ہے۔ اور لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا یہ معنے ہے کہ اللہ کے دین کے لیے تبدیلی نہیں۔ اور عیاض بن حماد مجاشعی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں سے فرمایا۔ کہ میں تم کو وہ بات نہ بتلاؤں جو اللہ تعالٰے نے مجھے (قرآن کے متعلق) بتلائی ہے اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد سب کو موحد۔ حنیف مسلمان پیدا کیا۔ اور اُن کو حلال مال عطا فرمایا۔ جس میں حرام کا نام ونشان نہ تھا۔ پھر اُنہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اپنی طرف سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال ٹھیرایا۔ آخر حدیث تک۔ اور ایک دوسری سند کے ساتھ بھی اس حدیث کے الفاظ ایسے ہی مروی ہیں۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اس حدیث

Marfat.com

کہ قتادہ نے مطرف بن عبداللہ سے اُس نے عیاض سے روایت کیا ہے۔ اور مطرف سے قتادہ کا سماع ثابت نہیں۔ لیکن قتادہ کا قول ہے کہ مجھ سے تین شخصوں عقبہ بن عبدالغافر۔ یزید بن عبداللہ بن الشخیر اور علا بن زیاد نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ اور یہ تینوں یُوں کہتے ہیں۔ کہ ہم سے مطرف نے اُس نے عیاض سے اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف (موحد) پیدا کیا ہے۔ اس روایت میں مسلمین کا لفظ مروی نہیں۔ اور حسن نے بھی مطرب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ایک ثقہ شخص سے اُس نے قتادہ سے باسناد اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے۔ اس میں بھی لفظ مسلمین مذکور نہیں ہے اس سے محمدؐ بن اسحاق کے حفظ ضبط اور اتقان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُنہوں نے اسی حدیث کو ثور بن یزید سے بھی روایت کیا ہے۔ اور اُس میں لفظ مسلمین ذکر کیا اور جب قتادہ سے روایت کیا ہے تو اس لفظ کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ قتادہ کی روایت میں یہ لفظ مذکور نہیں اور ثور کی روایت میں موجود ہے واللہ اعلم۔ ابو عمر کا قول ہے کہ کلام عرب میں حنیف بمعنی مستقیم و مخلص ہے اور اسلام سے بڑھ کر کوئی استقامت نہیں۔ حسن سے مروی ہے کہ حنیف سے حج بیت اللہ مراد ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام مراد ہے۔ اور ضحاک اور سدی سے بھی ایسا ہی مروی ہے کہ اُنہوں نے حُنفاء بمعنی حُجّاج کہا ہے۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ حنفا بمعنی متبعین ہے ان سب اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حنیف سے اسلام مراد ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ کہ حنیف بمعنی مخلص ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا۔ (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ

ہماری سرکار کے ایک بندۂ فرماں بردار تھے اور مشرکوں میں سے (بھی) نہ تھے۔ د
قال تعالےٰ اصانہٗ ابراھیم حنیفا (ابراہیم کے طریقے پر ہیں جو ایک خدا کے ہو
رہے تھے) د قال تعالےٰ مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ (وہی
دین جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا اُسی خدا) نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے
تمہارا نام مسلمان رکھا، اور ہاں شاعر نے کہا ہے۔

اَخَلِیۡفَۃَ الرَّحۡمٰنِ اِنَّا مَعۡشَرٌ حُنَفَاءُ نَسۡجُدُ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا
عَرَبٌ نَرٰی لِلّٰہِ فِیۡ اَمۡوَالِنَا حَقَّ الزَّکٰوۃِ مُنَزَّلًا تَنۡزِیۡلًا

(اے اللہ کے خلیفے ہم وہ حنیف جماعت ہیں جو صبح و شام اللہ کو سجدہ کرتے
ہیں۔ ہم قوم عرب ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہمارے مالوں میں حق زکوٰۃ واجب
ہے اس کو اللہ نے قرآن میں نازل فرمایا ہے، شاعر نے حنیفیت کے وہ صفات
بیان کئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیفیت سے اسلام مراد ہے۔ اور یہ بات
ظاہر اور واضح ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اس
حدیث میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول خَمۡسٌ
مِّنَ الۡفِطۡرَۃِ (پانچ چیزیں سنت اسلام میں سے ہیں) سے بھی استدلال کرتے ہیں
اور ایک روایت میں عَشۡرٌ مِّنَ الۡفِطۡرَۃِ (دس چیزیں سنت اسلام میں سے ہیں) ہمارے
استاد فرماتے ہیں اس دعوے پر کہ اس حدیث میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔
بہت سے دلائل موجود ہیں اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو اس جملہ کے بعد صحابہؓ
کا یہ سوال کرنا (کہ یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد میں سے جو بچے مر جائیں ان کا کیا حال
ہوگا) بلا وجہ ہوگا کیونکہ فطرت سے جب پیدائش اول مراد ہو تو اس صورت میں کوئی
مغیر فطرت موجود نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے علم قدیم میں تغییر واقع نہیں ہوتا۔ اور
آپ کے قول (پھر اُس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں۔) سے معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ اُس کے ماں باپ اُس کی پہلی فطرت کو جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ بدل دیتے ہیں اور نیز آپ نے مواشی کی اولاد سے تشبیہ و تمثیل بیان فرمائی ہے۔ کہ جس طرح وہ صحیح و سالم پیدا ہوتی ہے۔ پھر پیدا ہونے کے بعد لوگ اُس کے کان۔ دُم وغیرہ کاٹ ڈالتے ہیں۔ اسی طرح بنی آدم بھی فطرت سلیمہ پہ پیدا ہوتے ہیں اور اس کے بعد پھر اس میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ اور نیز حدیث قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اور یہ آیت عام ہے۔ سب لوگ اس میں داخل ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے تمام لوگوں کو فطرت مذکورہ پہ پیدا کیا ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے فطرت کو اضافتِ مدح کے ساتھ اپنی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فطرت محمودہ ہے مذمومہ نہیں۔ چنانچہ اضافت مدح و تشریف کا قاعدہ ہے۔ جیسے دین اللہ بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ روح اللہ۔ کلمۃ اللہ وغیرہ کہ اضافت سے ان چیزوں کی مدح و تشریف مقصود ہے۔ اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فطرت سے اسلام مراد ہے۔ اور نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ (تو (اے پیغمبرؐ) تم تو ایک (خدا) کے ہو کر اس کے) دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے) پہلا جملہ اس بات کا قرینہ ہے۔ کہ فطرت سے اسلام مراد ہے۔ اور نیز فطرت سے اسلام ارادہ کرنا سلف صالحین کی تفسیر ہے ابن جریر کا قول ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمدؐ تم اپنے آپ کو اُس طرف متوجہ کرو۔ جس طرف اللہ نے تم کو متوجہ کیا یعنی اللہ کی طاعت بجا لاؤ کہ اُسی نے دین اور طاعت پہ پیدا کیا ہے۔ حنیف کا یہ معنی ہے کہ اللہ کے دین اور طاعت پر

Marfat.com

مستقیم رہو۔ فطرۃ اللہ سے اللہ سبحانہ کی وہ صفت مراد ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور جیسے ہم نے بیان کیا ہے اہل تفسیر اسی کے موافق بیان کرتے ہیں۔ پھر ابن زید سے روایت کیا ہے کہ فطرت اللہ سے اسلام مراد ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو ان کی پیٹھ سے پیدا کیا ہے۔ سب اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور مجاہد سے مروی ہے کہ فطرۃ اللہ سے دین اسلام مراد ہے پھر یزید بن ابی مریم سے روایت کیا ہے کہ عمرؓ نے معاذؓ بن جبل سے کہا کہ اے معاذ اس امت کی نجات کی دورو مدار کن چیزوں پر ہے۔ معاذ نے جواب دیا کہ تین چیزیں موجب نجات ہیں اوّل اخلاص اور یہ وہی فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ دوسری نماز اور یہ دین کی جزو اعظم ہے۔ تیسری طاقت اور یہی عصمت کا سبب ہے۔ اس پر عمرؓ نے فرمایا اے معاذؓ تو نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دین کے لیے تبدیلی نہیں اس میں بندوں کو اپنی طرف سے تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہیئے۔ ابن ابی نجیح نے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کی تفسیر کے متعلق مجاہد سے روایت کیا ہے۔ کہ اللہ کے دین کے لیے تبدیلی نہیں۔ اور نیز ذکر کیا ہے۔ کہ مجاہد نے اس جملہ کا مطلب پوچھنے کی غرض سے عکرمہ کے پاس آدمی بھیجا۔ عکرمہ نے جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جانوروں کی خصی نہیں کرنا چاہیئے۔ اس پر مجاہد نے کہا کہ عکرمہ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہاں خلق اللہ سے دین اللہ مراد ہے پھر استشہار کے طور پر پڑھا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ اور عکرمہ سے مروی ہے کہ خلق اللہ سے اللہ کا دین مراد ہے۔ اور سعید بن جبیر، ضحاک۔ ابراہیم نخعی اور ابن زید کا یہی قول ہے اور ابن زید، ابن عباسؓ عکرمہ اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کا یہ مطلب ہے۔ کہ جانوروں کو خصی نہیں کرنا چاہیئے اور ان دونوں قول میں کوئی منافات

Marfat.com

نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ اور ان کو ضرور سمجھاؤں گا تو جانوروں کے کان دھی، ضرور چیرا کریں گے اور ان کو سمجھاؤں گا تو خدا کی بنائی ہوئی صورتوں کو دھی) ضرور بدلا کریں گے، کیونکہ اُس دین کو بدلنا جس پر اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے گویا اُس کی پیدائش کو بدلنا ہے۔ اور خصی کرنا اور چوپاؤں کے کان کاٹنا یہ بھی اُس کی پیدائش کی تبدیلی ہے۔ اور اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دوسرے سے تشبیہ و تمثیل دے کر بیان فرمایا۔ غرض آدمی اپنے دین میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ اور جانوروں کی خلقت میں تبدیلی کی جاتی ہے۔ پس آدمیوں میں روحانی تبدیلی ہے اور جانوروں میں جسمانی۔

**فصل۔** اور جب فرقہ قدریہ اپنے مذہب پر اس حدیث سے استدلال کرنے لگے تو لوگوں نے اس حدیث کے متعلق کئی ایک ایسی تاویلیں نکالیں کہ جن سے حدیث کو اپنے معنی سے خارج کر دیا قدریہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کسی شخص کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ بچے کے ماں باپ اس کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور اہل سنت ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ تم حدیث کے اول اور آخر دونو کے قائل نہیں۔ اوّل کے اس لیے قائل نہیں۔ کہ تمہارے نزدیک کوئی شخص اسلام پر پیدا نہیں ہوا۔ اور تمہارے زعم میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو مسلمان یا کافر نہیں بنایا۔ بلکہ تمہارے خیال میں کفر و اسلام کے محدث اور موجد خود بندے ہیں۔ کسی نے اپنے کئے کفر پیدا کر لیا۔ اور کسی نے اسلام ایجاد کیا۔ کفر و اسلام اللہ خالق کے مخلوق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اتنا کام ہے کہ اُس نے دونو کو اسلام کی طرف مدعو فرمایا۔ اور ان کے شبہات کو دفع کیا۔ اور دونو کو یکساں قدرت عطا فرمائی اور سب لوگ کفر و اسلام ضدین کے قابل اور صالح ہیں۔ اور تمہارے نزدیک یہ درست نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنی خاص توفیق بخشے۔ اور

Marfat.com

قبول ایمان پر اُس کی اعانت فرمائے۔ جس سے وہ ایمان اختیار کرے۔ کیونکہ تمہارے زعم میں ایسا کرنے پر اللہ تعالےٰ قادر نہیں۔ اور اگر اللہ تعالےٰ اس پر قادر ہو۔ تو پھر کافر کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا ظلم ہے۔ اکثر قدریہ کا یہی قول ہے۔ اور ان میں سے ابو الحسین کا یہ قول ہے۔ کہ حق تعالےٰ مومن کو ایمان کے دواعی اور اسباب کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ اور دواعی اور قدرت کے وقت ایمان کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ درحقیقت اہل سُنت کے قول کے موافق ہے۔ اور اہل سنت قدریہ کو یہ بھی الزام دیتے ہیں کہ تم اس بات کے قائل ہو۔ قبول ایمان بدوں نظر و فکر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نظر و فکر کا وجود عقل پر موقوف ہے اور تمہارے نزدیک اللہ سبحانہ کی معرفت کا ضروری اور بدیہی طور پر حاصل ہونا یا اللہ تعالےٰ کا اس کو پیدا کر دینا محال ہے۔ اور حدیث کے آخر کے تم اس لیئے قائل نہیں کہ اس میں بچے کو یہودی یا نصرانی بنانا والدین کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ بچہ بڑا ہو کر یہودیت یا نصرانیت کو خود پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے ماں باپ کو یہ قدرت نہیں کہ وہ یہودیت یا نصرانیت کو اُس میں پیدا کر سکیں۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا انجام اللہ کو معلوم ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہونے کے بعد کس بات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اُسی اصلی فطرت پر قائم اور ثابت رہتے اور مومنین میں داخل ہوتے ہیں یا اُس فطرت کو تغیر و تبدل کر کے کافر بن جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ مخلوق کے خاتمے اور انجام کا اللہ سبحانہ کو پہلے سے علم حاصل ہے اور غالی قدریہ اس کے منکر ہیں۔ اور اسی انکار کی وجہ سے سلف نے ان کی تکفیر پر اتفاق کیا ہے۔ غرض حدیث کے جن الفاظ سے تم نے اپنے باطل دعوے پر استدلال قائم کیا تھا وہ الفاظ تمہارے موافق نہیں بلکہ تمہارے مخالف ہیں۔ اور غیر اللہ کو اس بات کی قدرت نہیں۔ کہ وہ کسی کے دل میں ہدایت

Marfat.com

یا گمراہی پیدا کر سکے۔ بلکہ یہ کام صرف اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ والدین بچے کی گمراہی کے باعث اور سبب ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی طرف ترغیب دیتے اور اس کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ اور خاص والدین کو اس لیے ذکر کیا ہے۔ کہ اکثر والدین ہی اس بات کے سبب ہوتے ہیں ورنہ اس پر حصر نہیں۔ بلکہ کبھی والدین کے سوا کوئی دوسرا شخص بچے کے گمراہ ہونے کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور کبھی والدین میں سے ایک ہی اس کو بدمذہب بنا دیتا ہے۔

**فصل۔** ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں جو فطرت مذکور ہے اس کے متعلق اہل علم کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور اسی طرح اطفال اور ان کے دنیا و آخرت کے حکم کی نسبت بھی اختلاف واقع ہے۔ ابن مبارک سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حدیث کا آخری جملہ اللہ اعلم بما کانوا عاملین اس کی تفسیر ہے۔ ابو عبیدہ نے ابن مبارک سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا۔ اور محمد بن حسن سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول اس وقت فرمایا تھا کہ ابھی لوگوں کو جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔ ابو عبیدہ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ جیسا ابو عبیدہ نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے ایسا ہی امام سے بھی مروی ہے۔ اور ابن مبارک اور امام مالک کے قول سے حدیث کے معنی کی توضیح اور اطفال کا پورا حکم کچھ مفہوم نہیں ہوتا۔ اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اطفال کی نسبت جب تک وہ بالغ نہ ہوں اور عمل کی حد کو نہ پہنچیں، کفر و ایمان جنت و نار کا کوئی قطعی حکم نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان کے باب میں توقف کیا جائے۔ اور جو کچھ محمد بن حسن سے نقل کیا ہے اس کی نسبت میرا خیال یوں ہے کہ محمد بن حسن نے اس مسئلہ کے جواب سے پہلو تہی کیا ہے۔ اور اس کا واقعی جواب بیان نہیں کیا۔ یا تو اس وجہ سے پہلو تہی کیا کہ یہ مسئلہ مشکل ہے۔ اس کا جواب سائل کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یا اس

Marfat.com

مسئلے کا جواب ان کو معلوم نہ ہوگا۔ یا کسی اور وجہ سے اس کے جواب سے پہلو تہی کیا ہے واللہ اعلم۔ اور محمد بن حسن کا یہ قول کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے حکم سے پہلے فرمائی تھی۔ اس کا کچھ مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اس سے محمد بن حسن کا یہ مطلب ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اہل علم کے نزدیک اللہ سبحانہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار میں نسخ جاری نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی گذشتہ یا آئندہ کی نسبت کوئی خبر دے اور پھر اُس خبر سے رجوع کرے۔ تو اس کا رجوع کرنا تین باتوں سے خالی نہیں یا وہ اپنے آپ کی تکذیب کرتا ہے یا خبر دینے میں اس سے غلطی ہو گئی تھی یا پہلی خبر اُس کو بھول گئی تھی۔ اور اللہ سبحانہ ان سب باتوں سے پاک اور اس کا رسول ان سے معصوم ہے۔ اور یہ بات کسی اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور نہ اس میں کسی کا خلاف ہے۔ اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو وہ ظاہر نہیں۔ اور محمد بن حسن کا یہ قول ذکر یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے حکم سے پہلے فرمائی تھی) یہ بجائے خود غلط ہے چنانچہ اسود بن سریع کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالجہاد کے بعد یہ حدیث فرمائی تھی پھر ابو عمر نے سند کے ساتھ حسن سے اُس نے اسود بن سریع سے حدیث روایت کی ہے اسود کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن لوگوں کو کیا ہوا کہ کفار کے بچے بھی مار ڈالے۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں ہر ایک بچہ فطرت (اسلام) ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ (سمجھ بوجھ کر) کلام کرنے لگے اور اُس کے والدین اُس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اس حدیث کو حسن سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ جن میں سے ابو بکر مزنی۔ علاء بن زیاد اور سری بن یحییٰ وغیرہ لوگ ہیں۔ اور یہ حدیث بروایت احنف بھی اسود بن سریع

Marfat.com

سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث بصری اور صحیح ہے۔ اور عوف اعرابی نے سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اولاد بھی فطرت پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مشرکین کی اولاد بھی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے استاذ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ کہ ابو عمر نے امام مالک اور ابن مبارک سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا آخری جملہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے علم سابق میں یہ بات ثابت ہے کہ اطفال بڑے ہو کر کیا عمل کریں گے۔ ان میں سے کون شخص ایمان لا کر جنت میں داخل ہو گا۔ اور کون کفر اختیار کر کے دوزخ میں جائے گا۔ پس قدریہ کا تقدیر کی نفی پر اس جملہ (کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے) سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور نیز اس بات پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کہ کفار کے بچے بہشت میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ امام مالک اور ابن مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا وہ حکم ہے جو آخر حدیث سے سمجھا جاتا ہے۔ اور محمدؒ بن حسن کے قول کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے۔ کہ محمدؒ بن حسن نے جب یوں سمجھا۔ کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی اولاد دنیا کے احکام کے لحاظ سے دین میں ماں باپ کے تابع ہوتی ہے اور اس پر کفار کے سب احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اُس پر نماز جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور نہ اس کو مسلمانوں کے گورستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان اُس کے وارث نہیں ہوتے اور اُن کو غلام بنا لینا درست ہے تو محمدؒ بن حسن نے یوں کہا کہ کوئی شخص اس حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال قائم نہیں کر سکتا کہ دنیا کے احکام کے لحاظ سے اطفال جب تک بالغ نہ ہوں مومنین کے حکم میں ہیں اور محمد بن حسن کا یہ فہم بالکل صحیح ہے لیکن اُن سے یہ غلطی ہوئی۔ کہ وہ سمجھے کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ دنیا کے احکام

Marfat.com

میں طفال کے لیے مومنین کا حکم ہے۔ اس لیے محمد بن حسن نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور جہاد سے پہلے کا یہ حکم ہے۔ کیونکہ جہاد سے کفار کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لینا درست ہے اور مومن کو غلام بنانا درست نہیں لہذا معلوم ہوا کہ جہاد کے حکم نے اس حدیث کو منسوخ کر دیا حالانکہ اس حدیث میں اطفال کے دنیاوی احکام کو بیان کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف اُس فطرت کو بیان کرنا مقصود ہے جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

**فصل۔** اس مقام میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ان الفاظ سے جو روایات حدیث میں وارد ہیں۔ مثلاً ہر ایک بچہ فطرت پر یا اسلام پر یا اُس ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ یا ہر ایک بچہ حنیف (موحد) پیدا کیا گیا ہے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ بچے کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی اس ملت کا علم حاصل ہوتا۔ اور وہ اپنے ارادہ سے اس پر قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں کسی چیز کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا (اور لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا (اور) اُس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے)، بلکہ ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت دین اسلام کی موجب اور مُقتضی ہے۔ یعنی اُن کے قرب اور محبت کو چاہتی ہے غرض نفس فطرت اپنے خالق کے اقرار۔ اُس کی محبت اور اُس کی اطاعت میں اخلاص کو مقتضی اور مستلزم ہے۔ اور فطرت کے لوازم اور مقتضیات بشرطیکہ مخالف اور معارض چیزوں سے محفوظ رہے۔ اُس کے [illegible] کے موافق بالتدریج پیدا ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ مطلب نہیں ہے کہ بچے کی فطرت میں قبول اسلام کی محض قابلیت ہوتی ہے اور یہ قابلیت یہودی اور نصرانی بنانے سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ قابلیت خود اسلام یا ملت یا حنیفیت نہیں۔ اور نیز یہ کہ تغیر

Marfat.com

فطرت کو صحیح و سالم جانور کے کان کاٹنے سے تشبیہ دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی جانور کی صفت قابلیت کو نہیں بدلتے۔ اور اگر بچے کی قابلیت متغیر اور زائل ہو جائے تو پھر رسول بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے سے اُس پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ اپنے خالق کی محبت۔ اُس کی ربوبیت کے اقرار اور اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اعتراف پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کو کوئی مخالف اور معارض پیش نہ آئے۔ تو وہ اسی حالت پر ثابت اور قائم رہے۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح بندے کو فطرۃً اُن چیزوں کے کھانے پینے کی محبت ہے جو اُس کے بدن کے لیے مفید اور متناسب ہیں۔ مثلاً دودھ جو اُس کے بدن کے لیے مناسب غذا ہے اس کو طبعًا مرغوب ہے۔ اسی طرح اپنے خالق کی محبت اُس کی ربوبیت کا اقرار اُس کے خلقی امر ہیں۔ اور یہ مضمون اللہ تعالےٰ کے اس قول رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو راہ دکھائی) اور اللہ تعالےٰ کے قول اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (جس نے (تمام مخلوقات کو) بنایا اور (بہت) درست بنایا اور جس نے (ہر ایک چیز کی غرض و مناسبت کا) اندازہ کیا اور (اُس کو اسی) رستہ لگا دیا) سے مستفاد ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے حیوانات کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ہر ایک کو اپنے منافع حاصل کرنے اور مضر چیزوں کے دفع کرنے کی راہیں سوجھا دی ہیں۔ اور مفید اور نافع چیزوں کی محبت اور مضر اور موذی چیزوں سے نفرت اور عداوت حاجت کے موافق تدریجًا اس میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جس طرح کہ کئی بدنوں کو ایسے عوارض پیش آ جاتے ہیں۔ کہ ان کی فطرت سلیمہ اور عادت صحیحہ کو فاسد اور خراب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض نفوس کو وہ موانع پیش آ جاتے ہیں۔ کہ وہ اصلی فطرت کو

Marfat.com

بگاڑ دیتے ہیں۔ اور اسی واسطے کہ جس طرح دودھ فطرۃً موغوب ہے۔ اسی طرح معرفت خالق خلقۃً محبوب ہے۔ فطرت کو دودھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب میں دودھ نوش فرمانے کو قبول فطرت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اور جب شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ اور شراب پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کو لے لیا (اور شراب کو چھوڑ دیا) اس پر یوں کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے اور اگر آپ شراب کو لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی جس طرح کہ دودھ کو بدن سے ایک خاص مناسبت ہے اور جس قدر وہ بدن کے لیے سب چیزوں سے زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح فطرت کو قلب کے ساتھ ایک خاص مناسبت اور اس کی درستی فطرت کے سوا کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

**فصل۔** ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے وہ خلقت مراد ہے۔ جس پر بچہ پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اس کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہو گو ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بچہ ایسی خلقت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ کہ جس کے سبب جب وہ معرفت کے درجہ کو پہنچتا ہے تو اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔ یعنی اس کی خلقت ان بہائم کی خلقت کے مخالف بنائی گئی ہے جو اپنی خلقت سے اپنے رب کی معرفت کو نہیں پہنچتے۔ اور فاطر یعنی خالق ہے۔ اور یہ لوگ بچے کے ایمان یا کفر پر پیدا ہونے کے منکر ہیں۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگر فطرت سے قدرت علی المعرفۃ ارادہ کرتے ہیں تو یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ محض قدرت علی المعرفۃ اس امر کی مقتضی نہیں کہ مولود حنیف اور قائم علی الملت ہو اور نیز جب ایسے شخص کی نسبت سوال کیا جائے جو بچپن میں مرجائے تو اس کے ماں باپ کے اس کی فطرت کو بدل دینے کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اور نیز بڑے میں بہ نسبت

Marfat.com

چھوٹے کے قدرت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ مشرکین کی اولاد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ہر ایک بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر قدرت مراد ہو تو قدرت کفار بالغین کو بھی حاصل ہے باوجودیکہ وہ مشرک اور مستحق قتل ہیں۔ اور اگر فطرت سے قدرت علی المعرفۃ اور اس کا ارادہ مراد ہے تو قاعدہ ہے کہ قدرت مع الارادہ مراد اور مقدور کے وجود کو مستلزم ہے اور ان کے قول کا یہ مطلب ہوا کہ وہ قدرت علی المعرفت اور اس کے ارادہ پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اور یہ ایمان کو مستلزم ہے۔

فصل۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ ایک دوسری جماعت کا یہ قول ہے کہ یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ کا یہ مطلب ہے۔ کہ ہر ایک بچہ اُس پیدائش پر ہوتا ہے۔ جس کے لیے خالق نے اُسے پیدا کیا ہے۔ یعنی اُس فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ جس کے لیے خالق نے اُسے بنایا ہے کہ وہ بلوغ کو پہنچ کر زندہ رہے گا۔ یا پہلے ہی سے مرجائے گا۔ اور جوان ہونے کے بعد سعید ہوگا۔ یا شقی۔ سعادت اور شقاوت میں سے کس بات کو اختیار کرے گا۔ اور فطرت سے ایمان واعتقاد مراد نہیں۔ کلام عرب میں فطرت بمعنے بدائت ہے اور یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے قول کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ (جس طرح تم کو پہلے (پیدا) کیا تھا اُسی طرح قیامت کے دن تم) دوبارہ بھی (پیدا) ہو گئے (اُسی نے) ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق ہے کہ گمراہی اُن (کے سر) پر سوار ہے) اور ابن عباس سے باسناد مروی ہے کہ مجھے فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے معنے معلوم نہ تھے یہاں تک کہ ایک دن دو اعرابی ایک کنوئیں کے متعلق مقدمہ لائے۔ تو ان میں سے ایک نے کہا اَنَا فَطَرْتُھَا (اُس کو ابتدائً میں نے بنایا ہے) اور نیز حضرت علیؓ کی دعا۔

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيْدِهَا
(اے اللہ شقی اور سعید قلوب کو اُن کی فطرت پر درست کرنے والے) سے استشہاد کرتے ہیں، ہمارے اُستاد فرماتے ہیں کہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ اُس حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالے کے علم سابق میں ثابت ہے کہ اس کا مآل اور انجام کس طرح ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اِس بات میں سب مخلوقات یکساں ہے۔ جمیع بہائم اور اشجار اُسی حالت پر مخلوق ہیں جو اللہ سبحانہ کے علم سابق میں ثابت ہے۔ پس اس معنے کے مطابق لازم آتا ہے کہ تمام مخلوق فطرت پر پیدا کی گئی ہے۔ اور نیز اگر یہ معنی مراد ہوں تو آپ کے قول (پھر اُس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں) کا کچھ مطلب نہ ہوگا کیونکہ اُنہوں نے اُس کے ساتھ وہی کام کیا ہے۔ جو اُس کی فطرت ہے اور جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس صورت میں یہودی۔ نصرانی بنانے یا اسلام کی تعلیم و تلقین کرتے یا اور کسی صنعت و حرفت کی تعلیم کرنے میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سب اللہ سبحانہ کے علم سابق کے مطابق ہیں۔ اور نیز مواشی کی اولاد کے ساتھ آپ کے تشبیہ دینے سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کافر والدین اُس حالت کو بدل دیتے ہیں۔ جس پر بچہ پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ مواشی کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُن کی خلقت و شکل کو آدمی بدل دیتے ہیں۔ اور نیز آپ کا قول کہ ہر ایک بچہ اس ملت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اور میں نے اپنے بندوں کو حنیف (موحد) پیدا کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور نیز اس صورت میں انسان کی ولادت اور دوسرے حالات میں کوئی فرق نہیں۔ نطفے کے ٹھہرنے کے وقت سے آخر عمر تک جتنے حالات گذرتے ہیں سب اللہ سبحانہ کے علم سابق کے مطابق ہیں۔ پس ولادت کی حالت کو اِس بات کے ساتھ خاص کرنا کہ وہ تقدیر اور اللہ تعالے کے علم سابق کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ اور

Marfat.com

حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ جب سے بچے میں روح پھونکی جاتی ہے۔ تو اسی وقت سے اس کا رزق۔ عمر۔ عمل۔ اور یہ کہ وہ سعید ہوگا یا شقی سب کچھ لکھدیا جاتا ہے پس اس بنا پر حدیث کے الفاظ اگر اس طرح ہوتے کہ ہر ایک بچے میں فطرت پر روح پھونکی جاتی ہے۔ تو اس کے مناسب ہوتے۔ اس کے علاوہ نفخ روح بھی کتابت رزق۔ عمر وغیرہ کے بعد واقع ہوتا ہے۔

**فصل**۔ ابو عمر کہتے ہیں محمد بن نصر مروزی کا قول ہے کہ یہ مذہب اس قول کے موافق ہے۔ جس کو ابو عبید نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ کہ ان سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس حدیث کا آخری جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ مروزی کا قول ہے۔ کہ احمد بن حنبل کا بھی پہلے یہی مذہب تھا پھر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ امام مالک نے جو کچھ موطا میں لکھا ہے اور ابواب قدر میں جس قدر آثار ذکر کئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں ان کا مذہب بھی یہی تھا۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں۔ کہ ان پیشوایان سنت کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کا خاتمہ اور انجام اسی حالت پر ہوتا ہے جو پہلے سے اللہ سبحانہ کے علم میں ثابت ہے۔ اگر اللہ تعالے کے علم میں ایمان ہے تو ایمان پر خاتمہ ہوگا اور کفر ہے تو کفر پر مرے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ کافر ہی پیدا کیا گیا تھا۔ یعنی پیدائش کے وقت اس کے حق میں یہ مقدر ہوا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر کرے گا جیسا کہ دوسری حدیث میں موجود ہے کہ آدمی جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس وقت اس کا رزق۔ عمر۔ عمل۔ اور یہ کہ سعید ہوگا یا شقی سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں۔ کہ جس کے حق میں یہ لکھا گیا ہے کہ وہ بڑا ہو کر کفر کرے گا۔ تو وہ پیدائش کے وقت بھی کافر ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کرے گا

Marfat.com

اور یہی کفر اُس کی فطرت کی تبدیلی ہے۔ جس کو ماں باپ کی طرف نسبت کیا گیا ہے جس طرح کہ مواشی کا بچہ صحیح وسالم پیدا ہوا اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت تھا۔ کہ اُس کے کان کاٹے جائیں گے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ پیدا ہوتے ہی اُس کے کان کاٹے ہوئے ہوں بلکہ ولادت کے بعد اُس کے کان کاٹے جائیں گے۔

**فصل۔** امام احمد کا وہ کلام جو اور لوگوں کے سوالات کے جواب میں کہا ہے اس بات پہ دلالت کرتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک اس حدیث میں فطرت یعنے اسلام ہے چنانچہ محمدؒ بن نصر نے اُن سے نقل کیا ہے کہ ان کا آخری قول یہی ہے۔ کیونکہ امام فرماتے تھے کہ کفار اہل حرب کے لڑکے اگر والدین کے بدول قید کئے جائیں۔ تو وہ مسلمان ہیں۔ اور اگر والدین کے ساتھ ہوں۔ تو وہ ان کے دین پہ ہوں گے۔ اور اگر والدین میں سے ایک کے ساتھ ہوں۔ تو اس صورت میں امام احمد سے دو روائتیں ہیں یعنی ایک روایت میں ہے کہ مسلمان شمار ہوں گے اور دوسری میں ہے کہ کافر سمجھے جائیں گے۔ اور امام احمد اسی مسئلہ پہ اس حدیث سے استدلال کرتے تھے۔ خلال نے اپنی جامع میں کہا ہے۔ ہم سے ابو بکرؒ مروزی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں۔ ہم سے عبداللہ نے بیان کیا کہ کفار میں سے جو لوگ قید کئے جائیں ان میں جو چھوٹے بچے ہوں وہ مسلمان شمار ہوں گے۔ اگرچہ والدین میں سے ایک کے ساتھ قید کئے جائیں۔ اور عبداللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (پھر ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں) سے استدلال کرتے تھے۔ عبداللہؒ کہتے ہیں کہ اہل ثغر یوں کہتے ہیں۔ کہ اگر کفار کا لڑکا ماں باپ دونو کے ساتھ ہو تو وہ اس کو اسلام پہ مجبور کریں گے۔ اور ہم ان کی اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔

Marfat.com

خلال نے کہا ہے ہم سے عبد الملک میمونی نے بیان کیا ہے۔ کہا کہ میں نے ابوعبداللہ یعنی امام احمد سے اُن کے محبوس ہونے سے پہلے کفار کے اُس بچے کی نسبت پوچھا جو ملک روم سے یہاں لایا جائے۔ اور اُس کے ماں باپ اُس کے ساتھ نہ ہوں۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ مر جائے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ میں نے پوچھا کیا اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ جب چھوٹے بچے ہوں۔ تو اُن پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے۔ میں نے پوچھا اگر اس کے ساتھ ملک باپ دونو یا اُن میں سے ایک مقید ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ اس صورت میں اس کو اسلام پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے اور وہ اپنے والدین کے دین پر ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے ماں باپ الخ اُنہوں جواب دیا ہاں یہی دلیل ہے۔ اور عمر بن عبد العزیز نے ایسے بچے کا فدیہ دے دیا۔ اور اُس کو ملک روم کی طرف واپس نہ کیا۔ اور کفار کے حکم میں ہے میں نے کہا کیا حدیث میں ہے۔ کہ اُس کے ساتھ اُس کے ماں باپ ہوں۔ اُنہوں نے کہا نہیں۔ اور مناسب یہی ہے۔ کہ اس کے ماں باپ اس کے ساتھ ہوں۔ خلال کہتے ہیں۔ میمونی نے جو روایت کیا ہے وہ ابوعبداللہ کا پہلا قول ہے اسحاق بن منصور نقل کیا ہے کہ ابوعبداللہ فرماتے تھے کہ جب کفار کے بچے کے ساتھ اس کے ماں باپ نہ ہوں تو وہ مسلمان ہے۔ لیثے کہا کہ جب اس کے ساتھ ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک ہو تو اس کو اسلام پر مجبور نہ کریں انہوں نے کہا ہاں اس صورت میں مجبور نہ کرنا چاہیئے۔ خلال کہتے ہیں اس مسئلہ کو ابوعبداللہؒ سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں۔ کہ کفار کا بچہ والدین میں سے جب ایک کے ساتھ قید ہو کر آجائے۔ تو وہ مسلمان

Marfat.com

ہے۔ اور ان لوگوں نے اس مسئلہ کو ابو عبداللہ سے اُن کے محبوس ہونے کے بعد اور بعض نے قبل اور بعد دونو حالتوں میں سُنا ہے۔ اور میرا مذہب وہی ہے جس کو جماعت نے روایت کیا ہے۔ خلال کہتے ہیں۔ ہم سے ابو بکر مروزی نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ میں واسط میں تھا۔ وہاں کے لوگوں نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک کافر مرد اور اس کی عورت دونو فوت ہو جائیں اور وہ دو صغیر السن بچے چھوڑ جائیں اور ایک ان کا چچا یعنی متوفی کا بھائی بھی موجود ہے۔ تو اس صورت میں وہ بچے مسلمان شمار ہوں گے۔ یا کافر بتلاؤ تم اس مسئلے میں کیا کہتے ہو۔ لوگوں نے یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بصرے کو خط لکھا اور کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے کچھ کہنا پسند نہیں کرتا مجھے مہلت دو تا کہ میں سوچ سمجھ لوں۔ شاید ان کے بارے میں سلف کا قول موجود ہو پھر ایک مہینے کے بعد دوبارہ میں نے اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس مسئلہ میں غور کیا ہے۔ غور کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور ان کے ماں باپ موجود نہیں۔ میں نے کہا ان کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق یہ مسلمان ہیں۔ اور یعقوب بن سحبان نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابو عبداللہ نے فرمایا ہے کہ جب ذمی لڑکے کے والدین اس کی صغر سنی میں فوت ہو جائیں تو وہ اسلام پر مجبور کیا جائے۔ اور استدلال کے طور پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور عبدالکریم بن ہیثم عاقولی نے امام احمد سے ان دو مجوسیوں کی نسبت رجن کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی نسبت یوں کہیں کہ یہ مسلمان ہے۔ پھر وہ بچہ پانچ سال زندہ رہ کر فوت ہو جائے (

Marfat.com

اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ ان کا وہ بچہ مسلمان ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ اس پر نماز جنازہ پڑھیں اور مسلمانوں کے گورستان میں اُس کو دفن کریں کیونکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور اُس کے ماں باپ نے تو یہ کہہ دیا تھا۔ کہ یہ مسلمان ہے۔ اور عبد اللہ بن احمدؒ کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے باپ سے کفار کی اُس قوم کی نسبت۔ دریافت کیا۔ جو اپنی لڑکیوں کو مسلمانوں کے نکاح میں اس شرط پر دیتے ہیں۔ کہ جو لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ باپ کے تابع اور مسلمان ہوگا۔ اور جو لڑکی پیدا ہوگی وہ ماں کے تابع یہودیہ یا نصرانیا ہوگی۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ لڑکا ہو یا لڑکی سب کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اُن کا باپ مسلمان ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں مسلمان باپ کی سب اولاد مسلمان ہوگی۔ اس قسم کے بہت سے جواب امام احمد سے منقول ہیں۔ امام احمد حدیث سے اِس بات پر استدلال کرتے ہیں۔ کہ لڑکے کے ماں باپ اگر دونوں کافر ہوں تب وہ کافر شمار ہوگا۔ اور اگر اس کے ساتھ والدین کافر مقید نہ ہوں۔ اُن میں سے ایک ہو یا کوئی نہ ہو۔ تو وہ کافر شمار ہوگا۔ پس اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو ماں باپ کے نہ ہونے سے لڑکا مسلمان شمار نہ ہوتا۔ حدیث کے الفاظ سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں اسلام کا ذکر نہیں۔ پس اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو یہ مسئلہ اِس حدیث سے ثابت نہ ہوتا۔ اور میمونی نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ فطرت سے دین مراد ہے اور یہی فطرت اولیٰ ہے۔ خلال کہتے ہیں۔ اور میمونی نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ فطرت سے دین مراد ہے۔ اور یہی فطرت اولیٰ ہے۔ خلال کہتے ہیں۔ مجھ سے میمونی نے بیان کیا ہے کہ اُس نے ابو عبداللہ سے کہا کہ اس مسئلہ کے متعلق کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ شبہ پیدا

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔ کہ جب بچے کے ماں باپ موجود ہوں۔ تو پھر اس کو مسلمان شمار نہیں کیا جاتا۔ تو اس پر ابو عبد اللہ نے فرمایا۔ کہ اگر بالفرض تم اس مسئلہ کو نہ مانو تو تم پر بھی شبہ ہو سکتا ہے۔ اس پر کچھ دیر تک ہم آپس میں بحث کرتے رہے۔ آخر میں نے ابو عبد اللہ سے کہا کہ آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے۔ اور آپ کس دلیل سے تمسک کرتے ہیں تو اُنہوں نے فرمایا۔ کہ دلیل وغیرہ میں جانتا نہیں اتنا کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ مسلم ہے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُس فطرت اولیٰ کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے کہا فطرت اولیٰ کیا چیز ہے کیا فطرت اولیٰ سے دین مراد ہے؟ اُنہوں نے فرمایا ہاں فطرت اولیٰ سے دین ہی مراد ہے۔ اور بعض لوگ فطرت اولیٰ کہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے استدلال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کا کیا قول ہے آپ اپنا قول بیان فرمائیے تاکہ مجھے آپ کی رائے معلوم ہو اُس پر اُنہوں نے کہا کہ میرا یہ قول ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت اولیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے اُستاد فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کا یہ جواب کہ بچہ فطرت اولیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ اور فطرت اُولیٰ سے دین مراد ہے۔ اسی قول کے موافق ہے کہ ہر ایک بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

**فصل**۔ امام احمدؒ کا یہ قول کہ ہر ایک بچہ اُس شقاوت یا سعادت پر پیدا ہوتا ہے جو اُس کی فطرت میں رکھی گئی ہے جس کی نسبت محمد بن نصر کہتے ہیں کہ امام احمد نے پہلے اِس طرح کہا تھا۔ اور پھر اس قول کو چھوڑ دیا اس کا بیان یہ ہے کہ خلال کہتے ہیں مجھ سے محمد بن یحییٰ کحال نے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے اس جملہ کل مولود یولد علی الفطرۃ کی نسبت پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ فطرت سے وہ فطرت مراد ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا

Marfat.com

گیا ہے کہ کون شقی ہوگا اور کون سعید اور فضل بن زیاد حبیل اور ابوالحارث نے بھی اُن سے ایسا ہی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابوعبداللہ کو یہ مسئلہ بیان فرماتے سُنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ فطرت سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ کہ فلاں شخص شقی ہوگا۔ اور فلاں شخص سعید۔ اور علی بن سعید نے بھی اُن سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے ابوعبداللہ سے کل مولود یولد علی الفطرۃ کی نسبت دریافت کیا انہوں نے کہا کہ فطرت سے شقاوت اور سعادت مراد ہے اور کہا کہ ہر ایک بچہ کا خاتمہ اس حالت پر ہوتا ہے۔ جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ اور حسن بن لواب سے مروی ہے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ سے مشرکین کی اولاد کی نسبت دریافت کیا اور میں نے کہا کہ ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بچہ فطرت پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں تو ان کو ابوبکر کا قول کچھ پسند نہ آیا اور فرمایا کہ مشرکین کے اطفال اُس فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔ جو ان کی خلقت میں داخل ہے یعنی اُس شقاوت یا سعادت پر مخلوق ہوتے ہیں۔ جو پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے اور اس مسئلہ کی دلیل حدیث کل مولد یولد علی الفطرۃ ہے۔ امام احمدؒ جس قول کی نسبت اُن کے بعض اصحاب یوں کہتے ہیں۔ کہ پہلے ان کا یہی قول تھا۔ بعد میں اُس کو چھوڑ دیا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ اور بعض نے ان سے تین روایتیں نقل کی ہیں۔ تیسری روایت یہ ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کرتے اور کوئی رائے نہیں لگاتے تھے۔

**فصل:** ہمارے استاد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اجماع اور وہ آثار جو سلف سے منقول ہیں۔ اُسی قول پر دلالت کرتے ہیں۔ جس کو ہم نے راجح قرار دیا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور خاتمہ اور مال ہر ایک کا اُس چیز پر ہوتا ہے جو پہلے سے اللہ تعالےٰ کے علم میں ثابت ہے۔ کہ شقی ہوگا یا سعید۔ عموماتیم کے تقدیر

Marfat.com

اور علم الٰہی کے مطابق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ پیدائش کے وقت ایسی فطرت سلیمہ پر پیدا نہ ہو جو معارض اور مخالف امور نہ ہونے کی صورت میں ایمان کی مقتضی اور مستلزم ہو۔ اور ابن عبدالبر نے سند کے ساتھ موسیٰ بن عبیدہ سے روایت کیا ہے۔ اور کہتے ہیں میں نے محمد بن کعب قرظی سے اللہ تعالےٰ کے قول کَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ کی تفسیر کے متعلق اس طرح سنا ہے کہ جس شخص کی خلقت کو اللہ سبحانہ نے ہدایت پر پیدا کیا ہے اگرچہ وہ اپنی عمر میں گمراہوں کے کام کرتا ہے۔ مگر اس کا انجام اور خاتمہ ہدایت پر ہوتا ہے۔ اور جس کی خلقت کو گمراہی پر بنایا ہے وہ اگرچہ پہلے اہل ہدایت کے اعمال کرتا رہے۔ مگر آخر کار وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس کی خلقت کو ضلالت پر پیدا کیا۔ اور ملائکہ کے ساتھ مل کر اہل سعادت کے کام کرتا رہا۔ مگر اس کا انجام اسی گمراہی پر ہوا جس پر اس کی خلقت پیدا کی گئی تھی۔ اسی واسطے اس کے حق میں فرمایا ہے وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (اور نافرمانوں میں سے تھا) اور ان جادوگروں کی پیدائش کو (جو فرعون کے حکم سے موسیٰ کے مقابلے کے لیے آئے اور موسیٰؑ کو سچا نبی سمجھ کر ان پر ایمان لائے تھے) ہدایت پر بنایا تھا۔ اگرچہ عمر بھر وہ گمراہوں کے کام میں پھنسے رہے تھے۔ مگر آخر کار اللہ تعالےٰ نے ان کو ایمان اور سعادت کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور ایمان و ہدایت پر ان کا خاتمہ ہوا۔ یہ قول جو محمد بن کعب سے منقول ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیز جس پر اللہ تعالےٰ نے بندوں کو ابتداءً پیدا کیا ہے حق تعالےٰ کی وہ نوشت ہے جس پر ان کا خاتمہ ہوگا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ خاتمہ اور انجام سے پہلے بعض بندوں سے اس نوشت کے مخالف اعمال صادر ہوں گے۔ اور جس شخص کی پیدائش گمراہی پر ہے یعنی اس کے حق میں لکھا گیا ہے کہ وہ گمراہ ہو کر مرے گا کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ گمراہی سے پہلے اہل ہدایت کے کام کرتا رہے اور اس وقت ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ بچے کا اس فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا جو ہدایت کی مقتضی

Marfat.com

ہو۔ اس قول کے مخالف و معارض نہیں کیونکہ فطرت سلیمہ کو ایسے امور پیش آجاتے ہیں جو اُس کو اُس طرف لگا دیتے ہیں جس پر تقدیر میں اُس کا خاتمہ لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ تم میں بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ اہل جنت کے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اُن پر اُن کی قسمت غالب آجاتی ہے۔ اور وہ اہل دوزخ کا کام کر کے دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور بعضے ایسے ہیں جو ہمیشہ اہل دوزخ کے کام کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک اُن کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اُن پر نوشت غالب آجاتی ہے۔ اور وہ اہل جنت کا کام کر کے جنت میں چلے جاتے ہیں۔ اور جملہ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ کی تفسیر کے متعلق سعید بن جبیر کا قول ہے کہ تمہارا انجام وہی ہو گا جو پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اور اُسی کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ شقاوت یا سعادت جو کچھ مقدر ہو چکی اُسی پر خاتمہ ہو گا۔ اور نیز ان کا قول ہے کہ اس جملہ کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کو مسلمان بحالت اسلام اور کافر بحالت کفر مبعوث ہوں گے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ بندے حق تعالےٰ کے اُس علم کی طرف عَود کریں گے جو اُن کی نسبت اُس کو حاصل ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے فَرِیْقًا ہَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْہِمُ الضَّلٰلَۃُ میں کہتا ہوں کہ یہ مضمون بجائے خود صحیح ہے۔ اور اس پر قرآن کریم۔ حدیث۔ سلف صالحین کے آثار۔ اور اہل سنت کا اجماع دال ہیں۔ مگر اس میں کلام ہے کہ اس آیت کا یہی مطلب ہے یا نہیں۔ اور آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مضمون وہی ہے جو اس قسم کی دوسری آیات کا مضمون ہے جن سے حق تعالےٰ دُنیا سے آخرت پر اور مبداء سے معاد پر استدلال بیان فرماتا ہے۔ اور اس استدلال کو یہاں نہایت اختصار مگر پوری وضاحت کے حکم۔ بیان کیا اور فرمایا ہے کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ وہ آیات

Marfat.com

جن میں اس قسم کے استدلال کو بیان فرمایا ہے۔ قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہیں چنانچہ فرمایا ہے یَا یُّهَا النَّاسُ اِن کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ (اگر تم کو قیامت کے دن پھر جی اٹھنے میں کسی طرح کا شک ہو تو ہم نے تم کو ابتدا میں مٹی سے پیدا کیا ہے) وَقَالَ تَعَالٰی وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ (اور لگا ہمارے نسبت باتیں بنانے اور اپنی اصالت کو بھول گیا) وقال تعالیٰ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی (کیا انسان ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کو دبلا بار پرس) یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا (ابتدا میں) وہ منی کا ایک قطرہ نہیں رہا۔ جو (عورت کے رحم میں) ٹپکائی گئی تھی۔ پھر لوتھڑا ہوا پھر خدا نے اس کو (دوسری صورت کا) بنایا۔ پھر اس کے جوڑ بند درست کئے، اللہ تعالیٰ کے قول اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی (کیا وہ خدا جس نے یہ کچھ کیا قیامت میں، مردوں کے جلا اٹھانے پر قادر نہیں) تک وقال تعالیٰ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ۔

(تو انسان کو چاہیئے کہ (اور نہیں اتنی ہی بات کو) دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ پیدا کیا گیا ہے پانی (یعنی قطرۂ منی) سے جو (انزال کے وقت) اچھل کر نکلتا ہے۔ پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے بیچ میں سے بے شک وہ (آدمی کے مرے پیچھے) اس کے لوٹانے یعنی دوبارہ پیدا کرنے پر (بھی) قادر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو انسان کے مرنے کے بعد اس کو زندہ کرکے دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے۔ معنی آیت کے متعلق صحیح قول یہی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس معنی پر یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے قول فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ کے ساتھ کس طرح مرتبط ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ قول مذکور کے قائلین کو آیت کے معنی میں

Marfat.com

تاویل کرنے سے پیش آتا ہے اور جو شخص آیت کے معنی میں غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اِس جملہ کو جملہ فریقًا ہدٰی وفریقًا حق علیہم الضللۃ سے کمال ربط حاصل ہے وجہ ربط یہ ہے کہ یہ آیت دین کے علمی عملی اور اعتقادی قواعد اور اصول کو شامل ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ نے پہلے انصاف اور عدل کا حکم دیا ہے جو کہ شریعت اور دین کی حقیقت ہے اور توحید کو متضمن ہے کیونکہ اعلےٰ درجے کا انصاف اور عدل یہی ہے کہ اپنے خالق کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نیز یہ حکم معاملہ خلق میں انصاف کرنے اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے کو متضمن ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی عبودیت میں قائم رہنے اور اخلاص یعنی تنہا اُسی کی عبادت کرنے کو متضمن ہے۔ اِس قدر عملی قواعد واحکام پر شامل ہے۔ اُس کے بعد اللہ سبحانہ نے مبدأ اور معاد کو بیان فرمایا ہے اور یہ خبر مخلوق کے حدوث اور اُس کے دوبارہ زندہ کرنے کو متضمن ہے اور اس میں مبدا اور معاد پر ایمان لانے کی طرف اشارہ ہے پھر تقدیر کو جو کہ نظام توحید ہے بیان کیا اور فرمایا ہے۔ فَرِیقًا ھَدٰی وَفَرِیقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ۔ غرض یہ آیت تقدیر۔ شرع۔ مبدا اور معاد پر ایمان لانے اور عدل واخلاص کے ساتھ حکم کرنے کو متضمن ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس خبر کی تصدیق اور اُس حکم کی اطاعت نہیں کرتے وہ شیطان کے پیرو ہیں۔ خدا کے فرمانبردار نہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اور درحقیقت وہ گمراہ اور بھولے ہوئے ہیں۔

**فصل** :۔ ایک جماعت کل مولود یولد علی الفطرۃ کا مطلب بیان کرتی ہے کہ حق تعالےٰ نے مخلوق کو دو حالتوں پر پیدا کیا ہے بعضوں کو ایمان اور اپنی معرفت پر اور بعضوں کو کفر اور انکار پر یعنی اللہ سبحانہ نے جب اولاد آدم کو پیدا کیا۔ تو اُن سے عہد لیا اور فرمایا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ تو ہمارا رب ہے۔ اہل سعادت نے

Marfat.com

بہ اقرار طیب خاطر اور خوشی کے ساتھ کیا اور ان کو اللہ تعالٰے کی معرفت حاصل ہوئی۔ اور اہلِ شقاوت نے اس کو جبراً قبول کیا چنانچہ مندرجہ ذیل آیتوں سے اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔

قولہ تعالٰے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا (اور جو فرشتے آسمانوں رہیں ہیں) اور (جو لوگ) زمین میں ہیں چار و ناچار اُسی کے حکم بردار ہیں)

وقولہ تعالٰے كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۔

محمد بن نصر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو سنا کہ وہ ان آیات کا یہی مطلب قرار دیتے۔ اور ابو ہریرہؓ کے قول (اگر تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس الآیہ کو پڑھو) سے استدلال کرتے اور کہتے تھے کہ ہم سچ کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کی اس پیدائش میں جس پر اولاد آدم کو پیدا کیا ہے ہرگز کوئی تبدیلی نہیں۔ جس شخص کی پیدائش کفر پر ہوئی ہے وہ ضرور کافر ہوگا اور جو ایمان پر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ صاحب ایمان و معرفت ہوگا۔ اور اسحاق بن راہویہ نے آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ الآیہ سے استدلال کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ اس آیت میں پیدائش ارواح کا بیان ہے کہ حق تعالٰے نے ان کو بدنوں سے پہلے پیدا کیا اور اُن سے اقرار لیا اور ان کو خود ان کی ذات پر گواہ بنایا۔ اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے اقرار کیا کہ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو کہیں یہ نہ کہنا کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے یا ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک اختیار کیا۔ اور ہم بے خبری سے ان کی تقلید میں پڑے رہے اور اسحاق نے اس کے ثبوت میں ابی بن کعب کی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ جس میں

Marfat.com

اُس لڑکے کا ذکر ہے جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا اسحاق کہتے ہیں کہ ظاہر بات وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ۔ (کیا آپ نے ایک معصوم شخص کو مار ڈالا (اور وہ بھی) کسی (خون کے) بدلے نہیں) اور خضر کو اللہ سبحانہ نے اُس لڑکے کی وہ فطرت تبلادی تھی جس پر اس کو پیدا کیا تھا۔ اور اللہ تعالے کی بنائی ہوئی خلقت کے لیے تبدیلی نہیں۔ لہذا خضر کو اس کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ فطرۃً کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے۔ وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ (اور وہ لڑکا کافر تھا اور اُس کے ماں باپ مومن تھے۔

اسحاق کہتے ہیں اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اطفال کا حکم بیان نہ فرماتے تو لوگوں کو معلوم نہ ہوتا کہ کونسے بچے مومن ہیں اور کونسے کافر کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ اطفال کہ جب آدمؑ کی پیٹھ سے نکالا گیا ہے تو اس وقت ان کی خلقت کس بات پر ہوئی ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطفال کا دنیاوی حکم بیان فرمادیا ہے کہ بچوں کے والدین ان کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کی فطرت اولی معلوم نہیں لیکن دنیاوی احکام میں وہ اپنے والدین کے تابع ہیں۔ والدین کے لحاظ سے اُن کے کفر و اسلام کا حکم ہوگا پس جس صغیرسن بچے کے والدین مسلمان ہوں تو دُنیاوی احکام کے لحاظ سے وہ مسلمان شمار ہوگا۔ اور یہ بات کہ اس کا خاتمہ کس بات پر ہوگا۔ ایمان پر ہوگا یا کفر پر سو یہ حق تعالےٰ کو معلوم ہے اور اسی واسطے اس علم کے لحاظ سے خضر علیہ السلام کو موسےٰ پر علم میں فضیلت دی گئی کیونکہ اس غلام کے بارے میں حق تعالےٰ نے خاص خضرؑ کو مطلع کر دیا تھا۔ اسحاق کہتے ہیں۔ کہ کسی نے مسلمانوں اور کافروں کے اطفال کی نسبت ابن عباسؓ سے سوال کیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اس باب میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام

Marfat.com

کا مناظرہ کافی ہے۔ اسحاق کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رض کو دیکھو کہ جب انصار کا ایک بچہ جس کے والدین مسلمان تھے فوت ہو گیا۔ اور اس کی نسبت حضرت عائشہ رض نے یوں کہا کہ یہ بچہ کیا خوش نصیب ہے کہ یہ جنت کی چڑیوں یعنی جنت کے باشندوں سے ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا اے عائشہ ٹھہرو یہ بات مت کہو تم کو کیا معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی کیونکہ حق تعالےٰ نے جنت کو بنایا اور اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کی ہے اور اسی طرح دوزخ کو بنایا اور اس کے واسطے بھی ایک خلقت کو پیدا کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ اہل علم کا اسی اصول پر اعتماد ہے۔ حماد بن سلمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کل مولود یولد علی الفطرۃ کی نسبت کسی نے سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث اخذ میثاق کے بارے میں ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ حماد کے قول کا یہ مطلب ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ان کی پیٹھ سے ان کی تمام اولاد جو قیامت تک پیدا ہو گی۔ ظاہر فرمائی اور ان سے اقرار لیا اور یوں فرمایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے اقرار کیا کہ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں کہ ائمہ مذکورین کا اصل مقصود صحیح ہے۔ ان کا اصل مقصود یہ ہے کہ فرقہ قدریہ کا تقدیر کے انکار پر اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن اور حدیث کی ایسی تفسیر کی جائے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے خلاف ہو۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کی تفسیر وہی کرنی چاہیئے جو اللہ رسول کی مراد کے موافق ہو۔ اور جو بات دلیل سے ثابت ہو اس کا اتباع ضروری اور واجب ہے۔ اور آئمہ کا یہ قول کہ حق تعالےٰ بعض بندوں کو ایمان اور معرفت پر اور بعض کو کفر اور انکار پہ پیدا کیا ہے، اور اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ حق تعالےٰ کے علم اور تقدیر میں پہلے سے ثابت ہے

Marfat.com

کہ بعضے ایمان لائیں گے اور بعضے کفر اختیار کریں گے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی مشیت خلق اور قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ تو یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے۔ فرقہ قدریہ اس کے مخالف ہیں۔ ان میں جو لوگ غالی اور حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ کے علم کے منکر ہیں۔ اور حق تعالےٰ کے عموم خلق۔ مشیت اور قدرت کے تو یہ سب منکر ہیں۔ اور اگر اس قول کا یہ مطلب ہے۔ کہ اخذ میثاق کے وقت بعض آدمیوں میں ایمان ومعرفت اور بعض میں کفر وانکار موجود تھا۔ جیسا کہ اس قول کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے جو اسحاق سے منقول ہے۔ تو یہ دو چیزوں کو متضمن ہے۔ ایک یہ کہ اس وقت معرفت وایمان ان میں موجود تھا چنانچہ بہت سے سلف صالحین اس کے قائل ہیں اور اسی پر اسحاق نے اجماع نقل کیا ہے۔ اور آیت کی تفسیر میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اسی طرح ارواح کے اجساد سے پہلے مخلوق ہونے کے متعلق دو قول ہیں جو اہل علم کے درمیان مشہور ہیں۔ مگر یہاں یہ مقصود ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو اس سے اطفال کی معرفت اور ایمان پر پیدا ہونے کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات اُن احادیث کے مخالف نہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر ایک بچہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور حق تعالےٰ نے اپنی تمام مخلوق کو حنیف (موحد) پیدا کیا ہے بلکہ یہ اس کے لیے موئد ہے۔ باقی یہ قول کہ بعض ارواح نے اس اقرار کو مانا۔ اور بعض نے انکار کیا سوسدی کے سوا سلف میں سے کسی سے منقول نہیں۔ البتہ سدی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جب حق تعالےٰ نے آدم کو جنت سے نکالا۔ تو آسمان سے نیچے اُتارنے سے پہلے اُن کی پیٹھ کی داہنی جانب ہاتھ پھیرا اور اُس سے ان کی ایسی اولاد کو ظاہر کیا جو موتی کی طرح سفید چمکتی ہے۔ اور اُن سے فرمایا کہ تم میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور پیٹھ کی بائیں جانب پھیرا اور اس سے ان کی ایسی اولاد کو ظاہر کیا جن کے رنگ سیاہ ہیں۔ اور ان سے

Marfat.com

فرمایا کہ دوزخ میں چلے جاؤ۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالے کے کلام میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال سے یہی دونو گروہ مراد ہیں۔ پھر اُن سے عہد لیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں۔ سب نے اقرار کیا کہ بے شک تو ہمارا رب ہے مگر بعض نے خوشی کے ساتھ اقرار کیا اور بعض نے ناخوشی سے تقیہ کے طور پر۔ پھر اللہ تعالے اور ملائکہ نے کہا کہ ہم تمہارے اِس اقرار کے گواہ ہیں تاکہ قیامت میں تم کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم اِس بات سے بے خبر تھے۔ پس ہر ایک بنی آدم کو اللہ کی ربوبیت کا علم و معرفت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (اور جو فرشتے آسمانوں میں ہیں) اور (جو لوگ زمین میں ہیں چار و ناچار اُسی کے حکمبردار ہیں وقال تعالے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاۤءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اے پیغمبران سے) کہو (کہ تم ہارے) اور اللہ کی حجت (تم پر) تمام ہوئی پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا) یعنی اللہ تعالے چاہتا تو جس دن اُس نے اقرار لیا تھا۔ تو سب کو ہدایت کر دیتا۔ ہمارے اُستاد فرماتے ہیں۔ یہ اثر جو سدی نے نقل کیا ہے۔ قابل اعتبار نہیں کیونکہ سدی کی تفسیر میں بہت سی ایسی روایات ہیں جو یقیناً غلط اور جھوٹی ہیں۔ گو سدی ثقہ شخص ہے مگر اُس کی تفسیر رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے۔ اور ایسے آثار اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوں تو زیادہ سے زیادہ حدیث مرسل کے حکم میں ہو سکتے ہیں۔ اور جبکہ یہ اہل کتاب سے ماخوذ ہوں تو پھر ان کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی اثر کے غلط ہونے کے لیے تو صرف یہی بات کافی ہے کہ یہ ان تمام آثار کے مخالف ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اقرار ربوبیت میں مسلم۔ کافر سب لوگ مساوی ہیں۔ اور اللہ تعالے کا قول وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا اُس انقیاد اور تابعداری کی نسبت سے

Marfat.com

جو پیدا ہونے کے بعد مخلوق میں پائی جاتی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ میثاق لینے کے وقت مخلوقات نے طوعاً و کرہاً اطاعت ظاہر کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس اقرار کو اُن لوگوں پر حجت ٹھیرایا ہے۔ جو اس کی بھول جائیں گے اور اگر مجبوری سے اقرار کیا تھا۔ تو اس کے لیے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ میں نے درحقیقت تسلیم کے طور پر اقرار نہیں کیا تھا بلکہ محض مجبوری سے کہہ دیا تھا۔ کہ تو رب ہے ورنہ مجھے تیری ربوبیت کا علم نہیں۔ اور اس طرح یہ اقرار حجت نہیں ہوگا۔ اور امام احمد کا ابوہریرہؓ کے قول اگر تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے قول فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کو پڑھو) سے استدلال کرنا سو اس کا بیان یہ ہے کہ اس آیت کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ جملہ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ بمعنی نہی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ ابن جریر نے اُس کی تفسیر میں کہا ہے کہ تم اللہ کے اس دین میں تبدیلی نہ کرو۔ جس پر اس نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا قول اُنہوں نے ذکر نہیں کیا۔ دوسرا یہ کہ یہ جملہ ظاہر کے مطابق خبر ہے۔ چنانچہ اسحاق کا یہی قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پیدائش کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ اور چونکہ ظاہر الفاظ خبر ہیں اس لیے بغیر کسی دلیل کے ان کو نہی کہنا درست نہیں اور یہی بات صحیح ہے۔ غرض مطلب یہ ہے کہ جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور اس فطرت کے سوا کسی دوسری فطرت پر پیدا نہیں کئے جاتے۔ اور اسحاق کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پیدائش کے بعد فطرت میں تغیر واقع نہیں ہو سکتا بلکہ خود حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے۔ کہ بعد پیدائش فطرت میں تغیر واقع ہو سکتا ہے اور اسی واسطے جانوروں کے اس بچے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جو صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے۔ اور بعد پیدائش اُس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں۔ اور جانوروں کا کوئی بچہ خصی یا کان کٹا پیدا نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے شیطان کے قول کو بیان فرمایا ہے وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ
اور میں ان کو ضرور سمجھاؤں گا۔ تو وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بدل دیا کریں گے)
اور اللہ سبحانہ کو قدرت ہے کہ بندے اس کی مشیت اور قدرت سے اس کی پیدائش
اور فطرت میں تغیر واقع کریں۔ بلکہ تبدیل خلق کا یہ مطلب ہے کہ اس فطرت کے سوا جس پر
اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے کسی دوسری فطرت پر پیدا کئے جائیں اور اس بات پر
سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی حکمت سے کیسا نہیں کرتا۔ کہ ان
کو اس فطرت کے سوا کسی دوسرے فطرت پر پیدا کرے۔ چنانچہ فرمایا ہے لاتبدیل
لخلق اللہ اور حق تعالیٰ نے اس جملہ کے بجائے لاتغیر لخلق اللہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ تبدیل کا
یہ معنی ہے کہ پہلی چیز جاتی رہے۔ اور اس کے بجائے دوسری پیدا ہو اور تغیر کا یہ مطلب
ہے کہ اسی چیز میں کچھ تغیر اور فرق واقع ہو اور جب ولادت کے بعد خلقت میں تغیر واقع
ہو گا تو وہی خلقت بعینہٖ باقی نہ رہے گی۔ اور یہ قول کہ جس خلقت پر بنی آدم پیدا کئے
گئے ہیں۔ اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ جو کفر پر پیدا کیا گیا ہے وہ کافر ہی رہے
گا۔ اور جو ایمان پر پیدا کیا گیا ہے وہ ایمان پر رہے گا۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے
کہ جو کفر یا ایمان تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے۔ اس کا خلاف واقع نہیں ہوتا تو یہ
صحیح ہے لیکن۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ کفر کو ایمان سے اور ایمان کو کفر سے
بدلنا محال اور قدرت سے خارج ہے بلکہ بندے کو قدرت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے
حکم کے مطابق ایمان کو اختیار اور اس کے نہی کے موافق کفر کو ترک کرے۔ اور
نیکیوں کو برائیوں سے اور برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ (مگر ہاں، جس سے کوئی
قصور سرزد ہو جائے پھر اس، قصور کے بعد نیکی کرنے لگے) اور یہ سب تبدیلی حق تعالیٰ
کی قضا و قدر سے واقع ہوتی ہے۔ اور یہ اس فطرت کی تبدیلی کے خلاف ہے جس پر بندے

Marfat.com

پیدا کئے گئے۔ کیونکہ اس میں تبدیلی کرنا صرف اللہ کا کام ہے اور اللہ سبحانہ اس فطرت کے سوا کسی دوسری پر ان کو پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس میں تبدیلی واقع نہیں۔ اور کفر کو ایمان سے یا ایمان کو کفر سے بدلنا اِس قسم کی تبدیلی اللہ تعالےٰ کی طرف سے موجود ہے اور اللہ تعالےٰ کے قدرت دینے سے بندے کو اس پر قدرت حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ کے قول فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (تو دا اے پیغمبرؐ) تم تو ایک (خدا) کے ہو کر اُس کے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے۔ جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) سے یہ مطلب ظاہر ہے۔ فطرت اولیٰ جس پر اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ ایک محمودہ فطرت ہے کہ جس پر اپنے نبیؐ کو قائم رہنے کا حکم فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس پر قائم رہنے کا حکم فرماتا ہے۔ تو پھر کفر و ایمان کی طرف اس کا منقسم ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق "سلف صالحین کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے کہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دین کے لیے تبدیلی نہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ جانوروں کو خصی وغیرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ کہ بندے کے احوال کے لیے تبدیلی نہیں کہ کفر سے ایمان یا ایمان سے کفر کی طرف نہیں پھر سکتا۔ کیونکہ ایسی تبدیلی موجود ہے اور جہاں یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کا وقوع تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو آئندہ کے تمام واقعات کا بھی علم ہے۔ لہٰذا یہ تبدیلی اُس کے علم کے خلاف واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ جب تبدیلی واقع ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے علم میں ایسا ہی تھا۔ اور اُس لڑکے کی نسبت جس کو خضرؑ نے قتل کیا تھا۔ یوں آیا ہے۔ کہ جس دن وہ پیدا کیا گیا تھا۔ اُس دن وہ کافر بنایا گیا تھا۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اُس کے حق میں اُسی دن سے

Marfat.com

کفر مقدر اور مکتوب ہو چکا تھا۔ چونکہ اُس کی نسبت لفظ طبع مستعمل ہوا ہے جس کے معنی بیاں لکھنے کے ہیں۔ اور اکثر لوگ لفظ طبع کو بمعنی طبیعت یعنی خلقت و جبلت استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خلقت کفر پر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی نسبت قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ وہ نابالغ اور غیر مکلف تھا۔ بلکہ ابن عباس کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس وقت کافر تھا۔ اور اُس کی نسبت لفظ غلام (لڑکا) کا استعمال کرنا اس کے مکلف ہونے کے مخالف نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ بالغ اور مکلف اور تھوڑے عرصہ سے حد بلوغ کو پہنچا ہو اس لیے اس کو غلام کہا گیا۔ اور موسیٰ کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغ تھا۔ کیونکہ موسیٰ نے خضر کو یوں نہیں کہا کہ تو نے ایک صغیر سن بچے کو ناحق مار ڈالا بلکہ یوں کہا کہ ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالا۔

البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث صحیح بیں دو وجہ ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نابالغ تھا۔ وجہ اول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت ایک ایسے لڑکے کے پاس سے گذرے جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر وہ بالغ ہوتا تو اپنے والدین کو کفر اور سرکشی سے تکلیف پہنچاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک بالغ نہیں ہوا تھا۔ اس واسطے ہم دونوں صورتوں پر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ لڑکا اگر بالغ تھا اور بلوغ کے بعد اسے کفر اختیار کیا تھا۔ تو اس صورت میں تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ وہ اُس کفر کے سبب قتل کیا گیا تھا جو بلوغ کے بعد اُس سے واقع ہوا تھا۔ اور اگر نابالغ تھا تو شاید اُس شریعت میں یہ حکم ہو کہ جب لڑکے میں عقل و تمیز پیدا ہو جائے تو قبل بلوغ ہی وہ مکلف با لاحکام ہوتا۔ اور اگر قبل بلوغ احکام کے ساتھ تکلیف درست نہ ہو۔ تو توحید اور معرفت الہٰی کے ساتھ مکلف

Marfat.com

ہونا تو کوئی محال نہیں چنانچہ بہت سے متکلمین وفقہائے حنفیہ وحنابلہ وغیرہ اس کے قائل ہیں۔ پس اِس بنا پر ممکن ہے کہ وہ قبل بلوغ ایمان کے ساتھ مکلف ہو اگرچہ احکام شرع کے ساتھ مکلف نہ ہو۔ اور صبی عاقل کا کفر اکثر علما کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ اور جب دین سے پھر جائے۔ تو وہ مرتد شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن بالغ ہونے تک اس کو قتل کرنا درست نہیں۔ پس وہ لڑکا جس کو خضر نے قتل کیا۔ یا تو وہ کافر بالغ تھا یعنی بعد بلوغ اُس نے کفر اختیار کیا تھا۔ تو اس صورت میں تو کوئی اشکال نہیں یا نابالغ تھا۔ مگر اُس شریعت میں شاید مکلف بالاحکام نہ ہو بلکہ صرف توحید اور معرفت الٰہی کے ساتھ مکلف ہو اور اُس شریعت میں ایسے لڑکے کو جو توحید اور معرفت کا منکر ہو قتل کرنا جائز ہوگا۔ یا کسی چیز کے ساتھ مکلف نہ ہو۔ اور اُس کو صرف اس واسطے قتل کیا گیا کہ والدین کے لیے باعث فتنہ نہ ہو۔ اور اُن کو اُن کے دین سے نہ پھیر دے۔ جیسا کہ ہماری شریعت میں اُس کافر بچے کو قتل کرنا درست ہے۔ جس کے قتل کئے بغیر اُس کا ضرر مسلمانوں سے مندفع اور دور نہ ہو۔ اور ایسے لڑکے کو جس کے والدین مسلمان ہوں اور اُس نے کوئی بات کفر کی ظاہر نہ کی ہو۔ اس وجہ سے قتل کرنا کہ اُس کی نسبت معلوم ہے کہ جب وہ بالغ ہوگا تو کفر اختیار کرے گا۔ اور والدین کو فتنے میں ڈالے گا۔ قرآن اور حدیث سے اس کا جواز معلوم نہیں ہوتا اور نہ اللہ سبحانہ نے کسی شخص کو اُن کاموں پر جن کی نسبت اس کو علم ہے کہ وہ اُس سے ضرور سرزد ہوں گے جب تک وہ صادر نہ ہوں سزا دینے کا حکم دیا ہے۔ اور نہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اُن کاموں پر جن کی نسبت اُس کو علم ہے کہ وہ ضرور ان کو کریں گے۔ جب تک ان کو کر نہ چکیں سزا دیتا ہے۔ اور جو لوگ قول مذکور کے قائل ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ خضر کے قصے میں ایسی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ ان کو ایسی پوشیدہ اور مخفی امور پر اطلاع تھی جن کو عام لوگ نہیں جانتے تھے۔ ان کے قصہ

Marfat.com

سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو چند واقعات کا علم اُن کے اسباب سے حاصل ہوا تھا۔ اور موسیٰؑ ان اسباب سے بے خبر تھے۔ مثلاً خضر کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کشتی مساکین کی ہے۔ اور ان کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ ہے جو اچھی کشتیاں بیگار میں پکڑ لیتا ہے۔ یہ ایک معمولی بات ہے جس کو دوسرے لوگ بھی اسباب سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ہے اور ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔ اور دیوار کے نیچے خزانہ مدفون ہے۔ اور ایسی باتوں کو بھی بہت سے لوگ معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ایسا ہی بچے کے کفر کو ممکن ہے کہ بہت سے لوگ جانتے ہوں۔ یہاں تک کہ اُس کے والدین کو بھی معلوم ہو مگر وہ محبت کے مارے اُسے کچھ نہ کہتے ہوں۔ یا وہ اُن کی بات نہ مانتا ہو۔ اگر یہ بات درست ہو تو آیت میں اُن کے قول پر کوئی دلیل نہیں۔ اور وہ لڑکا ابھی تک کافر نہیں ہوا تھا۔ لیکن اللہ سبحانہ کے علم میں یہ ثابت تھا کہ وہ بالغ ہو کر کفر اختیار کرے گا غرض جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ لڑکا کافر نہیں تھا۔ وہ اُس کے قتل کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اُس کے شر کے دفعیہ کے لیے اُس کو قتل کیا گیا چنانچہ نوحؑ نے اپنی دعا میں کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ (اے میرے پروردگار ان کافروں میں سے (کسی متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑ (کہ) روئے زمین پر بستا بستا (نظر آئے) کیونکہ اگر تو ان کو رہنے دے گا، تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ (ہی) کریں گے اور ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار (اور) کٹے کافر ہی ہوں گے) اور اس صورت میں اُس کے ساتھ کفر قائم ہونے سے پہلے وہ کافر نہ تھا اور ابن عباس کی قراءۃ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ سے ظاہر ہوتا ہے

Marfat.com

کہ وہ اُس وقت کافر تھا۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اس لڑکے کے والدین مومن تھے۔ اور اس اصول کے لحاظ سے کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اگر وہ اسلام پر پیدا ہوتا تو اُس کے والدین بھی مسلمان تھے تو والدین کی تابعداری کی وجہ اور اپنی فطرت کے لحاظ سے وہ مسلمان شمار ہوتا اور جب وہ مسلمان ہوا تو پھر اُس کو قتل کرنا کس طرح درست ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ بالغ تھا۔ اور بلوغ کے بعد کافر ہو گیا۔ تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر نابالغ تھا مگر عقل و تمیز رکھتا تھا۔ اور اپنی مرضی سے اُس نے کفر کو پسند کیا تھا۔ تو اکثر علما کے نزدیک اُس کے کفر اور مرتد ہونے کا اعتبار ہے یعنی اُس کو کافر و مرتد کہا جائے گا۔ اور بالغ ہونے تک اُس کو قتل کرنا درست نہیں۔ پس شاید کہ اُس شریعت میں ایسے صغیر سن بچے کو قتل کرنا درست ہو گا جو صاحب عقل و تمیز ہو کر کفر اختیار کرے اور اگر ایسا چھوٹا تھا کہ ابھی اُسے عقل و تمیز حاصل نہیں ہوا تھا۔ تو اس صورت میں ایسے بچے کو قتل کرنا صرف اُس لڑکے کے ساتھ خاص ہو گا کیونکہ حق تعالےٰ نے خضرؑ کو جتلا دیا تھا کہ یہ لڑکا بالغ ہو کر والدین کے دین کے سوا دوسرا دین اختیار کرے گا۔ ابن عباسؓ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ابن عباس سے نجدہ نے کفار کے لڑکوں کے قتل کرنے کی نسبت دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اگر تم کو ان کا ویسا حال معلوم ہو جائے جیسا خضرؑ کو اس لڑکے کی نسبت معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کرے گا تو تم ان کو قتل کر سکتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب وہ فطرت دین اسلام پر پیدا ہوا اور اُس کے والدین مسلمان تھے تو پھر کفر کہاں سے آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا (کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں) یہ مطلب ہے کہ بچے کی گمراہی کا باعث اکثر والدین ہوتے ہیں ورنہ اس میں حصر نہیں کہ والدین ہی گمراہی کا باعث ہوں کبھی والدین سوا دوسرے

Marfat.com

لوگ بھی اس کا باعث ہوتے ہیں۔ پس یہ لڑکا اگر اس وقت کافر تھا۔ تو والدین کے سوا کسی دوسرے کی تعلیم و تلقین سے کافر ہو گیا ہو گا۔ اور اگر اس وقت کافر نہ تھا بلکہ اس کا مطلب ہے کہ بڑا ہو کر کفر اختیار کرے گا۔ تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔

**فصل۔** پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ (بچے کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں) یہ مطلب بیان کرنا کہ اس سے صرف دنیا کے احکام کا بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ بچہ دنیاوی احکام میں ماں باپ کی تابعداری سے یہودی۔ نصرانی یا مجوسی شمار ہو گا۔ اور آپ کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ والدین اس کی فطرت کو تغیر و تبدل کر دیتے ہیں) حدیث کے مدلول اور معنی کے خلاف ہے۔ آپ نے اطفال کو یہودیت وغیرہ کفر سکھانے کو مواشی کے کان کاٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جیسا تغیر و تبدل مواشی کے بچوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح کا تغیر و تبدل آدمیوں کی اولاد کی فطرت میں واقع ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث آپ نے اس موقع پر بیان فرمائی ہے کہ جب آپ کے روانہ کئے ہوئے لشکر کے آدمیوں نے مشرکین کی اولاد کو بھی مار ڈالا اور آپ نے ان کے قتل کرنے پر عتاب فرمایا۔ اور صحابہ نے عرض کیا کہ وہ مشرکین کی اولاد تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس حدیث سے اگر آپ کا یہ مطلب ہوتا۔ کہ بچہ دنیاوی احکام میں اپنے ماں باپ کے تابع ہے تو یہ حدیث اولاد مشرکین کے قتل سے منع کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ قتل کرنے والوں کے لیے سند ہے کہ وہ بچے اپنے ماں باپ کی تابعداری سے کافر تھے اور ہم نے کفار کو قتل کیا ہے اور چھوٹے بچے کا دنیاوی حکام میں ماں باپ کے تابع ہونا صرف ایک مصلحت اور ضرورت پر مبنی ہے وہ مصلحت یہ ہے کہ چھوٹے

Marfat.com

بچے کے لیے جب تک کوئی مربی اور پرورش کرنے والا نہ ہو تو عادۃً دنیا میں اُس کا بقا دشوار ہے۔ اور چونکہ والدین اُس کی پوری طرح تربیت کرتے ہیں لہٰذا اس ضرورت کی وجہ سے اُن کا تابع قرار دیا گیا۔ اور اسی واسطے کفار کا بچہ جب اکیلا قید کیا جاوے تو جمہور علماء ابو حنیفہؒ شافعیؒ۔ احمدؒ۔ اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک وہ قید کرنے والے کے تابع ہوتا ہے تاکہ وہ اس کی پرورش کرے۔ اور جب ماں باپ میں سے ایک کے ساتھ یا دونو کے ساتھ قید کیا جائے۔ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے فقہاء مثلاً احمد وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ جب وہ ماں باپ سے علیحدہ کیا جائے تو وہ مسلمان ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ حکم نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہو جائے۔ کہ ماں باپ بچے کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی نہیں بناتے اور نہ اُس کی فطرت کو متغیر کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ بچہ دنیاوی احکام کے لحاظ سے والدین کا تابع ہوتا ہے۔ اور سیدھی دلیل یہ ہے کہ بچہ فطرت یعنی ملتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے ماں باپ اس کو ہٹاتے ہیں۔ پس جب وہ ماں باپ سے علیحدہ قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔ تو ایسی صورت میں اُس کے فطری دین کو کوئی شخص تبدیلی کرنے والا موجود نہیں۔ اور اس کی پیدائش ملتِ حنیفیہ اور اسلام پر ہے لہٰذا وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اُس کی فطرت اسلام کی مقتضی ہے اور کوئی مخالف و معارض موجود نہیں۔ اور اگر حدیث کا یہ مطلب ہو کہ ماں باپ حقیقتہً بچے کو کافر بنا دیتے ہیں اور یہ مطلب نہ ہو کہ تعلیم و تلقین کفر کی وجہ سے اُس کے کفر کا باعث ہوتے ہیں۔ تو کفار کا چھوٹا بچہ جو قید کیا جائے بالغ کافر کی مانند ہونا چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ بالغ کافر کو جب مسلمان قید کرلیں تو وہ مسلمان نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ وہ حقیقتہً کافر ہو چکا ہے۔ پس اگر صغیر سن بچہ والدین کی تابعداری سے حقیقتہً کافر ہو جاتا تو قید کی وجہ سے کفر سے اسلام کی طرف منتقل

Marfat.com

نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف دنیاوی احکام میں والدین کی تابعداری سے اس پر
کفر کا حکم جاری ہوتا ہے یہ نہیں کہ نفس الامر میں وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر کفار
کے بچے کو کافر لوگ ہی قید کریں۔ اور اس کے ساتھ ماں باپ موجود نہ ہوں تو وہ مسلمان
نہیں ہو جاتا۔ اس صورت میں دنیاوی احکام کے لحاظ سے وہ کافر ہی شمار ہوگا
اگرچہ اس کے ماں باپ نے اس کو یہودی یا نصرانی نہیں بنایا۔ اس سے معلوم ہوا
کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کافر ماں باپ بچے کو کفر کی تلقین و تعلیم کرتے ہیں۔ اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ والدین کو اس لیے ذکر فرمایا ہے
کہ اکثر بچوں کی تربیت والدین کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور ان میں جہاں تک سکت
ہو۔ اولاد کی تربیت ہی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ مضمون دوسرے حدیث کے الفاظ
سے بھی ظاہر ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت
پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے عقل وتمیز حاصل ہو اور سوچ سمجھ کر) کلام
کرنے لگے۔ اس کے بعد بعضے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار رہتے ہیں۔ اور بعضے کافر
اور ناشکر ہو جاتے ہیں۔ عقل اور تمیز کے سن تک آپ نے بچے کو فطرت پر قرار
دیا ہے۔ اور عقل وتمیز کے بعد اس کو کفر وایمان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اپنی
مرضی سے ایک کو اختیار کرتا ہے۔ اور اگر ماں باپ کے کفر کی وجہ سے وہ درحقیقت
کافر ہوتا تو پیدا ہونے کے وقت سے ہی کافر ہوتا۔ اور اسی طرح ایک دوسری
حدیث کے الفاظ بھی یہی مطلب مفہوم ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو
حنیف (اہل توحید) پیدا کیا ہے پھر شیاطین نے ان کو فریب دینا شروع کیا اور
جو چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں۔ وہ ان پر حرام کردیں۔ اور میرے ساتھ ایسی
چیزوں کے شریک کرنے کا ان کو حکم دیا۔ جن کے لیے میری طرف سے کوئی دلیل نہ

Marfat.com

تھی۔ یہ حدیث صراحتہً اس بات پر دال ہے کہ سب آدمی ملت حنیفیہ پر پیدا کیے گئے ہیں اور شیاطین نے ان کو فریب دیا اور اُن پر حلال چیزیں حرام کر دیں۔ اور خدا کے ساتھ شرک کرنے کا ان کو امر کیا اگر بچہ جب سے پیدا ہوتا ہے ماں باپ کی تابعداری سے حقیقتہً فی الواقع کافر ہو بدوں اس کے کہ کوئی شخص اس کو کفر کی تلقین و تعلیم کرے تو لازم آتا ہے کہ شیاطین نے آدمیوں کو ملت حنیفیہ سے نہیں پھیرا اور نہ اُن کو شرک کا حکم کیا بلکہ وہ پہلے ہی کافر و مشرک تھے اور یہ بات اِس حدیث کے مخالف اور مناقض ہے۔

**فصل۔** اِس مسئلہ میں اشتباہ کا یہ منشا ہے کہ کفر کے دُنیاوی احکام کو کفر کے اخروی احکام کے ساتھ مشتبہ اور یکساں سمجھا گیا ہے۔ پس چونکہ کفار کی اولاد پر دُنیا میں کفر کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اُن پر ان کے باپ کو ولایت اور تربیت تعلیم اور تادیب کے حقوق حاصل ہیں۔ اور کفار اور ان کی اولاد کے درمیان وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ اور اُن کو غلام بنا لینا درست ہے وغیرہ اس قسم کے کئی احکام ہیں۔ جو کفار کی اولاد پر دُنیا میں جاری ہیں۔ اِس لیے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ کفار کی اولاد فی الواقع کافر ہے۔ اور ان کے اور بالغ کفار کے درمیان جو کہ کفار کی طرح کلمات کفر بکتے اور اُن کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں اور اسی واسطے محمدؒ بن حسن نے کہا ہے کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ احکام کے نازل ہونے سے پہلے آپ نے فرمائی تھی۔ اور ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اطفال کا فطرۃ پر پیدا ہونا احکام دنیا کے لحاظ سے کفر میں والدین کے تابع ہونے کے منافی اور مخالف نہیں۔ اور ہمارے بیان سے یہ شبہ دفع ہو گیا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کفار کے ملک میں ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ وحدہ پر ایمان لاتے اور اپنے ایمان کو کفار سے چھپائے رکھتے ہیں اور

Marfat.com

مسلمان اُن کے حال سے واقف نہیں ہوتے تو دنیا میں ایسے لوگوں کو نہ تو غسل دیا جاتا نہ اُن پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اور مشرکین کے ساتھ مدفون ہوتے ہیں مگر آخرت میں وہ اہل جنت ہوں گے جیسا کہ اس کے برخلاف منافقین پر دنیا میں مومنین کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں وہ دوزخ کے نیچے کے طبقے میں ہوں گے غرض دار آخرت کے احکام دُنیا کے احکام سے جدا اور مغایر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قول کل مولود یولد علی الفطرۃ سے اُس خلقت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جس پر بنی آدم پیدا کئے گئے ہیں۔ اور نیز اس سے یہ تبلانا مقصود ہے۔ کہ جب فطرت کے مطابق عمل کریں گے۔ اور وہ مخالف چیزوں سے محفوظ رہے گی۔ تو آخرت میں ثواب پائیں گے۔ اور اگر اس کے خلاف کیا تو سزا ملے گی۔ اور اس حدیث سے احکام دنیا کو بیان کرنا آپ کو مقصود نہیں اور یہ بات شریعت سے بدیہی اور ضروری طور پر معلوم ہے۔ کہ کفار کی اولاد دنیاوی احکام میں کفار کے تابع ہے۔ اور کفار جب ذمی ہوں تو اُن کی اولاد اُن سے غصب نہیں کی جائے گی اور اگر حربی ہوں تو ان کی اولاد کو بھی غلام بنا لینا درست ہے اور اس مسئلہ میں کسی اہل اسلام کا خلاف نہیں۔ ہاں اُس لڑکے کی بابت اختلاف ہے۔ جس کے والدین دونو فوت ہو جائیں یا ان میں سے ایک مر جائے۔ تو اُس کو مسلمان کہا جائے گا یا نہیں۔ امام احمدؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک کے مرنے سے لڑکا مسلمان شمار ہو گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچے کے ماں باپ اُس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اور اُس کے ماں باپ موجود نہیں اور وہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوا ہے لہذا وہ مسلمان ہو گا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں۔ کہ یہی

Marfat.com

قول حق اور صواب ہے بلکہ سلف اور خلف کا اس پر اجماع ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ۔ وادی القریٰ۔ خیبر۔ نجران۔ یمن وغیرہ مقامات میں ذمی کفار آباد تھے۔ اور اُن میں سے کئی کافر صغیر السن اولاد چھوڑ کر فوت ہو جاتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ذمی کی اولاد کی نسبت یہ حکم نہ دیا کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد مسلمان ہے۔ اور اسی طرح خلفاء کے زمانے میں شام۔ مصر۔ عراق۔ خراسان۔ وغیرہ ممالک میں ذمی کافر موجود تھے۔ اور ان میں سے ہزاروں آدمی مرتے اور ان کی اولاد یتیم رہ جاتی۔ مگر خلفاء نے کفار کے مرنے کے بعد ان کی اولاد میں سے ایک بچے کے اسلام کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ عقد ذمہ کا مقتضی یہ ہے کہ کفار کو آپس میں ایک دوسرے پر ولایت حاصل ہو۔ پس دوسرے کفار اپنے یتیم بچوں کی تربیت کے ایسے ہی متولی ہیں جیسے کہ ان کے والدین ان کے متولی تھے۔ خود امام احمد کا بھی یہ قول ہے کہ جب کافر ذمی مر جائے تو اس کا صغیر السن بچہ اس کا وارث ہوتا ہے باوجود کہ وہ ایک روایت میں یوں فرماتے ہیں۔ کہ وہ بچہ مسلمان ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ذمہ کی اولاد اس لیے وارث ہوتی ہے کہ ان کا اسلام اور استحقاق وراثت دونو ایک وقت میں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی جب اُن کے والدین فوت ہوتے ہیں اسی وقت وراثت کے مستحق ہوتے ہیں اور اُسی وقت اُن کے لیے اسلام کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اگر اسلام پہلے سے حاصل ہوتا تو اختلاف دین کی وجہ سے والدین کے وارث نہ ہوتے۔ اور امام احمد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کافر ذمی ایسی حالت میں مرے کہ اس کی جورو حاملہ ہو تو وہ بچہ جو اس کے مرنے کے بعد پیدا ہو اُس کا وارث نہیں ہوتا۔ کیونکہ باپ کے مرنے سے اُس کو مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔ اور وراثت

Marfat.com

کا استحقاق پیدا ہوتے کے وقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر دوسرے شخص کا حمل ہو تو بھی یہی حکم ہے جیسا کہ ایک ذمی اپنے بیٹے یا بھائی کی جورو کو حامل چھوڑ کر مرا پھر وہ عورت وضع حمل سے پہلے مسلمان ہو گئی۔ تو یہ بچہ جو اپنے دادا یا چچا کے مرنے کے بعد پیدا ہوا اُن کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو اُس وقت سے مسلمان سمجھا گیا ہے جب وقت سے اس کی ماں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور ایسا ہی پہلی صورت میں باپ کے مرنے سے وہ مسلمان سمجھا گیا اور امام احمد اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ موافق ہیں۔ کہ اگر کفار کے بچے کے والدین دار الحرب میں مر جائیں۔ تو اُس پر اسلام کا حکم جاری نہیں ہوگا۔ اور اگر والدین کی موت فطرت اولیٰ کے لحاظ سے اس کو مسلمان بنا دیتی۔ تو دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی فرق نہ ہوتا کیونکہ اسلام کا مقتضی یعنی فطرت دونو جگہ موجود اور مانع اسلام یعنی والدین کا وجود ہر دو صورت میں مفقود ہے۔ اور بعض حنابلہ ایسے بچے کے اسلام کے قائل ہیں۔ مگر ان کا قول یقیناً باطل ہے کیونکہ بداہۃً معلوم ہے کہ محارب کفار میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی کے یتیم رہ جاتے اور بعد میں بلوغ کو پہنچتے ہیں۔ حالانکہ محارب کافروں کے سب احکام ان پر جاری ہیں۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اگر ایسا بچہ کفار کی پرورش میں ہو تو وہ اپنے ماں باپ کے دین پر ہوتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی کفالت میں ہو تو مسلمان شمار ہوگا۔ یعقوب بن بختان کی روایت میں امام احمد نے ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ خلال نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے۔ کہ کسی شخص نے امام احمد سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی مسلمان کے پاس نصرانی کنیز موجود ہو۔ اور کافر سے اُس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ مر جائے۔ تو وہ بچے کافر ہوں گے یا مسلمان امام احمدؒ نے جواب دیا کہ جب مسلمان اُن کی پرورش کریں اور اُن کے لیے مسلمانوں کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہ ہو۔ تو وہ مسلمان ہوں گے۔ سائل نے پوچھا کہ اگر ماں کے مرنے کے بعد تھوڑی دیر میں وہ مر

Marfat.com

مجا مرجائے تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ اس کو مسلمان دفن کریں۔ اور اس روایت کو اگرچہ حنابلہ نے ذکر نہیں کیا۔ اور جامع خلال میں یہ مذکور ہے۔ مگر دلیل کے لحاظ سے تمام اقوال سے یہ زیادہ صحیح ہے۔ اور ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اور اس روایت کے مطابق سب ادلہ باہم موافق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صغیر سن بچہ دین میں اپنے مالک اور قید کرنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ پس ایسا ہی اپنے کفیل اور پرورش کرنے والے کے تابع ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بذات خود با اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے شخص کی ضرورت ہے جس کے تابع ہو۔ پس کفیل اور پرورش کنندہ کی تابعداری کے لحاظ سے اُس کو مسلمان شمار کرنا ماں باپ کے کفر کی وجہ سے اُس کو کافر قرار دینے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ حالانکہ ان کی تابعداری اس سے منقطع ہو چکی ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اس کے کفیل کافر ہوں۔ اس صورت میں وہ اس کے والدین کے قائم مقام ہوں گے۔ اور جبکہ اس کا دادا یا دادی یا کوئی دوسرا کافر رشتہ دار کفیل ہو جائے۔ تو ماں باپ کے نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں رہتا وہ بچہ کفار کی کفالت کی وجہ سے کافر شمار ہو گا۔ غرض یہ قول ادلہ کے لحاظ سے راجح اور صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اس مقام میں ان مسائل یا اُن امور کا ذکر کرنا جن کی وجہ سے بچہ مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔ ہمیں مقصود نہیں کیونکہ ان مسائل اور امور کو ہم نے اپنی اُس کتاب میں جو اہل ملل کے احکام کے متعلق لکھی گئی ہے۔ تفصیل کے ساتھ مدلل طور پر ذکر کیا ہے۔ اور ان کے باب میں سلف و خلف کے اختلافات اور ان کے ماخذ سب کچھ بیان کر دیئے ہیں۔ یہاں پر صرف فطرت کو ذکر کرنا مقصود ہے اور اس بات کا ثبوت مدنظر ہے کہ فطرت سے حنیفیت مراد ہے اور وہ اس کے منافی نہیں کہ بعضے لوگ پہلے سے تقدیر میں شقی لکھے گئے ہیں۔

فصل۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ کہ بعض لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کل مولود یولد علی

Marfat.com

الفطرۃ کے معنے کی نسبت یہ کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں فطرت کے ذکر کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر وایمان یا معرفت وانکار کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ آپ کا مقصود صرف اتنا ہے کہ ہر ایک بچہ خلقت۔ طبع اور بناوٹ کے لحاظ سے صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے۔ اس خلقت کے ساتھ کفر یا ایمان۔ معرفت یا انکار کوئی چیز موجود نہیں ہوتی بلکہ بلوغ کے بعد جب سن تمیز کو پہنچتا ہے۔ تو اس وقت کفر یا ایمان کو اختیار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (جس طرح کہ مواشی اپنے بچے صحیح وسالم جنتے ہیں کیا دیکھتے ہو کہ ان میں کوئی کان کٹا پیدا ہوتا ہے) سے استدلال کرتے ہیں۔ آپ نے بنی آدم کے قلوب کو بہائم سے اس بات میں تشبیہ دی ہے کہ جس طرح بہائم کاملۃ الخلقت پیدا ہوتے ہیں۔ اُن میں نقصان ظاہر نہیں ہوتا۔ اور پیدائش کے بعد لوگ اُن کے کان وغیرہ کاٹ کر ان کے مختلف نام مقرر کرتے ہیں کسی کو سائبہ اور کسی کو بحیرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ولادت کے وقت بنی آدم کے قلوب کا حال! ہے کہ اس وقت ان میں کفر و ایمان یا معرفت وانکار کچھ موجود نہیں ہوتا۔ اور جب بالغ ہوتے ہیں تو شیاطین ان کو ہوا اور خواہش پرستی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس پر اکثر کافر ہو جاتے اور بعضوں کو حق تعالے بچا لیتا ہے۔ یہ لوگ اپنے استدلال میں یوں کہتے ہیں کہ اگر اطفال ولادت کے وقت کفر یا ایمان میں سے کسی چیز پر مفطور ہوتے تو کبھی اُس سے منتقل نہ ہو سکتے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعضے لوگ ایمان لاتے اور پھر کافر ہو جاتے۔ پھر ایمان لاتے ہیں۔ اور نیز یہ دلیل بیان کرتے ہیں۔ کہ اطفال کا ولادت کے وقت کفر یا ایمان اختیار کرنا اور ان کے ساتھ کا موصوف ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالے ان کو ماں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالتا

Marfat.com

ہے کہ ان کو کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی اور جس شخص کو کسی چیز کی خبر نہ ہو اُس سے کفر یا ایمان معرفت یا انکار کا صدور محال ہے ابوعمر کہتے ہیں کہ فطرت کے معنی کے متعلق جتنے اقوال ہیں سب سے زیادہ صحیح یہی قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فطرت بمعنی سلامت و استقامت ہے جیسا کہ عیاض بن حمادلی حدیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے یعنی سلامت و استقامت پر پیدا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا کہ حنیف اس شخص اُس شخص کو کہتے ہیں جو تمام آفات اور معاصی سے بچا ہوا اور طاعات سے خالی ہو یعنی ولادت کے وقت اطفال سے کوئی طاعت یا معصیت صادر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس حالت میں کسی چیز کے کرنے پر وہ قادر نہیں ہوتے اور نہ کسی چیز کی خبر ہوتی ہے۔ اور نیز یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (تم کو صرف تمہارے کیے کا بدلہ دیا جاتا ہے)، وقال تعالیٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (ہر ایک جی اپنے اعمال کے ساتھ مرہون ہے) اور جو شخص عمل کرنے کے وقت کو نہیں پہنچا وہ کس طرح کسی چیز کے ساتھ مرہون ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور جب تک ہم رسول بھیج کر (اتمام حجت) نہ کر) لیں (کسی کو اُس کے گناہ کی) سزا نہیں دیا کرتے) ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ اس قول سے اگر ان کا یہ مطلب ہے (کہ بنی آدم کے اطفال ولادت کے وقت معرفت اور انکار سے خالی پیدا ہوتے ہیں اور فطرت ان دونوں میں سے کسی کی مقتضی نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن کا قلب اس لوح کی مانند خالی ہوتا ہے جس پر کفر یا ایمان دونو لکھے جا سکتے ہیں یعنی وہ دونو کے لیے یکساں قابل ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اس میں کوئی زیادہ قابلیت نہیں) تو یہ بالکل غلط ہے

Marfat.com

کیونکہ اس معنے کے مطابق فطرت کو معرفت، انکار، یہودیت، نصرانیت اور اسلام سب سے یکساں نسبت ہے کہ یہ سب چیزیں بعد میں اسباب کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہیں، پس اس بناء پر حدیث کے الفاظ اس طرح ہونے چاہیے تھے کہ بچے کے ماں باپ اُس کو مسلمان یا یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اور جب آپ نے یوں فرمایا ہے کہ بچے کے والدین اس کو کافر بناتے ہیں۔ اور اس موقعہ پر آپ نے عمل فاسدہ کا ذکر کیا ہے اور ملتِ حقہ اسلام کا نام نہیں لیا۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام کا حصول کسی ایسی چیز سے ہے جو کفر کے اسباب کے علاوہ ہے اور نیز اس معنی کی بنا پر قلب میں سلامت یا عدم سلامت اور استقامت یا زیغ کجی، کوئی چیز موجود نہ ہوگی۔ کیونکہ قلب کو سب چیزوں سے یکساں نسبت ہے۔ کسی چیز کے ساتھ اس کو کوئی خصوصیت نہیں۔ اور جس طرح کہ کتابت سے پہلے لوح کے لیے مدح یا ذم کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح قلب کے لیے کوئی مدح یا ذم ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ وہ دونوں کے لیے یکساں قابل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فطرت اُولیٰ کی مدح فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ اپنے حبیب کو اُس فطرت پر قائم رہنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ جس پر بندوں کو پیدا کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ فطرت ممدوح اور حقتعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور نیز حدیث میں اس فطرت کو بہائم کی خلقت کے ساتھ اور کفر کو جو اس پر طاری ہوتا ہے بہائم کے کان کاٹنے کے ساتھ تشبیہ دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ بنی آدم کی فطرت کے کمال کو بہائم کی خلقت کے کمال سے اور اُس کے نقصان کو اُس کے نقصان سے تشبیہ دیا گیا ہے۔ اور کمال کے محمود اور نقصان کے مذموم ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

**فصل** - اور اگر اس قول کا وہ مطلب ہے جو بعض علماء کہتے ہیں کہ اطفال ایک ایسی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ کہ اگر وہ اپنی حالت پر رہے اور کوئی بگاڑنے والی چیز اُس سے پیش نہ آئے۔ تو وہ معرفت کو انکار پر اور ایمان کو کفر پر ترجیح دے اور ان کو اختیار کرے۔ اور اگر مفسد اور بگاڑنیوالی چیزیں عارض اور پیش ہو جائیں تو پھر یہ فطرت بدل جاتی اور اپنے مقتضیٰ سے خارج ہو جاتی ہے، تو اس قول کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں، کہ اس پہ وہ اعتراض وارد نہیں ہوتے جو پہلے قول پر وارد ہوتے ہیں کیونکہ اس قول کے قائل یوں کہتے ہیں۔ کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے کہ جس کے سبب وہ معرفت اور ایمان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ جس طرح کہ صحیح اور تندرست آدمی کے بدن میں ایسی قوت موجود ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ مفید اور نافع غذاؤں کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اسی واسطے یہ فطرت محمودہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور اس کو بگاڑنے والا مذموم اور بُرا ہے۔ لیکن اس قول کے متعلق اتنا خدشہ باقی ہے۔ کہ ہم پوچھتے ہیں کہ یہ فطرت جس میں یہ قوت۔ قابلیت۔ استعداد اور صلاحیت موجود ہے معرفت کے حاصل ہونے کے لیے کافی ہے۔ یا کہ معرفت کا حاصل ہونا دوسرے ادلہ خارجی پر موقوف ہے۔ اگر معرفت کا حصول دوسرے ادلہ پر موقوف ہو۔ تو جب وہ ادلہ موجود ہوں گے معرفت حاصل ہوگی۔ اور جب وہ مفقود ہوں گے تو معرفت بھی معدوم ہوگی۔ اِس کے علاوہ یہ ممکن نہیں کہ وہ ادلہ اور خارجی اسباب بذاتِ خود حصول معرفت کے لیے موجب ہو سکیں زیادہ سے زیادہ مُعرِّف اور مُذکِّر ہو سکتے ہیں۔ اب ان کی تذکیر اور تعریف کے وقت اگر معرفت کا حصول ضروری ہے۔ ان کے وجود کے وقت معرفت کا حصول ضروری ہوگا ورنہ ضروری نہیں ہوگا۔ اور جب معرفت کا حصول ضروری

Marfat.com

نہ ہوا تو فطرت میں معرفت اور ایمان کی صرف قابلیت ثابت ہوئی۔ اور اس وقت فطرت کے لحاظ سے ایمان و کفر اور معرفت و انکار میں کچھ فرق نہ رہا کیونکہ نفس فطرت ہر ایک کے لیے قابل اور مستعد ہے اور معرفت و ایمان کا حصول مؤثر خارجی پر موقوف ہے اور یہ وہی صورت ہے جس کو ہم پہلے قول میں باطل کر چکے ہیں۔ اور اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ ایسی فطرت قابل مدح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر فطرت میں ایسی قوت موجود ہے جو بذاتِ خود حصولِ معرفت کی مقتضی ہے۔ گو ایسے اشخاص جو اس کو ادلہ معرفت تعلیم کریں موجود نہ ہوں اور نہ وہ کسی سے ادلہ معرفت کو سنے مگر اس میں خود ایک ایسی قوت موجود ہے جو معرفت کی مقتضی ہے۔ خواہ بدوں اسبابِ معرفت کا حصول ضروری ہو یا ایسے اسباب سے حاصل ہو جو مستدل کا کلام سُننے بغیر نفس میں ترتیب وار پیدا ہو جائیں۔ کیونکہ نفس میں کبھی ایسا صحیح استدلال اور فکر پیدا ہوتا ہے اور اس سے یہ لازم آیا کہ ہر ایک بچے میں معرفت و ایمان کا مقتضی موجود ہے اور یہی ہمارا دعویٰ اور مطلوب ہے اور چونکہ مقتضی تام مقتضی کے وجود کو مستلزم ہے تو اس سے لازم آیا کہ دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یا تو فطرت معرفت مستلزم ہو۔ یا فطرت کے لحاظ کے معرفت اور ایمان دونوں امر یکساں اور مساوی ہوں۔ اور فطرت قابل مدح نہ رہے۔ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ فطرت کے لحاظ سے معرفت اور ایمان کا حصول ممکن ہے۔ اس کے بعد دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ فطرت ایمان اور معرفت کے حصول کی موجب اور مستلزم ہو۔ یا اس کے حصول کے لیے موجب اور مستلزم نہ ہو۔ اور اس صورت میں فطرت کے لیے حصول ایمان ضروری نہ ہوگا۔ اور نیز اس صورت میں فطرت کے لحاظ سے کفر اور ایمان میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ دونو کا حصول اس کے لیے ممکن ہے۔ اور اس طرح

Marfat.com

فطرت قابل مدح نہ ہوگی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فطرت معرفت کو مستلزم ہے۔ بشرطیکہ کوئی مخالف اور معارض موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فطرت معرفت کیلئے موجب اور مستلزم نہیں مگر اس کے حصول کی طرف اس میں میلان موجود و مہیا ہے۔ اور انکار اور کفر کے بھی قابل ہے۔ تو اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب فطرت معرفت کو مستلزم نہیں تو معرفت کبھی موجود اور کبھی معدوم ہوگی۔ اور نیز صرف فطرت سے اس کا حصول متصور نہ ہوگا۔ بلکہ وہ دوسرے شخص کے ذریعہ سے حاصل ہوگی۔ مثلاً ماں باپ وغیرہ کی تعلیم و تلقین سے حاصل ہوگی۔ تو اس صورت میں اسلام، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعضے دین فطرت سے نہایت بعید ہیں جیسے مجوسیت۔ پس اگر فطرت اسلام کی مقتضی نہ ہو تو اس کو اسلام سے وہی نسبت ہوگی جو یہودیت نصرانیت۔ کو مجوسیت سے ہے اور اس بنا پر حدیث میں اسلام کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ اور نیز لازم آتا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا ایسا جیسا کہ نوزاد بچہ بغیر تعلیم دنیا دیے کے ماں کا دودھ نہ پیے۔ اور مشاہدہ اس کے خلاف پر شاہد ہے کیونکہ بچے کے منہ میں جب پستان دیدیا جائے۔ تو وہ خود بخود دودھ چوسنے لگتا ہے اور جب کوئی معارض موجود نہ ہو تو اس کا دودھ پینا ضروری امر ہے اس کی خلقت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ضرور دودھ پئیگا۔ اور اسی طرح وہ ایسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اس کو اپنے خالق کی معرفت حاصل ہو۔ اور جب کوئی معارض اور مخالف نہ پایا جائے۔ تو اس کے لیے معرفت کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ اور نیز نفس انسانی میں اللہ تعالیٰ کی محبت۔ اس کے سامنے اپنی عاجزی کا ظہور اور اس کی عبادت میں اخلاص۔ حق تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک۔ اس سے اعراض کرنا اور اس کی یاد کو بھولنا ان سب امور کی نسبت فطرت کی طرف یکساں ہے یا کہ پہلے قسم کے امور کو فطرت مقتضی ہے اور دوسرے قسم کو متدعی

Marfat.com

نہیں اگر اُن کو فطرت کی طرف یکساں نسبت ہے تو فطرت کی مدح کی نفی لازم آتی ہے اور نیز یہ مجوسی بنانے اور اسلام کی تعلیم و تلقین کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پس اس حدیث میں اسلام کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اور یہ دونو باتیں باطل اور ناجائز ہیں۔ اور اگر فطرت میں پہلے قسم کے امور کا مقتضی موجود ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ معارض کے موجود نہ ہونے کے وقت اپنے مقتضی کو مستلزم ہو۔ دوسری یہ کہ مقتضی کا حصول کسی دوسرے شخص پر موقوف ہو۔ اگر اپنے مقتضی کو مستلزم ہے تو ثابت ہوا کہ اسلام و توحید فطرت کے لوازم میں سے ہیں۔ اور ہر ایک بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک کہ کوئی مفسد اس کو متغیر و متبدل نہ کرے تو وہ اسلام پر رہتا ہے۔ اور اگر اس کا حصول دوسرے شخص پر موقوف مانا جائے۔ تو وہ شخص جس طرح اس فطرت کو حنیفیہ بناتا ہے۔ ایسا ہی وہ اس کو مجوسیہ بناتا ہے۔ ان دونو میں کوئی فرق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو اللہ سبحانہ کی محبت اُس کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے اور اس کی عبادت و طاعت میں اخلاص کو موجب ہے اور جب وہ معارض سے سالم ہو تو اپنے مقتضی کو مستلزم ہے جس طرح کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو شُربِ لَبَن (دودھ پینا) کی مقتضی ہے۔ اور فطرت دودھ کی محبت اور طلب پر مجبول و مخلوق ہے۔ اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جتنے حرکات ارادیہ انسان سے صادر ہوتے ہیں سب کی موجب ایک قوت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے اور جب انسان سے ان افعال کا صدور ممکن ہے۔ کہ وہ اپنے خالق سے محبت کرے۔ اس کی عبادت بجا لائے اور اس کی عبادت و طاعت میں اخلاص پیدا کرے۔ تو ان افعال کے لیے بھی انسان میں ایک قوت کا موجود ہونا ضروری ہے جو ان کی موجب و مقتضی ہو

Marfat.com

کیونکہ افعال ارادیہ کا سبب اسی شخص کی طرف سے ہوسکتا ہے جو صاحب حیات و ارادہ اور ان کے کرنے پر قادر ہو۔ اور ارادہ میں صرف مراد کا شعور شرط ہے۔ پس نفوس میں جو اللہ سبحانہ کی محبت کی قوت موجود ہے۔ جب اس کا ان کو شعور حاصل ہو اور کوئی معارض موجود نہ ہو۔ تو یہ قوت اللہ سبحانہ کی محبت کے لیے موجب اور مقتضی ہوتی ہے۔ اور کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں اور نکاح علم وغیرہ اشیاء کی محبت کے واسطے بھی یہ قوت انسانی میں موجود ہے۔ اور یہ ثابت ہوچکا ہے۔ کہ نفس انسانی میں حق تعالیٰ کی محبت۔ اخلاص اور اس کے سامنے اپنی ذات وخضوع ظاہر کرنے کی قوت موجود ہے تو لازم آیا کہ انسان میں حق تعالیٰ کی محبت وتعظیم موجود ہو اور وہ اس کے بارگاہ میں اپنا خضوع و ذلت ظاہر کرے بشرطیکہ معارض اور مخالف چیزوں سے محفوظ رہے کیونکہ وہ قوت ان امور کی مقتضی ہے انسان میں موجود ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معرفت اور محبت کے لیے دوسرے شخص کا وجود شرط نہیں۔ گو اس کا وجود کبھی متحرک اور مذکور ہو جائے۔ جیسا کہ بھوکے آدمی کے سامنے کھانے اور پیاسے کے سامنے پینے کی چیز کی تعریف کریں یا بالغ جوان آدمی کے سامنے عورتوں کا ذکر کیا جائے۔ تو اس سے بھوکے۔ پیاسے یا جوان آدمی کو اس کے مطلوب کی یاد دہانی اور اس کی طرف ایک تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایسی باتوں سے ان کی وہ خواہش جو ان کے نفوس میں پوشیدہ ہے جوش اور ترقی میں ہو جاتی ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ ایسی باتوں سے بھوک۔ پیاس یا جماع کی رغبت ان اشخاص میں پیدا ہو جائے جن کو بھوک۔ پیاس اور جماع کی خواہش نہ ہو۔ اسی طرح وہ اسباب جو فطرت سے خارج ہیں۔ ان چیزوں کا وجود ان پر موقوف نہیں جو کہ فطرت میں داخل نہیں

Marfat.com

مثلاً اپنے خالق کا علم۔ اُس کی محبت وتعظیم اور اُس کے سامنے اپنی ذلت و عجز ظاہر کرنا۔ گرچہ یہ اسباب اِن چیزوں کے یے مذکر، محرک اور اُن عوارض کو دُور کرنیوالے ہیں۔ جو اُن سے مانع ہیں اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اُن چیزوں کو جن سے لوازم فطرت درجہ کمال کو پہنچتے ہیں۔ ذکر اور ذکری کے ساتھ موسوم فرمایا اور اپنے رسول کو مذکر کا خطاب عطا کیا۔ اور فرمایا ہے فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (تو (اے پیغبر تم تو لوگوں کو) سمجھاؤ (اور) تم تو (خالی) سمجھا دینے والے ہو اور بس) وقال تعالےٰ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ (پس جہاں تک (سمجھو کہ) سمجھانا مفید ہے (لوگوں کو سمجھاتے رہو) وقال تعالےٰ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ (اور وہی سوچتے ہو جو خدا کی طرف) رجوع کرتا ہے وقال تعالیٰ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (اور وہی سوچتے ہیں جو عقل والے ہیں) وقال تعالیٰ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ (جو صاحب دِل ہے یا کان لگاکر حضور قلب سے (بات کو) سنتا ہے۔ اس کے یے تو اِن باتوں میں (کافی) نصیحت ہے) وقال تعالیٰ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (اور البتہ ہم نے قرآن کو (لوگوں کے) نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے وقال تعالیٰ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (تو (اے پیغبر) ہم نے اِس (قرآن) کو تمہاری بولی میں اس غرض سے آسان کر دیا ہے کہ یہ (اہل عرب) اس کے مضامین کو سمجھ کر (نصیحت پکڑیں) ⁂

قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا رسول لوگوں کو وہ چیزیں یاد دلانے والے ہیں۔ جو ان کی فطرت میں مرکوز ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی محبت

Marfat.com

تعظیم، اجلال، اخلاص اور اُس کے سامنے اظہار عجز اور اس کی اُس شریعت کی محبت جو کہ سراسر عدل و انصاف ہے اور دوسری شریعتوں کو چھوڑ کر اس کا اتباع کرنا یہ سب باتیں سکھلاتے ہیں۔ غرض سب فطرتوں میں حق تعالےٰ کی معرفت۔ اس کی محبت۔ اخلاص اور اس کی شریعت کا اقرار اور اُس کے اتباع کا خیال مرکوز ہے۔ اور سب کو اس کا شعور اور اجمالی علم اور کچھ تفصیلی علم حاصل ہے۔ اور حق تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کو اس شریعت کی یاد دہانی اور اس پر متنبہ کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ پس وہ وقتاً فوقتاً اس کو بیان اور تفصیل کرتے رہے۔ اور بندوں کو ان اسباب سے آگاہ کیا کرتے ہیں۔ جو لوازم فطرت کے معارض اور شریعت کے نشان پر چلنے سے مانع ہیں۔ اور تمام شرائع جن کو انبیاء علیہم السلام لائے ہیں۔ اسی طرح فطرت میں مرکوز ہیں کہ ان میں امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ پاک چیزوں کی اباحت۔ ناپاک اشیاء کی حرمت۔ عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم اور ظلم کی ممانعت بیان ہے اور یہ سب چیزیں فطرت میں مرکوز ہیں۔ اور ان کی پوری تفصیل انبیاء علیہم السلام کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ توحید اور اثبات صفات کے باب کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی فطرت میں مرکوز ہے کیونکہ اپنے خالق کے اُس کمال مطلق کا اقرار کرنا جس میں کسی قسم کا نقص نہیں انسانی فطرت میں داخل ہے۔ لیکن اس کمال کو تفصیلاً معلوم کرنا انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر موقوف ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ کو تمام عیوب اور نقائص سے منزہ سمجھنا مخلوق کی جبلت میں ثابت و مستقر ہے۔ اس مسئلہ میں وہ متکلمین مخالف ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نقائص سے منزہ ہونے پر کوئی عقلی دلیل موجود نہیں۔ یہ مسئلہ صرف اجماع سے معلوم ہوا ہے

Marfat.com

فَبُعْدًا لِهَاتِيكَ الْعُقُولِ فَإِنَّهَا
عِقَالٌ عَلَى أَصْحَابِهَا وَوَبَالُ

(ایسی عقلوں کو خدا تباہ کرے کہ یہ صاحب عقلوں کے لیے امسائل حقہ کے سمجھنے سے) روکنے والی اور ان پر وبال ہیں)۔

عقول سلیمہ کے نزدیک جیسا کہ خالق عالم کے کمال اور عیوب اور نقائص سے اُس کے منزہ ہونے کا علم ظاہر واضح اور بدیہہ ہے۔ ایسا کسی چیز کا علم ظاہر اور واضح نہیں اور انبیاء علیہ السلام اسی علم کی یاددہانی اور اس کی تفصیل کے لیے دنیا میں مبعوث کئے گئے ہیں اور اسی طرح یہ بات بھی فطرت میں داخل ہے کہ بعضے نفوس سعید ہیں اور بعضے شقی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا وسزا دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم میں ہوگی۔ اور اس جزا اور سعادت وشقاوت کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی اور اسی طرح عدل کا علم اس کی محبت اور اُس کو اختیار کرنا یہ سب باتیں فطرت میں داخل ہیں۔ اور اُس عدل کی تفصیل جس کو دوسرے لفظوں میں شریعت الٰہی کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بتلائے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہوسکتی۔ غرض انبیاء امور خطریہ کو یاد دلاتے اور اُن کو تفصیل ووضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اسی واسطے خالص عقل نقل صحیح کے موافق وشریعت حقہ فطرت کے مطابق ہے۔ یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔ اور اس مسئلہ میں اُن لوگوں کا خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب عقل اور وحی متعارض ہوں تو ہماری دانست میں عقل کو وحی پر مقدم کرنا چاہئے ، ے

Marfat.com

فَقُبْحًا لِعَقْلٍ یَنْقُضُ الْوَحْیُ حُکْمَہٗ
وَیَشْهَدُ حَقًّا اِنَّہٗ کَاذِبٗ

(وہ عقل برباد ہو جس کے حکم کو وحی توڑ دے اور اس کے جھوٹا ہونے پر شہادت پیش کرے)

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ خالق نے اپنے بندوں کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے جس میں اللہ سبحانہ کی ہستی کا اقرار۔ اس کی محبت۔ اخلاص۔ اس کی طرف متوجہ ہونا۔ اور اس کی تعظیم واجلال یہ سب چیزیں داخل ہیں اور کسی آدمی میں ان چیزوں کو کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں اتنا کر سکتا ہے کہ ان چیزوں کو دوبارہ یاد دلاوے اور ان پر متنبہ کر دے اور نفوس بشریہ کو امور نظریہ کی طرف ترغیب و تحریک دیدے۔ اور ان کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کر دے۔ اور نیز ان اسباب سے آگاہ کر دے جو ان کے لیے باعث قوت اور کمال ہیں اور ایسے عوارض بتلا دے جو ان کے حصول سے مانع اور ان کے لیے موجب زوال ہیں۔ جس طرح کہ کوئی شخص شیر خوار بچے میں شیر خوری کی خواہش پیدا نہیں کر سکتا۔ یا کوئی شخص کسی دوسرے میں کھانا کھانے اور پانی پینے یا عورت سے صحبت کرنے کی خواہش پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں جو خواہشیں اور امور اس کی فطرت وطبیعت میں موجود ہیں۔ ان کے لئے محرک اور مذکر (یاد دہانی کرنے والا) ہو سکتا ہے۔

**فصل** مذکورہ بالا مسئلہ کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص صانع کی ہستی کا مقر ہے لیکن اس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت۔ اخلاص اور خضوع موجود نہیں۔ تو یہ اقرار اس کو کچھ نافع اور مفید نہیں بلکہ ایسا اقرار کہ جس کے ساتھ حق تعالیٰ اس کی محبت۔ تعظیم اور اس کے

Marfat.com

سامنے اظہار عجز سے اعراض موجود ہو سخت عذاب کا موجب اور باعث ہے پس یہ ضروری ہے۔ کہ فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت وعلم اور اس کی محبت کا مقتضی موجود ہو اور محبت علم کے ساتھ مشروط ہے کیوں کہ انسان کو جس چیز کا علم نہ ہو اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ اور محبوب چیزوں کی محبت خارجی اسباب سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جبلی اور فطری امر ہے اور جب محبت جبلی اور فطری امر ہے اور جب محبت جبلی اور فطری عمل ہے۔ تو اس کی شرط یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت علم بھی جبلی اور فطری ہوگی۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حق تعالیٰ کی ہستی کے اقرار کے ساتھ اس کی محبت بھی فطرت میں ضرور داخل ہے اور یہی وہ حنیفیت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہی اس وہ فطرت ہے جس پر بندوں کو منظور و مخلوق کیا ہے۔

اور اس سے معلوم ہوا۔ کہ حنیفیت فطرت کا مُوجب ومُقتضی ہے اور اللہ سبحانہ کی محبت خلاص اور اُس کے سامنے اظہار عجز کرنا حنیفیت کے اعمال کے اصول ہیں۔ اور یہ اقرار اور معرفت کو مستلزم ہیں اور لازم کا لازم اور ملزوم ہوتا ہے۔ پس فطرت ان احوال کے لیے ملزوم اور یہ احوال فطرت کو لازم ہیں۔

**فصل:** کتاب اللہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سلف صالحین کے آثار اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے دین یعنی اس کی معرفت اُس کی ہستی کے اقرار۔ اس کی محبت اور خضوع پر مفطور اور پیدا کی گئی ہے اور یہ امور ان کی فطرت کا موجب ومقتضی ہیں اگر ان کا کوئی معارض اور ان کی اضداد کا مقتضی موجود نہ ہو۔ تو فطرت میں اُن کا حصول واجب اور ضروری ہے فطرت میں ان کا حاصل ہونا کسی شرط کے

Marfat.com

وجود پر موقوف نہیں بلکہ مانع کے منتفی ہونے پر موقوف ہے۔ اور اگر کسی شخص میں یہ امور نہ پائے جائیں تو اس کی یہ وجہ ہے کہ اس میں ان کا منافی ومعارض امر موجود ہے اور نہ یہ وجہ کہ اس میں ان کا مقتضی مفقود ہے اور اسی واسطے نبی صلعم نے فطرت کے وجود کے لیے کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی۔ بلکہ ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔ جو اس کے مقتضی اور موجب کے حصول سے مانع ہیں چنانچہ فرمایا ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ پس یہودیت۔ نصرانیت کا حصول ایسے اسباب پر موقوف ہے جو فطرت سے خارج ہیں اور حنیفیت۔ اخلاص معرفت الٰہی اور خضوع کا نفس حصول فطرت کے سوا کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں۔ گو ان کا کمال اور تفصیل اور چیزوں پر موقوف ہے۔

فصل۔ نبی صلعم کا یہ قول جس کو آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے نقل فرماتے ہیں؟ کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف پیدا کیا پھر شیاطین نے ان کو دھوکہ فریب دیا۔ اور جو چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں وہ ان پر حرام کر دیں۔ دو ایسے عظیم الشان اصول کو جو بذاتِ خود مقصود ہیں اور ان کے ایک وسیلہ کو متضمن ہے جو اُن کے حصول کے لیے معین ومددگار ہے اصل اوّل یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنی چاہیئے۔

اصل دوم یہ ہے کہ اس کی عبادت اس طریق پر کرنی چاہیئے جس کو اس نے شروع کیا اور اس کا حکم دیا ہے۔ اور جو اس کو پسند ومحبوب ہے۔ اور یہ دونوں اصل مقصود بالذات ہیں۔ حق تعالیٰ نے مخلوق کو انہی کے واسطے پیدا کیا ہے اور شرک اور بدعات اُن کی ضد ہیں۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ

Marfat.com

اوروں کو پوجتے ہیں اور بدعتی اللہ کی عبادت ایسے طریقوں سے کرتے ہیں جن کا اُس نے امر نہیں کیا اور نہ ان کو مشروع فرمایا ہے اور نہ وہ اس کو پسند و محبوب ہیں۔ اور پاک چیزوں کی حلت کو حق تعالیٰ نے ان کا معاون اور وسیلہ بنایا ہے پس دین کی مدد ان دونوں اصول اور اس وسیلہ کے حصول پر ہے۔ اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ شیاطین نے خلق خدا کو اس مقصود اور اس وسیلہ دونوں سے ہٹا دیا۔ پس ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے چیزوں کے شریک کرنے کا امر کیا۔ جن کی شراکت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہ تھی۔ اور شرک کی کئی صورتیں ہیں۔ اور یہ اس کی سب صورتیں کو شامل ہے۔ مثلاً شرک کی ایک یہ صورت ہے کہ معبود حق کے ساتھ کسی دوسرے کو عبادت میں شریک کرے یعنی خدا کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی پرستش کرے دوسری یہ صورت ہے کہ اس کی صحیح عبادت کے ساتھ شرک کرے یعنی خدا کی عبادت ایسے طریق سے بجالائے جس کو اُس نے مشروع نہیں کیا اور اکثر دونوں شرک اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کہ مشرک لوگ معبود حق کے ساتھ غیروں کو بھی پوجا کرتے ہیں اور معبود حق کی عبادت ایسے طریق سے بجالاتے ہیں کہ اس طریق پر اُس نے اپنی عبادت کی اجازت نہیں فرمائی اور کبھی شرک کی صرف ایک قسم موجود ہوتی ہے کہ مشرک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ اُس کی مشروع عبادت میں غیر کو شریک کرنا یا صرف خدا کی عبادت اس طریق سے کرنا ہے جس کو اس نے مشروع اور جائز نہیں فرمایا اُس کی عبادت کی طرف اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کے حرام ٹھہرانے کو وسیلہ بناتا ہے اور ان دونوں قسم کے شرک پر اللہ سبحانہ نے سورہ اعراف اور سورہ انعام وغیرہ میں مشرکین کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ان سورتوں میں

Marfat.com

کھانے پینے کی چیزوں کی تحریم خدا تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک کرلے
یا اُس کی عبادت غیر شرعِ طریق سے کرنے کی مذمت مذکور ہے اور مسند
میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دینوں سے زیادہ محبوب ملت حنیفیہ
سمحہ ہے پس یہ ملت توحید میں حنیفیہ ہے اور عمل میں شرک نہ کرنے اور
ان تکالیف کے نہ ہونے کے لحاظ سے سمحہ (آسان) ہے جو پہلی امتوں
کو پاک اور حلال چیزوں کے حرام کرنے سے پیش آئی تھیں۔ غرض اللہ وحدہ
کی عبادت اس طریق سے کرنی چاہیئے جو اُس کے نزدیک محبوب و پسندیدہ
ہے اور اُس کی عبادت پر اس کی حلال کی ہوئی چیزوں سے استعانت کرنی
اور ان کو وسیلہ بنانا چاہیئے یعنی پاک و حلال چیزیں کھا کر اس کی عبادت بجالانی
چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

اے گروہ پیغمبران ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) اور یہی وہ دین ہے
جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہ ہر ایک کے نزدیک
محبوب اور اس کی سنت ہر ایک فطرت میں ثابت و مستقر ہے کیونکہ
یہ دین توحید۔ اخلاص نیت۔ اللہ وحدہ کی محبت۔ اس کے محبوب و پسندیدہ
طریق پر خاص اُسی کی عبادت ان نیک کاموں کے کرنے کے امر کو جن کو قلوب
فطرۃً محبوب رکھتے ہیں اور ان بُرے کاموں کی نہی کو متضمن ہے جن سے
قلوب کو طبعاً بغض اور نفرت ہے اور پاک و حلال اور مفید چیزوں کی تحلیل
اور ناپاک اور مضر اشیاء کی تحریم پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

**فصل** نبی صلعم نے جو یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت حنیفیہ پر پیدا ہوتا ہے اولہ عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں۔ اور واقعی وہی حالت ہے جس کو صادق مصدوق نے بیان فرمایا ہے۔ اور جو لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں۔ وہ صریح غلطی پر ہیں۔ چنانچہ چند وجوہ سے ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔ وجہ اول یہ ہے کہ انسان کے دل میں کبھی صحیح اور سچے اعتقادات اور ارادات پیدا ہوتے ہیں۔ اور کبھی غلط اور باطل خیالات کیونکہ اسکے اعتقادات کبھی ان چیزوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ جن کا اعتقاد کیا ہے تو اس صورت میں وہ اعتقادات صحیح اور حق ہیں۔ اور ان کے بیان اور خبر کو صدق کہتے ہیں۔ اور کبھی ان چیزوں سے جن کی نسبت اعتقاد کیا ہے مطابق نہیں ہوتے۔ اور ایسے اعتقادات باطل اور غلط ہوتے ہیں۔ اور ان کی خبر اور بیان کو کذب کہتے ہیں۔ اور نیز انسان کے ارادات دو قسم ہیں۔ ایک جو اس کے واسطے نافع اور اس کی مصلحت کو متضمن ہوتے ہیں اور جس چیز سے اس کا تعلق ہوتا ہے یعنی مراد وہ خیر اور حسن ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو اس کے لئے مضر اور اسکی مصلحت کے خلاف ہوتے ہیں اور ان کا متعلق یعنی مراد شر اور قبیح ہوتا ہے اور جب یہ حالت ہے کہ انسان کبھی حق کا معتقد اور خیر کا ارادہ کرنے والا اور کبھی باطل کا معتقد اور شر کا ارادہ کرنے والا ہوتا ہے۔ تو اب اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس کے نفس باطن کو دونو نوع سے یکساں نسبت ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں۔ جو ایک نوع کو دوسرے پر ترجیح دے یا اس کا نفس ایک نوع کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو لازم آتا ہے کہ جب تک کوئی خارجی مرجح نہ پایا جائے ان میں سے کسی نوع کا وجود متحقق نہ ہو۔ اور اگر فرض کریں کہ دو ایسی چیزیں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک احد النوعین کے لئے مرجح ہے اور دوسری دوسرے نوع کے لئے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو دونو مرجح مساوی اور یکساں

Marfat.com

ہیں۔ یا ان میں سے ایک غالب ہے۔ اگر دونو مساوی اور یکساں ہوں تو لازم آئیگا۔ کہ اعتقادات اور ارادات حقہ اور باطلہ میں سے کسی نوع کا وجود متحقق نہ ہو۔ اور یہ بداہت کے خلاف ہے بداہتہً معلوم ہے کہ جب کسی شخص پر یہ بات پیش کی جائے کہ وہ حق کا اعتقاد رکھے زبان سے سچی بات کہے اور اپنی نافع اور مفید چیزوں کا ارادہ کرے اور یہ بات بھی پیش کی جائے کہ باطل کا اعتقاد رکھے۔ جھوٹ بولے اور اپنی مضر چیزوں کا ارادہ کرے۔ تو وہ اپنی فطرت سے پہلی بات کو اختیار کرے گا۔ اور دوسری سے اس کو طبعاً کراہت اور نفرت ہوگی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ فطرت انسانی ایک ایسی قوت ہے جو حق کے اعتقاد اور خیر کے ارادہ کو مقتضی ہے اور اس وقت ہم یوں کہتے ہیں۔ کہ اپنے پیدا کرنے والے اور خالق کا اقرار۔ اس کی معرفت۔ محبت۔ اس کے ساتھ ایمان لانا۔ اس کی تعظیم اور اخلاص نوع اول میں داخل یا کہ نوع ثانی میں شامل ہیں۔ دوسرے نوع میں سے ان کو شمار کرنا ظاہراً باطل اور غلط ہے پس ثابت ہوا کہ یہ امور اعتقادات حقہ اور ارادات خیر میں سے ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے۔ جو کہ حق تعالٰے کی محبت۔ اس کی معرفت۔ اس کے ساتھ ایمان لانے اور اس کے پسندیدہ اور مرضیات کاموں کے ساتھ اس کی طرف وسیلہ پکڑنے کو مقتضی ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے اعمال کے ساتھ جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہیں۔ ان کی عبادت کرنا اس کے بندوں کے لئے باعث کمال ہے۔ یا اس کے ساتھ شرک کرنا ان کے لئے موجب سعادت و کامیابی ہے۔ شرک کا موجب کمال و سعادت ہونا بالکل ظاہراً باطل ہے۔ پس متعین ہوا کہ اس کی عبادت بندوں کے لئے باعث کمال ہے اور ضروری ہے کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہو۔ جو اللہ سبحانہ کی توحید۔

Marfat.com

الوہیت اور تعظیم کی مقتضی ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فطرت کے لحاظ سے ملت حنیفیہ (توحید) جو اللہ تعالےٰ کا مقرر کردہ دین ہے۔ اور اس کے سوا اس نے کوئی دین مشروع و مقرر نہیں فرمایا۔ دوسرے باطل ادیان کے ساتھ مساوی اور متماثل ہے یا ان سے افضل اور راجح یا ان سے کمتر اور مرجوح پہلی اور تیسری شق تو یقیناً باطل ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو ملت حنیفیہ کو دوسرے ادیان پر ترجیح دیتی ہے۔ اور یہ محال اور ناجائز ہے کہ اس ملت اور دوسرے ادیان کو فطرت سے یکساں نسبت ہو۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو حق تعالےٰ کی معرفت کی طلب اور اس کی محبت کی مقتضی ہے۔ اور یہ قوت ماں باپ وغیرہ کی تعلیم کے بغیر فطرت میں مرکوز اور حاصل ہے۔ بلکہ اگر فرض کریں کہ کسی آدمی نے صرف اکیلے پرورش پائی۔ پھر اسی تنہائی کی حالت میں اسے عقل و تمیز حاصل ہوا۔ تو وہ اپنے نفس کو حق تعالےٰ کی معرفت اور اس کی محبت کی طرف مائل اور اس کی ضد سے منفر دپائیگا۔ جیسا کہ بچہ اپنے ابتدائی تمیز و شعور میں اس بات کو سمجھتا ہے کہ حادث چیز کے لئے کوئی محدث ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص لڑکے کی پیٹھ کی طرف اسے طمانچہ مارے تو وہ گردن موڑ کر دیکھتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس ضرب کے لئے کوئی ضارب ضرور ہے۔ اور جب اسے معلوم کر لیتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص ضارب سے اس کا قصاص لے۔ اور قصاص لینے کے بعد خاموش ہو جاتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ صانع کا اقرار جس کو دوسرے لفظوں میں توحید کہا جاتا ہے۔ اور قصاص کی محبت جسے عدل کہتے ہیں۔ بچے کی فطرت میں مرکوز ہے۔ اور جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ تو اس

Marfat.com

سے معلوم ہوا کہ نفس فطرت بغیر کسی تعلیم و تلقین اور ترغیب کے اللہ سبحانہ کی معرفت۔ اس کی محبت۔ اجلال تعظیم اور اس کے سامنے اظہار عجز کو مقتضی ہے اگرچہ ہر ایک شخص کی فطرت ان اشیاء کے حاصل کرنے میں مستقل نہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے اسباب کے محتاج ہیں۔ جو فطرت کے لئے معین اور تقویت دینے والے ہوں۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس قسم کے اسباب فطرت میں وہ چیزیں پیدا نہیں کر سکتے۔ جو اس میں موجود نہ ہوں۔ بلکہ یہ اسباب فطرت کے لئے معین۔ مقوی اور مذکر ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے حق تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو اس کے انعام کی خوشخبری سناتے اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہوئے لوگوں کو فطرت کے موجب اور مقتضا کی طرف بلاتے ہیں۔ اور جب کوئی ایسا امر موجود نہ ہو جو فطرت کو اپنے مقتضی سے منع کرے تو وہ انبیاء کی دعوت کو ضرور لبیک کہے۔ اور ان کی ہدایت کی پیروی اختیار کرے جس طرح کہ کوئی شخص بھوکے یا پیاسے آدمی کو کھانے یا پینے کی کسی ایسی نافع اور لذیذ چیز کی طرف بلائے۔ جس کے استعمال سے اسے کوئی ضرر نہ ہو۔ اور نہ اس سے اس کی قیمت طلب کرے۔ تو اس صورت میں اگر کوئی مانع موجود نہ ہوا۔ تو وہ ضرور اس کی دعوت کو قبول کریگا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم کو بداہتہً معلوم ہے کہ بچے کو پیدا ہونے کے وقت دین کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں اس کی نسبت کوئی ارادہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب اس میں قوت علمیہ اور ارادہ موجود ہو جاتے ہیں۔ تو اسی وقت فطرت کی قوت اور ضعف کے مطابق اس میں اپنے رب کی معرفت اور محبت بھی حاصل اور موجود ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ بچوں کی حالت کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں تمیز کے کمال اور ضعف کے لحاظ سے مفید اور نافع چیز دل

Marfat.com

کے حاصل کرنے اور مضر اور مخالف چیزوں کے دفع کرنے کی محبت تدریجاً پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض خدا تعالےٰ کی معرفت اور محبت اور دوسری نافع چیزوں کے حاصل کرنے کی محبت اور موذی اشیا کے دفع کرنے کا شوق بچے کی نشوونما کے ساتھ آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ فطرت میں اس سے زائد کے قبول کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ یعنی درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بعض فطرتوں کو مختلف قسم کے موانع پیش آجاتے ہیں۔ جو ان کے ادراک کے موجب و مقتضی میں حاجب اور حائل ہو جاتے ہیں:

چھٹی وجہ یہ ہے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نفوس انسانی کے لیے جب کوئی معلم اور تلقین کرنے والا موجود ہو تو اس کی تعلیم و تلقین کے مطابق ان میں علوم اور ارادات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہر ایک نفس خدا تعالےٰ کی معرفت اور ارادہ خیر کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور صرف تعلیم سے قابلیت حاصل نہیں ہوتی۔ پس اگر نفس میں ایسی قوت موجود نہ ہو جو اس کی قابل ہے۔ تو نفس اس کو کبھی قبول نہ کرسکے۔ کیونکہ اس کے حصول کے لیے چند شرائط ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ نفس میں اس کی استعداد اور اس کے حصول کے لئے ہیو اور آمادگی پائی جائے۔ اور یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کے اسباب اور اضداد کو نفس کی طرف یکساں نسبت ہو:

ساتویں وجہ یہ ہے کہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ انسان احساس۔ حرکت ارادیہ اور جنس شعور میں دوسرے حیوانات کے ساتھ شریک ہے اور بعضے حیوانات ایسے بھی ہیں۔ جو احساس۔ حیاتی اور شعور میں انسان سے زیادہ قومی اور مضبوط ہیں۔ مگر جن چیزوں کی انسان قابلیت رکھتا ہے۔ اس سے وہ بے بہرہ ہیں۔ انسان حق تعالےٰ کی معرفت اور اس کے ارادہ کے قابل ہے۔ دوسرے کسی حیوان میں یہ قابلیت موجود نہیں۔ پس اگر اس کی فطرت اور نفس ناطقہ میں وہ قوت موجود نہ ہو

Marfat.com

جو دوسرے حیوانات کے سوا انسان کے ساتھ خاص ہے۔ اور جس کی وجہ سے وہ حق تعالےٰ کو پہچانتا اور نیک کاموں کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کے نہ ہونے میں انسان اور دوسرے حیوانات یکساں ہونگے۔ اور اس وقت دو محال باتوں میں سے ایک بات ضرور لازم آئے گی۔ یا تو دوسرے حیوانات کی طرح انسان میں بھی حق تعالےٰ کی معرفت اور نیک کاموں کا ارادہ موجود نہ ہو۔ یا جس طرح انسان کے لئے حاصل ہے۔ اسی طرح دوسرے حیوانات کے لئے بھی حاصل اور موجود ہو۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اگر فطرت اور نفس ناطقہ میں ایسی قوت موجود نہ ہو جو معرفت اور ارادہ کی مقتضی ہے۔ تو انسان کو یہ معرفت اور ارادہ حاصل نہ ہو۔ اور اگر اس معرفت اور ارادہ کے حصول کے لئے فطرت میں کوئی قوت اور مقتضی موجود نہیں۔ تو پھر جمادات اور دوسرے حیوانات کے لئے بھی اس کا حصول ممکن اور جائز ہوگا۔ مگر خالق نے صرف فطرت انسانی کو اس قابلیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں وہ قوت موجود ہے۔ جو دوسرے حیوانات میں موجود نہیں۔ اور وہ معرفت اور ارادہ کے قابل ہے ؛؛

چنانچہ آٹھویں وجہ اس کی توضیح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر حق تعالےٰ کی معرفت اور ارادہ خیر کا سبب صرف تعلیم ہو۔ اور فطرت انسانی میں کوئی ایسی قوت موجود نہ ہو جو اس کے لئے قابل ہے تو جمادات اور حیوانات میں بھی معرفت اور ارادہ حاصل ہونے ضروری ہیں۔ کیونکہ انسان اور دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں ان کے حاصل ہونے کا سبب ایک ہے۔ اور انسان میں کوئی ایسی قوت موجود نہیں جس کی وجہ سے انسان اس کے لئے قابل و مستعد ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے حیوانات کے سوا بالخصوص انسان میں ان کے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فطرت انسانی میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو ان کے لئے قابل ہے۔ اور دوسری چیزوں میں یہ قوت موجود نہیں ؛؛

نانویں وجہ یہ ہے۔ کہ اس معرفت اور ارادہ کا معدوم محض میں حاصل

Marfat.com

ہونا محال ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کے لئے کوئی محل موجود ہو۔ اور محل موجود غیر قابل میں بھی ان کا حصول ناممکن ہے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ محل میں ان کے حصول کی قابلیت موجود ہو۔ اور نیز محل قابل کو فاعل کی مدد کی ضرورت ہے اگر فاعل کی امداد منقطع ہو جائے۔ تو محل قابل ان کو قبول نہیں کر سکتا۔ غرض محل کا وجود اس کی استعداد اور فاعل کی امداد یہ سب چیزیں مقبول کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ اور اللہ خلائق علیہم ہی موجد معد اور ممد ہے ؛

دسویں وجہ یہ ہے کہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ نفس بذات خود اپنے لئے علم اور ارادہ کے حصول کا موجب نہیں بلکہ اس میں ایک ایسی قوت موجود ہے جس کی وجہ سے علم اور ارادہ کو قبول کرتا ہے اور اس قوت کی معطی خود وہی قوت نہیں ہو سکتی۔ اور وہ قوت کسی دوسری قوت پر موقوف ہے۔ ورنہ تسلسل یا دوام لازم آئیگا۔ اور یہ دونو محال ہیں۔ پس یہاں تین چیزیں ہیں۔ ایک قوت قابلہ کا وجود۔ دوسری یہ کہ اس قوت قابلہ کو پیدا کرنے والی خود اس قوت کی ذات نہیں۔ تیسری یہ کہ یہ قوت کسی دوسری قوت پر موقوف نہیں۔ پس ضروری ہوا۔ کہ نفس کے خالق نے اس کو ایک قوت پر پیدا کر دیا ہے۔ کہ جس کے سبب وہ علم اور ارادہ کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور یہ بات بداہتہً معلوم ہے کہ علم و ارادہ اور ان کی اضداد کو اس قوت کی طرف یکساں نسبت نہیں ؛

گیارہویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالے کی معرفت اور محبت کا حصول کسی خارجی سبب پر موقوف ہے۔ تو اس سبب کے حاصل ہونے کے وقت ان کا حصول فطرت کے نزدیک راجح اور محبوب ہوتا ہے۔ پس یہ ترجیح اور محبت فطرت میں مرکوز ہیں ؛

بارہویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں۔ کہ کوئی خارجی چیز فطرت کے لئے مفسد یا اس کی مصلح موجود نہیں۔ تو فطرت ضرور مصلح کے ارادہ اور ماسوا اس کی ترجیح کی مقتضی ہوگی۔ اور جب کہ مقتضی موجود اور مانع مفقود ہو تو اس کے اثر کا حاصل ہونا ضروری

Marfat.com

ہے۔ کیونکہ اثر کا تخلف اور موجود نہ ہوتا یا مقتضی کے عدم یا مانع کے وجود کے باعث ہوتا ہے۔ اور جب مانع موجود نہیں۔ اور مقتضی معارض اور متقادم چیزوں سے سالم ہے تو اس کا اثر ضرور موجود ہوگا ۔

تیرھویں وجہ یہ ہے کہ وہ سبب جو حق تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی محبت اور اخلاص کے لئے فطرت میں موجود ہے۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ان چیزوں کو مستلزم ہو۔ دوم یہ کہ مستلزم نہیں۔ لیکن ان کے لئے مقتضی ہے مگر یہ تو جائز نہیں۔ کہ اس کا ان میں کسی قسم کا اثر نہ ہو۔ اور دونوں صورتوں میں اس کا اثر ضرور مترتب ہوگا۔ پہلی صورت میں اکیلے سبب جو مترتب ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کے منضم ہونے سے اس پر اثر ضرور مترتب ہوگا ۔

چودھویں وجہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ شعور اور ارادہ سے خالی نہیں۔ بلکہ نفس ناطقہ کا شعور ارادہ سے خالی ہونا محال ہے۔ کیونکہ شعور اور ارادہ نفس ناطقہ کی حقیقت کے لوازم میں سے ہے۔ پس یہ ممکن نہیں کہ یہ شعور اور ارادہ کے بغیر موجود ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ نفس کہ شعور اور ارادہ جس کی حقیقت کے لوازم میں سے ہے اپنے خالق کی ہستی کے شعور۔ اس کی محبت اور ارادہ سے خالی ہو۔ اور اپنے خالق ہستی کا اقرار اور اس کی محبت اس کی ذات کے لوازم میں سے نہ ہو۔ کیونکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ اس لئے کہ بضرورت فطرت نفس کے لئے مطلوب و مراد ثابت ہے اور اس کا صاحب ارادہ ہوتا اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے۔ کیونکہ اس میں حیات ہے۔ اور جس چیز میں حیات ہو وہ ذی شعور اور متحرک بالارادہ ہوتی ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ نفس صاحب ارادہ ہے۔ اور ہر ایک صاحب ارادہ کے لیے مراد کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا نفس کے لئے بھی مطلوب و مراد کا ہونا ضروری ہے اور مراد اور مطلوب کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی چیز بذات خود مطلوب اور مراد ہو۔ دوم یہ کہ کسی دوسری چیز کے لئے مطلوب و مراد ہو۔ اور علل غائیہ میں تسلسل کے قطع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مراد وغیرہ کا سلسلہ مراد لنفسہ پر ختم

Marfat.com

ہو جائے۔ کیونکہ جس طرح علل فاعلیہ میں تسلسل محال ہے۔ اسی طرح علل غائیہ میں بھی تسلسل باطل اور ناجائز ہے۔ اس تمام تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کے لئے ایک مطلوب اور مراد لنفسہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ اللہ خالق کی ذات مقدس ہے۔ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ نفوس اس کی پرستش کرتے قلوب اس سے محبت رکھتے۔ فطرتیں اس کو پہچانتی اور عقول اس کی ہستی کا اقرار کرتے اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ ان کا رب۔ مالک اور پیدا کرنے والا ہے۔ غرض ہر ایک شخص کے لئے ایسے معبود کا ہونا ضروری ہے جس کی وہ پرستش کرے اور ایسے بے نیاز مالک کی ضرورت ہے۔ جس سے اپنی حاجات طلب کرے۔ اور سب بندے الٰہ الحق کی محبت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اور بالبداہتہ معلوم ہے کہ الٰہ الحق کے سوا کسی اور دوسرے کی پرستش پر پیدا نہیں کیے گئے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ ایک خدا کی پرستش و عبادت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر اپنی فطرت پر چھوڑے جائیں۔ تو الٰہ الحق کے سوا کسی کی پرستش کرے۔ اور نہ کسی کو اپنا معبود سمجھے۔

چنانچہ پندرہویں وجہ اس کی توضیح کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ فطرت کا الٰہ معبود کی پرستش فطرت و عبادت سے خالی ہونا محال ہے اور یہ بھی محال ہے کہ الٰہ الحق کے سوا کسی دوسرے کی عبادت و پرستش اور اس کے چند وجوہات اول یہ کہ فطرت کا الٰہ الحق کے سوا کسی دوسرے کی پرستش کرنا واقع اور نفس الامر کے خلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی ایک مخلوق چیز کے باقی مخلوقات کے لئے معبود تصور کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ ایک مخلوق چیز میں کوئی ایسی وجہ موجود نہیں کہ وہ معبود ہو۔ اور دوسری مخلوق چیزیں اس کی عابد و پرستار ہوں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین ایک معبود پر متفق نہیں۔ بلکہ جس جماعت کو جو چیز خوبصورت معلوم ہوئی۔ وہ اسی کی پوجا کرنے لگی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق جس کی لوگ فطرۃً پرستش کریں۔ اگر مردہ ہو تو یہ امر محال ہے

Marfat.com

زندہ جو مردہ سے اکمل ہے۔ اس کو چھوڑ کر لوگ مردہ کی عبادت پر مقطور ہوں اور اگر زندہ ہو تو وہ بھی صاحب ارادہ ہوگا۔ اور جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کے لیے بھی کوئی معبود ضرور ہوگا۔ اور اس طرح یا دور لازم آئیگا۔ یا تسلسل اور یہ دونوں محال ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ سب مخلوق کے لیے ایک معبود ہے جس کی سب پرستش کرتے ہیں۔ اور وہ کسی کی پرستش نہیں کرتا۔ اور یہ دلیل نہایت قطعی اور بدیہہ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس دلیل سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک زندہ مخلوق کے لیے کوئی نہ کوئی معبود ضروری ہے۔ پس جائز ہے کہ نفس کا مطلوب مطلق معبود ہو الہ معین کا ہونا کوئی ضروری نہیں ؛ چنانچہ فرقہ وحدت وجودیہ اسی بات کے قائل ہیں تو اس کا جواب

سولھویں وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شے مطلوب اور مراد کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ شے مطلوب کی نوع مطلوب اور مراد ہو۔ دوسری یہ کہ اس کا شخص معین مطلوب ہو پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً پیاسا۔ بھوکا اور ننگا آدمی پینے۔ کھانے اور پہننے کی چیز کی نوع کا محتاج ہے اور اس کا یہ مطلوب ہے کہ اس نوع کی کوئی چیز میسر ہو جس سے وہ اپنی حاجت روائی کرے۔ اور ایسا شخص ان انواع میں سے جب کوئی معین فرد ارادہ کریگا۔ تو وہ معین چیز افراد کے درمیان قدر مشترک ہوگی۔ اور قدر مشترک ایک مفہوم کلی ہے خارج میں اس کا وجود متحقق نہیں۔ لہذا اس کا لذاتہ مراد ہونا محال ہے۔ کیونکہ جو چیز لذاتہ مراد ہو۔ وہ ضرور معین ہوتی ہے۔ اور دو فردوں کے درمیان اس کا موجود ہونا بھی محال ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا لذاتہ مراد ہونا اس کے لذاتہ مراد ہونے کے منافی اور مخالف ہے۔ کیونکہ لذاتہ مراد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تنہا ایک چیز اپنی ذات خاص کے لحاظ سے مراد ہو۔ اور کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ مراد نہ ہو۔ جب یہ معلوم ہو چکا۔ تو اب ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر نوع کے تمام افراد یا دو فرد کے درمیان بلا اشتراک مراد لذاتہ ہو تو لازم آئیگا۔ کہ ان

Marfat.com

میں سے کوئی فرد اپنی ذات خاص کی وجہ سے مراد لذاتہ نہ ہوگا۔ اور خارج میں ذات خاص موجود ہے نہ کہ کلی اور قدر مشترک جس سے یہ نتیجہ نکلا اگر تالہ اور عبادت کا تعلق قدر مشترک سے ہو تو مخلوق کا الٰہ موجود فی الخارج نہ ہوگا۔ بلکہ اس بنا پر الٰہ کا وجود صرف ذہن ہی میں ہوگا۔ وحدت وجودیہ اور جہمیہ فرقے ایسے ذہنی معبود کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ کا وجود عالم کے اندر یا عالم سے باہر کہیں متحقق نہیں بلکہ ان کا خدا محض ایک فرضی خدا ہے جس طرح کہ عقل دوسرے محالات کو فرض کر لیتی ہے۔ اسی طرح الٰہ کا وجود بھی ان کے نزدیک محض فرضی اور ذہنی ہے۔ طرفہ یہ کہ ایسے فرضی خدا کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ممکن الوجود بھی نہیں چہ جائیکہ واجب الوجود ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہمیہ اور ان کے بھائی جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی ایسا الٰہ معین موجود فی الخارج نہیں۔ جس کی وہ عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔ بلکہ وحدت وجودیہ وجود مطلق کلی کی پرستش کرتے اور جہمیہ معدوم ممتنع الوجود کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے پیرو ہیں۔ ان کا معبود وہ اللہ تعالےٰ ہے۔ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ جس نے زمین اور آسمان بنائے ہیں۔ اس کا اسم رحمٰن ہے۔ عرش پر مستوی ہے۔ آسمانوں زمین اور ان کے بیچ میں اور زمین کے نیچے جتنی چیزیں ہیں۔ سب کا وہی مالک ہے۔ اگر تو اس کو آواز سے پکارے تو وہ اسرار اور پوشیدہ باتیں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں۔ وہ اللہ جس نے دلوں کو اپنی محبت، اپنی ہستی کے اقرار۔ اپنی تعظیم۔ اجلال۔ صفات کمال کے اثبات اور نقائص اور عیوب سے اپنی تنزیہ کرنے پر پیدا کیا ہے۔ اور نیز ان کو اس بات پر مفطور کیا ہے کہ الٰہ حق آسمانوں کے اوپر اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ بندوں کے اعمال وقتاً فوقتاً اس کی طرف جاتے اور بندے

Marfat.com

اپنی دعاؤں میں اس کی جانب ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اور اپنے اوپر کا خوف رکھتے اور اس کی اس رحمت کا امیدوار رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالے کی بارگاہ سے ان کی طرف نازل ہو۔ ان کی ہمتیں اس کے عرش کی طرف جاتی ہیں۔ جو اس الٰہ عظیم کو جو عرش پر مستوی اور اپنی خلق پر مستولی ہے۔ طلب کرتی ہیں۔ حق تعالےٰ آسمان سے زمین تک تدبیر فرماتا ہے۔ اس دن میں کہ جس کی مقدار دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگی۔ سب کچھ اس کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر سب باتوں کا عالم ہے۔ وہ صاحب عزت و رحمت ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب حسیات میں جو کہ اذہان سے خارج ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جو لذاتہ مراد ہو۔ نوان میں سے کوئی چیز پرستش اور عبادت کے لائق اور مستحق نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ ان میں کوئی ایسی چیز موجود ہو۔ کہ جس کی پرستش ہر ایک پر ضروری اور واجب ہو۔ پس ثابت ہوا کہ ایک معبود معین کا وجود ضروری ہے۔ جو کہ مخلوق کا محبوب اور لذاتہ مراد و مطلوب ہو اور یہ جائز نہیں۔ کہ ایسا معبود آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا شخص ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آسمانوں اور زمین میں دو خدا ہوتے تو ان کے انتظام کا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔ اور ثابت ہوا کہ ہر ایک بچہ حق تعالےٰ کی محبت۔ معرفت اور اس کے اجلال و تعظیم پر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے مدعی کے ثبوت کے لئے صرف ایک یہ دلیل ہی کافی ہے اور توفیق اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل کا ترجمہ ختم ہوا ؛ فقط

## ختم شد

Marfat.com

Marfat.com

SHAHBAZ PUBLISHERS LAHORE

ہماری کتابیں

معیاری کتابیں

شہباز پبلشرز

Marfat.com